

234212

52





۱۲۶۲

۳۳۰  
۱-۵

# آئینہ پنجاب

یعنی

## پنجاب کی دولت اور خوشحالی

مصنفہ

ایچ۔ کیلورٹ۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ سی۔ آئی۔ آئی۔

جسے

## پنجاب کو اپریٹوین لائونگ

شائع کیا

دکن پبلشرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ





# آئینہ پنجاب

یعنی

## پنجاب کی دولت اور خوشحالی

آئینہ پنجاب اقتصادیات دیہات پنجاب کے باب میں ایک للا جواب کتاب ہے۔ اس تصنیف کے متعلق صرف یہ کہہ دینا ہر لحاظ سے کافی ہے کہ اس کے مصنف امداد باہمی کے یگانہ روزگار اور تحریک کے عدم امثال معاون و مدد ایچ کیلورٹ آئی۔ سی۔ ایس۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ہیں۔ پنجاب کو آپریٹو یونین لاہور نے اس کے ترجمے کا اہتمام کیا۔ مترجم نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی کہ کتاب کے مطالب و مقاصد واضح ہو جائیں۔ یونین نے اس کے ترجمہ کتابت اور طباعت پر زبرد کثیر صرف کیا ہے۔ ضرورت فقط یہ ہے کہ پنجاب کا کوئی کو آپریٹو ایسا نہ ہو جس کے ہاتھ میں کیلورٹ صاحب کی یہ کتاب نہ پہنچ جائے۔ کج جو پنجاب کے امداد باہمی کا تیرہ تصور کیا جاتا ہے، اُس کیلئے اس کی گردن سب سے زیادہ جس کریم النفس جس فاضل جس مخدوم پنجاب کے احسانات کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اکھنڈ نامی اور اسم گرامی مٹرا ایچ کیلورٹ ہے۔ یہ نام ہر حامی تحریک اصرار کن تحریک کے درو زبان ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی کتاب بھی ہر گوشہ میں پہنچ جائے۔ اس کے لئے ہر سوسائٹی، ہر کارکن، ہر عہدہ دار اور ہر خواہ پنجاب کو یونین کا ہاتھ بٹانا چاہتے۔



# دیباچہ

اس کتاب کو عرض اور تختہ چینی کا ہدف بنا لینا آسان ہے۔ اور یہ کہنے والے بھی نکل آئینگے کہ اس کے مطالب میں کوئی نئی چیز نہیں۔ اور اس نے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اس لئے اسے شائع کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ میں ایسے لوگوں کو لارڈ مارٹے کے ان الفاظ میں جواب دینا چاہتا ہوں۔ کہ ہم اکثر ایسی باتیں جانتے ہیں۔ جنہیں اگر از سر نو بیان کر دیا جائے۔ تو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ میں اس ضمن میں یہ صاف صاف کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ میں نے یہ کتاب محض اس لئے لکھی ہے کہ اس موضوع پر کوئی دوسری کتاب موجود نہیں۔ بعض ایسے معترض بھی ہونگے۔ جو اس کتاب کے مطالب کو اپنے لئے بالکل نیا پائیں گے۔ اور ان کے نزدیک ان کی صحت محل نظر ہوگی۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ اس کتاب میں جا بجا میں نے سجدہ امکان حوالے دیئے ہیں۔ ان حوالوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد آپ بھی اس امر میں میرے پخیال ہو جائینگے۔ کہ اگر پنجاب کو ان اقتصادی فوائد سے بہرہ ور کرنا مقصود ہے۔ جو قدرت نے اس کیلئے مستقبل کے کپورہ میں پنہاں کر رکھے ہیں۔ تو اس غرض کے لئے اس صوبہ کے اقتصادی حالات کا گہرا مطالعہ ہیچ ضروری ہے۔

مجھے ابھی انجمن ہائے امداد بابہی کی حربہ شکاری کے عہدہ پر متعین ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ میں نے مجھ لیا۔ کہ اس مضمون کو دیہاتی اقتصادیات کی ایک اہم شاخ تصور کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ جب میں نے اس امر پر غور کیا۔ کہ آج کل متمدن ممالک میں انجمن ہائے امداد بابہی کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ تو میں نے ان تمام ممالک کے حالات

کا مطالعہ کیا۔ جن کا دار و مدار پنجاب کی طرح زراعت پر ہے۔ چونکہ بعض مسائل جو آج اس صوبہ میں زیر غور ہیں۔ یا غور و فکر کے محتاج ہیں۔ دوسرے زرعی ممالک کے اقتصادی حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے مجھے خیال گذرا کہ اگر مقامی حالات و ضروریات کو مد نظر رکھ کر اس صوبہ کے لوگوں کو بعض موٹی موٹی باتیں بتادی جائیں تو شاید اس سے کسی قدر فائدہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس کتاب میں اقتصادیات کے عام مسائل اس طریق اور اسلوب سے بیان کر دیئے ہیں۔ کہ وہ پنجاب کے حالات پر پوری طرح منطبق ہو سکتے ہیں۔ آج کل جبکہ اس ملک میں ایک نئے نظام حکومت کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اس صوبہ کے نظم و نسق کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے منتخب کئے گئے ہیں زرعی اقتصادیات کا علم عملی طور پر حاصل کریں۔ کیونکہ تعلیم یافتہ لوگوں کا مفاد اولین توجہ کا مستحق نہیں۔ بلکہ یہ حق اولیت زراعت پیشہ لوگوں کو پہنچتا ہے۔ جن پر آبادی کا بیشتر حصہ مشتمل ہے خواہ دیہات کے باشندے حکومت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیں یا پیشہ ور قانون دانوں کے ہاتھ میں زمام حکومت رہنے دیں بہر حال حکومت ایسی ضرور ہونی چاہئے جسے دیہات کے باشندے گوارا کر سکیں۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کیجا چکی ہے کہ شہر کے باشندے خواہ انہیں دیہات سے شہر میں آئے ایک ہی پشت کیوں نہ ہوں ہو۔ زراعتی مسائل سے ناقابل بیان بے رخی اور بے التفاتی برتتے ہیں۔ لیکن قدرت نے شہر کے باشندوں کو اس قدر عقل و فہم کا سرمایہ دار بنایا ہے۔ کہ انہیں جن مواقع محدود چار ہونے کا اتفاق ہو اُن سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مزید براں صوبہ کی کونسل کے ارکان بھی

یہاں شہر کے باشندوں کا ذکر کرنے سے ہرگز ہمارا یہ مقصود نہیں۔ کہ پنجاب کے شہروں کے باشندوں پر خصوصیت سے حملہ کر رہے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ شہر کے باشندوں کی یہ نمایاں خصوصیت ہے۔ کہ انہیں دیہاتی مسائل کا مطالعہ کرنے کیلئے وقت نہیں ملتا۔ مگر اے کالٹ نے جولائی ۱۹۲۰ء کے کانپٹری ریویو میں ایک مضمون بعنوان "ملک میں گہیوں کی بہر ساری" لکھا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"دیہاتی مسائل سے اس ملک کے اکثر باشندگان کی بخیر اور چالاکانہ متنبہ رہی ہوئی ہے کہ غاصل اور اہم توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔"

شہر کے باشندوں میں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر دیہات کے مسائل کی جانب اُن کی توجہ منقطع کرانے کی کوشش کی جائے۔ تو یہ کوشش کسی شرح و مفیدیت کی محتاج نہیں ہوگی۔ جب تک شہر کے باشندے کے پاس دیہات کے اقتصادی حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ وہ باسانی یہ عند پیش کر سکتا ہے۔ کہ دیہاتی مسائل سے بے خبر ہونے کے باعث وہ اُن میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔ اگر یہ کتاب دیہات کے معاملات کی جانب اس کی توجہ مبذول کرانے میں مفید ثابت ہو۔ تو اس کے مفید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کتاب کا مطالعہ کسی شخص کو جو مجھ سے زیادہ استعداد رکھتا ہو۔ ایک زیادہ گرانمایہ اور قابل قدر کتاب لکھنے پر آمادہ کر دے۔ تو میں سمجھوں گا۔ کہ میری آرزو پوری ہو گئی۔

## یورپ تجربہ گاہ ہے

یہ بالکل صحیح ہے، کہ یورپ ہندوؤں سے ایک بہت بڑی معاشرتی تجربہ گاہ بنا ہوا ہے۔ اس تجربہ گاہ میں ہر قسم کے تجربے کئے گئے ہیں۔ اور اُن سے مفید اور غیر مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ یہ عجیب امر ہے۔ کہ جن طریقوں میں ناکامی ہو چکی ہے۔ بار بار اُن کے استعمال کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔ یہ یا تو یہ بات ہے۔ کہ ان ناکام طریقوں کو جب تک خود آزمانہ لیا جائے۔ وہ اس قدر دکھش معلوم ہوتے ہیں۔ کہ لیڈر بننے والے لوگ تاریخ کے درس عبرت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور یہ بات ہے۔ کہ یہ لوگ تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کرتے۔ دنیا میں ہر جگہ تعمیری کوشش ناپید ہے۔ اور آج دنیا کو محض تعمیری قابلیت و استعداد کی ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص میں مصیبتیں اٹھنے اور محنت کرنے کی غیر محدود قابلیت موجود ہے۔ تو امید رکھنا چاہئے۔ کہ وہ جلد اُن مسائل کو حل کرنے کی جانب توجہ کرے گا۔ جن سے بچاؤ آجکل دوچار ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا مقصد ان مسائل کا حل نہیں دے گا۔ بلکہ میں تو صرف اس قدر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ بچاؤ میں بعض مسائل ایسے ہیں، جن کی گرہ کشاؤ آج تک کسی ناخن تدبیر سے

نہیں کی۔ اور دیہاتی اقتصادیات اس نفع کے ایک حل طلب مسئلہ کا نام ہے۔ میرا عقیدہ ہے۔ کہ اگر ہم پنجاب کے اقتصادی مسائل کا حل کرنے پر اپنی تمام توجہ لگا دیں۔ تو آج جو بے اطمینانی نظر آرہی ہے۔ اس سے بہت حد تک نجات حاصل ہو جائیگی۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پنجاب میں جو مسائل عقدہ کشائی کے محتاج ہیں۔ وہ دوسرے زرعی ممالک مثلاً ہسپانیہ۔ اطالیہ۔ یونان اور سویٹزرلینڈ وغیرہ جیسے ممالک میں بھی موجود ہیں۔ جہاں حکومت خود بخاری قائم ہے۔ تو یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔ کہ ان حل طلب مسائل کی ذمہ داری اس صوبہ کے نظام حکومت پر عاید نہیں ہوتی۔ بلکہ ان مسائل کو بعض ایسے اسباب نے پیدا کر دیا ہے۔ جو پنجاب اور یورپ کے زراعتی ملکوں میں یکساں موجود ہیں۔ میں نے زرعی ممالک کے حالات کا جس قدر مطالعہ کیا ہے۔ اُس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پنجاب بعض مختص خصوصیات رکھنے کے علاوہ ایسی خصوصیات بھی رکھتا ہے۔ جو تمام زرعی ملکوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں کے تعلیمیافتہ شہروں کی جو کیفیت ہے دوسرے ملکوں کے شہری باشندوں کی بھی بجنسہ وہی حالت ہے۔ انگلستان کے تعلیمیافتہ شہر لونڈن اگر وہ ترقی کے میدان میں صنّاعوں اور تاجروں سے بہت پیچھے ہے حالانکہ اہل صنعت اور تجارت میں بہت کم گریجویٹ ہیں۔ بلکہ وہاں تو تعلیمیافتہ لوگوں کا حصول اقتدار کی کوشش کرنا ایک خارج از بحث مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس بیویں صدی کے روشن عہد میں بھی کاروباری اشخاص کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا ہے۔ جو کالجوں کی تعلیم پر اعتقاد نہیں رکھتا۔

## سیدھے سادے لوگ ترقی

برطانیہ کو صنعت و حرفت کے جن شعبوں مثلاً جہاز سازی۔ تجارتی۔ جہاز رانی اور رونی اون۔ کوئلہ۔ فولاد وغیرہ کی صنعت میں جو غلبہ اور برتری حاصل ہے۔ اس کیلئے وہ یونیورسٹیوں کے گریجویٹوں کا شرمندہ احسان نہیں۔ پروفیسر ایلفرڈ مارشل نے صحیح کہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے برطانیہ کی صنعتی ترقی کی جانب سب سے پہلے توجہ کی۔ وہ سیدھے سادے لوگ تھے۔



اُن کے قلب میں محض ترقی کا دلولہ اور ہمدی کا جوش تھا۔ جن کی رہنمائی اُن کی فطرتی قوت  
 اور دہائی استعداد نے کی۔ یونیورسٹی کی تعلیم نے افلاس اور دولت پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ البتہ  
 اب کہیں جا کے یہ تجربہ ہو رہا ہے۔ کہ یونیورسٹی کی تعلیم سے تجارت اور صنعت و حرفت میں کیا  
 کام لیا جاسکتا ہے۔ ایک مفلس ملک کو دو لاکھ لاکھ اقبال بنانے کے لئے محض اقتصادیات  
 سے عملی طور پر فائدہ اٹھانے کی سمجھ دے رہا ہے۔ اور یہ چیز انگریزوں کو نارمن فیمندوں سے ورثہ  
 میں ملی تھی۔ لیکن اس ورثہ سے انگریزوں نے بہت دیر میں فائدہ اٹھایا۔ ۱۸۲۵ء تک  
 تو یہ کیفیت تھی۔ کہ موجودہ معیار زندگی کے مقابلہ میں انگلستان کے باشندوں کا بیشتر حصہ  
 بہت مفلس تھا۔ نہ مکان اچھے تھے۔ نہ لباس اور خوراک اچھی۔ اب بھی انگلستان کے  
 بڑے بڑے شہروں میں افلاس کا مسئلہ پنجاب سے بھی کہیں زیادہ صبر آزا (کٹن) واقع ہوا  
 ہے۔ پنجاب کئی حیثیتوں میں برطانیہ کی نسبت دو لاکھ لاکھ ہے۔ یہاں کی زمین زرخیز ہے۔ اور  
 آب و ہوا ایسی ہے۔ کہ سال بھر میں دو فصلیں ہوتی ہیں۔ اس لئے فن لینڈ اور بحیرہ روم  
 کے ساحلی ممالک یعنی پرتگال۔ ہسپانیہ۔ اطالیہ۔ یونان اور سربیا کے مقابلہ میں پنجاب کو  
 زیادہ دو لاکھ سر زمین سمجھنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن ملکوں کا دار و مدار زراعت پر ہے  
 اُن کا اس وقت تک مفلس رہنا ضروری ہے۔ جب تک لوگ امداد باہمی و میل جول اور تعلیم  
 اور سائنس کی مدد سے زمین کو پوشیدہ دولت حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔ اس موقع پر  
 بلجیم کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ بلجیم کی زمین ریتلی اور بنجر ہے۔ اور اس حیثیت سے یورپ  
 بھر میں بدترین سمجھی جاتی ہے۔ اور اگرچہ ایک ہزار سال سے اسے زرخیز بنانے کے لئے بجد  
 محنت کی جا رہی ہے۔ تاہم اب بھی یہ حالت ہے۔ کہ جب تک ایک دو مرتبہ کھاد نہ  
 ڈالی جائے۔ سال بھر میں ایک فصل بھی نہیں ہوتی۔ لیکن بلجیم کے کسان بہت اچھے  
 کاٹھنکار اور جاکش لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ درجے کی زرعی تعلیم دی جاتی ہے۔ جسکی  
 وجہ سے امداد باہمی کی تحریک اُن کے ہاں ترقی حاصل کر رہی ہے۔ اور رسل رسائل کا بھی  
 بہت اچھا انتظام ہے کیا بلجیم کے کسانوں کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی سبق موجود نہیں؟ میں نے

اوراق آئندہ میں جا بجا ان کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ جو دوسرے ذراحتی ممالک کے متعلق  
 لکھی گئی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں بار بار پنجاب کے نقائص بیان کرنا نہیں  
 چاہتا۔ دوسرے میرا خیال ہے کہ اگر دوسرے زرعی ممالک کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا جائے  
 تو اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ اگر ہم صحیح طور پر مقامی حالات بیان کرنے کے خواہشمند  
 ہیں۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے ملکوں کے حالات پر ایک نظر اس طرح ڈالی  
 جائے کہ پنجاب سے ان کا موازنہ (مقابلہ) ہو جائے۔ بد قسمتی سے دوسرے ملکوں کی طرح پنجاب  
 میں یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ شہروں میں جاتے ہیں۔ مستقبل کے  
 سودو بہبود کیلئے ہماری نگاہیں ان لوگوں پر لگی ہوئی ہیں۔ جنہیں تسلیم نے افلاس اور دولت  
 کے اسباب و ذرائع معلوم کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ امریکہ کے اہل قلم بھی اس امر کی شکایت  
 کرتے ہیں کہ شہر کے باشندے زرعی مسائل کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن شہر  
 گاؤں والوں کے التفات کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وہ تربیت یافتہ اہل دانش کا مرکز ہے۔ اور  
 گاؤں میں اس چیز کا وجود نہیں۔ گاؤں کو شہر سے جو شکایت ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔  
 کہ اول الذکر تعلیم یافتہ لوگوں کی اعانت اور ہمدردی کا محتاج ہے۔ اور تعلیم یافتہ لوگ شہر  
 میں آباد ہیں۔ بعض لوگوں نے ہمدردانہ طور پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے  
 کہ اس کتاب میں بعض دلائل ایسے بھی ہیں۔ جن کا اثر ہوگا کہ شہر کے باشندے دیہاتی  
 مسائل کی جانب توجہ کرنے کی بجائے ان سے زیادہ نفرت کرنیوالے ہو جائیں گے۔ اگر یہ صحیح ہی  
 تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت میرے دلی مقصد کے لئے نقصان رسا ثابت  
 ہوگی۔ ان ابواب میں میں نے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی ہے۔ کہ اراضی صوبہ کی  
 دولت کا ذریعہ ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔ مزید برآں ہم اس ملک میں جن مصنوعات کو دیکھنا  
 چاہتے ہیں۔ ان کے لئے خام اجناس بھی مہیا کرے گی۔ اگر اس دلیل کو صحیح تسلیم کریں  
 جائے۔ تو دیہات کے مسائل کا مطالعہ زراعت و صنعت و حرفت دونوں کی ترقی کے لئے یکساں  
 ضروری ہے۔ اور اگر تعلیم یافتہ لوگوں کو دیہاتی مسائل کے مطالعہ پر آمادہ کیا جائے۔ تو ایک عظیم الشان ترقی  
 کی پہلی منزل پر پہنچنے میں کوئی چیز ہماری سدا رہ نہیں ہوگی۔

مجھے اپنی دفتری مشغولیتوں سے جو فرصت کے اوقات ملتے رہے۔ اُن میں میں نے اس کتاب کا سالہ جمع کیا۔ اور اس کام پر سالہا صرف ہو گئے۔ قانون انتقال اراضی کے متعلق میں نے جو ابواب تحریر کئے ہیں۔ وہ بنگال الٹا نامک جنرل میں جواب بند ہو چکا ہے۔ شائع ہو چکے ہیں۔ اراضی کی قیمت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ یہ پہلے انڈین جنرل آف الٹا نامکس میں شائع ہوا تھا۔ اور میں نے اُس کے ایڈیٹر کی اجازت سے اس آرٹیکل کو زیادہ پھیلا کر لکھ دیا ہے۔ بعض باتیں میں اپنے لکچروں میں جو میں نے گزشتہ دو سال کے اندر دیئے۔ بیان کر چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض جگہ ترتیب و تسلسل موجود نہیں۔ اور بعض مباحث میں بھڑکار ہے۔ وقت کی قلت اس قدر اجازت نہیں دیتی۔ کہ میں یہ تقاضے رفع کر سکوں۔ میں تو اس کتاب کی اشاعت ملتوی کر کے اس سے بہتر کتاب شائع کرنا پسند کرتا۔ لیکن میں نے اس موضوع کو ایک بحر بیکراں پایا۔ اور جوں جوں مطالعہ کرتا گیا۔ مجھے اپنی اساسی دلیل کی تائید میں مزید شواہد دستیاب ہوتے گئے اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا۔ کہ جس قدر کتاب مرتب ہو چکی ہے۔ اسے شائع کر دیا جائے۔ میں اُن دوستوں کا شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے اسے تنقیدی نظر سے دیکھا۔ علی الخصوص مسٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ ایمرسن آئی۔ سی۔ ایس۔ سٹیلزٹ آفیسر ملتان۔ جنہوں نے کئی حصے مجھ سے از سر نو لکھوائے۔ مسٹر سی۔ سی۔ ہاروے پروفیسر تاریخ خالصہ کلچ۔ مسٹر ڈبلیو۔ رابرٹس سابق پرنسپل زراعتی کالج پنجاب وغیرہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے۔ تو وہ انہی اصحاب کی رہنمائی سے ہے۔

اس کتاب کو کوئی سرکاری حیثیت حاصل نہیں۔ ہمیں جن دلائل اور آراء کا اظہار کیا گیا ہے، انکی تمام تر ذمہ داری پھر برہائید ہوتی ہے جن مقامات پر میں نے پنجاب کے متعلق بعض واقعات بیان کیے ہیں اور کوئی حوالہ نہیں دیا۔ وہ زیادہ تر سرکاری کاغذات سے لئے گئے ہیں۔ البتہ جہاں دوسرے ملکوں کے متعلق کچھ بیان کیا گیا ہے۔ میں نے اپنی کوشش کی ہے۔ کہ جس کتاب میں میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا پورا پورا حوالہ دیا جائے۔

# تہذیب

حکومت پنجاب ہر سال اپنی انتظامی رپورٹ میں صوبہ کی علمی اور ادبی حالت کے متعلق ایک مختصر سانوٹ شائع کرتی ہے۔ خدا جانے کیا وجہ ہے کہ کبھی کسی شخص نے علم و فن کے مختلف شعبوں سے اس نوٹ کا مقابلہ کر کے نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کوئی شخص یہ کوشش کرتا۔ تو اسے معلوم ہو جاتا۔ کہ جہاں پنجاب میں مذہب سیاسیات شغل ہر وادعزویں اور بہادروں کے عاشقانہ قصوں کے متعلق بیسیوں کتابیں شائع ہوتی ہیں وہاں ان اقتصادی مسائل پر جو آج پانچ دریاؤں کی سر زمین کے باشندوں کو پیش ہیں۔ ایک کتاب بھی نظر نہیں آتی۔ طالب علم کو ایک اچھی لائبریری میں تمام ممالک عالم کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ دنیا درحقیقت اتنی بڑی نہیں لیکن اس کی نسبت عام طور پر لوگوں کے معلومات بہت محدود واقع ہوئے ہیں۔ آج ہر ملک میں زراعت کو علم و فن کے تمام شعبوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لیکن لطف یہ ہے۔ کہ ہر ملک میں یہ حکایت عام ہے۔ کہ اگر لوگ اپنی معلومات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ تو ملک زیادہ زرخیز و زریز بن سکتا ہے۔ عروج و کامرانی کی شاہ راہ پر ملکوں کی ترقی کے مارج مختلف ہیں۔ سب ملکوں پر افلاس کا ایک دور گزر چکا ہے۔ اکثر ممالک ابھی تک افلاس کی تنگنائی سے نہیں نکلے چند ملکوں نے سائنس کی ایجادات میں ترقی کی ہے۔ اور کسی قدر اقبال و عروج حاصل کر لیا ہے۔ لیکن ان ممالک کے باشندوں کی نگاہ میں یہ ترقی چنداں زیادہ نہیں۔ اور اس راہ کے دوسرے مافروں یعنی دوسرے ممالک کے باشندوں کی یہ کیفیت ہے۔ کہ وہ اس قدر کو بھی رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج ایک تنہا شخص جو سرمایہ سائنس۔ کسی دانشمندانہ اور جرأت و ہمت کی اعانت کے بغیر زندگی کے میدان میں کود پڑتا

اتنا بھی نہیں کما سکتا۔ کہ اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پال سکے۔ اس صوبہ کے باشندے بھی  
 اس عقدہ لائچل سے دوچار ہو رہے ہیں۔ یہ ماننا چاہیگا کہ ملک کی دولت کسان کے بازوؤں  
 کی شرمندہ احسان ہے۔ کسانوں کے سوا بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ملک کی پیداوار میں اضافہ  
 کر سکیں۔ اور یہ بھی مسئلہ امر ہے۔ کہ انسان کو کھانے کے بغیر چارہ نہیں۔ پیٹ بھرنے کے لئے  
 خوراک ضروری ہے۔ اور اگر انسان زندہ رہنا چاہتا ہے۔ تو اسے خوراک ہم پہنچانی پڑے گی۔  
 گو یا خوراک زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ لیکن لطف تو یہ ہے کہ خوراک ہم پہنچانے کا کام  
 جاہل اور نادانی درجہ کے لوگوں کے سپرد ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ صرف اس فن سے بے خبر ہی نہیں  
 بلکہ وہ اس پیشہ کو اپنے مفاد و شان کے منافی سمجھتے ہیں۔ اس صوبہ میں نوع انسان کی اس  
 اہم ترین ضرورت کی جانب جتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات نے توجہ فرمائی ہے۔ اُن کی تعداد اچھلی  
 پرگنی جاسکتی ہے۔ ذات پات کا مسئلہ اس راہ میں ایک بڑا عجزاری پتھر ہے۔ اور اس کے ہمگیر  
 اثر کی بدولت ملک کی اقتصادیات کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ خوراک ہم پہنچانے کے لئے  
 جہلمانی مشقت کی ضرورت ہے۔ اور اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کو جہلمانی مشقت ناگوار ہے۔ اس لئے وہ  
 زراعت کو وسیلہ معاش بنانا نہیں چاہتے۔ یہی تعلیم یافتہ لوگ اخبارات میں لوگوں کے افلاس  
 کے متعلق مضامین لکھتے ہیں۔ وہ اس موضوع پر تقریریں کرتے ہیں۔ یا لوگوں کے قلب میں  
 افلاس کے مسئلہ پر تقریر کرنے کا ولولہ پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ کسانوں کو ایسے  
 طریقے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جس سے بیچارے کسان افلاس اور پابندی کی زنجیروں میں  
 جکڑے رہیں گے۔ وقت اُن پر خدمت عامہ کے بہتیرے دروازے مائل دیتا ہے۔ جن کے  
 اندر وہی شخص داخل ہو سکتا ہے۔ جو اُنکے جنس کے سود و بہبود کے لئے عرصہ و ولولہ رکھتا ہو۔  
 اور وہ اس پیشکش کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ وہ صنعت و حرفت کے معمولی قوانین کو تو تسلیم  
 کر لیں گے۔ جس کام سے فائدہ پہنچا کر اسے کرینگے۔ کہیں کافی نفع کی امید دکھائی  
 دے گی۔ تو فوراً اس سمت دوڑ پڑیں گے۔ لیکن یہ نہیں مانتے گے۔ کہ کسان بھی  
 اُن جیسا انسان ہے۔ جو خواہشات اُن کے دل میں ہیں۔ وہ اُس بیچارے کے دل میں  
 بھی موجود ہیں۔ اور اُن کی زندگی کا ناظم و ترتیب جن اثرات کا شرمندہ احسان ہے کسان

کی زندگی بھی انہیں اثرات سے بہرہ یاب ہے۔

## ناداری ایک عام بیماری ہے

غالباً افلاس آج دنیا کی سب سے زیادہ ہمہ گیر اور نمایاں خصوصیت ہے۔ اکثر انسان ابھی تک بے زری کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اس کے پھندے نجات حاصل کرنے کے لئے کامیاب جدوجہد کر رہے ہیں۔ بعض اس کی رنجیروں سے آزاد ہو کر کامیابی کی شاہراہ پر پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن دنیا کے کسی گوشے میں انسان کو فاقہ کشی کے اندیشے سے نجات حاصل نہیں ہوئی۔ اور غالباً ہندوستان میں یہ خیال عام ہے۔ کہ انگلستان اور دوسرے ممالک میں افلاس کا گدہ نہیں۔ اور ان ممالک کے لوگ مفلس نہیں ہوتے۔ وہاں ہر شخص خوشحال ہے۔ صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے۔ جسے اس لہو سے جو دوسرے ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ حصہ نہیں ملا۔ اور تو اور تعجب ہے۔ کہ جاپان جو غالباً دنیا کا مفلس ترین ملک ہے۔ ہندوستان میں ایک دولت مند اور با اقبال خطہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر جاپان ایشیا کے بجائے کسی دوسرے براعظم میں ہوتا۔ تو اس سر زمین کے مصائب سے تعلیم یافتہ طبقہ کو باخبر کیا جاسکتا تھا۔ چونکہ یہ ملک ایشیا میں واقع ہے۔ اسلئے مجھے اندیشہ ہے۔ کہ اگر اس کے افلاس و اقبال کا مقابلہ دوسرے ملکوں سے کیا گیا۔ تو مجھ پر فوراً جانبداری کا الزام لگ جائیگا۔

انگلستان ایک ایسا ملک ہے جس کی تاریخ دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ مکمل ہے۔ انگلستان میں ایسی قدیم تاریخی دستاویزیں موجود ہیں۔ جن سے اس ملک کے صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ حقیقت کی تلاش کر نیوالے کے لئے یہ تفصیلی حالات اور دستاویزیں ایک خزانہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کسی دوسرے ملک میں اقتصادی ترقی کی تاریخ کا استفادہ سرمایہ موجود نہیں۔ اس تاریخی سرمایہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگلستان ہمیشہ سے مقبول رہا ہے۔ اس کے باشندے، ہرگز ہرگز ہمیشہ دولت مند نہیں تھے۔ انہیں بھی وبا اور قحطی کا چہرہ ہونا پڑا۔ وہ بھی اپنے اپنے وطن کی ہلاکت پر آٹھو بہاتے رہے۔ انہیں ہمیشہ

اقتصادی ترقی کی راہ میں دانشمند رہنا نہیں ملتے رہے۔ اُن کے سیاسی رہنماؤں نے ہمیشہ دانش و تدبیر کا ثبوت نہیں دیا۔ لیکن انگلستان کی تاریخ میں ایک حقیقت ضرور نمایاں نظر آتی ہے۔ اور یہی حقیقت ہے جس نے اُسے دوسرے ملکوں کی نگاہ میں قابلِ قدر بنا دیا ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ انگلستان قدرتی طور پر دو متمدد ملک نہیں لیکن اس کے باشندے جو مختلف نسلوں کی آمیزش اور اختلاط (ملاپ) کا نتیجہ ہیں۔ یقیناً اس راہ پر جو افلاس سے دو متمدد ملکوں کی منزل کو جاتی ہے۔ بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ اس لئے انگلستان کی تاریخ میں ان تمام لوگوں کے عبرت و نصیحت کا سامان پوشیدہ ہے جو اپنے ملک کو با اقبال اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرض کر لیجئے! کہ ایک ملک آج مفلس ہے۔ لیکن اُس کے باشندوں کے دل میں اپنے ملک کے سود و بہبود کی حقیقی خواہش موجود ہے۔ تو ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں اُس ملک کے اختیار کی ہاگ ڈور ہے۔ انگلستان کی تاریخ اپنے اندر درسِ عبرت رکھتی ہے۔ انگلستان نے کامرانی (کامیابی) حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے۔ اُن پر غور کیجئے۔ ان متعدد طریقوں میں آپ کو کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ ضرور مل جائیگا۔ جس کی مدد آپ عروج و اقبال کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آج ہندوستان میں ایسی دشواریاں موجود ہیں۔ جنکا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تو یہی دشواریاں انگلستان کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں۔ جن طریقوں سے انگلستان نے ان دشواریوں سے نجات حاصل کی۔ اُن کی روشنی میں ہم بھی اپنے لئے ایک راہ معین کر سکتے ہیں۔ جس پر گامزن ہونا بہتر نتائج کا حامل ثابت ہوگا۔ انگلستان کی دولت مندی کا راز کچھ تو اس امر میں پنہاں ہے۔ کہ اس ملک میں عرصہ دراز تک امن و سکون رہا ہے۔ اور کچھ یہ چیز اس کے متول کا باعث ہوئی ہے۔ کہ طالب علم اور محقق کے افادہ کے لئے اقتصادی تاریخ کا سرمایہ موجود ہے۔ امن و سکون سے یہ فائدہ ہوا کہ ملک برابر ترقی کرنا چلا گیا۔ اور اقتصادی تاریخ کی بدولت جرح و قدح اور اصلاح و تنقید کا موقع ملتا رہا۔ دوسرے ملکوں میں بیرونی حملوں اور بغاوتوں نے سبکارگی فیوڈل سسٹم کی تخریب توڑ ڈالی۔ اور صدیوں کے پرانے قوانین و دساتیر (ضوابط) کو مٹا ڈالا۔ لیکن انگلستان میں تخریب انقلاب مسلسل و پیہم مگر آہستگی کیساتھ ہوتا رہا۔ چونکہ انقلاب برپا کرنا یا ملک کو بیرونی حملہ آوروں کا



ہدف بنادینا کسی شخص سے بس کی بات نہیں۔ اس لئے ان شورشوں کے نتائج تدریجی تخریر کے مقابلہ میں حصول ترقی کیلئے کم مفید ثابت ہوئے ہیں۔

## زراعت اور انگلستان

زراعت کے میدان انگلستان وہ تمام منزلیں ملے کر چکا ہے جن سے دوسرے ملک اب گذر رہے ہیں۔ بلکہ انگلستان تو اکثر ایسی منزلوں سے بھی گذر چکا ہے جن سے دوسرے ملکوں کو گذرنا باقی ہے۔ جب کوئی خاص رسم زیر بحث ہو۔ تو ایسے موقع پر اس امر پر غور کرنا بہت مفید ہے۔ کہ انگلستان کو جب یہ صورت حال پیش آئی۔ تو اس نے اس رسم کو ترک کر کے کیا فواید حاصل کئے مثلاً کسی زمانے میں یہ سوال زیر بحث تھا۔ کہ آیا زمین کی کاشت کے حق میں مالک خود کاشت اچھا ہے۔ یا مزارع؟ اس مسئلہ کا حل تجربہ نے کیا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا۔ کہ نہ تو حقوق ملکیت اور نہ شرائط اجارہ اراضی کی تعلیم ضروری ہے۔ بلکہ صرف اس قدر حفاظت کی ضرورت ہے۔ کہ مالک اراضی مزارع کو غیر ذمہ دارانہ طور پر بے دخل نہ کر سکے۔ مزارعہ کے حقوق محفوظ کر دیئے جائیں۔ تو اس سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ زمین کی غور و پرداخت بھی طرح سے ہوگی۔ محض ملکیت سے فائدہ کی بجائے نقصان کا احتمال ہے۔ پنجاب میں آج یہ دستور رائج ہے۔ کہ زمین لاکھوں چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور جب مزارعین میں ایک دوسرے سے گوتے سبقت لیجانی کا خیال پختہ ہو جائیگا۔ تو اغلب ہے۔ کہ یہ چیز ترقی کی راہ میں روک ثابت ہو۔ جب جی چاہے مزارع تابع مرضی کو نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب ساتھ ہی اراضی کسانوں کی ملکیت بھی ہو۔ تو یہ چیز ایک خطرہ بن جائے گی۔ جب زیادہ تعلیم یافتہ اور ماہر فن لوگ بڑے بڑے قطعات اراضی کیلئے غیر ترتیب یافتہ اور جاہل موروثی مزارعین کا مقابلہ کریں گے۔ تو یہ طریقہ جس کی بدولت اراضی چھوٹے چھوٹے زمینداروں پر منقسم ہے۔ زراعتی ترقی کے لئے روک ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس طرح اعلیٰ درجہ کے تربیت یافتہ کاشتکاروں کے لئے اتنی کافی اراضی مہیا نہیں ہو سکے گی۔ جن میں وہ قابلیت کے جوہر دکھا سکیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس طرح سیاسی صنعتی اور معاشرتی دشواریوں کا حل سہل نہیں۔



اسی طرح زمینی مسائل کا حل بھی کوئی آسان کام نہیں۔ اس گروہ کو کھولنے کے لئے صوبہ بھر کے دانشمند ترین اشخاص کی توجہ ضروری ہے۔ جب تک پنجاب کے بہترین ذل و دماغ رکھنے والے لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ صوبہ بدستور پستی اور افلاس کی زنجیروں میں جکڑا رہیگا۔

## مختلف خیالات

آج صحت خیال اور منطقیانہ طریقہ استدلال نظر نہیں آتے۔ بہترے لوگ ایسے ہیں۔ جو بیک وقت سراسر مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ بعض کو شکایت ہے۔ کہ اسباب معیشت کی فراہمی پر بہت روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اور پھر تحفظ کے بھی طالب ہیں۔ جو یقیناً اس نقص میں اضافہ کر دیگی بعض کہتے ہیں۔ کہ ملک کی پیداوار ضروریات کے لئے کافی نہیں۔ اور پھر ایسے طریقے اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جنہیں اختیار کیا جائے۔ تو پیداوار کا دائرہ محدود تر ہو جائیگا۔ ہر اہل قلم یہ ضرور کہتا ہے۔ کہ زراعت پر بہت دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس لئے اس ملک میں صنعت و حرفت کو فروغ دینا چاہئے۔ گریا اگر ایک شخص زراعت کو چھوڑ کر صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرے۔ تو اسے کم خوراک کی ضرورت ہوگی۔ یا زراعت پر جو دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس میں کمی واقع ہو جائے گی۔ صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے مسئلہ پر زور قلم صرف کر نیوالے اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ یہی مصنوعات کو فروغ حاصل ہوا۔ تو لا محالہ آبادی میں اضافہ ہوگا۔ اور اس کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ ہوگا۔ کہ خوراک کی ضرورت زیادہ ہوگی۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ ایک اہل قلم جہاں ایک طرف اس امر پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔ کہ لوگوں سے بہت زیادہ محصول لئے جاتے ہیں۔ وہاں یہ بھی چاہتا ہے۔ کہ ان وسیع اسکیموں پر جو اسے پسند ہیں بے دریغ روپیہ صرف کیا جائے ایک شخص اٹھتا ہے۔ اور دفتری حکومت کی وسعت کو قابلِ ملامت قرار دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس امر پر زور دیتا ہے۔ کہ حکومت کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا جائے۔ اس بنیادی حقیقت کو اکثر اوقات نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ حکومت کے مصارف و مخارج (خرج) کو اسکے داخل (آمدنی) سے متاثر ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ جاپان کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ زیادہ محصول لگانے کو گوارا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ گرانی حاصل سے ہی اس حکمت عملی کو مالی مدد پہنچ سکتی ہے۔ ان لوگوں کو

دفتری حکومت کی مداخلت اور اقتدار بھی گوارا نہیں۔ جس سے اس حکمت عملی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ صاف بات تو یہ ہے کہ اقتصادیات کے متعلق زبان و قلم کے جوہر تو خوب دکھائے جاتے ہیں۔ لیکن مطالعہ بہت کم کیا جاتا ہے۔ یہ احساس ناپید ہے۔ کہ اقتصادی قوانین چند پروفیسروں کے فیصلوں کا نام نہیں۔ جو مخصوص عقاید کے مطابق کر لئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ دنیا بھر کے متفقہ تجربات کا مجموعہ ہیں۔ کوئی شخص انہیں پائے حقارت سے ٹھکرا کر سزا سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ تجربہ کی راہ بہت کٹھن ہے۔ جو شخص محض اپنے عقاید و خیالات اور اپنی محدود تاریخ کو بھی قابل اعتماد سمجھتا ہے جب ان لوگوں کے مقابلے میں آئیگا۔ جنہوں نے زمانہ سے زیادہ وسیع سبق حاصل کیا ہے۔ تو یقیناً ناکام ہوگا۔ امریکہ دوسرے ملکوں کے حالات کا مطالعہ کر کے معلومات حاصل کر رہا ہے۔ ہسپانیہ اس سرچشمہ سے مستفید نہیں ہوا۔ اس لئے اُس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیش آرہی ہیں۔ ہندوستان اور جنوبی یورپ کے لوگ مذہبی اور آئینی مسائل میں اس قدر مت ہیں۔ کہ انہوں نے زندگی کے اقتصادی پہلو کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ اُن کے انہماک کا یہ عالم ہے۔ کہ بعض اوقات یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ کیا ان لوگوں میں اپنے ملک کو مادی ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنے کی خواہش بھی موجود ہے یا نہیں۔

## پنجاب اور دوسرے ملک

اس ملک میں جو لوگ امور عامہ میں محسپی لیتے ہیں۔ انہیں عادت ہو گئی ہے۔ کہ اپنے ملک کے حالات کا مقابلہ صرف انگلستان سے کرتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان۔ انگلستان سے دوسرے درجہ پر نظر آتا ہے۔ وہ دوسرے ملکوں کو جن کے حالات ہندوستان سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بعض وجوہ کی بنا پر انگلستان کو معیار قرار دینا صحیح نہیں۔ انگلستان کی اراضی کے بیشتر حصہ میں ایسے مزارعین زراعت کرتے ہیں۔ جو بڑے بڑے دولت مند مالکان اراضی کے ماتحت ہیں۔ ان مالدار زمینداروں نے اٹھارویں صدی میں پہلی ذوق اور محنت سے فن زراعت کا مطالعہ کیا۔ اور نہایت جرأت سے زراعت کے طریقوں کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اور چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کسانوں اور کاشتکاروں کو ان طریقوں کی

انجمن دی۔ متورہ لڈراٹس کا قول ہے۔ کہ اٹھارویں صدی کے متعدد زمینداروں نے زراعت کی راہ میں جو خدمات انجام دیں۔ اُن سے بڑی عوام کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ پنجاب میں بھی بڑے بڑے زمیندار موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک اُن میں اُس جوش اور سرگرمی کے آثار نمایاں نظر نہیں آتے جس نے انگلستان کے تمول (دلت) کو اس قدر ترقی دی۔ پنجاب میں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کی کثرت ہے۔ اس لئے اس سرزمین کا مقابلہ ایک ایسے ملک سے کرنا صحیح نہیں۔ جہاں مزارعین کی اکثریت ہے۔ البتہ فرانس۔ جرمنی۔ بلجیم۔ رومانیہ وغیرہ ایسے ممالک ہیں۔ جہاں اراضی کسانوں کی ملکیت ہے۔ اور ان ممالک کی تاریخ میں ایسا سامان ملتے ہے۔ جس کی روشنی میں اس صوبہ کے موجودہ حالات پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ اراضی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دینے کی خرابی جو اس صوبہ میں پائی جاتی ہے۔ ان ممالک میں بھی موجود ہے۔ اور اُن کی ترقی میں مارچ ہو چکا ہے۔ ابھی ان ملکوں کی حکومتوں کو اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہو سکا۔ فرانس کی زراعت پانچ سو سال تک زوال پذیر رہی۔ اس طویل زمانہ کا ایک حصہ وہی ہے جس میں انگلستان نہایت تیزی سے زراعت میں ترقی حاصل کر رہا ہے۔ جرمنی نے انیسویں صدی میں زراعت کے متعلق جو اصلاحات کیں۔ اُن کا آغاز ۱۸۰۰ء سے ہوتا ہے۔ جبکہ البرٹ تھیٹر کی کتاب موسومہ ”انگلستان کی زراعت کے متعلق معلومات“ شائع ہوئی۔

## انگلستان کی خصوصیتیں!

اراضی کے اجارہ اور انگریز زمینداروں کی وسیع خدمات کے علاوہ برطانیہ تاریخ میں ایک اور عنصر بھی ہے۔ جس کے پیش نظر ہندوستان اور انگلستان کا موازنہ موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ انگلستان ہمیشہ سے کفایت شعار بنے۔ اور پس انداز کرنے کی کوشش میں مصروف رہا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دونوں ملکوں کے باشندوں کی اوسط آمدنی کے متعلق غلط خیالات رائج ہو گئی ہیں۔

۱۵۔ ہسٹری آف انگریز اینڈ پرائمری زراعت جلد پنجم۔ ساتواں ادتیر حوالہ دیا ہے۔

۱۶۔ جیب بین کی کتاب۔ اکنامک ڈیولپ منٹ آف فرانس اینڈ جرمنی۔

اس ملک میں اوسط کا دارومدار محض موجودہ نسل کی آمدنی پر ہے۔ اس پر آسانی و راحت کا کوئی اثر نہیں۔ اگر انگلستان کے لوگوں کی آمدنی کی اوسط بہت زیادہ ہے۔ تو اس کا باعث یہ ہے۔ کہ پہلی نسلیں مفید کاروبار میں روپیہ لگا چکی ہیں۔ مزید براں اُن سے انگلستان کے موجودہ باشندوں کو وسیع عالم اور تجربہ ورشہ میں ملا ہے۔ اس ملک میں اکثریت کی عام ضروریات کم از کم کوشش سے پوری ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے نو برآمد دریائی میدانوں کی تو یہ کیفیت ہے۔ کہ زمین کو ذرا سا کھود کر سطحی بھریج بویا جائے۔ تو فطرت کی مخفی قوتیں فوراً فصل اگانے میں مصروف ہو جائیں گی۔ فطرت اس قدر فیاض واقع ہوئی ہے۔ کہ انسان کو ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت ہی نہیں زمین فطرت کا عطیہ ہے۔ فطرت جو کچھ بخش دیتی ہے۔ انسان اُسی پر زندگی بسر کرتا ہے۔ انگلستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہاں زمین کبھی زرخیز نہیں تھی۔ آج ہم انگلستان کی زمین کو جس صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ وہ سراسر انسان کے قوت بازو کی شرمندہ احسان ہے۔ انگلستان میں زمین کی قیمت کچھ بھی نہیں۔ قیمت تو اس محنت کی ہے جو اس کے مختلف مالک یکے بعد دیگرے اُسے زرخیز بنانے کے لئے کرتے رہے ہیں۔ اور اگر زمین کی کچھ قیمت بھی ہے۔ تو وہ بہت کم ہے۔ مثلاً یہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ آئیکل سڑکوں۔ جنگلوں۔ پھانسیوں۔ پانی کی موریوں پر جو عہدہ حاضرہ میں کھیتی باڑی کے لئے ضروری ہیں۔ بارہ پونڈ فی ایکڑ صرف ہوتے ہیں۔ زمین کے متعلقہ مکانات کی تعمیر پر ۹ پونڈ خرچ ہوتے ہیں۔ یہ کل ۲۱ پونڈ ہوئے۔ اور جنگ سے پہلے زمین کی قیمت پچیس پونڈ فی ایکڑ تھی۔ اسی طرح صرف چار پونڈ رہ گئے۔ اس کا بیشتر حصہ بھی ۹ اینچ سطح زمین کی قیمت ہے۔ جسے کسانوں کی محنت زرخیز بناتی ہے۔ اس کا مقابلہ پنجاب کے حالات سے کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ انگریز کس حد تک اپنے بزرگوں کے شرمندہ احسان ہیں چونکہ انگریزوں پر ایسا زمانہ گزر چکا ہے۔ جبکہ وہ عرصہ تک افلاس کے تباہ کن پنجہ میں اسیر رہے کئی کئی دلوں تک مصیبتیں اٹھاتے اور دکھ برداشت کرتے رہے۔ سالہا سال تک اچھی فصلیں نہیں ہوئی۔ اور ہمیشہ فاقہ کشی کا خوف ان پر طاری رہتا تھا۔ اس لئے وہ اسی پر مجبور ہو گئے۔ کہ ہلاکت سے بچنے کے لئے کفایت شعاری اختیار کریں۔ صدیوں تک مخالف آب و ہوا کے اثرات کے خلاف جنگ کرنے سے اُن میں مضبوط ارادے اور مہر و تحمل پیدا ہو گیا ہے۔ جو اُن کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

# باب اول

## چند ابتدائی باتیں !

جب ایک ہی چیز سے نگاہ بار بار آشنا ہوتی ہے۔ تو قوتِ مشاہدہ کند ہو جاتی ہے ایک  
نو وارد کو کسی مقام کی جو چیزیں اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہیں۔ اُن میں خود اُس مقام کا باشندہ کوئی دھپسی  
کا سامان نہیں پاتا۔ جو چیز روزمرہ کی باتوں میں داخل ہو جاتے۔ اُس پر کوئی شخص سوچ بچار نہیں کرتا۔  
اس لئے ایسی چیزوں کی جانب توجہ منقطع کرانے کے لئے کسی پھیلان پیدا کر نیوالی چیز مثلاً نمایاں پلیمین  
اور اضطراب کی ضرورت ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ملک میں سالہ اسال بلکہ کئی سالوں سے افلاس  
کے متعدد اسباب موجود ہوں۔ اور کسی نے کبھی اُن کا ذکر تک نہ کیا ہو۔ پھر کیا بارگی ملک میں شدید  
قحط رونما ہو جائے۔ اور اسبابِ افلاس کی تحقیقات ہونے لگے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ لوگوں میں  
بعض ایسی غلط فہمیوں یا عقاید کو قبولِ عام حاصل ہو۔ جن کی تردید میں آسانی شہادتیں ہم پہنچانی جاسکتی  
ہوں۔ لیکن بایں ہمہ لوگ اُن پر یقین رکھتے ہوں۔ لوگ آتشِ وقت اپنے عقاید کے جھوٹے مسیح کا امتحان  
کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ جب تک انہیں اصل حقیقت کی جانب توجہ کرنے پر مجبور نہ کر دیا جائے  
پنجاب ہندوستان کے ایک گوشے میں آباد ہے۔ اس کے تین طرف ریگستان واقع ہے۔ اس لئے  
اگر اس صوبہ کے لوگوں میں یہ احساس نہیں۔ کہ بعض مسائل ایسے جی ہیں جو تحقیق و جستجو سے حل ہوتے ہیں  
۔ تو اس بے حسی کے بعض خاص اسباب ہیں۔ ایک ملک جو تجارتی ساحل اور بندرگاہیں رکھتا ہے۔ دنیا  
کے دوسرے حصوں سے تجارت کرتا ہے۔ خود دراز بندرگاہوں سے اُس کا تعلق ہے مقامِ طورِ غیر ملکی  
لوگوں سے اتنا تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ کہ نئے خیالات پرانے عقاید اور رسوم و رواج کو ہٹا کر اپنا راستہ  
پیدا کر لیتے ہیں۔ انگلستان کا جزائری محل وقوع ایسا ہے۔ کہ اُس کے فرزندوں کو دوسرے ممالک

کے حالات معلوم کرنے کے بے نظیر مواقع حاصل ہو گئے۔ اس نے اپنی حریف سلطنتوں مثلاً مائینڈ فرانس اور شمالی جرمنی کی ریاستوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ یورپ سے اکثر کسان اور اہل حرفہ اگر انگلستان میں آباد ہو گئے۔ بلکہ انگریز کسی نہ کسی وجہ سے ہمیشہ دوسرے ملکوں کا سفر کرتے رہے۔ اور اس طرح زمانہ دراز تک خیالات کا مبادلہ ہوتا رہا۔ قدیم زمانہ کے اہل انگلستان متقی تھیں ہیں۔ کہ انہوں نے صرف دوسرے ملکوں سے فائدہ ہی حاصل نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے ملکوں سے جو خیالات سیکھے اُن کو ترقی بھی دی۔ پنجاب پر جن حملہ آوروں نے یکے بعد دیگرے حملے کئے۔ انہوں نے اس ملک کے باشندوں کی عادات اور رسم و رواج پر گہرا نقش چھوڑا۔ لیکن یہ حملے جنوب یا شرق کی جانب سے نہیں ہوئے۔ جہاں قدیم زمانہ میں تمدن موجود تھا۔ بلکہ مغرب کے اُن علاقوں کی جانب سے کئے گئے تھے۔ جہاں علم و فن ترقی کی کسی قابل ذکر منزل تک نہیں پہنچا تھا۔ انگلستان پر یکے بعد دیگرے جو حملے ہوئے۔ اُن کے نتائج بے حد بیش بہا تھے۔ اور پنجاب صدیوں تک جن حملوں کا ہدف بن رہا۔ وہ مادی فوائد کے اعتبار سے بہت کم نفع بخش تھے۔ بلکہ انہوں نے پنجاب کی اقتصادی ترقی کو بہت نقصان پہنچایا۔ انگلستان کو اس اعتبار سے دنیا کی تاریخ میں بے مثال حیثیت حاصل ہے۔ کہ اس ملک میں عرصہ دراز تک مسلسل وہیم اندرونی امن و امان رہا ہے۔ یعنی ۶۶۶ء کی فتح سے آج تک انگلستان میں امن قائم ہے۔ اس زمانے میں جو شورش اور ہنگامے برپا ہوئے۔ اُن ہی صنعتی ادارے یا انکار یا کاروبار تباہ نہیں ہوا۔ چنانچہ انگلستان میں جہاں ابھی تک پرانی روایات قائم ہیں وہاں اُس کی تاریخ کے متعلق مسلسل شہادتیں دستاویزوں کی صورت میں موجود ہیں۔ پنجاب کی گذشتہ تاریخ کے متعلق دستاویزیں موجود نہیں۔ اگرچہ یہاں بھی محققین کو پرانے سکے، کتبے، تانبہ پر کھدی ہوئی سیدیں اور پرانی عمارتوں کے آثار تو بکثرت ملتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے کی تاریخ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ حالانکہ یہاں کے حالات کا مکمل علم حاصل کرنے اور دوسرے ممالک اور موجودہ حالات سے موازنہ کرنے کے لئے یہ چیز ضروری ہے۔ یہاں ایسے کتب خانے نہیں جنہیں دانشورانِ سلف (گذشتہ فاضلوں) کی دستی تحریریں موجود ہوں۔ علی الخصوص زراعت کے متعلق کوئی

۱۔ یورپ کے بعض دوسرے ملکوں کا ریکارڈ بھی بہت اچھا ہے۔ لیکن جامعیت کے اعتبار سے انگلستان کے ریکارڈ کی بھری نہیں کہ سکتا

پولنی قابل قد یا مشہور کتاب موجود نہیں۔ جس قدر حالات فراہم ہو سکے ہیں۔ ان کا خلاصہ صرف یہ بتا رہا ہے کہ اس ملک میں زراعت کے قدیم فن نے سینکڑوں سالوں سے بہت کم ترقی کی ہے۔ پُرانے جہد نامے میں جن زرعی حالات کا ذکر ہے۔ وہ پنجاب کے موجودہ حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

آج اقتصادی مسائل کے متعلق عام طور پر جو طریق عمل اختیار کیا جا رہا ہے۔ اسکی ذمہ داری شاید تاریخی ریکارڈ کے فقدان پر عاید ہوتی۔ لیکن موجودہ حالات ویسے ہی ہیں۔ جسے آج سے سالہا سال پیشتر تھے۔ اب یہ حالات اس سر زمین میں رسم اور دستور کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اور افلاس کو رواج عام سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کو ایک مفلس ملک خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے باشندے بھی قدرتا مفلس ہیں۔ پبلک معاملات میں دھچپی لینے والے لوگ جب مسئلہ افلاس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تو ان کی توجہ کا دائرہ اظہار غیظ و غضب تک محدود رہتا ہے۔ لیکن افلاس ایک اقتصادی حقیقت کا نام ہے۔ اس کے اسباب اقتصادی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا علاج بھی اقتصادی طریقوں سے کیا جائے۔ تمام ملکوں اور قوموں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ کہ جب ملکی حالات پر غور کیا جاتا ہے۔ تو ان تمام ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو اس ملک کے باشندوں پر عاید ہوتی ہیں۔ اور ایسے عناصر کو مصیبت کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو عوام کے دائرہ اختیار و قدرت سے ہر ہوتے ہیں۔ بار بار دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ مصیبت اور تکلیف کے عالم میں ان دشواریوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جو حقیقت ان کے اپنے نقائص کے ثمرات ہیں۔ سیاسی علاج تلاش کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بد امنی۔ جنگ و جدال اور ہنگامہ و ہیکار کا آغاز ہو جاتا ہے۔ مصیبت و پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر ان تکالیف کے صحیح علاج کو نظر انداز ہی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان مصیبت زدہ لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ سیاست اقتصادی امراض کا علاج نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کی جانب رجوع کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اگر آپ انسانی کامیابیوں کی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر یہ تلاش کرنا چاہیں۔ کہ سیاست نے کبھی دنیا کو کوئی اقتصادی فائدہ بھی پہنچایا ہے۔ تو آپ کو اس تجویز میں بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔



دہشتان کے باشندے بھی کسی زمانہ میں اس غلط خیال میں مبتلا تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سیاسی یچی ٹیشن (ہنگامہ آرائی) کوئی اقتصادی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ تو انہیں اپنی مدد آپ کرنے کا خیال آیا۔ اور وہ عظیم الشان تحریک عالمِ وجود میں آئی۔ جو انجمنِ مائے امداد باہمی کی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ آر لینیڈ کے ایک اہل قلم کا قول ہے۔ کہ آر لینیڈ میں سیاست کو جو اہمیت دی جاتی ہے اس نے آر لینیڈ کے کسانوں پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ اور ان میں دولت پیدا کرنے کی اگلی سی قوت نہ رہی۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ ملوثی ضروریات سے توجہ ہٹا لینے کے باعث آر لینیڈ والوں کا ذہن غیر حقیقی اور تاریک خیالات کا غزانہ بن گیا۔ لوگوں کی توجہ عملی مسائل سے ہٹ گئی۔ حکومت خود مختاری کے حصول کا مسئلہ ان کا اڑھنا پھونابن گیا۔ اس مطالبہ میں آر لینیڈ والوں نے جس سرگرمی اور ثابت قدمی کا مظہار کیا۔ مگر اس کا عشرِ عشر پہلے حصہ بھی اقتصادی ترقی کے عملی مسائل پر صرف کیا جاتا۔ تو آج آر لینیڈ کے حالات بالکل مختلف ہوتے۔ آر لینیڈ میں بھی اصل سوال افلاس کا تھا۔ دراصل یہ مسئلہ اقتصادی نوعیت رکھتا تھا۔ اور اس امر کا متقاضی تھا۔ کہ اقتصادی ذرائع سے اس کا حل کیا جائے۔ چنانچہ آج اس جزیرے میں جو ترقی نظر آتی ہے۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ دیہات کے مصائب کا علاج کرنے کی جانب توجہ کی گئی۔ انجمنِ مائے امداد باہمی کا نظم و نسق ہوشمند اور تعلیمیافتہ لوگوں کے سپرد تھا۔ جو نہ صرف اس تحریک کے ارکان کو اس کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ بلکہ باقی لوگوں پر بھی یہ امر واضح کر سکتے تھے۔ کہ یہ تحریک قومی سود و بہبود کے لئے کس حد تک مفید ثابت ہوئی ہے اور اس طرح لوگوں کو اس کے احترام پر آمادہ کر سکتے تھے۔ یہ بحث کہ آیا اقتصادی ترقی سے پہلے سیاسی تغیر ضروری ہے یا نہیں ہماری کتاب کے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن درآخالیکہ اس غلطی کے افکار کا خطرہ دامگیر ہو۔ عوام میں اُسی طرح یہ خیال پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ کہ نظامِ حکومت کی تبدیلی سے غیر محدود فائدہ حاصل ہونگے۔ اس امر کو نظر انداز کیا جا رہا ہو۔ کہ لوگوں کے کندھوں پر اپنی فیلاح و بہبود کی خاطر کام کرنے کی ذمہ داری بھی ہے۔ تو اس صورت میں یہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا



ہے۔ کہ جب تک زیادہ ہوشمندانہ طریق اختیار نہیں کریں گے۔ اقتصادی تباہی کے سوائے اس کا کوئی  
 نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اسے توڑ مروڑ کر یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ ہمارے نزدیک  
 سیاسیات میں تبدیلی ہونی ہی نہیں چاہئے۔ یہ تو فطرتی چیز ہے۔ کہ ہندوستانی جب اپنے گھروں میں  
 افلاس ہی افلاس دیکھتے ہیں۔ تو وہ ایسے طریقے پر اس مسئلہ کا حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو  
 ان کے نزدیک اچھے نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں اس ملک کی  
 سیاسی قوت ہے۔ جب تک دیہاتی اقتصادیات کا مطالعہ نہ کریں گے۔ جب تک وزارت مقامی حالات کے  
 متعلق علم حاصل نہیں کریں گے۔ اور یہاں کے حالات کا دوسرے ممالک کے حالات سے مقابلہ کر سکیں  
 اس علم کو روشن اور اجالا کرنے کی کوشش نہیں کی جائیگی۔ وہ مقامی جذبات و خیالات کی روشنی  
 میں عوام کو مصائب سے نجات دینے کے لئے جس قدر طریقے سوچیں گے۔ ان سے یقیناً اچھے نتائج  
 فائدہ نہ ہوگا۔ یہ اورات ہے۔ کہ انہیں اس سے کوئی شدید نقصان بھی نہ پہنچے محض سیاسی تبدیلیوں سے  
 اقتصادی فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہم مادی ارتقاء کی راہ میں ایک نیا قدم اٹھائیں  
 لیکن اس کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ سیاسیات کو اس قدم پر نہ رکھا جائے۔ کہ اقتصادی قوتوں کے نتائج  
 اس کی قربان کا فیر نذر چرٹا دیئے جائیں۔

اس بات پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ کہ اقتصادی مصائب کا علاج اقتصادی طریقوں سے ہی  
 کیا جاسکتا ہے۔ اب رہا دولتی کا انتخاب تو اس کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ کونسا کیا ہے۔ اور  
 اس سے پہلے اسی کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ اس لئے پہلے پنجاب کے اقتصادی حالات کے متعلق  
 جس قدر سالہ مل سکے اُسے فراہم کر کے اس صوبہ کے اقتصادی حالات معلوم کئے جائیں۔ اگر تحقیق و تجسس سے معلوم ہو  
 جائے۔ کہ اس صوبہ کے لوگوں کا معیار زندگی کیوں پست ہے۔ پیداوار کیوں کم ہوتی ہے۔ اور پھر اگر ان شکاتوں کو  
 رفع کرنے کی ایسی تدبیر معلوم ہو جائیں۔ جو عمل میں لائی جاسکیں۔ تو پھر اقتصادیات نے اپنے دعویٰ کی صداقت  
 ثابت کر دی۔ اب یہ سیاست دانوں کا کام ہے۔ کہ وہ ایسے قوانین یا احکام کے نفاذ پر زور دیں۔ جو اس غرض کے  
 لئے ضروری معلوم ہوں۔

پنجاب ایک زراعتی صوبہ ہے۔ لیکن اسے اس باب میں کوئی جیساں جھینٹ حاصل نہیں۔ یہ حال  
 بہت سے ملکوں میں سے ایک ہے۔ جو سب کے سب یکساں طور پر زراعت کے دست نگر ہیں ان سب کے

ایک ہی مسئلے افلاسِ بلند ہو رہی ہے۔ اور کم و بیش سب میں اسبابِ افلاس کی تحقیق کرنے اور ان سے مخلصی کے طریقے سوچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انگلستان کے دیہات اس بارے میں کوئی مستثنیٰ حیثیت نہیں رکھتے۔ دنیا میں ہر جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ کسان اپنی آمدنی کو اس حد تک بڑھا نہیں سکے کہ وہ زمانہ جدید کی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہو۔ یہ صحیح نہیں کہ اس صوبہ کے کسان اوسط کے اعتبار سے جاپان یا بحرہِ روم کے ساحل کے کسانوں سے کم خوشحال ہیں۔ برخلاف اس کے یہ دعویٰ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں کسانوں کی اتنی بڑی جماعت اپنی ضروریات کے تناسب کے اعتبار سے مرفقہ الحال ہیں۔ جس قدر ہر لورنچیاں کے آباد کار۔

اس کے علاوہ بلا خوف تردید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ملک میں کسانوں کی کوئی جماعت پنجاب کے کسانوں کی طرح مقدمہ بازی پر کروڑوں روپیہ صرف نہیں کرتی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پنجابی مفلس ہے قطعاً غلط ہے۔ پنجابی کے سامنے اقبال مندی اور خوشحالی کے حصول کا جس قدر وسیع میدان موجود ہے۔ وہ کسی ملک کے باشندے کو نصیب نہیں۔ زرعی ممالک کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین امور کے متعلق ریلوں میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ زراعت کی جانب توجہ نہیں کی گئی دوسرے یہ کہ زراعت میں آہستہ آہستہ تبدیلی ہو رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا ہے کہ اپنے پیشے کے بارے میں کسانوں کا جو طریق عمل تھا اُس میں پوری تبدیلی دکھائی دے۔ اور اگر زراعت کو جو دنیا کی دولت کا سرچشمہ ہے اپنی اہلی حالت پر لانے کی کوشش کرنا مقصود ہے۔ تو اس غرض کی وہیلانی اقتصادیات کے علم کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دلیل کی وضاحت کیلئے ان امورِ ثلاثہ پر مزید بحث کی جائے۔

۱۔ اس بارے میں غالباً ڈنمارک مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہاں امداد باہمی کی تحریک دنیا کے تمام ممالک سے بہتر حالت میں ہے۔ لیکن ڈنمارک نے اس وقت امداد باہمی کے فضیل اقتصادی نجات حاصل کی۔ جب یہ ملک تباہی کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی مصیبت کا باعث کچھ پریشیا والوں کی جنگ تھی۔ اور کچھ یہ امر کہ امریکہ کے گہروں کی افراط نے انگلستان کی زراعت کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔

اس ملک اور انگلستان کی موجودہ نسلیں وہی کچھ ہیں۔ جو انہیں ان کے بزرگوں نے بنا دیا ہے۔ اگر کلینت اور دولت نے بے اہمینانی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ تو اس جذبے کا اظہار ان لوگوں کے خلاف ہونا چاہئے۔ جو اس قدر حق و رشہ چھوڑ گئے ہیں۔ ہر نسل کے ورثہ میں وہی کچھ آتا ہے۔ جو بزرگ اُن کے لئے جمع کر گئے ہیں۔ کیونکہ انسانی معاشرت کی نہایت ابتدائی حالت میں ہی ایسے لوگ مل سکتے ہیں۔ جو بزرگوں کی جمع کی ہوئی دولت یا تجربہ کی امداد کے بغیر محض اپنی کوشش کے بل بوتے پر زندگی بسر کر سکیں۔ جس ملک میں اس قسم کی جمع کی ہوئی دولت زیادہ ہے۔ اُس کے باشندے خوش نصیب ہیں۔ اور جس سرزمین میں یہ کم ہے۔ اُس کے فرزندوں کو افلاس سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہندوستان کے جن لیڈروں کے نام تاریخ کے صفحے پر مرقوم ہیں۔ انہوں نے نوآبادی اقتصادی ترقی کو اپنا مقصد بنایا ہے۔ ہندو سوسائٹی کی بنیاد اقتصادی نہیں۔ بلکہ مذہبی اصولوں پر ہے۔ جسمانی مشقت کو ابھی تک وقار کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اور کھیتی باڑی کو دوسرے شرفیافہ پیشوں سے پست تر سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے ممالک میں سوسائٹی کا دار و مدار پیداوار پر ہے۔ دولت ہی ایک ایسی قوت ہے۔ جو ربابِ دول کو سوسائٹی کی صفِ اول میں کھڑا ہونے کے قابل بنا دیتی ہے۔ اور افلاس معاشرتی حیثیت کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع بحث یہ نہیں۔ کہ آیا اس سے بہتری متصور ہے۔ یا نہیں۔ بلکہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اگر دولت پیدا کرنے پر توجہ صرف کی جائے۔ تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ دولت جمع ہو جائے گی۔ اور اگر اس کی جانب سے بے پروائی اختیار کی جائے۔ ذریعہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ انگریز اقتصادی قوتوں کی مخلوق ہے۔ اور ہندوستانی مذہبی خیالات کا فرزند۔ جس طرح فصل کی اچھائی یا برائی کا شکار کی مشقت کا آئینہ ہے۔ اسی طرح حال (موجودہ زمانہ) کو ماضی (پچھلے زمانہ) نے پیدا کیا ہے۔ اور امروز کے آئینہ میں زمانہ گذشتہ کے انوار جھلکتے نظر آتے ہیں۔ موجودہ نسل اپنے فرزندوں کے لئے ایک بہتر دنیا کی تعمیر میں مصروف ہے۔ مستقبل اس جدوجہد کا آئینہ ہوگا۔ کیونکہ آج ہنروں کی تعمیر کی ایکم پریم جو روپیہ لگا رہے ہیں۔ اُس سے مستقبل میں فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر یہ صوبہ ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس غرض کے لئے زیادہ سے زیادہ لوازم ترقی کی ضرورت ہے۔ ہمیں زیادہ واضح طور پر یہ چہرہ نشین کر لینا چاہئے۔ کہ ترقی کے معنی کیا ہیں۔ اور اس راہ میں کیا کیا تبدیلیاں پیش آ سکتی ہیں۔

ہمیں ترقی کے لوازم کو فروغ دینے اور ان تبدیلیوں کو قبول کر لینے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے۔ ہمیں اپنی توجہ زندگی کے ان مقامی او مشغل عناصر پر لگا دینی چاہئے۔ جو فلاح و بہبود کی منزل کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ ان عناصر کو اپنا مرکز توجہ بنانا چاہئے۔ جن کے بغیر کوئی ملک اور ملت ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم زندگی کے بنیادی حقائق کو پوری طرح سمجھنے کی اہمیت نہیں رکھتے۔ تو محض جذبات پرستی میں گمراہ کر دے گی۔ اگر اس سے پیداوار کو فروغ دیتے کا کام لیا جائے۔ تو اس صوبہ کو بہت فائدہ ہوگا۔ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے۔ کہ میں نے پنجاب کے مسائل کے اس باب اور ان خوبیوں کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اس صوبہ کی دولت اور فلاح و بہبود کا سرچشمہ ہیں۔ اور مجھے اعتراف ہے۔ کہ میری یہ کوشش نامکمل ہے۔

—————

میں نے اس باب میں کوشش کی ہے کہ اس صوبہ کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کیا کام کرنا چاہئے۔ اور ان کاموں کو پوری طرح سمجھنے کی اہمیت کی طرف توجہ دے دے۔ اور ان کاموں کو اپنا مرکز توجہ بنانا چاہئے۔ جن کے بغیر کوئی ملک اور ملت ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم زندگی کے بنیادی حقائق کو پوری طرح سمجھنے کی اہمیت نہیں رکھتے۔ تو محض جذبات پرستی میں گمراہ کر دے گی۔ اگر اس سے پیداوار کو فروغ دیتے کا کام لیا جائے۔ تو اس صوبہ کو بہت فائدہ ہوگا۔ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے۔ کہ میں نے پنجاب کے مسائل کے اس باب اور ان خوبیوں کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اس صوبہ کی دولت اور فلاح و بہبود کا سرچشمہ ہیں۔ اور مجھے اعتراف ہے۔ کہ میری یہ کوشش نامکمل ہے۔

## زراعت سے بے پروائی

یہ ایک نکتہ امر ہے۔ کہ پنجاب میں زراعت سب سے بڑی سب سے قدیم اور سب سے اہم صنعت ہے زراعت صرف خداک ہی ہم نہیں پہنچاتی۔ جس پر لوگوں کی زندگی کا دارومدار ہے، بلکہ خام اجناس بھی پیدا کرتی کرتی ہے۔ جس سے درآمد شدہ مال کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ وہ اجناس بھی فراہم کرتی ہے۔ جس پر صوبہ کی تجارت کا انحصار ہے۔ اور صوبہ کی صنعت و حرفت کے لئے سامان بھی ہم پہنچاتی ہے۔

صوبہ کی تمام دولت اراضی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ اراضی صوبہ کی نئی دولت ہوتا کرتی ہے۔ اور صوبہ کے صنعتی مستقبل کا دارومدار اسی پر ہے۔ بایں ہمہ باسٹھنا نے چند اشخاص کے تعلیم یافتہ گروئے اس کی جانب توجہ نہیں کی۔ اور یہ شکایت تھریا ہر جگہ ہے۔ دینا نے بیچارے کسان کو فراموش کر دیا ہے۔ تربیت یافتہ ذہن لوہہ دماغ رکھنے والے لوگوں نے اراضی کی جانب توجہ نہیں کی۔ ہم زمین میں جو کچھ ڈالتے ہیں۔ وہ ہمیں وہی واپس لوٹا دیتی ہے۔ اور ہم اُس میں وہی کچھ ڈالتے ہیں۔ جس کی تعلیم صدیوں کی پرانی روایات سمجھیں دی ہے۔ اس بارے میں ہم نے جدید سائنس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لئے زمین ہمیں جو کچھ دیتی ہے۔ وہ انتہائی ہوتا ہے۔ جتنا ہارنے زلمے میں تھا۔ اس امر سے تو سب باخبر ہیں۔ کہ بعض قبائل اچھی طرح زمین کی غور پر وخت کرنے کے بارے میں مشہور ہیں۔ اور بعض ذاتوں کے لوگ دوسروں کی نسبت زمین سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً ایک اراکین عام طور پر ایک سکھ جاٹ سے زیادہ اچھا کسان ہوتا ہے۔ ایک سکھ جاٹ اس بارے میں ایک مسلمان راجپوت پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور پھر ایک مسلمان راجپوت بھی جب اپنے کھیت وادی سندھ کے کسی بلوچ یا پٹھان کو دکھاتا ہے۔ تو ایک جذبہ فخر محسوس کرتا ہے۔ اگر پنجاب کی تمام اراضی کی کاشت اسی ہوشیاری اور احتیاط سے کی جاتی۔ جو بہترین کاشتکار میں پائی جاتی ہے۔ تو اس

۱۷۔ یہ صرف پنجاب یا ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہی الزام انگلستان امریکا اور دوسرے ممالک کے تعلیم یافتہ شہر لوں پر بھی لگایا جاسکتا ہے۔ انگلستان میں تعلیم یافتہ لوگوں نے زراعت کی اہمیت جنگ کے زمانہ میں محسوس کی جب کپریٹ بھرنے کے لئے کافی اجناس نہیں ملتی تھیں۔ لوگوں نے اس امر کو نظر انداز کر دیا تھا۔ کہ اگر زراعت سے غفلت برتی گئی۔ تو اس قسم کے نتائج کا امکان ہے۔ اور غالباً وہ پھر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیں گے۔

صوبہ کی دولت میں یہ اضافہ ہو جاتا۔

اگر صوبہ کے تمام کاشتکاراں جیسے ساز و سامان سے آراستہ ہوتے۔ انسانی طرح احتیاط سے کام لیتے تو حقیقتاً صوبہ کی مجموعی پیداوار موجودہ پیداوار سے بہت زیادہ ہوتی۔ اسلئے موجودہ حالت ہرگز ہرگز قابل اطمینان نہیں سمجھی جاسکتی۔ یقیناً یہ کسی ملک کیلئے درست حکمت عملی نہیں۔ کہ اس کی سب اہم صنعت کی حالت یہ ہے کہ وہ تو تجارت سے بہت کم دولت پیدا کر رہی ہے۔ ان بذیہی حقیقت کے باوجود اس سرزمین کے تعلیمیافتہ لوگ ملکی افلاس پر اظہار افسوس کرتے وقت اس بنیادی سبب کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کہ افلاس کی وجہ داری خود ان پر عاید ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرنے اور انہیں تھانے پر آمادہ نہیں۔ کہ ریلوے پیداوار کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔

زراعت کی پستی کا باعث صرف یہی نہیں۔ کہ اس فن کے اصولوں کی اصلاح میں بہت کم دلچسپی لی گئی ہے۔ یا منفعہ بخش طریقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ اس صوبہ کی فلاح و ترقی کے متعلق بعض دوسرے اہم امور بھی ہیں۔ جن پر اس قدر توجہ نہیں کی گئی۔ جس کے وہ مستحق ہیں۔

ان امور دو گانہ میں سے ایک کو زراعت پر سرمایہ لگانا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس غرض کیلئے جن اوارہ سے زمین قرض لیا جائیگا۔ وہ کس قدر سود لیگا۔ یہ مسئلہ دراصل گہری توجہ کا محتاج ہے۔ کیونکہ جب اس ملک کے باشندے صنعت و حرفت کی ترقی سے شرح سود کے تعلق کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تو اگر وہ زراعتی ترقی اور شرح سود کے تعلق کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں۔ تو محل تعجب نہیں۔ شرح سود کی اہمیت اسی قدر نہیں۔ کہ اگر شرح سود کم ہوئی۔ تو کاروبار سے زیادہ نفع حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ بہتیرے کاروبار ایسے ہیں جن سے

۱۔ ملاحظہ ہو بیٹھ بپ ناراگیر پور صفحات ۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷ اس کتاب میں انگلستان کے متعلق بھی یہی شکایت کی گئی ہے۔

۲۔ پیداوار کی کمی کا ایک باعث ناقص بیج ہے۔ بیج کی تجارت بھی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے قبضے میں غلہ کی تجارت ہے۔ اگر انہیں اپنے غلہ کا ذرہ بھر بھی خیال ہوتا۔ تو وہ بہترین بیج فروخت کرتے۔ اور جو شخص ناقص بیج فروخت کر کے تجارت کی توسیع میں مائل ہوتا۔ اُسے سب مل کر سزا دیتے۔ بد قسمتی سے اس قسم کی وسیع المیانی ناہیدیت۔ البتہ لائل پور اور مظفر گڑھ میں پچاس سے زیادہ ایسے دکاندار موجود ہیں۔ جو اچھے بیج کی فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ آغاز نہایت چھوٹے پیمانے پر ہوا ہے۔ بہر حال یہی غنیمت ہے۔ کہ اچھے بیج کی فروخت کا آغاز تو ہو گیا ہے۔

۱۹ ہونمبر صفحہ ۳۲ پر درج ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کسان جو قرض لیتے ہیں۔ انکی شرح سود کا اوسط ۷.۷ فیصدی ہوتا ہے۔ نیو ہیمپشائر میں شرح سود کا اوسط ۷.۷ فیصدی ہے اور اوکلاہوما میں ۷.۷ فیصدی ہے۔ انکی شرح سود کا اوسط ۷.۷ فیصدی ہے۔



منافع حاصل ہو گا۔ اور سارا ملک، دولت سے فائدہ اٹھائیگا۔ ایک ایسی صنعت کے لئے جو قانونِ تکثیر حاصل کے ماتحت ہو۔ اگر کم شرح سود پر روپیہ لیا جائے۔ تو اتنا زیادہ سرمایہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ منافع زیادہ وسیع پیمانے پر مصنوعات تیار کر کے ان سے پوری طرح فائدہ اٹھاسکے۔ اور اپنے مال کی قیمت بھی گٹھا سکے تاکہ خریدنے والے کو بھی نفع پہنچے۔ ایسی صورت میں مزید ایک ہی شخص نفع نہیں اٹھاتا۔ بلکہ فائدے کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ لیکن زراعت کے بارے میں خاص کر ایسے ممالک میں جہاں کسان ہی مالکان اراضی ہیں۔ سود کے مسئلہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالت یہ ہے کہ بعض قطععات اراضی سے جس قدر آمدنی ہوتی ہے۔ وہ اس سود سے بھی کم ہوتی ہے۔ جو اس قطعہ اراضی کی قیمت فروخت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ گویا اراضی پر حقدِ صحت مقرر ہوتی ہے۔ اُس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ اوسط درجے کا کسان یا مہر نہیں ہوتا۔ اور سود کا تعلق یہاں سے ہے۔ پیچا رہ کسان روپیہ چاہتا ہے۔ اور اُسے حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اُسے یہ شکایت بھی ہے۔ کہ وہ قرض کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔ اس میں اتنی استعداد نہیں کہ سال کے دوران میں جو جس قدر مختلف کام کرتا ہے۔ ان کا نفع و نقصان معلوم کر سکے۔

لے قرض لینے والے اتنا بھی نہیں جانتے۔ کہ ساہوکار کسی روپیہ لینے میں انہیں کتنا نقصان ہوتا ہے۔ پھر مالِ مثلِ اٹھانے کے فائدہ اٹھانے کا ذکر کرتے ہوئے ہیں۔ جب کوئی قابلِ ساہوکار خواہ وہ یہودی ہو یا ہندو، جو یا بہت پست ایک دفعہ قدم چالیتا تھا۔ تو جب تک وہ اور اس کے جانشین صدیوں سے کاروبار میں معروف رہے تھے۔ اور ساہوکاری کا پیسہ انہیں بچہ پسند نہ ہوتا تھا۔ وہ برابر بتی کہ تلے جاتے تھے، اُن کبھی تشدد کی سرگرمیوں کا غامد بھی کیا کرتا تھا یا بلند تر اور طاقتور قرض دہی بڑی بڑی رقم قرض لیکر لوگوں سے اٹھار کر لیتے تھے۔ اس زمانہ کی عام شرح سود گولڈ بوشا ہوا اور ایرل کی میسری اور بجزری کا آئینہ ہے۔ انہیں گولڈ بوشا تھا۔ کہ کوئی شخص انکی خواہشات کو مسترد کرنے کا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر ملے باز لوگ جو قرضے دے کر مکیلوں قرض لیتے ہیں۔ تقریباً پانچ فی صدی سود ادا کرتے ہیں۔ جو سال کے عرصے میں بشرطیکہ روپیہ ادا نہ کیا جائے۔ یہ رقم سود و سود کی وجہ سے بگھنی ہو جائے۔ اور چوبیس سال میں اسی گنا پانچ فی صدی فی ماہ شرح پر اب بھی اکثر لوگ روپیہ قرض لیتے ہیں۔ اگر آٹھ سال تک روپیہ ادا نہ کیا جائے تو ایک پونڈ کے سو پونڈ ہو جائیں گے۔ لوگ ایسے نتائج پر جو ریاضی سے تعلق رکھتے ہیں۔ خود نہیں کہتے۔ لیکن شیعہ ساہوکاروں کو ان باتوں کا ہمیشہ سے علم ہوتا ہے۔ (انڈسٹری اینڈ ٹریڈ مینوفیکچر) زراعت سے کم آمدنی ہو گئی ہے یا بات نہیں، مقور و لاچار اس نے قرض و سہی کی زراعت پر بے باب گھٹا دیا (صفحہ ۱۲) میں یہ لکھا ہے کہ زراعت میں منافع کا تناسب کم ہے۔ اس کا نتیجہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس قدر کم منافع ہونے کی وجہ سے بہت کم زرعی زمین کا زمیندار بن کر رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ لگایا جاسکتا ہے کہ زمینداروں کو زمین کی بہت کم قیمت پر خریدنا پڑتا ہے۔ پھر حقدِ صحت مقرر ہوتا ہے۔



بدقسمتی سے ساہوکار کا علم طریقہ اہل تجارت کے نزدیک محض تجارتی ضرورتیں پوری کرنے کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ اہل سے زیادتی ضروریات پوری کرنا مقصود نہیں۔ اور علم ساہوکار کسانوں کے مطالبات کو قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ تجلّی بنک علم طور پر قحطی عرصہ یعنی زیادہ سے زیادہ تین ماہ کیلئے قرض دیتے ہیں۔ ان کے فنڈ کا بہت بڑا حصہ امانت جاری یعنی چلت حساب پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی بہت بری رقم زیادہ دیر کے لئے قرض میں چھنا نہیں سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسانوں کو مطلوبہ قرض کے لئے کسی اور آستانے کی جانب رخ کرنا پڑتا ہے۔ وہ ساہوکاروں، دوکانداروں، آلات زراعت بیچنے والوں سے قرض لیتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس طرح قرض لینے میں انہیں کس حد تک نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ہم اس مسئلہ پر تو بعد میں روشنی ڈالیں گے۔ اس وقت زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ کسان خواہ کسی ذریعہ سے زراعت کیلئے سرمایہ جہتا کرے۔ اُسے شہر کے کاروباری آدمی کی نسبت زیادہ سود ادا کرنا پڑے گا۔ بلکہ جب شرح سود وہی ہوتی ہے جس پر شہری کاروباری قرض لیتے ہیں۔ تو کسان پر اکثر ایسے مزید ضعیف آپڑتے ہیں۔ کہ اصل سود سے بہت زیادہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اُسے قرض لینے میں بہت خسارہ رہتا ہے۔ جب ایک کسان کی بنک سے قرض لیتا ہے۔ تو عام طور پر بنک اس کی اراضی سے دوسرے شہر میں ہوتا ہے۔ آمد و رفت میں کسان کا دن ہی ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ سفر اور غوراک کے مصارف بھی ادا کرنا پڑتے ہیں۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض لینے میں بہت نقصان ہوتا ہے۔ اور طویل عرصے میں اس کے مجموعی نتائج بہت معترنابت ہوتے ہیں۔ ایک امریکن اہل قلم نے اپنے ملک کے حالات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسان سے بہت بڑی بے انصافی یہ ہو رہی ہے۔ کہ اُس کے لئے قرض لینے کا کوئی مناسب طریقہ نہیں۔ ہمارے ملک کے کسانوں کو ان لوگوں کی نسبت جو دوسری صنعتوں میں مصروف ہیں۔ بہت زیادہ شرح سود ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح درحقیقت زراعت پر ایک سالانہ زائد ٹیکس لگ گیا ہے۔ جو باعتبار تناسب بہت بڑا ہے۔

۱۲ - مہینہ صفر ۱۳۳۳ -

۱۳ - محکمہ ہودیہات کی ساکھ کے متعلق آرلینڈ کی رپورٹ کا یہ اقتباس (صفحہ ۳۱) جو لوگ چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض لیتے ہیں۔ وہ ضامن کا احسان اس طرح اُتارتے ہیں کہ اگر تو اس کے کھیت میں ایک دو دن مفت کام کر دیتے ہیں۔ یا مویشی کا چارہ میا کر دیتے ہیں۔ یا اسے عاریتاً گھوڑا دیدیتے ہیں۔ اور یا اسی قسم کا کوئی اور فائدہ پہنچاتے ہیں۔

زراعت پیشہ آبادی غیر ضروری غیر منفعادہ بھرا اور مصائب کے تلے دبی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری سب سے بڑی صنعت یعنی زراعت کی ترقی میں رکاوٹ واقع ہو گئی ہے۔ ملکی ترقی کو نقصان ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ سے کم ہو گئی ہے۔ اور ہماری قومی حکومت کا تلوں پرودہ بکھر گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ قیمت اس صنعت کی جسے قندن کی بنیاد دیکھنا چاہئے۔ سوٹمن ہے۔ اور اس نے ایسے ایسے اثرات کا شکار بنا رکھا ہے۔ جو اس کی ترقی کے لئے تباہ کن ہیں۔ سرمایہ کو منفعت بخش کام میں لگایا جائے۔ تو اس سے دولت پیدا ہوتی ہے۔ کسان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ کہ یا تو انگلستان کی طرح ڈیڑھ سو ایکڑ قلعہ اراضی کی صورت میں روپیہ لگائے۔ یا چھوٹے سے قلعہ اراضی میں عمیق کاشت کے سرمایہ تباہ کر دے۔ زراعت میں جس قدر روپیہ لگایا جاتا ہے۔ اس سے چند سال کے بعد ایک مستقل آمدنی ہونے لگتی ہے۔ گویا اوسط درجے کا انسان جتنا زیادہ سرمایہ لگائیگا۔ اُسے اتنا ہی زیادہ نفع ہوگا۔ اس لئے محب وطن باہر اقلیتوں کی یہ یقیناً خواہش ہوتی ہے۔ کہ کسان یا تو فصل کی پیداوار بڑھائے۔ اور یا مویشی پالنے اور طاقت حاصل کرنے پر زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگائے۔

برہمنی سے اراضی پر جس قدر سرمایہ صرف کیا جاتا ہے۔ اس کا بہت کم حصہ اُسے ترقی دینے میں خرچ ہوتا ہے۔ بیشتر حصہ تو کسی مالک اراضی سے اراضی خریدنے میں صرف کیا جاتا ہے۔ جو اکثر اوقات افلاس کے باعث محض مزاحع رہ جاتا ہے۔ اراضی کی خرید میں جو کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اس سے موبہ کی دولت میں قدر بڑھ جاتی ہے۔

اسے سرکاری کتاب لیبڈ کرپٹس کے کسانوں کی ملکیت میں لکھی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو دیباچہ صفحہ ۱۲۔ اس امر کا تخمینہ لگانا دشوار نہیں۔ کہ کثیر التعداد سود خواروں کی وجہ سے زراعت پر کس قدر برا بھلا ہے۔ گزشتہ بیس سال کے سود کا میزان پاس کرڈ روپیہ سے کم نہیں ہوگا۔ انگلستان میں زراعت کی ترقی کا باعث یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ مزارعین کے پاس سرمایہ کی قلت ہے۔ حصول منفعت کی پوری پوری توجہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسان اپنی عقل و فاضل طاقت و محنت اور قابلیت کی بدولت جس قدر سرمایہ فراہم کرے۔ اسے منفعت بخش کاموں میں لگا سکتا ہے۔ فراہم کرے۔ (ملاحظہ ہو اکسفورڈ شلٹن میں زراعت صفحہ ۱۲۹) اس جملہ سے یہ مراد نہیں لینا چاہئے۔ کہ یہاں قانونی تعمیل حاصل ہو لگا سکتا ہے۔ عام کسانوں کو فی الحال اس قانون سے خائف نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے اس سلسلے میں موٹی آخریات ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس طرح مسئلہ میں پیچیدگی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

۳۔ ملاحظہ ہو قیمت زمین اور اس کے اثرات و نتائج کی بحث۔

جیتیں ہوتا۔ مالکانِ اراضی کا بعض کاشتکار رہا ہاں کاشتکاری کے نقص میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اس کے  
 فوائد میں دوسری جانب سے یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ بعض علاقوں میں محنتی مزارع مالکانِ اراضی کی زمین پر  
 قبضہ کر رہے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ تحصیل ہوشیار پور میں ارائیں اور گوجر جو اس سرزمین میں کاشتکاروں کے  
 بڑے بڑے گروہ ہیں۔ راجپوتوں کی اراضی خرید کر ان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ راجپوت ان کے مقابلے میں اچھے  
 کسان نہیں۔ اور وہ جس قدر اراضی کی کاشت کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ اراضی ان کے قبضے میں ہے۔ ایسی  
 حالت میں تو یقیناً اراضی کی خرید سے ملک کو بہتیت مجموعی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ برہمنی سے قانون انتقال اراضی کے  
 منظور ہونے سے زمیندار اراضی ان لوگوں کے قبضے میں چلی جاتی تھی۔ جو نہ تو خود اسے کاشت کرنا چاہتے تھے۔  
 اور نہ اسے ترقی دیکر اس میں پیداوار کی انتہائی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ سوائے اس میں یہ خطرہ پیدا ہوا۔ کہ  
 زراعت پیشہ قوموں کے ساتھ کار زمین خرید کر لگان پر کاشتکاروں کو دیدینگے۔ اور یہ کاشتکار شاید وہی مالکانِ  
 اراضی ہونگے۔ جن میں زراعت کی جانب توجہ کاشوق نہیں تھا۔ یہاں پھر بھی اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اراضی  
 کی خرید پر بہت سارے پیر صرف ہو جاتا ہے۔ جسے اگر اراضی کو ترقی دینے پر صرف کیا جائے۔ تو  
 زیادہ بہتر ہو۔

اراضی سے مزید دولت حاصل کرنے کے لئے سرمایہ کے علاوہ یہ امر بھی ضروری ہے۔ کہ کاشتکاروں کو  
 زراعت کے متعلق تعلیم دی جائے۔ اور انکی تربیت کی جائے۔ اور اس غرض کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ موجودہ نظام  
 تعلیم کو قطعاً بدل دیا جائے۔ ترقی کی امید کا دار و مدار تو اس امر پر ہے۔ کہ عوام میں محنت فکر پیدا ہو جائے۔ اور وہ  
 اقتصادی حقائق کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ آج تک جن وسیع قانونوں کی بدولت ملک کو ترقی اور اقبال مندی  
 حاصل ہوئی ہے۔ انہیں حکومت معرض وجود میں لائی ہے۔ اب جدید نظم میں ان لوگوں کی رائے پر  
 زیادہ اعتماد کیا جائیگا۔ جن کے قبضے میں سیاسی قوت ہوگی۔ یہ ضروری ہے۔ کہ ان میں سے ایسے لیڈر پیدا  
 ہوں۔ جو اقتصادیات کا صحیح ذوق رکھتے ہوں۔ ورنہ ایک بہت بڑی قومی کلینت زوال پذیر ہو جائیگی۔ آج  
 زراعت سے جو بے رخی برتی جاتی ہے۔ اس کی بجائے دیہاتی اقتصادیات میں ایک حقیقی دلچسپی کا پیدا ہونا

۱۔ ملاحظہ ہو دیہاتی تعلیم کی بحث۔

۲۔ ملاحظہ ہو دیہاتی لیڈروں کے خصلت کی بحث۔

ضروری ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی لازمی ہے۔ کہ یہ دلچسپی اقتصادی معاملات کے صحیح علم کی بدولت پیدا ہو سادہ آبادی کا غیر زراعت پیشہ حصہ محسوس کرے۔ کہ زراعت کی ترقی سے خود اس کی ترقی اور خوشحالی کیونکر وابستہ ہے ترقی کی رفتار کیونکر تیز ہو سکتی ہے۔ اور اس میں کیونکر بڑا کاوش پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ خود کس طریقہ سے اور کس حد تک صحیح اقتصادی اصولوں پر دیہات کی نشاۃ ثانیہ میں حصہ لے سکتے ہیں۔

گائول اور شہر کچھ اس طرح ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں۔ کہ جب لوگوں کو ان کے باہمی تعلقات اور ان کے لازمی نتائج سے بیخبر پاتے ہیں۔ تو بیکہ تعجب ہو تا ہے۔ طریق کشادہ داری کے اچھیانے ہونے کا نتیجہ محض تجارت کے عروج یا زوال پر ہی نہیں۔ بلکہ اس سے تمام اہلکاروں کے مفادات پر اثر پڑتا ہے۔ زراعت اچھی ہوگی۔ تو مالی حالت کے متعلق بھی اطمینان حاصل ہوگا۔ اور مستحکم مالی حالت مستقل پائیدار ترقی کی اساس و بنیاد کا حکم دیتی ہے۔ زراعت کے فروغ سے یہ اندیشہ نہیں۔ کہ دوسری صنعتوں سے اس کا مقابلہ شروع ہو جائیگا۔ بلکہ زراعت فروغ حاصل کریگی۔ تو دولت فراہم کرنے میں ان کی معاون ثابت ہوگی۔ انہیں عام اجناس اور کام کرنیوالے آدمی بہم پہنچائے گی۔ بلکہ کسی حد تک مصنوعات کی فروخت کیلئے منڈی بھی مہیا کریگی۔ جس کے بغیر صنعتوں کا قیام و بقا ناممکن ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے طرز عمل کو واضح کرنے پر زور دیا ہے۔ جو شہر کے تعلیم یافتہ لوگوں نے زراعت کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ اکثر ممالک کی طرح اس سرزمین میں بھی عام بچان یہی ہے۔ کہ تعلیم یافتہ اور ہوشمند لوگ شہروں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اگر زراعت کی ترقی ہوئی۔ تو اس کے فائدہ بھی شہروالے ہی محسوس کویں گے۔ اور یہ اغلب ہے۔ کہ شہر کے لوگوں کی بدولت ہی پنجاب کی دیہاتی زندگی کے خاص مسائل کے مطالعہ کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔

لہذا اس دلیل کی مزید توثیق کیلئے سربراہ پبلک کا کتاب تصویبات متحدہ کی دیہاتی زندگی کے مسائل دیکھئے۔ یہ امر قابل غور ہے۔ کہ انگلستان میں آج سے بہت عرصہ پہلے ہی سلاسلہ میں یہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ کہ زمین قومی دولت کا بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے حاصل ادا کیے جاتے ہیں۔ اس لئے ان میں اضافہ تمام باشندگان ملک کیلئے مفید ہے۔ کیونکہ جس فنڈ سے، انگریزی حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح ان میں اضافہ ہو جائیگا پنجاب میں بھی اس امر سے شہروالوں کا ہی فائدہ ہے۔ کہ زمین سے زیادہ دولت حاصل کی جائے۔ تاکہ زیادہ انگریزی ادا کی جاسکے۔ اور شہروالے اس خطرے سے محفوظ ہو جائیں۔ کہ ان سے کوئی معمول و معمول کی جائیگا۔

لیکن جہاں صوبہ کی سب سے بڑی صنعت کے متعلق باشندگان کی بے بسی اس قدر نمایاں ہے۔ وہاں بڑے بڑے مالکان اراضی کی غفلت اور عدم توجہی اُن سے بھی بڑی ہوتی ہے۔ اور پھر بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مالکان اراضی کی بے اتفاقی کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ تو بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ دیہاتی مسائل سے بے اتفاقی ایک رسم عام ہو چکی ہے۔ اگرچہ ان نوآبادیوں میں جنہیں ہرگز سیراب کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات دوسرے مقامات پر بھی خوشحال مالکان اراضی نے اس مسئلہ سے کچھ غور کیا ہے۔ اور زراعت کے ترقی یافتہ جدید طریقوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مزید برآں غیر زراعت پیشہ آبادی میں سے بھی بعض لوگ اس تحریک میں پیش پیش نظر آتے ہیں تاہم حقیقت یہی ہے۔ کہ صوبہ پنجاب میں اہمیت مجموعی بڑے بڑے مالکان اراضی نے زراعت کو فروغ دینے اور اراضی کی ترقی کیلئے روپیہ صرف کر کے مثال قائم کرنے میں کوئی حصہ نہیں لیا اور اگر بعض نے حصہ لیا۔ تو اُسے کلمہ قرار نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ مستثنیات میں تصور کرنا چاہئے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ نوآبادیوں کے وہ کاشتکار جنہیں مربع انعام میں ملے ہیں۔ بڑے بڑے زمینداروں کی نسبت مربعوں کی غور و پرداخت میں زیادہ ہمت اور مشقت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ کہ ان کاشتکاروں نے ہرگز تعمیر کیں۔ بند باندھے۔ کنوئیں کھودے۔ لیکن صوبہ کی مزروعہ زمین کے بہت چھوٹے سے حصہ میں ایسا کیا گیا۔ لہجہ بیچ جدید آلات کٹاؤرنی یا زراعت کے بہتر طریقوں کے متعلق نہ تو اُن لوگوں کو کوئی علم ہے۔ اور نہ انہوں نے اس قسم کا علم حاصل کرنے کی خواہش کی ہے۔ اس بحث کی ہیئت مجموعی پر مٹان کے چک داروں کے طریقے سے روشنی پڑتی ہے۔ مٹان میں مالکان اراضی نے یا تو محض کاہلی کے باعث یا سرمایہ کے نہ ہونے اور دوسرے اسباب کے ماتحت اراضی سے بے اتفاقی برتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہاں خوشحال تاجروں کا ایک گروہ چک کی حیثیت سے پیدا ہو گیا۔ یہ چک دار مالکان اراضی کو نقد رقم اجارہ ادا کر دیتا ہے۔ کنوئیں کھودتا ہے۔ اور پھر کسی کاشتکار کو اجارہ پر اراضی دے دیتا ہے۔ لیکن نقد روپیہ کی بجائے پیداوار میں سے حصہ لیتا ہے۔ اسی طرح مالک اراضی کو رقم اجارہ ادا کرنے اور کنوئیں کھودنے کے مصارف کا کفیل ہونے کے بعد جو روپیہ بچ رہتا ہے۔ وہ منافع خالص ہوتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں ہتیم بندوبست نے لکھا تھا۔ کہ اس ضلع میں دوسرے اضلاع کی نسبت جو خوشحالی نظر آ رہی ہے۔ وہ سرتاسر چک داروں کے دم قدم سے ہے۔ تقریباً سب چک دار متمول کراڑ ہیں۔ جنہوں نے سرمایہ اور محنت کی وجہ سے اس علاقہ کی پیداوار بڑا دی ہے۔ سو جب تک معقول خالص منافع حاصل نہیں کر لیتے۔ انہیں اطمینان نہیں ہوتا۔ عام طور پر بڑے بڑے مالکان اراضی نے کچھ

اراضی کی مخفی قوتوں کو بیدار کرنے اور کسانوں کو اعلیٰ درجہ کا طریق زراعت اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس سلسلہ میں یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کہ صوبہ کی نصف مزروعہ زمین کسانوں کے قبضہ میں ہے جن کے پاس نہ تو سرمایہ ہے نہ زراعت کے طریقوں کی اصلاح و ترقی کی جانب توجہ کی نیکی ہمت یا سمجھ۔

کسی زمانہ میں انگلستان کی زراعت کو جو سر بلندی حاصل تھی۔ اُس کی وجہ بہت حد تک یہ تھی۔ کہ انگلستان کے لوگوں میں یہ احساس تھا کہ اراضی سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے اس کے انتظام کی جانب توجہ کرنا ضروری ہے۔ اس صوبہ کی طرح انگلستان کے مالکان اراضی کو صرف لگان وصول کرنے سے ہی غرض نہیں تھی۔ بلکہ وہ اراضی کے لئے مستقل سرمایہ بھی ہتیا کرتے تھے۔ اور یہ فیصلہ کرنے میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ کہ زراعت کے لئے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اگر کسی مزارع کو کوئی نیا طریقہ اختیار کرنے کا خیال آتا۔ یا کوئی دشواری پیش آتی تو وہ احانت کے لئے زمیندار کی جانب رجوع کرتا۔ دوسری جانب جب زمیندار کو مزارع پر اس امر کا اعتماد ہوتا کہ وہ روپیہ کو موزوں و مناسب طریق پر استعمال کرنا اور اراضی کو اچھی حالت میں رکھنا جانتا ہے۔ تو وہ سولہ لگانے میں بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔

یہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ زراعت کو بھوری طرح فروغ دینے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے اور انگلستان کا یہ طریقہ کہ مالک اراضی سرمایہ مطلوبہ کا بیشتر حصہ فراہم کرے۔ تجربہ کے بعد بہترین طریقہ

ملیہ ذکر لکھی سے خالی نہیں۔ کہ انگلستان کے مالکان اراضی بھی پہلے کاشتکاری سے بے توجہی برتا کرتے تھے۔ لیکن سترہویں صدی میں باشندگان شہر نے جو قانون قانون اور دوا گروں پر مشتمل تھے۔ وہ باتیں ہیں ارضی خریدنا اور ان پر روپیہ لگانا شروع کر دیا۔ اچھی مثال نے دو متحدہ مالکان اراضی میں سیلیڈی پیدا کر دی اور بعض تعلیم یافتہ اور صاحبِ حیثیت لوگوں نے بھی زراعت کی جانب توجہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت کو برابر ترقی ہوئی رہی۔ تا آنکہ شہر خاکی ایک بہت بڑی جماعت اُن لڑائیوں میں شریک ہونے کو مجبوری گئی۔ جو امریکہ اور فرانس سے اڑھائی تا سات لاکھ جہازیں شہر و لڈرا برس کا پہلے ہے۔ کہ انگلستان کی زراعت صدیوں تک پستی کے عالم میں پڑی رہی ہے چنانچہ اٹھارویں صدی میں ہی زراعت نے سرعت سے ترقی کرنا شروع کی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اٹھارویں صدی میں بڑے بڑے زمیندار نہایت سرگرمی سے زراعت کا علم حاصل کرتے تھے۔ اور انہیں نہایت ذہنی سے طریقہ متوجہ کرکے کئی باک نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً کھجور کا درخت (جوا) اور سرسکوں پر جہاں کسان مالکان اراضی تھے۔ قسمی لوگوں میں حرکت نہ رہی۔ نہ پھل پھول جابجا۔ اگرچہ کہ وہ لوگوں سے بھی زمیندار سرگرم نہیں رہے۔ اور انہوں نے وہ جہاد نہیں کیا کہیں بھی بدولت کی زراعت نے مروجہ حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اس صوبہ کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ جبکہ خدا اور قانون کی گولڈن رول اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ جدید علم و صنعت کی نوس اراضی سے جتنی فائدہ ممکن ہو حاصل کرے۔ اور انہوں نے جو معجزہ زراعت اور اوار و ماحول کے حدود و دائرے سے باہر سے

ثابت ہوا ہے۔ انگلستان کے مزارعین کہا کرتے ہیں۔ کہ انہیں زمیندار سے اپنے تعلقات منقطع کرنے یا زمین کا مالک بن کر ملکیت کی ذمہ داریوں کا بار گراں اٹھانے کی خشیف سے خشیف خواہش بھی نہیں۔ جہاں ایک بہت بڑے رقبہ زمین کی کاشت مزارعین کرتے ہوں۔ زراعت کی ترقی اراضی کے زحیز ہونے پر نہیں۔ بلکہ شکر کے زراعت کے باہمی تعلقات کی نوعیت پر موقوف ہے۔ مالکان اراضی کے لئے ضروری ہے۔ کہ جہاں ملک اُن کے اقتصادی مصلح اجازت دیں۔ مزارعین کی احانت کریں۔ اور اپنے اثر و رسوخ کے استعمال سے کوشش کریں۔ کہ زراعت کا معیار بلند ہو جائے۔ حدیسی صنعتوں میں روپیہ لگانے سے جتنا فائدہ ہوتا ہے۔ زراعت میں ہرگز اُن سے کم فائدہ نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ مالک اراضی اور مزارع دونوں میں قابلیت اور سمجھ موجود ہو۔ اجارہ دار کاشتکاری کے مسئلہ پر مزید بحث تو آگے چل کر کی جائے گی۔ یہاں ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ملکیت اراضی کے مسئلہ کا دار و مدار اُس جذبہ پر ہے۔ جس کے تحت اس کا حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر مالک اراضی اپنی ذمہ داریاں پوری طرح محسوس نہیں کرے گا۔ تو زراعت زوال پذیر ہوتی رہے گی۔ اور جب تک صوبہ کے بڑے بڑے زمیندار مزارعین میں زراعت کے طریقوں کی اصلاح کی تحریک نہیں کریں گے۔ اور اس بارہ میں اُن کی دستگیری اور اعانت پر آمادہ نہیں ہوئے۔ صوبہ کی عام خوشحالی کو شدید نقصان پہنچتا رہے گا۔

یہاں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ کہ آخر حکومت قوانین نافذ کر کے زراعت کو ترقی دے سکتی ہے۔ اور اس ضمن میں مثال کے طور پر انگلستان کا قانون بہر سائی خوراک یا جاپان کے واقعات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جاپان میں زراعت کے متعلق قوانین و ضوابط نافذ کئے گئے ہیں۔ جن کا منشا یہ ہے۔ کہ کسان کو کاشتکاری کے سلسلے میں کونسے طریقے اختیار کر چاہئے۔ انہیں کن امور سے احتراز لازم ہے اراضی

سے پرفیسر کارور نے اپنی کتاب "پرنسپلز آف رورل اکنامکس" (دیہاتی اقتصادیات کے اصول) صفحہ ۲۲ پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ دنیا بھر میں انگلستان کے نظام اجارہ داری کے ماتحت بہترین زراعت ہوتی ہے۔ کسان کو اراضی خزانے میں چند ان نفع نہیں ہوتا کیونکہ وہ مویشی اور دوسرے ضروریات زراعت پر روپیہ لگا کر زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں جے آدر کی کتاب "ایگریکلچرل ان آکسفورڈ شائر" کے چھٹے ساتویں اور آٹھویں باب کا مطالعہ غور سے کرنا چاہئے۔



کی کاشت کیونکر کرنا چاہئے۔ کون کون سے امور ممنوعات کی ذیل میں آتے ہیں۔ اور کون سے طریقے ایسے ہیں۔ جنہیں اختیار کرنا حکومت کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ وہاں حکومت نے زراعتی تجربہ گاہ قائم کر رکھے ہیں جن میں کسانوں کو بتایا جاتا ہے۔ کہ کن طریقوں کا اختیار کرنا ان کے لئے مفید ہوگا۔ ان ہدایات کا بیشتر حصہ ایسا ہوتا ہے۔ جس پر عمل کرنے پر کسان مجبور ہوتے ہیں۔ جاپان میں حکومت کے اہتمام سے کسانوں کی مجلسیں قائم کی گئیں۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کسان ایک دوسرے کی اعانت کرنے لگے۔ مائیکل شٹک طریق زراعت کو ترقی ہوئی۔ اراضی کی خرید و فروخت اور قرض کے لینے دینے میں سہولتیں پیدا ہو گئیں۔ اور ان مجالس کا ممبر بننا ہر کسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ لیکن پنجاب میں تو آجکل علم بھان اس امر کی جانب ہے کہ جہاں تک ہو سکے زراعتی معاملات میں سرکاری مداخلت کی مذمت کی جائے۔ اس لئے یہاں تو زراعت کو اسی طرح ترقی ہو سکتی ہے۔ کہ رائے عامہ کی اصلاح کی جائے۔ اور زمینداروں میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جائے۔ اس باب میں حالات یا اس انگیز ہیں۔ اکثر بڑے بڑے زمینداروں میں یہ عام احساس پیدا ہو چلا ہے۔ کہ خالص بیج۔ جدید آلات کثاوری اور زراعت کے بہترین طریقوں کے استعمال سے زیادہ منفعت ہو سکتی ہے۔ لیکن ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آیا مزارعین خاص طور پر مغربی پنجاب کے مزارعین کا بیشتر حصہ ان طریقوں کے اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ابھی جدید آلات کثاوری بہت کم تعداد میں فروخت ہو رہے ہیں۔ اور اکثر دیہات میں اگرچہ خالص بیج کے نام سے کان نا آشنا تو نہیں۔ لیکن ابھی تک اس کے استعمال کو ایک نرالی چیز سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال ان واقعات کے باوجود بالوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ انگلستان میں یہی ہوا تھا۔ کہ اٹھارہویں صدی کے اوائل قلم عرصہ تک

لے ڈیولپمیک گورنمنٹ کی کتاب "ماڈل جاپان" (جدید جاپان) صفحہ ۱۶۲-۱۳۵-۱۳۶ ملاحظہ ہو۔ یہ امر شبہ ہے۔ کہ ہندوستان بھی جتنا موجودہ اس امر پر آمادہ ہے۔ کہ حکومت زراعت میں اسی طرح مداخلت دے۔ اور عوام کو مجبور کرے۔ جس طرح حکومت جاپان کر رہی ہے جاپان میں شخصی جذبات کو عوام کے سود و بہبود پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے وہاں اس طریقے سے کامیابی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشتہار اراضی کے لئے وہاں پہلے پہل مالکان اراضی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری تھا لیکن اب اکثریت کے فیصلے پر اراضی کا اشتہار عمل میں لایا جاتا ہے۔ (دیکھئے جاپان ایر بک) یہ امر تعین نہیں۔ کہ پنجاب میں اکثر کسانوں کو اسی طرح مجبور کیا گیا۔ تو اُسے پسند کیا جائیگا۔



کسانوں کو جدید طریقوں کے اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن کہیں سو سال کے عرصہ میں انگلستان کے کسانوں میں ان طریقوں کے اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس زمانہ کے تمام نقاد کسانوں کی اس قدامت پرستی کے شاکِ نظر آتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ اُس کا حاصل یہ ہے کہ زمین میں دولت تو موجود ہے۔ لیکن یہ کسان پر منحصر ہے۔ کہ اُس سے جس قدر چاہئے فائدہ اُٹھائے اور اُس کی سستی و کاہلی کو دور کرنے کے لئے ایسے محرکات کی ضرورت ہے۔ جو اُسے کام کرنے پر آمادہ کرتے رہیں۔ بیچارے کسان کو بھول نہیں جانا چاہئے۔ کچ سے چالیس سال پہلے تھورولڈ رابرٹس "کسان اور اراضی کے تعلقات کا ذکر ان الفاظ میں کر چکا ہے۔

"تاریخ زراعت کے طالب علم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ جس چیز کو ماہر اقتصادیات اپنی اصلاح میں زرخیزی کہتا ہے۔ اُس کا دار و مدار صرف زمین اور دھوپ پر ہی نہیں۔ بلکہ اُس میں کسان کی ذکاوت، فہم، ہنرمندی، دُور اندیشی اور شغیت کو بھی دخل ہے۔ جو اس زمانہ کے با استعداد کاشتکار کی خصوصیات ہیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ زمین زرخیز ہو۔ جس میں اچھی زراعت ہو سکتی ہے۔ لیکن اس عرصہ کے لئے مزارع کا تیز فہم ہونا بھی ضروری ہے۔"

اگر پنجاب اراضی کی زرخیزی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ لوگ بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ چونکہ یہ مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم نے آگے چلکر اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

تھورولڈ رابرٹس کی کتاب "ہسٹری آف ایگریکلچر اینڈ پراشس" (زراعت اور زرعی پیداوار کی قیمتوں کی تاریخ) جلد چہلم باب ۲۶۔

لے یہ خیال اگر ملکوں کے زراعت پر مشہور گروہوں پر پوری حقیقت سے منطبق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آئرلینڈ کے متعلق حسب ذیل عقیدہ ملاحظہ ہو۔ "چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کا رجحان بحالت موجودہ یہ ہے۔ کہ مخلوط کھیتی باڑی کرتے رہیں۔ اس کی وجہ تو یہ ہے۔ کہ ان کے آبا و اجداد اسی طریقے پر عمل کرتے رہے ہیں۔ یا یہ کہ انہیں یہ طریقہ آسان ترین معلوم ہوتا ہے۔ اور یا اس کا سبب یہ ہے کہ علم خیال ہے۔ کہ اراضی کو دوسرے کی مدد سے بے نیاز اور اپنی مدد خود کرنے کے قابل ہونا چاہئے بہر حال کسی خاص چیز کی بہبود و اکیلو منفعل ہوگا۔ اور ہنڈاول کا فرض ہے۔ کہ وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھائیں۔ ملاحظہ ہو پرنس بائٹ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۴۳۔

## زراعت میں تبدیلی !

دوسری بات جس کے متعلق بہت حد تک لوگوں کے خیالات میں اتفاق ہو چکا ہے یہ سب کزراعت میں آہستہ آہستہ اس قسم کی تبدیلی ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے کسان کا اپنے پیشہ سے وہ تعلق نہیں رہا۔ جو پہلے تھا۔ اس تبدیلی پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے۔ کہ ۱۸۷۰ء میں پنجاب سے صرف چار لاکھ روپیہ کا غلہ باہر بھیجا گیا۔ اب چودہ کروڑ روپے کا غلہ برآمد ہوتا ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ اس صوبہ کے کسان اپنی ضروریات کے لئے اب نسبتاً کم غلہ رکھتے ہیں۔ اور بیرونی ممالک کی منڈیوں میں زیادہ غلہ بیچتے ہیں۔ یہ ترقی اس لئے ہوئی۔ کہ نہروں کی تعمیر کی وجہ سے پہلے کی پر نسبت اب بہت زیادہ رقبہ میں زراعت ہوتی ہے۔ ملک کا بہت بڑا حصہ تو محض باہر غلہ بیچنے کے لئے فصل کی کاشت کرتا ہے۔ اور گاؤں کے لوگ بیرونی تجارت کے مسئلہ سے بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ کسان بھی اُس چیز کی کاشت کرتا ہے۔ جس کی مانگ دنیا میں زیادہ ہے۔ پنجاب کی منڈیوں میں گیہوں کا جو نرخ ہوتا ہے۔ اُس کا دارو مدار مقامی حالات پر نہیں رہا۔ بلکہ اس بات پر ہے۔ کہ لورپول میں گیہوں کا کیا نرخ ہے۔ کیونکہ لورپول دنیا کی بہت بڑی منڈی ہے۔ نرخ متعین کرنے میں اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ یہاں سے لورپول تک غلہ جھنجھے میں کیا فروج آئیگا پہلے زمانہ میں کاشتکار اپنے گھر کی ضروریات کا خیال رکھ کر کاشت کرتا تھا۔ اب بھی بعض جگہ یہ دستور ہے۔ کہ وہ ایک قطعہ اراضی کے ایک حصہ میں رتی کے لئے سن کی کاشت کرتا ہے۔ اور ایک پھولے سے حصے میں روئی بوئی جاتی ہے۔ لیکن جن علاقوں میں لوگوں نے زیادہ ترقی کی ہے۔ وہاں انہیں یہ خیال دامنگیر ہے۔ کہ کسی منفعت بخش جنس کی کاشت کی جائے۔ اور اُسے بیچ کر جو روپیہ ملے۔ اُس سے گھر کی ضروریات کی چیزیں خریدی جائیں۔ گویا اب کسان یہ محسوس کر رہا ہے۔ کہ وہ محض پیداوار پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ بلکہ پیداوار سے جو فائدہ ہوگا۔ اس سے اس کے لوازم زندگی ہتیا ہونگے۔ اب اس صوبہ میں علم رجحان انہی چیزوں کی کاشت کی جانب ہے جو فراغت ہو جائیں۔ لیکن ابھی کسان نے اتنی ترقی نہیں کی۔ کہ وہ اپنی زمین سے وہ کام لے۔ جس کی بدولت اُسے زیادہ سے زیادہ خالص منافع حاصل ہو سکے۔ ابھی زراعت کے متعلق اُس کا علم اتنا وسیع نہیں ہوا۔ کہ زمین کو دیکھ کر یہ معلوم کر لے کہ وہ کسی چیز کی کاشت کے لئے موزوں واقع

ہوتی ہے۔ وہ گیہوں کی کاشت اس لئے نہیں کرتا۔ کہ گیہوں سے اُسے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تو محض اس لئے گیہوں بوتا ہے۔ کہ اُس کے گرد پیش جس قدر کسان ہیں۔ وہ اپنی اراضی میں گیہوں کی کاشت کرتے ہیں۔ مزید براں اگر آبپاشی کا انتظام معقول ہو۔ تو گیہوں کی فصل میں زیادہ محنت بھی صرف نہیں ہوتی۔ اُسے فروخت کر لینا بھی آسان ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ آلو اور پھلوں کی کاشت سے زیادہ روپیہ حاصل ہوگا۔ لیکن کچھ تو اُسے ان چیزوں سے مودنی لگاؤ نہیں ہے۔ اور پھر کچھ یہ خیال بھی مانع ہے کہ آلو اور پھل اتنی آسانی سے فروخت نہیں ہو سکتے جتنی آسانی سے گیہوں بک سکتا ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کسان پر بھی دنیا کی مثیل کے نرخ کا اثر پڑ رہا ہے۔ پہلے زراعت سے اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ بس اس قدر پیداوار ہو جائے جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اب اُسے تجارت کا خیال آیا ہے۔ دنیا کی منڈیاں اور نرخ کا اتار چڑھاؤ۔ اب اُس کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اب وہ ان اجناس کی کاشت نہیں کرتا چاہتا۔ جن کی کاشت کی جانب دوسرے لوگ اُسے مائل کرتے ہیں۔ بلکہ وہ تو وہی جنس بونیکا جس سے اُسے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ وہ جس جنس کی کاشت کرتا ہے۔ فوراً بک جاتی ہے۔ اس طرح اس کی سلکھ قائم ہو گئی ہے۔ کیونکہ وہ جب چاہئے۔ جس کو نقد روپیہ کی صورت میں تبدیل کر سکتا ہے اور فصل اس کے لئے کافی ضمانت ہے۔ اگر کسان عقلمند ہو۔ اور اس سلکھ سے فائدہ اٹھا سکے۔ تو اُسے چاہئے۔ کہ وہ اپنے سرمایہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ اراضی پر لگائے۔ وہ اپنی عقلمندی زراعت کے علم اور قابلیت کی بدولت اس سے فائدہ حاصل کرے گا۔ تعجب ہے۔ کہ زراعت میں جو تبدیلی ہو رہی ہے۔ اُس کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ چند علاقوں کے باشندوں کے سوا عام طور پر اس دور سے گزر چکا ہے۔ جب اراضی کی بجائے مویشی کے گلوں کو اُس کی سب سے بڑی دولت تصور کیا جاتا تھا۔ دوا بہ سندھ ساگر اور بعض دوسرے علاقوں میں جو ابھی زراعتی ترقی کے میدان بہت پیچھے ہیں۔ لوگ اب بھی ضرور مویشی کے گھنے پالتے ہیں۔ اور ایسے مقامات بھی ہیں جہاں کے لوگ ابھی ان مراحل کے طے کرنے میں مصروف ہیں۔ جن سے زراعت عرصہ ہوا گذر چکی ہے۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں ابھی تک یہ دستور ہے۔ کہ کسان ایک جگہ کھیتی باڑی نہیں کرتے۔ بلکہ خانہ بدوشوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔

جو لوگ شکوہ رنج ہیں۔ کہ آج کل پُرانے زمانے کی طرح گھی کی فراوانی نہیں۔ یہاں اس امر پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں۔ کہ چراگاہوں میں زراعت کیوں کی جا رہی ہے۔ وہ حقیقت اس مقام میں سرد آہیں بھر رہے ہیں۔ کہ انسان پھر رجعتِ ہتھکری کر کے گلہ بانی کی منزل پر جا پہنچے۔ اگر انہیں اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا جائے۔ تو صوبہ کی ساری آسودہ حالی خواب و خیال ہو جائے۔ تجارت و ہرفت کو زوال آجائے۔ اور قحط و فاقہ زندگی کا ایسا دور دورہ ہو۔ کہ آبادی گھٹ کر اتنی رہ جائے۔ جس کے لئے چراگاہوں کی تھوڑی بہت پیداوار کافی ثابت ہو۔ لیکن اس کتاب کے مضامین کی بنیاد اس دلیل پر ہے۔ کہ دولت اور خوشحالی کی ترقی پسندیدہ چیز ہے۔ اس لئے تمام ہمت اور کوشش اس امر پر صرف ہونا چاہئے۔ کہ زراعت سے تجارتی منفعت اٹھائی جائے۔ یہ نہ ہو۔ کہ تمدن کو کئی سو سال پیچھے ہٹا لے جائیں۔

بعض لوگوں کو شاید زراعت سے تجارتی منفعت اٹھانا قبل از وقت معلوم ہو۔ بعض حلقوں میں اس تحریک پر اظہارِ افسوس کیا جاتا ہے۔ مثلاً بعض اخبارات کے مقالہ نگاروں نے اس امر پر اظہارِ ظاہر کیا ہے۔ کہ ملک بھر بڑی مقدار میں گیلوں بھیجا جاتا ہے۔ حالانکہ ملک کے اندر گیلوں کا نرخ گراں ہے۔ اور اکثر لوگ ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کہ ہر مزدور کی طرح کسان کی بھی خواہش ہے۔ کہ وہ اپنی محنت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ مگر ضروریات پوری کرنے کے بعد جس قدر گیلوں بچ رہتا ہے۔ اگر وہ دوسرے ملکوں کو نہیں بھیجا جاسکتا۔ تو اُسے کاشت ہی نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں ایک

لکھنؤ میں اس ملک جگہ ذکر ہے۔ کہ قلعہ نادول (درتسر) کے کسانوں کو انگلندی کی قہس کشت اور نیک حکم دیا گیا۔ اور وہ ساہوکاروں سے دس روپے قرض لینے پر مجبور ہو گئے۔ ساہوکاروں کے پاس جتنی قیمتی اشیاء تھیں۔ انہوں نے انہیں فروخت کر کے وہیہ حاصل کیا اور حیدرآباد کی بجائے تحصیل میں مانگنڈی اور اکروی۔ زینداروں نے یہ قرض غلہ کی صورت میں ادا کیا لیکن غلہ کا نرخ گر گیا۔ بازار میں غلہ کی قیمت بہت سافلہ فروخت نہیں ہو سکا۔ اور نہ نفع ہو گیا۔ (۱۱) طرح۔ (۱۲) ساہوکاروں کو بہت نقصان پہنچا۔ (۱۳) مٹرا لکھنؤ کی یادداشت مطبوعہ رپورٹ صفحہ ۹۸)

کاشتکار جس میں فہم بھر بھی عقل ہوگی۔ ایسی جنس کی کاشت گوارا نہیں کریں گے جسے وہ فروخت ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح لکشاثر یا بستی میں کسی شخص کو یہ خیال نہیں آئیگا کہ محض اس بنا پر روٹی کی برآمد کی مخالفت کی جاسکتی ہے۔ کہ اکثر افلاس زدہ لوگوں کو ابھی طرح تن ڈھانکنے کے لئے روپیہ نہیں ملتا۔ لوگوں کو اس بات پر بھی اعتراض ہے۔ کہ کیوں ایسی اعلیٰ درجہ کی کپاس لوٹی جائے جس کی روٹی لکشاثر کے کارخانوں میں استعمال کرنے قابل ہو۔ یہ روٹی آسانی سے دیسی چرخہ میں کاٹی نہیں جاسکتی۔ اور چونکہ ہندوستان میں کپڑا بہت قلیل مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی بھی روٹی پارچہ بانی میں استعمال نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اگر کانوں کو جدید قسم کی روٹی سے بہت سافٹ خالص حاصل ہو جائے۔ تو وہ ان باتوں سے ہرگز متاثر نہیں ہوگا۔ ممکن ہے۔ کہ اربابِ قلم کے پس اس صوبہ کے سود و بہبود کی زبردست خواہش موجود ہو۔ لیکن وہ افلاس کو کم کرنے اور خوشحالی کو ترقی دینے کے لئے مناسب طریقے استعمال نہیں کرتے۔ اس مقصد کے لئے ضرورت ہے۔ اس بات کی۔ کہ زیادہ دولت پیدا کی جائے۔ اور چونکہ مزید دولت حاصل کرنے کے لئے مزید رقبہ کی ضرورت ہے۔ اور مزید رقبہ بھی ایک حد متعین ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ موجودہ اراضی سے ہی مزید دولت پیدا کی جائے۔ یعنی جس رقبہ میں آج زراعت ہو رہی ہے۔ اس کو اس قابل بنایا جائے۔ کہ اس سے ایسی فصل پیدا ہو۔ زیادہ سے زیادہ خالص نفع حاصل ہو سکے۔ چونکہ زمانہ جدید کی نیچرل سائنس نے زراعت ترقی کے نئے نئے اسرار بے نقاب کر دیئے ہیں۔ اس لئے کسان اس اراضی سے صرف مزید دولت ہی پیدا نہیں کریں گے۔ بلکہ زیادہ اعتماد اور وثوق کے ساتھ زراعت پر روپیہ لگا سکے گا۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ اسے کس حد تک جامد عمل پہننا سکتا ہے۔ تو یہ اس بات پر موقوف ہے۔ کہ آیا اسے یقین بھی ہے کہ پیداوار فروخت کر کے اپنی محنت کا کافی معاوضہ مل جائیگا۔

اس طرح جوں جوں سائنس ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ زراعت کا فن قدیم پرانے دستور اور رواج کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اقتصادی حیثیت اختیار کرتا چلا جاتا ہے اس لئے بچا بے کان کو محض اسلئے

لے نوٹ صفحہ ۱۸۔ اس سلسلے میں لکھوں کتابیں تصنیف کنندگان کے حسب ذیل اقتباس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

ہندوستان میں سرمایہ کو کاروبار پر لگانے یا اراضی کی اصلاح پر روپیہ صرف کرنے کا کسی کو خیال نہیں۔ البتہ صرف چند ملندہانی (روسا) اور

افلاس کی زنجیروں میں اسیر رکھنے کی کوشش کرنا کہ بعض دوسرے باشندگان ملک بھی اپنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تقاضائے عقل و دانش نہیں۔

اس سلسلہ میں جتنی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ انکا سرچشمہ یہ خیال ہے۔ کہ شہر کے لوگوں کے لئے خوراک ہم پہنچانا گاؤں والوں کا فرض ہے۔ اور چونکہ اس بارہ میں ہندوؤں کے جذبات ذکی الحس واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ اگر گاؤں کے لوگوں کا فرض شہریوں کے لئے خوراک ہم پہنچانا ہے۔ تو شہر والے کا بھی یہ فرض ٹھہرا۔ کہ اگر باہر کا آیا ہوا غلہ سستا ملتا ہو۔ جب بھی اپنے پڑوسی کسان سے غلہ خریدے۔ اگر کسی ہمسایہ موہ یا آسٹریلیا سے آیا ہوا گیہوں یہاں کے گیہوں سے ارزاں ہو تو کیا وجہ ہے۔ کہ شہری باشندہ گراں قیمت پر مقامی گیہوں خرید کر مالی قربانی کرے۔ کسان تو ضرور اسی منڈی میں غلہ بیچے گا۔ جہاں اُسے زیادہ سے زیادہ روپیہ ملتا ہو۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں۔ کہ وہ جو غلہ بیچتا ہے۔ اُس سے آخر کار کون پیٹ بھرے گا۔ جس شخص کے پاس وہ غلہ بیچتا ہے۔ اسے بھی اسی طرح یہ فکر دامنگیر ہوتی ہے۔ کہ اسے زیادہ سے زیادہ نفع بچ رہے۔ اسی طرح ہندوستان میں غلہ خریدنے والے کو کسی صورت میں بھی غلہ کے باہر جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ منڈی کے دوازے اُسکے لئے بھی کھلے ہیں۔ جس طرح دوسرے لوگ غلہ خریدتے ہیں۔ وہ بھی خرید سکتا ہے۔ کسان خود ہندوستان سے باہر غلہ نہیں بھیجتا۔ بلکہ محض مرغیانہ عصبیت کی بدولت خوراک کی گرانی کا الزام غلہ باہر بھیجنے والے تاجروں کی بجائے ناحق کسان کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔ پنجاب میں زراعت کے بہبود کا دار و مدار تو اس بات پر ہے۔ کہ کسان کو اپنی محنت کا پورا معاوضہ مل جائے۔ ایک شخص محض اس لئے محنت نہیں کرتا رہے گا۔ کہ اُس کی محنت سے دوسرے فائدہ اٹھائیں۔ اور اگر اُسے معلوم ہو جائے۔ کہ اُسکی بجائے کوئی دوسرا نفع حاصل کریگا۔ تو وہ اپنے طریقوں کی اصلاح یا کام پر محنت کرنے کی جانب متوجہ نہیں

(صفحہ ۲۳ کا بقایا) کو اپنے گھروں کی محنت رو پیہ صرف کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یا بالواسطہ طریق پر دولت مند لوگ اینوں اور جینی کے سٹہ پر اس لئے رو پیہ لگاتے ہیں۔ کہ منفعت حاصل کریں۔ لیکن گاؤں کے یا عام دیہاتی کے پاس پیداوار میں سے صرف اسی قدر باقی رہ جاتا ہے۔ کہ اُسے بیج کر بیج یا اپنی خوراک جوادنے اقم کی جوتی ہے۔ اور یا سامان کشادہ خرید لیں۔ چونکہ اُن کے پاس ذرائع ہیں۔ اس لئے وہ اراضی کی اصلاح کے لئے مصارف کے تعین نہیں ہو سکتے۔

ہوگا۔ اصلاح زراعت کی توجہ کریگا۔ تو صرف اس خیال سے کہ سائنٹفک طریقے اختیار کرنے سے اُسے زیادہ مالی منفعت ہوگی۔ اور جس چیز سے اُس مالی منفعت میں کمی واقع ہوگی۔ وہ یقیناً اصلاح زراعت سے اُس کی توجہ ہٹالے گی۔ اس لئے زراعت کو تجارتی اصولوں پر ترقی دینا پیداوار میں اضافہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور نہایت ضروری بھی ہے۔ کیونکہ ملک کی خوشحالی کا دارومدار محض پیداوار پر ہے۔

## دیہاتی اقتصادیات کا مطالعہ

ہم اس موضوع پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ کہ زراعت سے کیونکہ بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ اور اسے تجارتی اصولوں پر ترقی دینے کے سلسلے میں کیا کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ان ہر دو امور سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر ہم اراضی کو صوبہ کی جدید دولت کا سرچشمہ اور صنعت و معرفت کے لئے خام اجناس ہم پہنچانے کا واحد ذریعہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے۔ کہ دیہاتی اقتصادیات کا مطالعہ علمی اور فنی زاویہ نگاہ سے کیا جائے۔ چونکہ یہ فرض کر لیا گیا ہے۔ کہ اب صوبہ کو خوشحال اور متمول دیکھنے کی خواہش عام ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے سود ہے۔ کہ اس کے مقصد کے اسباب و ذرائع سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ اقتصادیات کی حقیقی جولا نگاہ تو اُن قوتوں کا مطالعہ ہے۔ جو سوسائٹی کی آمدنی یا عوام کی دولت ہتیا کرتی ہے۔ اور دولت میں افراد اور طبقات کا جس قدر حصہ ہے۔ اُسے ایک نظام میں منسلک رکھتی ہیں۔ دیہاتی اقتصادیات یا زراعتی اقتصادیات کا مطالعہ کرنے والے کے لئے سب سے پہلے اُن عناصر کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ جنہی بدولت اراضی سے دولت حاصل کیجاتی ہے۔ اور جو اراضی پر محنت کر نیوالے مزدوروں کی اجرت کے کفیل ہیں۔ جو زیر اسے فن زراعت کی ایک شلخ کہتا ہے۔ جو ہمیں یہ سکھاتی ہے۔ کہ کسان کی دولت جن اجزاء و عناصر پر مشتمل ہے؟ انہیں کیونکر منظم و مرتب رکھا جائے۔ اور اس سے کیونکر خوشحالی حاصل کیجائے۔ خواہ نظم و ترتیب محض اُن مختلف اجزاء و عناصر کے مابین ہو۔ یا اس کا تعلق اشخاص و افراد سے ہو۔ اس فن کا مقصد یہ ہے۔ کہ کسان متاجد امکان اُن تمام تدابیر سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں۔ جو ان کے پیشے کی کامیابی



کے لئے ضروری ہیں۔ جن لوگوں کے کندھے پر نظم و نسق ملک کی ذمہ داریاں ہیں۔ وہ بھی ان اسباب سے واقفیت حاصل کریں۔ جن کی مدد سے دیہاتی مسائل کا حل ہو سکتا ہے۔ تاکہ کاروبار کو ترقی ہو۔ اور دولت حاصل ہو سکے۔ چونکہ اب کھیتی باڑی کے فن نے باقاعدہ کاروبار کی حیثیت اختیار کر لی ہے اس لئے ضروری ہے۔ کہ کسان کاروباری شخص بن جائے۔ اور ان طریقوں کا علم حاصل کرے۔ جیسا کہ کاروبار میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ چونکہ وہ فصل کی کاشت اس لئے کرتا ہے کہ غلہ بیج کر فائدہ اٹھائے۔ اس لئے اس کے لئے صرف یہی جانتا کافی نہیں۔ کہ فصل پیدا کرنے کے لئے کن کن چیزوں پر روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ کہ بازار میں غلہ کی جو قیمت اُسے ملتی ہے۔ اُس پر کن باتوں کا اثر پڑتا ہے۔

دنیا کی منڈیاں اور دنیا بھر کے کسانوں کے طریقے مگسٹان کی روزانہ زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر کسان کا ایک گروہ بہتر طریقے اختیار کر کے دوسرے گروہ سے زیادہ قیمت پر جنس فروخت کر لیتا ہے۔ تو دوسرے گروہ کو ضرور اُن کی تقلید کر کے اُن طریقوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ ورنہ وہ نقصان اٹھائے گا۔ چونکہ زراعت اکثر صنعتوں کے لئے خام اجناس مہیا کرتی ہے۔ اس لئے کسان کے لئے اس امر کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کہ مصنوعات کے لئے کن اجناس کی مانگ زیادہ ہے۔ اور وہ پیداوار کو کس حد تک وسعت دیکر نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی دور دراز کی منڈی کیلئے فصل اُگا کر زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ تو اُسے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ ایسی فصل کی کاشت تک محدود نہیں رکھنا چاہئے۔ جو صرف مقامی ضروریات کو پوری کر سکے۔ بلکہ اُسے چاہئے کہ وسعت نظر پیدا کرے۔ اور نگاہ کو گرد و پیش کی چیزوں میں ہی اُلجھائے نہ رکھے۔ گزشتہ صدی کے

سے نوےس کا دہیا چہ اور جات کی گٹر کٹور رول سو شیا لوجی (دیہات کی تعمیری عملیات) صفحہ ۳۰۔

سٹو رول و لیٹھ اور ویٹھ (دیہاتی دولت اور سود و بیسود) صفحہ ۴۱۔

سٹو رول و لیٹھ اسے یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ بنو لے جیسی اجناس سے کیا کیا مصنوعات طیار ہو سکتی ہیں۔ تاکہ وہ اس قسم کی اجناس سے پورا فائدہ اٹھائے۔ ہندوستان میں بنو لے مویشیوں کو کھلائے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے کئی دوسری قیمتی اشیاء بھی تیار ہو سکتی ہیں۔ اور مویشی کی خاک کے لئے بھی کافی بیج سکتا ہے۔



وسط میں امریکہ کے انداز میں کے ایک وسیع رقبہ میں جو ابھی تک اچھوت پڑا تھا۔ پہلی مرتبہ کھیتی کی گئی۔ چونکہ لوگ زراعتی اقتصادیات کا علم نہ رکھتے تھے۔ اس لئے عجیب و غریب نتائج ظہور میں آئے اسکا فوری اثر تو یہ ہوا۔ کہ گیارہوں کی افراط ہو گئی۔ جس کا نرخ بہت ارزاں تھا۔ یہ گیارہوں بہت بڑی مقدار میں جزائر برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھیجا گیا۔ امریکہ سے اس قدر گیارہوں کی درآمد ایک ایسی چیز تھی۔ کہ یورپ کے کسان اس کا کوئی مسلح نہیں کر سکتے تھے۔ پہلے پہل اس کے نتائج و عواقب کے بارے میں بہت غلط فہمی ہوئی۔ اس نئی اقتصادی پیچیدگی نے پُرانا اقتصادی نظام مدہم برہم کر دیا۔ اور جن لوگوں پر اس کا اثر ہوا۔ انہوں نے اپنے اپنے قومی خصائص کے مطابق اس عقدہ کو سلجھانے کی مختلف کوششیں کیں۔ سکاٹ لینڈ کے باشندوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اُن کی ملکی زراعت بالکل تباہ ہو گئی۔ انہوں نے ایسی مجلسیں قائم کیں جو لوگوں کو نقل مکان کر کے امریکہ چلے جانے کی ترغیب دیتی تھیں۔ جہاں جدید زراعتی دولت کی فراوانی تھی اہمستان کے زمینداروں نے زراعت کے طریقوں کی اصلاح کی بجائے لگان کی رقم کم کر دی اور کھیتوں کی چراگاہوں کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ کسان زراعت چھوڑ کر شہروں میں پہنچے اور کھانوں میں کام کرنے لگے۔ آئر لینڈ والوں نے امریکہ کے گیارہوں کی درآمد کو انگریزوں کے خلاف وجہ شکایت بنا لیا۔ اور سکاٹ لینڈ والوں کی تقلید میں امریکہ جا جا کر آباد ہونے لگے۔ لیکن انہی ہجرت سکاٹ لینڈ کے باشندوں سے مختلف حیثیت رکھتی تھی۔ سکاٹ لینڈ والے تو جس وقت بازو کی مدد سے نئی دولت میں حصہ لینے گئے تھے۔ لیکن آئر لینڈ والے جلاوطنوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور یہ سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ انگریزوں کے ظلم نے انہیں گھروں سے نکالا ہے۔ چونکہ بلجیم ہالینڈ اور ڈنمارک میں نہ تو سیاسی شکایات کا جود تھا۔ اور نہ ایسے زمیندار تھے۔ جو نقصان برداشت کر لیتے۔ اس لئے لوگوں نے امداد باہمی کے اصولوں پر زراعت کے نئے طریقے رائج کر کے مصیبت سے نجات حاصل کرنیکی کوشش کی۔ جرمنی میں ریٹائسن نے امداد باہمی کے فوائد کی تعلیم دی۔ اور اس نئے طریقے کی بدولت سائنٹیفک کاشتکاری کے نئے طریقے رائج ہو گئے۔

لے سائنٹیفک کاشتکاری کا آغاز نہایت پہلے ہو چکا لیکن کتاب زراعت اور باغیچہ کی تعلیم کا تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد لوگوں کی فکر انسانی کھجور کا تعلق بن گیا تھا۔ اسکا جرمزہ نفرت اور تعصب مہر گیا جو ہرین زراعت کو جہالت کے بعد کیسے تھی۔ ملاحظہ ہو مکر کی کتاب مختصر تاریخ زراعت انگلستان صفحہ ۲۷۵۔

زراعت کی اصلاح کی جانب توجہ منقطع کرانے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ مصنوعی کھاد پر مزید سرمایہ لگایا گیا۔ گیہوں کی نسبت زیادہ منفعت بخش اجناس کی کاشت ہونے لگی۔ اور امداد باہمی کے اصولوں کو زراعت کے مفید ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھ لیا گیا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ یورپ کی سب سے بڑی اور سب سے اہم صنعت کو ارزاق گیہوں کی درآمد سے تباہی کا خطرہ ہے۔ تو وہ زراعتی خوشحالی کے عروج و زوال کے اسباب کا مطالعہ کرنے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس وقت تک ماہرین اقتصادیات نے زراعت کی جانب کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ زراعت قانون تعلیل حاصل کے تابع ہے۔ اس لئے زیادہ باہمت لوگوں نے ان مصنوعات پر سرمایہ لگانے کو ترجیح دی جن میں رقم منافع بڑھتی رہتی ہے۔ اور قدرتی طور پر ماہرین اقتصادیات پوری طرح یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ سائنس کی بدولت پیداوار میں کس قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس موضوع کو دشوار سمجھ کر اس پر بحث نہیں کی۔ انگلستان میں جن دنوں سائنس کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ سمجھ اور عقل نے زراعت کے بارہ میں عوام کی رہنمائی کی۔ چنانچہ ۱۶۷۷ء میں یہ مان لیا گیا تھا کہ غلہ کی برآمد پر پابندیاں عائد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسان بہت ارزاق قیمت پر غلہ فروخت کرتے ہیں۔ اس لئے یہ پابندیاں تمام ملک کے لئے مضر ہیں۔ اسی وقت انگلستان کے لوگ یہ سمجھ گئے تھے کہ زراعت کی ترقی ملکی سود و بہبود کے لئے ضروری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عوام کو جنہیں غلہ گراں قیمت پر ملتا ہے اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس ملک میں ابھی تک لوگ اس خیال کی صحت سے آگاہ نہیں ہوئے۔ ابھی تک شہر کے باشندے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر زور دے رہے ہیں جن سے غلہ تو کسی قدر ارزاق ہو جائے گا۔ لیکن ملک کو بہت مجموعی بہت نقصان پہنچے گا۔ اس لئے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں دیہاتی اقتصادیات سے بے خبری کے باعث ایسے غیر دانشمندانہ قوانین نہ منظور کر لئے جائیں جن کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس غرض کو دور کرنے کیلئے یہ قوانین وضع کئے جائینگے اسی میں اضافہ ہو جائیگا۔ بطرح شہر کے باشندے کا فرض نہیں کہ خواہ اسے دوسری جگہ سے سستا غلہ بھی ملتا ہو۔ وہ خارہ برداشت کر کے اپنے ماں کے کسان سے غلہ خریدے۔ اسی طرح کسان کا

بھی فرض نہیں۔ کہ خواہ اُسے کہیں دوسری جگہ زیادہ قیمت ملتی ہو۔ لیکن وہ شہر کے باشندوں کی  
 تصوری قیمت پر غلہ بچدے۔ نرخ کی گرانی کا صحیح علاج یہ ہے۔ کہ پیداوار کو ترقی دی جائے۔ اس ترقی میں  
 جو چیزیں مانع ہیں۔ انہیں دور کیا جائے۔ اور خرید و فروخت میں جو غیر ضروری مصارف آ پڑتے ہیں۔ ان  
 سے نجات حاصل کی جائے۔ یہاں شاید یہ کہا جائے۔ کہ اس دلیل کے معنی تو یہ ہوئے۔ کہ شہر اور گاؤں  
 کے مفاد کا تصادم ہو جائے۔ اور کسانوں کو خود غرضانہ طریق اختیار کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔ لیکن  
 یہ خیال غلط ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ شہر اور گاؤں میں چولی دامن کا تعلق ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا  
 کہ گاؤں والوں کو نقصان پہنچے۔ اور شہر والوں کا کوئی نقصان نہ ہو۔ یا گاؤں والے خوشحال ہو جائیں  
 اور شہر والے خوشحالی سے محروم رہیں۔ انفرادی مستثنیات سے قطع نظر کر کے اگر بیہیت مجموعی دیکھا جائے  
 تو پنجاب جیسے صوبہ میں دیہات کے مفاد سے تمام باشندگان صوبہ کا مفاد وابستہ ہے۔ لیکن یہاں  
 اقتصادیات کے مطالعہ کے یہ معنی نہیں۔ کہ دوسرے مسائل کو جو انسانی زندگی کیلئے مفید ہیں۔ نظر انداز  
 کر دیا جائے۔ زندگی مادیات پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اُسکی اساس و بنیاد مادی ہے۔ انسان زمین سے  
 خوراک حاصل کرتا ہے۔ خوراک پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ اس لئے یوں کہنا چاہئے۔ کہ زمین زندگی  
 کا مدار علیہ ہے۔ اگرچہ ارتقاء محض مادی ترقی کا نام نہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ  
 مادی ترقی کے بغیر اخلاقی اور ذہنی اصلاح و ترقی بھی نہیں ہو سکتی۔ ایسا تمدن جو پیداوار کے ترقی یافتہ  
 طریقوں سے بھی روشناس ہو۔ روشن خیال اور سیاسی میدان میں بڑھی ہوئی اور آزاد قوموں میں ہی  
 پایا جاتا ہے۔

ایک امریکن مصنف لکھتا ہے۔ کہ معاشرتی اور گھریلو زندگی کی پاکیزہ صورت اور اخلاق کی ہر بلند  
 سے بلند نوع نے اسی ملک میں ترقی کی ہے۔ جہاں اُس کی بنیاد کسی منفعت بخش کام پر استوار  
 کی گئی ہو۔

لے لیکن دوسری چیزوں کی پیداوار میں بھی ترقی لازمی ہو تاکہ لوگوں میں خریدنے کی قابلیت زیادہ ہو جائے۔ یہ کہوں کی قیمت پچھتر روپے کی ہوتی ہے۔  
 لے ملاحظہ ہو کنٹرول سوشلوجی مصنفہ جلد صفحہ ۲۵۔  
 لے کے رور کی کتاب پاپلر آف رورل انکس "صفحہ ۲۴۔

وہ دولت وہ حریت جس کی بنیاد دوسروں کی غلامی پر ہو۔ کبھی پائیداری ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ایک مشہور اہل قلم نے لکھا ہے۔ ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ ملوی دنیا کی قوتیں اپنے دائرہ عملی میں ریشنی کی قوت سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔ لوگوں کے ذہن پر چونڈ بھی، تمدنی اور سیاسی نصب العین حکومت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ ملوی قوتیں برابر کمزور کرتی چلی جا رہی ہیں۔ لیکن پنجاب میں یہ امید نہیں ہو سکتی کہ لوگوں کا مذہبی، تمدنی، یا سیاسی نصب العین بلند ہو جائیگا۔ یہاں کے باشندوں میں اسی طرح اتحاد و اشتراک پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اُن سب میں مشترک اقتصادی مفاد کا احساس پیدا ہو جائے۔ ہر شخص عوام کے سود و بہبود کی کوشش کرے۔ اور ہر گروہ کو اپنے خاص ملہ بھی زاویہ بنگاہ پر قائم رہنے دے۔

اقتصادیات اور علم الاخلاق کی جولا بجاہ عمل ایک نہیں۔ لیکن جو لوگ مذہب کا وعظ کہہ رہے ہیں۔ یا ایک بہتر معاشرتی نظام کے قیام کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔ اُن سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنے دائرہ عمل کی حدود سے تجاوز کر کے اقتصادیات کی حدود میں قدم رکھ دیں۔ اور اگر وہ محتاط نہیں۔ تو ایسے عقائد کی تعلیم دینا شروع کریں۔ جن پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ جس راہ پر وہ لوگوں کو چلانا چاہتے ہیں۔ وہ اس سے بالکل مختلف سمت اختیار کر لیں گے۔ یہ خیال روز بروز زیادہ اور علم ہو رہا ہے۔ کہ اخلاق کا اثر اقتصادیات پر پڑتا ہے۔ پرہیزگاری اور دیانتداری کی وجہ سے زیادہ اچھی طرح محنت کی جاسکتی ہے۔ اگر رفاه عام کے کاموں اور تسلیم کو ترقی دیا جائے۔ فرصت کے اوقات کا صحیح استعمال کیا جائے۔ تو اقتصادی ترقی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ غرض کہ اکثر چیزیں جنہیں پہلے محض حق و صداقت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اب مادی منفعت کا سرچشمہ سمجھی جاتی ہیں۔

اس لئے دیہاتی اقتصادیات کا وسیع تر مطالعہ کرنے پر زور دینے سے یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ جن لوگوں کی ساری توجہ انسان کی روحانی ضروریات پر لگی ہوئی ہے۔ اس کی مخالفت کرینگے۔ ہاں! یہ ضرور ہے۔ کہ اگر نفع انسان میں تعصب کی جانب مائل جان ہوتا۔ تو حقیقی اشتراک عمل کا زیادہ

لے عمل کی کوشش ان آرٹیکلز (آرٹیکلز) دیہات کی نشاۃ ثانیہ کا وسیع ازجی ڈیو رسل۔

لے مثال اپنی کتاب صوفیہ پر لکھتا ہے کہ انھوں نے دنیا میں اپنے نمایاں حیثیت کر لی ہے۔ کہ انھیں ایسا ملے گا جو ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ یہ ایک نیا اور متحرک عالم ہے۔

امکان تھا پنجاب کے کسی معقویت پسند باشندے کیلئے یہ تقریباً ناممکن ہے۔ کہ وہ اس صوبہ کو زیادہ خوشحال دیکھنے کی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اس لئے ایسے شخص کے لئے یہ بھی ناممکن ہونا چاہئے۔ کہ اس معینہ جدوجہد میں اعانت سے احتراز کرے۔

نیا نظام حکومت قائم ہوا۔ تو لا محالہ عوام کا کوئی نہ کوئی گروہ دل میں سود و بہبود وطن کی خواہش سے مجبور ہو کر اقتصادیات میں مداخلت کا مطالبہ کرے گا۔ چونکہ موبجیات کی مجالس قانون ساز میں اب نہ تو دستور و آئین کے مسئلہ پر کوئی سیاسی نزاع برپا ہو سکتا ہے۔ اور نہ ممالک خارجہ سے تعلقات کا مسئلہ زیر بحث آسکتا ہے۔ اس لئے وزیر کا بڑا کام یہ ہوگا۔ کہ صوبہ کے اقتصادی مفاد کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔ چونکہ پنجاب کا بیشتر حصہ دیہات پر مشتمل ہے۔ اس لئے یہ اندیشہ ہے۔ کہ اگر لوگوں نے دیہاتی اقتصادیات کا صحیح علم حاصل نہ کیا۔ تو اکثر غلیبوں کا استحباب کیا جائیگا۔ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ لوگوں میں کوئی غلط خیال پھیلانا یا ایسی تدابیر جو کوتاہ بینوں کو مفید نظر آئیں۔ اختیار کر لیتا ہیحد آسان ہے جب تک ہم ان تمام اسباب سے پوری طرح واقف نہ ہو جائیں۔ جن کی بدولت خوشحالی حاصل ہو سکتی ہے یہ جاننا دشوار ہے۔ کہ ان سے کیونکر فائدہ اٹھایا جائے۔ اسی طرح جب تک ان عادات و خصائل۔ ان رسوم و رواج، تقالید و معائب سے آگاہی نہ ہو جائے۔ جو افلاس کا باعث ہیں۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے۔ کہ انہیں کیونکر دور کیا جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اگر گہیوں کی برآمد ممنوع قرار دی جائے تو اس کی پیداوار میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔ اور گہیوں ارزاں ہو جائیگا۔ لیکن یہ لوگ اُسی دلیل کو پیش کرتے ہوئے کپڑے کے سلسلے میں پیش نہیں کرتے۔ کیوں کہ وہاں صاف ظاہر ہو جائیگا۔ کہ یہ دلیل ایک منطقی مغالطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض لوگ ایسے طریقے استعمال کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جن سے پیداوار پر ایک بھاری بوجھ پڑ جائیگا۔ یہ لوگ محسوس نہیں کرتے۔ کہ بحالت موجودہ ایسے وسیع رقبہ بھی ہیں۔ جنہیں کاشت کرنے پر محنت تو زیادہ صرف ہوتی ہے۔ لیکن فائدہ کم ہوتا ہے اشیاء خور و نوش کی بھرمانی اور غذا کے مابین جو تعلق ہے۔ اُسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان سے ندریل کانیل کثیر مقدار میں انگلستان بھیجا جاتا ہے۔ جہاں اس سے ایک مصنوعی مکھن بنایا جاتا ہے۔ جسے مارچرین کہتے ہیں۔ انگلستان کے باشندے اس ملک کے لوگوں کی طرح مسرفانہ طریق پر استعمال نہیں کر سکتے۔ اور اس ملک کے لوگ مارچرین جو بآسانی مل سکتا ہے استعمال

نہیں کرتے۔ بلکہ گمی کی حکمت کے محکوم بن کر رہتے ہیں۔

مذہبی جذبات کے باعث بہت سی اچھی کھانے پینے کی چیزیں استعمال نہیں کیا تھیں۔ اور اسی اچھی اشیاء خوردنی تیار نہیں کیا تھیں۔ جہاں جذبات کی فرمانروائی ہو۔ وہاں بیچارہ ماہر اقتصادیات صرف یہی کر سکتا ہے۔ کہ لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کر کے ایسی غلطیوں سے بچانے کی کوشش کرے۔ جب کالانمی نتیجہ عسرت و افلاس ہوگا۔ اگر ایک سیاسی لیڈر اپنے پیروؤں کو تباہی سے بچانا چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اقتصادی زاویہ نگاہ سے واقفیت حاصل کرے۔ جب زراعت اور ان اسباب کا علم نہ ہو۔ جو راجتی خوشحالی کے لوازم ہیں۔ تو یہ خطرہ ہے۔ کہ لوگ ایسی تدابیر اختیار نہ کریں۔ جو لامحالہ اقتصادی زوال کا باعث ہونگی۔ حسن نیت کوئی ایسا معقول مذہب نہیں۔ جو کسی شخص کی جہالت پر پردہ ڈال سکے۔ اگر ایک نیک نیت شخص کوئی حمایت کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کی نیک نیتی اسے اپنی حماقت کے نتائج سے نہ بچا سکے گی۔ اس لئے اگر کسی اقتصادی مقصد کی خاطر کوئی قانون وضع کرنے سے پہلے اقتصادیات کا صحیح علم حاصل کر لینا ضروری ہے۔ نہایت ترقی کے اسباب کی تحقیقات کرنا دیہاتی اقتصادیات کے ماہر کا کام ہے۔ وہ کسی خاص حکمت عملی کا حامی نہیں۔ لیکن اس نے جو معلومات فراہم کی ہیں۔ انہیں ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ یہ اُسی کا فرض ہے کہ اگر کسی خاص زیر غور حکمت عملی میں اسے غلطیاں نظر آتی ہیں۔ تو انہیں صاف صاف ظاہر کر دے اور کوئی دوسرا طریق عمل تجویز کرے۔ جس سے بہتر نتائج پیدا ہو سکیں۔

آجکل جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ انہیں سے غلط طریق استدلال کی بکثرت مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ جن پر اقتصادیات سے واقفیت رکھنے والے لوگ کبھی بحث کرنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ عوام کی ضروریات کی جانب جوں جوں توجہ بڑھتی جاتی ہے۔ ان بیچاروں کی مسئلہ شکایات رفع کرنے کے لئے ایسی ایسی تدابیر تجویز کیا جا رہی ہیں جنہیں عمل میں لایا گیا۔ تو یہ شکایات دور ہونے کی بجائے بڑھ جائیگی۔ دیہاتی اقتصادیات سے بے اعتنائی برتنے سے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اور اس خطرہ سے اُسی صورت میں نجات ہو سکتی ہے۔ کہ اس دشوار اور پیچیدہ فن کے مطالعہ کی ترغیب دلائی جائے۔ فوری خطرہ تو یہ ہے۔ کہ جب اس فن کا مطالعہ کر نیوالے میدان سے اور بیہی متعلق کی تعلیم دینگے تو جہلا ان کی مخالفت کریں گے۔ جب عوام علم حاصل کر کے اپنی جہالت کو دور کرنا نہ چاہیں۔ تو تباہی کا

خطر ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں۔ جنہوں نے دستوری حکومت میں انگریزوں سے زیادہ تجربات کئے ہوں۔ یا ان سے زیادہ ٹھوکریں کھائی ہوں۔ لیکن انگریزوں نے اپنی غلطیوں سے بہت سبق سیکھا ہے۔ وہ پوری طرح محسوس کر چکے ہیں۔ کہ قانون وضع کر کے خوشحالی کرنے کی راہ میں کیا کیا دشواریاں حائل ہیں۔ اب وہ سمجھنے لگے ہیں۔ کہ تدقیق و تحقیق سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ کس قدر قابل قدر ہوتا ہے۔ اور اب وہ ان لوگوں کی باتیں سننے پر بیش از بیش آمادگی ظاہر کر رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنا وقت صرف کر کے خاص مسائل کا مطالعہ کیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اس صوبہ کے لوگ بھی آئندہ انگریزوں کا طریق عمل اختیار کریں۔ دنیا کے ہر ملک میں حکومت نے اقتصادیات میں دخل دینے کی بار بار کوشش کی ہے۔ اور ان کوششوں سے انسان کو جو تجربہ حاصل ہوا۔ اُسے حقیر سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آج ہمیں اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ پنجاب اور دوسرے زراعتی ممالک کے حالات کو آگے سامنے رکھ کر ان کا مطالعہ بغور کیا جائے۔ اور اصلاح کی ان کوششوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو ان ممالک میں کی گئی ہیں۔ یہ ہو گیا تو سمجھ لیجئے۔ کہ نئے قوانین سے مفرت کا انگلیشہ نہیں رہیگا اور یہ صوبہ ترقی کی منزلیں طے کرنا چلا جائیگا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس مطالعہ سے صرف اچھے مٹھے میس گے۔ یا ہم خطرات سے خبردار ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوگا۔ کہ اس سے ہمیں راہ عمل مقرر کرنے کے متعلق بھی ہدایات ملیں۔ آخر کار ہمیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ راہ عمل اور رفتار ترقی کی تعین انسان کی ہمت و کوشش کے ماتھ ہے۔ قانون اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ ہمارے راستہ میں جو چیزیں حائل ہیں۔ انہیں دور کر کے ہمیں کام کرنے کا موقع بہم پہنچا دے۔



دوسرا باب

انسانی عتصر

زراعتی اقتصادیات کے سلسلہ میں انسانی عنصر کا جس قدر ذکر کیا جائے کم ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جب زراعت پر ہمیشہ کیجاتی ہے۔ تو اکثر انسانی عنصر کو ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کسان کے متعلق دنیا بھر میں مشہور ہے۔ کہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ اپنے طور طریقوں کے نقائص معلوم کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں کی شکایت کرتا رہتا ہے۔ کبھی وہ کہتا ہے۔ کہ حکومت اس سے وہ سلوک نہیں کرتی۔ جسا وہ مستحق ہے۔ کبھی کہتا ہے۔ کہ زمین ناقص ہے۔ موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ ادھر کھیتی پک رہی ہے۔ اور ادھر منڈی میں نرخ گر رہا ہے۔ کبھی کہتا ہے۔ کہ اب کے تو فصل خوب ہوئی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اگلے سال اچھی فصل نہیں ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ یہ محسوس نہیں کرتا۔ کہ دوسری صنعتوں کو بھی بعض خاص دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اراضی کی حالت کا ذمہ دار کوئی دوسرا نہیں۔ بلکہ وہ خود ہے۔ زراعتی ملکوں میں تو ابھی یا بڑی اراضی سے کسان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ کسان اچھا ہوگا۔ تو اراضی بھی اچھی ہوگی۔ اس میں کوئی نقص ہوگا تو اراضی پر بھی اس کا اثر پڑیگا۔ پنجاب میں بھی تو وہیں اچھی فصل ہوتی ہے۔ جہاں جی کھول کر سرمایہ اور محنت صرف کی گئی ہو۔ ہندوستان میں سائنٹیفک زراعت کے متعلق لوگوں کا علم بہت محدود ہے۔ اس لئے یوں سمجھ لیجئے۔ کہ اگر یہاں پیداوار اچھی نہیں ہوتی۔ تو اس کی وجہ ہے۔ کہ یہاں کے دماغ اور عقل کی کمی ہے۔ فصل کیلئے کسان کا صرف جفاکش ہونا ہی ضروری نہیں۔ بلکہ اس میں اتنا علم اور قابلیت بھی ضرور ہونا چاہئے۔ کہ وہ اپنی محنت کا صحیح استعمال کر سکے۔ اور سرمایہ سے زیادہ





سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے ایک دو مرتبہ کے سوا ہمیشہ زراعت اس طرح متواتر و یکم ترقی کرتی رہی ہے۔ کہ اس ملک کے باشندے اس کا احساس بھی نہیں کر سکتے۔ زمین کی پرواہ نہ کی جائے۔ تو اچھی سے اچھی زمین بھی بیکار ہو جائیگی۔ اور بری سے بری زمین پر بھی انسان عقل اور محنت صرف کرے۔ تو اُس سے بہت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انگلستان اور ہندوستان میں جو فرق ہے۔ اس کا جیسے بعض لوگ سیاسی اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ اس کا حقیقی سبب یہی ہے۔

آئرلینڈ کا ایک مصنف لکھتا ہے۔ کہ کسی ملک کی دولت کا انحصار اس کے مادی ذرائع پر نہیں بلکہ اس کے باشندوں کی جرأت ہمت اور اخلاقی قوت پر ہے۔ ان اوصاف کے بغیر کوئی ملک بھی مستقل طور پر خوشحالی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ چیزیں میسر ہوں۔ تو نامساعد حالات زیادہ دیر تک اس کی ترقی میں حائل نہیں رہ سکتے۔ اس حقیقت کو ہسپانیہ کے ایک روشن خیال زمیندار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ جو قومیں یہ بھول جاتی ہیں۔ کہ قانون تخلیق کی رو سے قومی عظمت کا دار و مدار زراعت پر ہے۔ اور غفلت کی سزا زوال اور تباہی ہے۔ ضرورتاً ہی ہوگی۔ بد قسمتی تو یہ ہے۔ کوئی شخص اپنے نقص تسلیم کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اور یہی چاہتا ہے۔ کہ اپنی غلطیاں کسی دوسرے کے مستحق دے۔ بہر کیف اگر پنجاب کو کبھی خوشحالی کے بلم بلند پر چکی راہ اس کے لئے کھلی ہے۔ پنپنا منظور ہے۔

لے وائٹ نے تقریباً ۱۸۷۵ء میں ایک کتاب لکھی۔ جو سولہویں صدی تک زراعت کے لئے مفید ثابت ہوئی رہی۔ اس کے بعض مشورے آج بھی قابلِ قدر ہیں۔ نیز اس کی کتاب شلٹ برسٹری آف انگلش اگریکلچر صفحہ ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔ مگر اگر ملنے اپنی کتاب میں مختلف تجربات اور آزمائشوں کا میاہوں کا مجموعہ کا محال لکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قانونی احکام کے مقابل میں انسانی عنصر کو کس قدر فوقیت حاصل ہے۔

جے کوہر اپنی کتاب اگریکلچر ان آسٹریلیا کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھتا ہے۔ کہ اگر آج آسٹریلیا کے شہر کی صورت سات سو سال پیش کی نسبت زیادہ جہاز نظر ہے۔ اور جو لوگ زراعت سے اسبابِ محنت پیدا کرتے ہیں۔ انہیں آج ملینا ہے۔ کہ ان کے آباؤ اجداد زمین ہی پیداوار حاصل کرتے تھے۔ و انہی نسبت زیادہ پیداوار حاصل کرینگے۔ جو انکی ضروریات کیلئے کافی ہوگی۔ تو انکی جبر نہیں کہ زمین یا آب ہوا میں کوئی فرق ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ اختلاف محض اسوجہ سے ہے کہ انگریزوں نے جس پشت تک محنت و مشقت کر کے زمین کو اس قابل بنالیا ہے کہ انکی ضروریات پوری کر سکے۔

لے وائٹ کی کنٹریشن ان آئرلینڈ صفحہ ۱۶۔

لے وائٹ نے اپنی کتاب دی ٹریڈ ایوٹ سپین میں یہ رائے نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷۰۔

تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اُن تمام اسباب پر غور و فکر کر کے انہیں روشنی میں لایا جائے۔ جو اُسے مفلس بنانے یا اسکی ترقی میں روک پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس مسئلہ میں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ لوگوں کے موجودہ افلاس کا باعث یہ ہے۔ کہ کبھی پنجاب میں تعمیری ترقی کی کوئی مسلسل کوشش نہیں کی گئی۔ جو لوگ اس ملک کے افلاس پر افسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ جس ملک کو وہ ریشم کی بنگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خدا اُس ملک کی تاریخ کا مقابلہ اپنے ملک کی تاریخ سے کریں۔ خوشحالی اور دولت تو تخلیقی صنعت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ افلاس تو اس صورت میں آ سکتا ہے۔ جب یا تو ملک میں سرے سے صنعت کا وجود ہی نہ ہو۔ اور اگر ہو۔ تو اُس کا نظام ایسا ہو۔ کہ صنعت کے منافع سے دوسرے فائدہ اٹھائیں۔ کوئی صنعت مفت خوروں کی ایک ایسی جماعت کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ جو ہاتھ پاؤں نہ ہلاتی ہو۔ اگلے زمانے میں بادشاہوں کے مصاحبوں، امیروں، سپاہیوں اور غلاموں کا ایک بہت بڑا گروہ کسان کو اُس کی محنت کے ثمرات سے محروم کر دیا کرتا تھا۔ جن سالوں میں اچھی فصل ہوتی ہے۔ اس کے پاس صرف اتنا بچ رہتا تھا۔ کہ اپنا پیٹ پال سکے۔ اور جب اچھی فصل نہیں ہوتی تھی۔ تو اتنا بھی نہیں بچتا تھا۔ جب ان بیکار لوگوں کا وجود نہ رہا۔ تو غیر ضروری دالاؤں اور ایلجنٹوں کا گروہ پیدا ہو گیا۔ اور اب انگریزی عہد حکومت میں خوشحالی بیٹھے لگی۔ تو دیہات میں سود خوروں نے اپنا تسلط جما لیا۔ جو اپنے پیشے سے خوب روپیہ جمع کرتے ہیں بچا رہے کسان کو یہ ثابت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کہ ترقی کے موجودہ اسباب و محرکات کے ماتحت وہ کتنا ترقی کر سکتا ہے۔ مگر کیٹنگز نے صحیح لکھا ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے مالکان ارضی خواہ کیسے ہی مضبوط جاکش اور عملداریوں نہ ہوں۔ اگر اُن سے اچھا کام لینا ہے۔ تو اُن میں شوق اور ولولہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ایک کسان کے سر پر قرض کا بار گراں ہوتا ہے۔ پیٹ بھر کھانے کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ اور زمین کی ساری پیداوار ماہو کار کے قرضہ میں چلی جاتی ہے۔ تو اس بچا رہے میں قدرتا محمدیہ کام کرنیکا ولولہ بھی نہیں رہتا۔ اسے غلطی حاصل کرنیکی امید نہیں ہوتی۔ لیکن اتنا ہمارا ضرور ہوتا ہے کہ ماہو کار اپنی فائدہ کیلئے یہ خیال رکھیگا۔ کہ بچا رہے کسان کو پیٹ بھر کھانے کو مل رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ زمین کی کاشت اچھی طرح نہیں ہو سکتی۔ اور کھیتی کو ترقی نہیں دی جاسکتی۔

کو اگلے زمانے کے فرمانرواؤں اور موجودہ زمانے کے بد زیت سود خواروں کے تشدد نے اقتصادِ غلامی کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ کسان میں آج عام طور پر بہت کافت لڑن پایا جاتا ہے اس کا باعث یہی تشدد ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے علاوہ کسان کے پیشے میں بھی کوئی ایسی بات موجود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ پیداوار کے بارہ میں اپنی کوشش و محنت کو بہت حقیر اور بے حقیقت سمجھنے کا مادی ہو چکا ہے۔ یہ بات کوئی ہندوستان پر ہی موقوف نہیں۔ دوسرے ملکوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ وہاں بھی کسان نے فطرت کے سامنے سر تسلیم جھکا رکھا ہے۔ وہ تقریباً تقدیر کا قائل ہے۔ اُسے زمین سے جتنی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر قناعت کر لیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا۔ کہ وہ زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو اور انگلستان کے کسانوں کی اکثریت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ زراعت سے محض زندگی بسر کی جاسکتی ہے انہیں یہ خیال نہیں آتا۔ کہ زمین کو اگر ترقی دی جائے۔ اس کی توسیع کی کوشش کی جائے۔ تو اُس سے دوہرہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔ جن ملکوں میں یہ پُرانا عقیدہ ابھی تک موجود ہے۔ کہ کسان کو پیداوار کے منافع سے نہیں بلکہ پیداوار سے سامانِ معیشت ہٹیا کرنا ہے۔ وہاں تو یہ کیفیت ہے۔ کہ جہاں کہیں کسان کو غلہ فروخت کرنے میں کوئی مشکل پیش آئی۔ یا اپنی محنت کا پورا معاوضہ نہ مل سکے وہ اراضی پر مزید محنت صرف کرنا چھوڑ دیگا۔ حالانکہ مزید محنت سے مزید منافع بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مشہور ہے۔ کہ یونان کے کسان کو یہ خواہش نہیں۔ کہ زمین سے جس قدر فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اٹھایا جائے۔ چونکہ یونان میں فلاح آمدورفت کے متعلق سہولتیں نہیں۔ اس لئے وہ زیادہ غلہ نہیں فروخت کر سکتا اس لئے وہ اسی پر قائل ہے۔ کہ اس کی خانگی ضروریات پوری ہو جائیں۔ یا کبھی تھوڑا سا منافع بھی بچ رہے

لے مڈل ری کنٹریشن ان آئر لینڈ صفحہ ۶۷ مصنف صفحہ ۶۷ پر یہ خیال ظاہر کرتا ہے۔ کہ آئر لینڈ میں عرصہ سے یہ خیال نشوونما پا رہا ہے۔ کہ ملی سیاسیات میں یقیناً تبدیلی واقع ہوگی۔ اس لئے آئر لینڈ کے کسان زراعت کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

لے جٹ کی کتاب آئر لینڈ موشیا لوجی صفحہ ۶۷۔ روہینہ کے کسانوں کے متعلق لکھا ہے کہ زمینیں ترقی اور کامرانی کے حصول کا جذبہ نہ وہ

کفایتِ تعلیمی کے خواہشمند ہیں اور عام طور پر میلے کھیلے رہتے ہیں۔ (دیکھئے ایف۔ او۔ پیٹنڈ بک)

لے ایگرکچر آئروار (جنگ کے بعد زراعت) مصنف بال صفحہ ۶۷۔

کچھ تو ملکی روایات کے باعث اور کچھ آب و ہوا کے اثرات کی وجہ سے یونانی کسان کی ضروریات بہت  
تھوڑی اور بالکل سیدھی سادھی ہوتی ہیں۔ اس لئے زیادہ محنت صرف کھانے کی ضرورت پیش نہیں  
آتی۔ حالانکہ ایک حیثیت سے یونان یا دوسرے ملکوں کے کسانوں کا اس قدر تھوڑے فائدہ پر قناعت  
کر لینا ہر نکتی ہے۔

ہم اس مسئلہ پر تو کافی بحث کر چکے۔ کہ اگر کسی ملک کی زراعت کو ترقی دینا مقصود ہے۔ تو ہر جائز  
طریقے سے یہ کوشش کرنا چاہئے۔ کہ کسان اس صنعت کو اقتصادی اصولوں پر چلائیں۔ چونکہ بہت  
کم آدمی ایسے ہیں۔ جو صرف کام سے لطف اٹھاتے کیلئے محنت کرتے ہوں۔ اس لئے کسانوں کے  
دل پر یہ خیال نقش کر دینے کی کوشش کرنا چاہئے۔ کہ اراضی کو زرخیز بنانا اور اچھی طرح زراعت  
کرنا کسان کی قابلیت پر منحصر ہے۔ کسانوں کو یہ بھی یقین دلانا چاہئے۔ کہ جو کسان اچھی طرح کھیتی  
باڑی کرتا ہے۔ اُسے اپنی محنت کا پورا پورا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ جو چیز کسان کو اُس کی محنت کے  
ثمرات سے محروم رکھنے کی کوشش کرے۔ اُسے زراعتی ترقی کی راہ کا روٹا سمجھنا چاہئے۔ ہم اسی سلسلے  
میں کئی مثالیں پیش کر کے ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ کسان کے طور طریقوں کی اصلاح کیلئے یہ ضروری  
ہے۔ کہ اس تحریک کو وسعت دیجائے۔ دنیا کے ہر ملک میں آپ کو یہ دکھائی دیکھا۔ کہ کسان پرانی گیر  
کا فقیر ہے۔ اپنے سوا کسی دوسرے سے سروکار نہیں رکھتا۔ وہ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑا ہوا  
ہے۔ اور نئے خیالات قبول نہیں کرتا۔ لیکن اگرچہ کسان باہر کے لوگوں کے مشورے قبول نہیں کرتا  
تاہم اکثر اپنی لوگوں کو زراعت کے طریقوں میں نئی نئی اصلاحیں سوجھی ہیں۔ جو بذاتِ خود کسان نہیں  
تھے۔ اس لئے شہر کے دانشمند باشندوں نے اگر اس صنعت سے بے اعتنائی برتی۔ تو اس سے  
زراعت کی ترقی کو بہت نقصان پہنچے گا۔ پنجاب میں اگر کسان اچھی یا بری فصل کی ذمہ داری اپنے

لے ماڈرن گریس (یونان جدید) معنفہ آرس جب صفحات ۱۰۴-۱۰۸۔

لے ایک بوڑھے کسان سے پوچھا گیا۔ کہ آکسفورڈ شارٹر میں بہترین اراضی کونسی ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ بہترین اراضی وہی ہے جسے  
بہترین کسان کاشت کرتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ ہو گا۔ لیکن استدلال بالکل صحیح ہے کہ جہاں بہترین کسان ہو وہیں بہترین کاشت ہوتی ہے۔  
بہترین کاشت وہیں نہیں ہوتی۔ جہاں بہترین اراضی ہے۔ ملاحظہ ہو جے کوور کی کتاب، ایگریکلچرل آکسفورڈ شارٹر صفحہ ۱۳۱۔

بجائے دوسرے اسباب کے سر تقویٰ دیتا ہے۔ تو اس کی وجہ ہے۔ کہ یہاں فصل پر بارش کا بہت اثر پڑتا ہے۔ بعض جگہ اس لئے فصل اچھی نہیں ہوتی۔ کہ کاشت میں کوئی نقص نہ جاتا ہے لیکن اگر کسان سائنٹیفک طریق اختیار کرے۔ تو وہ کسی حد تک موسم کا محتاج نہیں رہیگا۔ بد قسمتی سے کسان تعلیم کی صحیح قدر و قیمت سے بھی واقف نہیں۔ اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جس شخص کی کیفیت ہو کہ جب بھی فصل ہوتی ہے۔ وہ اسے بہت حد تک قدرت کی مہربانی کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ اور اگر اپنی کوششوں کو اس میں شریک سمجھتا ہے۔ تو بہت کم۔ اس سے کب یہ امید ہو سکتی ہے۔ کہ وہ کسی کا مشورہ قبول کرے محنت و مشقت کے طریقوں میں اصلاح کی کوشش کرے۔ چو کہ کسان کو جو تعلیم دیا جاتی ہے۔ وہ اس کے لئے غیر موزوں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے طرز عمل میں اور بھی بچتے ہو گیا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں کسان تعلیمی مدارس کو بنظر امتحان نہیں دیکھتا۔ اسلئے یہ باور کرنے کے کافی وجہ ہیں۔ کہ مدارس کی تعلیم کسان کیلئے موزوں نہیں۔ پنجاب جیسے اعلیٰ صوبہ میں ایسی تعلیم کو جسے کسان بھی پسند کرے بہت بڑی اقتصادی اہمیت حاصل ہے اور اس مسئلہ پر جس قدر زور دیا جائے کم ہے۔ ہم زراعتی تعلیم کے مسئلہ پر تفصیلی بحث تو آگے چل کر کریں گے یہاں یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسان کو اگر موجودہ طریق تعلیم پسند نہیں۔ تو اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ ہوشیار اور تعلیمی یافتہ لوگوں کا عام رجحان یہ ہے۔ کہ دیہات کو چھوڑ کر شہروں میں بود و باش اختیار کر لی جائے۔ ہم آوراق آئندہ میں اس رجحان پر بھی بحث کریں گے۔

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ پنجاب جیسے صوبہ میں دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زراعت سے جو بے التفاتی برتی جا رہی ہے۔ وہ اقتصادی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اب جو زراعت سے تجارتی نفع حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ تو یہ مناسب ہے۔ کہ نہایت مضبوط و مستحکم اصولوں پر اس کی تنظیم کی جائے۔ زیادہ سرمایہ لگایا جائے۔ کسان کے طریق تعلیم میں اصلاح کی جائے

۱۔ مسٹر کیشنکر جی اور وکٹ کے سلسلے میں لکھتا ہے۔ کہ ساہا سال سے بارش کی دقت نے کسان کے ذہن میں یہ مبالغہ آفرین خیال پیدا کر دیا ہے۔ کہ پیداوار کی کمی یا بیٹی اس کی محنت پر موقوف نہیں ہے۔

تاکہ وہ سرمایہ لگا کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔ بد قسمتی سے کسان بعض وجہ سے مزید کوشش اور محنت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے اُسے یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ اگر وہ ہاتھ پاؤں ہلائے۔ زیادہ سرمایہ، زیادہ محنت اور زیادہ عقل صرف کرے۔ تو اُس کے سامنے کامیابیوں کا ایک وسیع میدان پڑا ہے۔ جسے وہ باسانی طے کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی امید رکھئے۔ کہ خود کسان ہی اٹھ کر اپنے ہم پیشہ لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب تک شہر کے باشندے کسان کی کمائی پر عیش اڑاتے رہے ہیں۔ اور غلہ کی خرید و فروخت میں دلالی کرنے کے سوا زراعت میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ شہر کے باشندے نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا۔ کہ کسان کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ تو وہ بھی خوشحال ہو جائیگا۔ بلکہ اس کوشش میں مصروف رہا ہے۔ کہ بیچارہ کسان تنزل کرتے کرتے اقتصادی غلامی کی حد تک پہنچ جائے۔ اس طرح اُس نے کسان کے دل کو محنت و مشقت کے ولولہ سے محروم کر دیا ہے۔ دولت پیداوار سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسی جماعت میں جو ملکی پیداوار بڑھانے میں حصہ نہ لیتی ہو۔ کسی نہ کسی حیثیت سے کارآمد ثابت ہو۔ لیکن اگر ملک میں ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہے۔ جس سے پیداوار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو اس کے وجود سے یقیناً ملک کی اقتصادی حیثیت کو نقصان پہنچے گا۔

علی العموم ہر ملک کی دولت پر اس امر کا بھی اثر پڑتا ہے۔ کہ اس کی زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ آبادی کا تناسب کیا ہے۔ ایک زمانہ میں جب کہ آئر لینڈ کے لوگ مفلس تھے۔ اِملاد باہمی کی تحریک شروع نہیں ہوئی تھی۔ براہ راست تجارت کرنے میں سہولتیں نہیں تھیں۔ اور تاجروں کے باہمی مقابلہ اور چٹک کی گرم بازاری کی وجہ سے بہت نقصان ہوتا تھا۔ اس وقت ملک کی آبادی

لے چھوڑت تھیں مگر اس پر اظہار خیال کرتے وقت رعیت کو نظر ڈالی جائے کسان اگر مزید کوشش و محنت پر آمادہ نہیں تو اُسکی وجہ یہ کہ اس سے پہلے زرعی پیداوار کی فروخت کی کوئی منڈی نہیں تھی۔ پھر قوتوں میں اقتدار آتا ہے پھر تاجروں کا خزانہ کیسے ہی جذبہ لالچ و قابلیت موجود ہوئی وہ اُسے بیدار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ منافع کے متعلق اسے یقین و وثوق نہیں تھا۔

لے فعل ری کنٹریشن ان آئر لینڈ صفحہ ۲۲۷۔



زیادہ تر تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی جن کی تعداد ضرورت سے زیادہ تھی۔ پنجاب میں یہی خصوصیت دکھائی دیتی ہے۔ بعض ذاتوں کے لوگ تو کسی ایسے کام میں حصہ نہیں لیتے جس سے پیداوار میں اضافہ ہو۔ اور ایسے پیشے اختیار کر لیتے ہیں جن سے دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور زراعت و صنعت کے علاوہ جتنے سود مند کام ہیں۔ انہیں بہت زیادہ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے جن کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہے۔ مثلاً اجناس کی تعقیم ایک سود مند کام ہے۔ لیکن اشیائے خوردنی کے چھوٹے چھوٹے تاجروں کی تعداد کا حساب کیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ صوبہ کے اکیس باشندوں میں سے ایک ضرورتاً تاجر ہے۔ اسی طرح ساہوکاروں یا سود پر روپیہ دینے والوں کی تعداد ایک فی صدی ہے۔ اس قسم کے اعداد و شمار پر اس اقتصادی حقیقت کی روشنی میں نظر ڈالنا چاہئے کہ ایسے لوگ جن کی گذران دوسروں کی محنت پر ہوتی ہو۔ کسی قوم میں جقدر کم ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔ اور ایسے لوگ جو ملک کی پیداوار بڑھانے میں حصہ لیں اور قوم کی خدمت کریں۔ ان کی تعداد جقدر زیادہ ہو ملکی ترقی اور خوشحالی کے لئے مفید ہے۔

زراعت میں انسانی عنصر کے عمل و دخل کی اس طولانی بحث کے سلسلے میں گاؤں کے باشندوں کی عجیب و غریب ذہنی حالت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسان دیہات کے محدود دائرہ میں عزت و خاموشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اگر انہیں باہر کا ایک شخص کوئی مشورہ دے تو وہ اُسے ناپسند کریں گے۔ بلکہ دوسرے لوگ انکی زندگی کو سدھارنے کی کوشش کریں۔ تو وہ اس سعی کو بے اعتمادی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ یہ بے اعتمادی دور دور پھیلی ہوئی ہے۔ پبلک مجالس میں بھی یہ جراثیم اتر کر چکے ہیں۔ لوگ ان انتظامی مجالس کے کام میں بھی کوئی سرگرمی ظاہر نہیں کرتے۔ جن کے سپرد عوام کی اصلاح و بہبود کا کام ہے۔ ایک امریکن کسان کے متعلق سنا گیا ہے۔

لے ملاحظہ ہو کہ عدلیہ کی کتاب پرنسپل آف ریل اکنامکس صفحہ ۲۸۹ پر دیکھنا ہوگا کہ عوام کی ایک بہت بڑی جماعت کے غیر منفعت بخش مشاغل اختیار کرنے سے اغلاس اور زوال کیونکر رونما ہوا۔ تو یہ بیانہ کے حالات ملاحظہ کیجئے۔ وہاں پہ آبادی زراعت میں مصروف ہے اور ہزاروں سے بہتر دوسری پیداوار بڑھانے والی صنعتوں میں مصروف ہیں۔ نظم و نسق حکومت کی خرابی اور غلط اقتصادی حکمت عملی کے جے رہنے کی وجہ سے یہ ملک فائدہ ندگی اور عزت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ (صفحہ خارجہ کے پمفلٹ)



کہ وہ ابھی اس پرانے عقیدے پر جما ہوا ہے۔ کہ رفاہ عام کے لئے حکومت کی معرفت روپیہ صرف کرنا مقتضای عقل و دانش نہیں۔ حکومت گاؤں کے لوگوں سے جو معامل لیتی ہے۔ انہیں دیہاتی زندگی کی دھکتی ہوئی رگ بھننا چاہئے۔ شہروں میں اجتماعی طور پر رفاہ عام کے کام کئے جاتے ہیں۔ اور اس بات میں شہر کے باشندوں نے بہت ترقی کر لی ہے۔ مثلاً گلی کوچوں نالیوں اور آبپاشی کا انتظام لوگ خود کرتے ہیں۔ اور ان کے مصارف پبلک فنڈ سے ادا کئے جاتے ہیں۔ جو محصول لگا کر وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن کسان اس طرح روپیہ صرف نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ ان چیزوں کو عوام کے روپیہ سے مفت خوروں کے ایک لشکر کی پرورش کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ کسان حکومت کو بھی ایک ایسی مصیبت سمجھتا ہے۔ جس سے اُسے کوئی راہ گریز دکھائی نہیں دیتی۔ اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ حکومت کی سرگرمیوں کا دائرہ جس قدر ممکن ہو سکے تنگ رہے۔

انگلستان کی حالت بھی تقریباً اسی قسم کی ہے۔ وہاں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اگرچہ زراعت کو محض اسلئے نقصان پہنچ رہا ہے۔ کہ پبلک اداروں کے افسروں نے ضروری سہولتیں بہم نہیں پہنچائیں۔ لیکن انتظامی مینوں کی سرگرمیوں کے سلسلے میں کسان نے تقریباً صرفانہ طریق عمل اختیار کر رکھا ہے۔ اگر مالگداری میں اضافہ کر دیا جائے۔ خواہ یہ اضافہ کسی خدمت کے صلہ میں ہو۔ کسان کو یحید صدمہ ہوتا ہے۔ وہ اسے ہل انگیز بتا ہی کا پیش خمیہ سمجھتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ مالگداری زراعت کو بالکل تباہ کر دیگی۔ وہ اس امر کو بھول جاتا ہے۔ کہ مقامی مجالس نے کسانوں کی کیا کیا خدمات کی ہیں۔ شاید کسی حد تک اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ ٹیکس دینے والی آبادی پر نئے جبری محامل لگا دیئے گئے ہیں۔ لیکن بہت حد تک اس کا سبب یہ ہے۔ کہ مقامی حکام کی کارروائیوں میں بچسپی نہیں لی جاتی۔ پنجاب کے زراعت پیشہ لوگوں کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں۔ کہ ایک قطعہ اراضی کا انتظام

لے انٹروکشن ٹوردرل ریشیا رچی (دیہاتی عمرانیات کا تعارف) از وولٹ صفحات ۱۹۱ و ۱۹۲

لے ایگریکلچرل انکسورٹڈ شائر صفحات ۹۳-۹۴-۹۵۔ مصنفہ جے آور۔ یہ امر عجیبی سے خالی نہیں۔ کہ پنجاب کی طرح انکسورٹڈ شائر میں بھی تعلیم پر جس قدر روپیہ لگایا جاتا ہے۔ اسے کسان پسند نہیں کرتا۔ اسے یہ سمجھانے کے لئے بہت طویل دلائل دینے کی ضرورت ہے۔ کہ مالی حیثیت سے تعلیم پر روپیہ صرف کرنا مفید ہے۔

جقدر ضروری ہے۔ پورے ضلع کا انتظام بھی اسی قدر ضروری ہے۔ سو یہ بھی فراموش کر جاتے ہیں۔ کہ اصلاح و ترقی کے اکثر ایسے کام بھی ہیں۔ ان کے اور ان کی صنعت کیلئے فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ مفائی محصول مالگداری کا بہت قلیل ساحقہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس میں اضافہ کی تجویز کی جائے۔ تو فوراً اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے۔ خواہ نئی سڑکوں اور دو خانوں وغیرہ کی کیسی ضرورت ہی کیوں نہ ہو اور کسان خود اس ضرورت کو کیوں نہ تسلیم کرتے ہوں۔ اگر غلہ کی خرید و فروخت کے متعلق سہولتیں ہم پہنچانا منظور ہے۔ اور بری سڑکوں مولشیوں اور انسانوں کی بیماریوں سے جقدر دولت ضائع ہوتی ہے۔ اُسے منلح ہونے سے بچانا نظر ہے۔ اگر کسان دیہات کی اصلاح کے خواہشمند ہیں۔ تو انہیں مقامی محصول میں اضافہ ناگوار نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دیہاتی اقتصادیات کا صحیح علم پھیلایا جائے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر بالغوں کی تعلیم کا کوئی نظام قائم کیا جائے۔ تو یہ مرحلہ طے ہو جائیگا۔

دنیا کے مختلف ممالک کے زراعتی حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زراعت کی ترقی جقدر انسانی عنصر پر موقوف ہے۔ اس کا احساس عوام کو نہیں۔ اگر انسان کے کیرکڑ میں نقص ہے۔ تو قدرت کی عطا کی ہوئی قیمتی سے قیمتی نعمتیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اور اگر انسان اپنے علم و عقل اور قوت کا استعمال کرے۔ تو بڑی بڑی دشواریاں بھی دفع ہو جاتی ہیں۔ اس کی صحیح مثال ڈنمارک میں ملتی ہے۔ ڈنمارک قدرتی طور پر ایک مفلس ملک ہے۔ لیکن لوگوں نے ملک کو خوشحال بنانے کی کوشش کی۔ تدبیریں سوچیں۔ ترقی حاصل کرنے کے لئے صحیح راہ اختیار کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ڈنمارک آج دنیا کے خوشحال ترین ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ کسانوں میں بعض ایسی امتیازی اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔ جو دنیا بھر کے کسانوں میں مابہ الاشتراک ہیں۔ کسان محتاط اور سست ہوتا ہے۔ اُسے تجربہ نے بتایا ہے۔ کہ فطرت کے قوانین سخت ہوتے ہیں۔ ایسے پچھلے نہیں کہ انہیں جی طرح چاہے توڑ مروڑ لیا جائے۔ ماہر سیاست کہتا ہے کہ دولت حاصل کرنے کے طریقے آسان ہیں۔ انسان اُسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ شہر کا باثو کتاب کا کیرٹھ ہے۔ اُس کا سارا علم کتابوں سے حاصل کیا ہوا ہے۔ وہ اُسے بھی نظر اشتباہ سے دیکھتا ہے۔ کسان سمجھتا ہے۔ کہ فصل پیدا کرنے میں اُس کی اپنی قابلیت محنت اور کوشش کا بہت کم دخل

ہے۔ وہ فصل کو فطرت کی فیاضی یا خدا کی مہربانی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اُس پر مصیبتوں کے پہاڑ پھٹ پڑتے ہیں۔ اور اگر وہ دورانِ نشی سے کام لیتا۔ تو ان مصیبتوں کی پیش بندی کی جاسکتی تھی۔ لیکن کسان یہ کہہ کر خاموش ہو رہا ہے۔ مشیتِ الٰہی یونہی تھی۔ خدا کی مرضی جو پبلک صیغے اس پر معمول لگا کر اسے خطرات سے بچانا چاہتے ہیں۔ یا رفاہِ عام کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اُن سے بھی ناراض ہے۔ تقریباً ہر ملک میں یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ کسان اپنے پیشے کو اس کے حقیقی مرتبہ سے بہت پست سمجھتا ہے۔ وہ محض لوازمِ معیشت، حامل کرنے کے لئے کھیتی باڑی کرتا ہے۔ اور جب تک اس کی زندگی کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ وہ کوشش و محنت کر کے زیادہ کمانے سے پس و پیش کرتا ہے۔ لطف یہ ہے۔ کسان بخوبی جانتا ہے۔ کہ وہ مختلف قطعاتِ اراضی میں یکساں پیداوار نہیں ہوتی۔ ایک کسان ایک قطعہ اراضی سے زیادہ پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ اور دوسرا اتنے ہی سے کم یعنی اچھی فصل پیدا کر کے کیلئے کسان کا قابل اور معنی ہو یا ضروری ہے۔ لیکن پھر بھی وہ صحیح طور پر اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کر سکتا۔ ہالینڈ، ڈنمارک، بیلجیم وغیرہ ممالک کے زراعتی حالات کا مطالعہ کیجئے۔ تو آپ کو جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آئیگی۔ وہ ملک کے قدرتی فضائل ہیں۔ بلکہ یوں کہئے! کہ باشندگانِ ملک کے کیرکٹر کا اثر ہے۔ اس ملک کے باشندوں میں دیہی غریبی ہے۔ کہ وہ مشقت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور سخت سے سخت محنت کرنے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ وہ ضبط و نظم کی اہمیت کو بھی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ سارے ملک کے فائدہ کے لئے ایک شخص کو تکلیف بھی اٹھالینا چاہئے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ زراعت کے لئے دورانِ نشی بہت ضروری ہے۔ وہ مستقبل میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھانے اور مصیبتیں بھیلنے سے بھی دینچ نہیں کرتے۔ لیکن زراعت پر نظامِ حکومت کے اثرات نمایاں حیثیت نہیں رکھتے۔ حکومت زراعت میں مداخلت کرے۔ تو اُسے کامیابی نہیں ہوگی۔ وہ قانون وضع کر کے بعض چیزوں کو ممنوع قرار دے۔ جب بھی فیصلہ کسان کے ہاتھ ہے۔ حکومت اگر کسان کو بددیونا چاہے۔ تو اس غرض کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسان میں بھی حکومت کی اعانت سے فائدہ اٹھانے کی خواہش موجود ہو۔ حکومت ایسے قوانین تو نافذ کر سکتی ہے۔ جو کسان کی دانت میں مفید ہیں۔ لیکن وہ اُسے ایسے کاموں پر آمادہ نہیں کر سکتی جنہیں کسان اپنے مفاد کے لئے مغفرتِ راس سمجھتا

ہے۔ زمین تو ایک آئینہ ہے جس میں کسان کی ہمت و محنت منعکس نظر آتی ہے۔ کسان کو یقین ہے۔ کہ وہ اپنی اراضی کی استعداد اور صلاحیت سے پوری طرح واقف ہے۔ شاید اس کا یہ خیال غلط ہو۔ لیکن چونکہ سالہا سال سے وہ عملی مشکلات کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اس لئے وہ کسی ایسے شخص پر جو اس جیسا تجربہ نہ رکھتا ہو۔ اعتماد نہیں کر سکتا۔ کسان کی شخصیت زراعتی خوشحالی کا بہت بڑا عنصر ہے۔ اگر زراعت کو ترقی دینا مقصود ہے۔ تو کسان کو ترقی پسند بننے کی تعلیم دینا چاہئے۔ اگر اس سے پہلے زمین کی مناسب طور پر غور و پرداخت نہیں کی گئی۔ تو اب اسکی تلافی کی جائے۔ کوئی قانون کوئی سیاسی انقلاب اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ جس طرح ایسے طریقوں پر زور دینا بے سود ہو۔ جنہیں کسان منظور کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح کسانوں کے عجیب و غریب خصائص سیرت پر غور کئے بغیر ان کے لئے کوئی طریق کار تجویز کرنا غیر مفید ہے۔ اگر زراعت میں کوئی تغیر پیدا کرنا مقصود ہے۔ تو سب سے پہلے کسان کی تعلیم و تربیت کی جانب توجہ کرنا چاہئے۔ حکومت میں نقصان پہنچانے کی غیر محدود صلاحیت موجود ہے۔ اس سلسلے میں ہسپانیہ اور ترکی کے نام مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن پنجاب کی طرح حکومت اپنے ذرائع و وسائل کو زراعت کی اصلاح کا شوق پیدا کرنے اور زمین کے لئے آبپاشی یا دوسری ضروریات ہتیا کرنے میں استعمال کر سکتی ہے۔ لیکن اگر حکومت یہ کوشش کرے۔ تو اس سے صرف اتنا ہوگا۔ کہ زراعت کی تباہی میں التوا ہو جائیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ حکومت کی مداخلت تباہی کو بالکل روک دے۔ حکومت کی کوششوں سے تو اسوقت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ جبکہ کسان بھی ان کی جانب مناسب توجہ کرے کسان کا کیرکڑی ایک ایسی چیز ہے۔ جس پر کامیابی کا دار و مدار ہے۔

## شہروں کی تحریک

تمام متمدن ملکوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے۔ کہ شہر دیہات کے طفیل ترقی حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر بہت کچھ بحث ہو چکی ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آیا

نقل مکان ضرور رہا ہے یا مفید احساس کا فیصلہ تو اس امر پر موقوف ہے۔ کچھ لوگ نقل مکان کر کے شہروں میں آباد ہو گئے ہیں۔ کون ہیں اور انہیں کن اسباب نے گاؤں چھوڑ کر شہر میں بسنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ جب آر لینڈ کے باشندے ہجرت کر کے امریکہ کے شہروں میں جا آئے ہوئے۔ تو اس سے آر لینڈ کی زراعت کو نقصان پہنچا۔ لیکن جب انگلستان میں یہی تحریک پھیلی۔ اور گاؤں کے باشندے نقل مکان کر کے شہروں میں بسنے لگے۔ تو اس سے شہروں کی صنعت و حرفت کو فائدہ پہنچا۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ بلکہ شاہ رچرڈ ثانی کو بھی اس تحریک نے پریشان کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۷۹ء میں اس نے ایک قانون نافذ کیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ جو لوگ بارہ سال کی عمر تک زراعت کرتے رہے ہیں۔ شہر کے کارخانوں میں ملازمت حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں زراعت ہی کرتے رہنا چاہئے۔ چند سال کے بعد پھر اس قانون کو از سر نو نافذ کیا گیا۔ کیونکہ اکثر کسان پارچہ بانی کا کام اختیار کر رہے تھے۔ بعد کے زمانہ میں بھی خیال عام ہو گیا۔ کہ لندن کسانوں کے لئے مصائب کا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ نوجوان اور باہمت لوگ گاؤں چھوڑ کر وہاں چلے جاتے ہیں۔ اس سے جو نتائج پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک نتیجہ تو زمانہ جنگ عظیم میں سپاہیوں کے طبی معائنہ سے پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرا نتیجہ جسے لوگ یاد نہیں رکھ سکتے۔ یہ تھا۔ کہ قطعات اراضی کو ملا کر ایسے بڑے بڑے فارم قائم کئے گئے۔ جن میں کام کر کے ایک کاشتکار اچھی خاصی آمدنی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے معیار کو بھی بلند کر سکتا ہے۔ قطعات اراضی کا یہ باہمی الحاق اس طرح ہوا۔ کہ صنعت و حرفت میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ مزدور گروہ درگروہ شہروں میں پہنچ رہے تھے۔ شہروں میں

۱۷ (بقایا صفحہ ۶۱) کنسٹرکٹورل سوشیالوجی معنفہ جلیٹ صفحہ ۹۷۔ نہایت ترقی یافتہ ملکوں میں یہ رجحان ہمہ گیر ہے۔ ہمارے شہروں کی جدید آبادی لندن کے اس گلاب میں گرفتار ہے۔ جس کا ملہ سائنٹیفک اور فنی اصولوں پر ہے۔

۱۸ کنسٹرکٹورل سوشیالوجی معنفہ جلیٹ صفحہ ۶۲۔

۱۹ ایضاً صفحہ ۲۰۹۔

مزدوروں کی تعداد بڑھ گئی۔ تو خوراک کی مانگ بھی زیادہ ہو گئی۔ اور شایہ خورد و نوش غیب فروخت ہونے لگیں۔ اس طرح یہ ہو سکتا ہے۔ کہ دیہات کی آبادی میں کمی ہو جائے تو اس ملک کو نقصان پہنچنے کی بجائے نفع ہو۔ بڑے بڑے فارم قائم ہو جائیں۔ اور جو لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ رہیں۔ ان کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس تحریک کے نتائج ہلکے ہوں۔ قوم کی جہانی حالت کو نقصان پہنچے۔ یا زمین کی کاشت کرنیوالوں کی تعداد کم ہو جائے۔ مزدور رقبہ میں بھی کمی واقع ہو۔ دیہات کے باشندوں کا شہروں میں جا کر آباد ہو جانا۔ اس لحاظ سے بہت مفرت رساں ثابت ہوتا ہے۔ کہ دیہات کے بہترین دماغ رکھنے والے لوگ شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور دیہات کے لوگ ذی استعداد لیڈروں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دیہات میں جو لوگ زیادہ تعلیم یافتہ اور باہمت ہوتے ہیں۔ انہیں شہروں کی کشش کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اور جو نوجوان زیادہ قابلِ بامت اور سرگرم نہیں ہوتے۔ دیہات میں رہ جاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ دیہات استعداد و قابلیت کے اعتبار سے زوال پذیر ہو جائیں گے۔ جدید علم زراعت کے لئے عقل و دانش اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم ضروری ہے۔ اس صنعت کے مستقبل کی نسبت اگر کوئی امید ہے۔ تو یہی۔ کہ پرانے مسائل کی گتھیاں سائنس کے ناخن تلمیر سے سلجھائی جائیں۔ کسی زراعتی ملک کی خوشحالی کے لئے یہ بیحد ضروری ہے۔ کہ یا تو کسان خود سائنٹیفک طریقوں کا علم رکھتے ہوں۔ یا جن لوگوں کو ان طریق سے واقفیت ہو۔ وہ انکی پوری پوری رہنمائی کریں۔ کوئی صنعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی۔ جب تک اس پر عقل اور تدبیر صرف نہ کی جائیں۔ اور صرف زراعت پیشہ طبقہ ہی نہیں۔ بلکہ سارے ملک کے

لے کرٹر صفحہ ۱۶۲

لے کرٹر کنٹرول سوشالوجی۔ صفحہ ۹۵۔

لے کارڈ کی کتاب پرنسپلز آف رورل انکوائری صفحہ ۲۵۴۔ دیہات سے نقل مکان کرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کھیتی باڑی کا چمانہ کم ہو جانے کے بجائے متوسط درجہ کی حالت میں رہا ہے۔ یہ تحریک حوصلہ افزائی کے قابل ہے۔ اور دیہات میں اعلیٰ معیار زندگی قائم رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔

مقاہد کا تناسب ہے۔ کراچ جدید معیار علم اور زراعت کی خاص قابلیت کے استعمال میں نکل نہ پرتا جائے۔ اگر وہ مزدور جن کی نہ تو دیہات میں ضرورت ہے۔ اور نہ وہ زراعت کی قابلیت رکھتے ہیں۔ سیاہ کسان جن کی اراضی سے کوئی اقتصادی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ شہر و میں چلے جائیں۔ اور وہاں کسی منفعت بخش صنعت میں مصروف ہو جائیں۔ تو شہری تحریک مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن موجودہ صورت میں اس سے قومی خوشحالی کی بنیاد کو تباہی کا خطرہ ہے کیونکہ جب ملک کی اہم ترین صنعت غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائیگی۔ تو یہ خطرہ ضرور دامگیر ہوگا۔ یہ امر بھی حیرت انگیز ہے۔ کہ تعلیم یافتہ لوگ جن میں اکثر دراصل دیہات میں پیدا ہوئے ہیں۔ زراعت میں کوئی نمایاں عملی دلچسپی نہیں لیتے۔ اس اہم صنعت کی جانب لوگوں کی توجہ منقطع کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ موسم شماری کی رپورٹ کے مطابق شہر کے ان باشندوں کا جو کسی دوسری جگہ پیدا ہوئے ہیں۔ حسب ذیل تناسب ہے۔

۱۔ پرنسپلز آف ریدل اکاؤنٹس، مسندہ تارہ صفحہ ۲۰۰۔ ہال کا کتاب "ایگریکلچرل انڈسٹری" صفحہ ۴۰۔ آرمین کی کتاب پلیس آف ایگریکلچرل انڈسٹری (صنعت و معرفت میں زراعت کا مرتبہ) اور سٹرنز کی مٹل کا پیٹنٹل۔ سٹرنز سٹری کے نزدیک یہ امر کہ تعلیم کے مزارعین اگر مزارعین سے زیادہ لگان اٹھا کرتے ہیں۔ پاکستان میں حقیقت یہ ہے۔ اس چیز کا۔ کہ زیادہ عقلندہ زراعت پیشہ مزدور شہروں میں چلے آتے ہیں۔ اور کسان کے پاس اٹنے درجہ کے مزدور رہ جاتے ہیں۔ دوسری جانب تعلیم میں کسان خود کھیتی باڑی محنت کرتا ہے۔ اور زیادہ عقل و دانش اور حکم کھانے کا خواہش کے طفیل اپنی محنت کے ثمرات سے پوری طرح بہرہ یاب ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ سنز فرام بلیم (تعلیم سے سبق) صفحہ ۱۵۰۔ ۱۔ اس حقیقت کے بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ انہیں قابل ملازمت قرار دینا مقصود ہے۔ شہر کے تعلیم یافتہ باشندے اپنی بے اتفاقی کے حق میں دلائل پیش کر سکتے ہیں۔ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ انہیں موقع نہیں ملا۔ کوئی تعلیم نہیں کوئی رہنا نہیں ملا۔ وہ اپنی مصیبتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ یا دیہاتی مسائل کا مطالعہ کرنے کے لئے آسانیاں میسر نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حقیقت پھر بھی حقیقت ہے۔ کہ شہروں کے تربیت یافتہ اہل دانش کو ذہنی مسائل کی جانب توجہ کرنا چاہئے۔



۱۹۲۱ء	۱۹۱۱ء	
۴۸ فیصدی	۳۶	دہلی
۲۲ فیصدی	۲۰	اتر
۴۵ فیصدی	۴۳	انبالہ
۳۵ فیصدی	۲۰	سیالکوٹ
۵۴ فیصدی	۴۳	لاہور
۲۰ فیصدی	۲۶	ملتان
۳۹ فیصدی	۱۸	جالندھر
۵۲ فیصدی	۴۹	فیروزپور

ان اعداد سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ شہری تحریک کس قدر وسیع ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو بڑے بڑے شہروں کی آبادی کم ہوتی جاتی۔ کیونکہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک شرح پیدائش ۴۰ بمقہی۔ اور شرح اموات ۲۹۔۲۰ مجموعی شہری آبادی میں جو تخمیناً ۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ہے، شرح پیدائش اور شرح اموات کا فرق اتنا ضرور ہے۔ کہ ہر سال تیرہ ہزار نفوس کی کمی ہو جائے۔ اور اگر پیدائش و موت کی شرح مستقل طور پر یہی رہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ ہر سال تیرہ ہزار اشخاص دیہات سے نقل مکان کر کے شہر میں آباد ہو جائیں تاکہ شہر کی آبادی جوں کی توں رہے۔ اور اگر اس سے زیادہ لوگ نقل مکان کر کے شہر میں آباد ہوں۔ تو شہر کی آبادی بڑھ جائے۔ دیہات سے نقل مکان کر کے شہر میں آباد ہونے والے تین گروہ ہیں۔ مزدوری پیشہ لوگ۔ جو زراعت کے فن میں پوری مہارت نہیں رکھتے۔ تاجروں کے لڑکے۔ اور تعلیم یافتہ نوجوان۔ نقل مکان کرنیوالوں میں ایسے کسان بہت کم ہیں جو اراضی کے مالک بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کسانوں کی اراضی میں اجتماعی حیثیت سے کوئی توسیع نہیں ہوئی۔

سب سے بڑا نقص تو یہ ہے۔ کہ زراعت مسلسل و پیچیدہ ہو شمند اور باہمت نوجوانوں کی اعانت سے محروم ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے



کہ کھیتی باڑی میں انہیں اپنی علمی قابلیت کے جوہر دکھانے کا کافی میدان نہیں مل سکتا۔ کھیتی پر محنت کرنے کو وہ غلافِ شان تصور کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ شہر میں کہیں کلرک ہو جانا اُن کے مستقبل کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ حالانکہ بہت کم ایسے نوجوان ہیں۔ جو کلرک بلکہ کوئی امتیازی اور نمایاں حیثیت حاصل کرتے ہیں۔ یہ بہت حد تک میج ہے۔ کہ پنجاب کی زراعت ایک ایسے مرحلے سے گذر رہی ہے۔ جب کہ اُسے علم اور دانشمندی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جاسکتا۔ لیکن اس کی وجہ بھی تو یہی ہے۔ کہ ابھی تک علمی قابلیت اور عقل سے زراعت کو فائدہ پہنچانے اور زیادہ سائنٹیفک طریقے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اگر زراعت سائنس کے اصولوں پر کی جاتی۔ تو نہ صرف کسان کو اپنی قابلیت دکھانے کا موقع ملتا۔ بلکہ اس سے بہت کافی نفع بھی ہوتا۔ تعلیم یافتہ آدمیوں کو اس حرفت سے وابستہ رکھنے کے لئے ان پر یہ ثابت کر دینا ضروری ہے۔ کہ زراعت دوسری صنعتوں سے کم منفعت بخش نہیں۔ اور جس طرح شہر کی زندگی میں ایک با استعداد شخص کے لئے بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع ہے۔ اسی طرح ایک قابل شخص اس صنعت سے وابستہ رہ کر بھی ترقی اور عروج کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے۔ کہ دیہات کی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کی جائیں۔ اُسے زیادہ دلچسپ بنایا جائے۔ پرانی رسوم اور قدیم قواعد میں زندگی کی نئی روح پھونک پیچائے۔ یا ان کی بجائے نئے قواعد رائج کئے جائیں۔ بقول مٹر کیننگز ایک ایسے ملک میں جس کی آبادی کے اس قدر بڑے حصہ کا دار و مدار صرف زراعت پر ہو یہ ضروری ہے۔ کہ حکومت کسانوں کے سود و بہبود کی خاطر قوانین وضع کرے۔ اور اس کے انتظامی صیغہ کی سرگرمیوں کا بیشتر حصہ بھی کسانوں کی صلاح پر صرف ہو۔ زراعت کا مفاد باشعور کسان ملک کے مفاد عمومی سے الگ نہیں کیونکہ اکثر لوگ زراعت اور اراضی سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتے ہیں۔

لٹ۔ پرنسپلز آف رورل اکنامکس مصنفہ کارو صفحہ ۴۴۰۔ کلرک۔ کو آپریشن اینگ فارمرز (کسانوں میں امداد باہمی)

نئی ریفارم اسکیم کے مطابق سیاسی قوت کاؤل کے رائے دہندگان کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں۔ کہ کسان اُن کے حق میں ووٹ دیں۔ انہیں اپنی قابلیت کے متعلق کسان کو اطمینان دلانا پڑیگا۔ کسان عام سیاسی جماعتوں اور انکی امتیازی خصوصیات کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ لیکن جہاں کوئی ایسا مسئلہ آتا ہے۔ جو عملاً ان کے کام اور پیشہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تو وہ بہت دور اندیش بن جاتے ہیں۔ شاید نیا نظام حکومت تعلیم یافتہ لوگوں میں دیہاتی اقتصادیات کے متعلق ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دے۔ اور وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت اُن اقتصادی مسائل پر بحث کیا کریں۔ جنہیں فوری طور پر جامہ عمل پہنانے کی ضرورت ہے۔ امداد باہمی کی تحریک دیہاتی زندگی میں روح پھونکنے کا ایک اور بڑا ذریعہ ہے۔ یہ دیہات میں جدید انجمن قائم کر رہی ہے۔ تحریک مذکور کا مقصد یہ ہے۔ کہ زراعت کے سلسلے میں جس قدر مرحلے طے کرنا پڑتے ہیں۔ وہ سب کے سب کسان کے پیش نظر ہیں۔ سامان کثاوری کی خرید سے پیداوار کی فروخت تک تمام امور کا انتظام وہ خود کرے۔ اس تحریک کا اصل مدعا یہ ہے۔ کہ کسان کو اپنی صنعت کے تجارتی پہلو سے دلچسپی پیدا ہو۔ اور اسے یقین ہو جائے۔ کہ اگر اُس نے راہ میں ترقی کا کوئی قدم آگے بڑھا۔ تو اس سے اسے پوری پوری مالی منفعت حاصل ہوگی۔ تحریک امداد باہمی شرح سود میں کمی کر کے زراعت کی اصلاح و ترقی کے کام کو منفعت بخش بنا رہی ہے۔ اس نے ضروریات زندگی کو ارزاں کر دیا ہے۔ اور اب یہ ممکن ہو گیا ہے۔ کہ کسان سابقہ مصارف زندگی پر بلند معیار کی زندگی بسر کر سکے۔ اجناس کو گراں سے گراں قیمت پر خریدنے والی منڈیاں ہم پہنچا کر اس لئے کاشتکاروں کے لئے ترقی کا میدان ہتیا کر دیا ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کو فطرت نے لیڈر بننے کی استعداد بخشی ہے۔ انہیں یہ تحریک صفِ اول میں لے آئے گی۔ اور اب بھی لا رہی ہے۔ ابھی تک اس تحریک کے نتائج پر اتنی توجہ نہیں کی گئی۔ جس کے وہ فی الواقع مستحق ہیں، لیکن گاؤل کی زندگی میں اُن تسلیم یافتہ اور سرگرم نوجوانوں کا داخل ہونا جو اقتصادی آزادی اور اقتصادی ترقی کا ایک نیا درس دے رہے ہیں۔ اور کانوں کو وہ علم بخش رہے ہیں۔

جوانوں نے دوسرے زراعتی ممالک کے وسیع مطالعہ سے ماہل کیا ہے۔ اس قدر ہمہ گیر اور دور رس اثر کر چکا۔ کہ ایک زمانہ میں بے جس سے بے جس شخص بھی اس مسئلہ کے اتفاقی نہیں برت سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں شہری تحریک اگر زاید از ضرورت دیہاتی مزدوروں کو اپنی جانب کھینچ لے۔ تو اگرچہ جرائم۔ بداخلاقی۔ اور صحت کی خرابی میں اضافہ ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ چیزیں شہر کی زندگی کا لازمی جزو بن چکی ہیں۔ تاہم صوبہ کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ دانشمند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو شہروں میں آباد ہونے کے بجائے دیہات کی جانب متوجہ کرنا چاہئے۔ تاکہ صوبہ کی وسیع دولت سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے۔

## دیہاتی تعلیم

یہ تو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ صوبہ کی موجودہ اور آئندہ دولت کا سرچشمہ صرف اراضی ہے۔ اگر اراضی مناسب غور و پرداخت کی جائے۔ تو اس سے اس قدر دولت پیدا ہوگی جو ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ اور اگر اس کی اصلاح و ترقی کے لئے سائنٹیفک طریقے استعمال کئے جائیں۔ تو اس سے اس قدر نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ جو برابر بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن صوبہ کی قابل زراعت اراضی کا رقبہ محدود ہے۔ اس لئے اگر زیادہ دولت پیدا کرنا ہے تو

لے سر جیمز ہارن نے ۱۹۰۷ء میں رائل انکماک سوسائٹی کے سامنے پنجاب کی جدید اقتصادی ترقیات کے موضوع پر جو مقالہ پڑھا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا۔ ”مغربی ممالک کے برعکس پنجاب میں یہ عام رجحان نہیں پایا جاتا۔ کہ دیہات کے باشندے نقل مکان کر کے شہروں میں آباد ہو جائیں۔ کیونکہ دیہاتی آبادی کا تناسب گزشتہ تین مردم شماریوں میں ۱۸۷۱ء - ۱۸۸۱ء اور ۱۸۹۱ء - ۱۹۰۱ء رہا ہے۔“

”گویا زراعت اس قدر کامیاب صنعت ثابت ہوئی ہے۔ کہ دیہات کے باشندے اسے ترک کر کے شہروں میں آباد ہونا نہیں چاہتے۔“

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ رجحان موجود ہے۔ اور خاص طور پر ان لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ جنہوں نے کسی قدر تعلیم حاصل کر لی ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دانشمندانہ طریق پر زیادہ سے زیادہ سرمایہ صرف کیا جائے۔ سرمایہ کے استعمال سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہت استعداد اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ زراعت پیشہ طبقہ کی ہمت اور استعداد کو ترقی دینا صوبہ کے لئے بڑی اقتصادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس حد تک سب متفق ہیں۔ لیکن جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں۔ تو اختلاف آرا کی کافی گنجائش محسوس آتی ہے۔ ایک امر جو تقریباً دنیا کے ہر ملک میں شہرت اختیار کر چکا ہے۔ یہ ہے۔ کہ کسانوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ اُسے پسند نہیں کرتے۔ دوسری بات، جسے ماہرین تعلیم کے سوا سب تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ہے۔ جس قسم کی تعلیم کسان کو دی جاتی ہے۔ وہ اس کے لئے موزوں نہیں۔ تعمیر امر جسے عملی طور پر بہت اہمیت حاصل ہے۔ کہ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ کسانوں کے لئے کس نوع کی تعلیم موزوں و مناسب ہو سکتی ہے۔ یا بحث اختلاف سے بچنے کے لئے یہ کہنا زیادہ موزوں و مناسب ہوگا۔ کہ ابھی تک عام طور پر تسلیم نہیں کیا گیا کہ کس قسم کی تعلیم ان کے لئے موزوں ہے۔ اس سلسلے میں بہت کچھ بحث چینی ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہر ملک کے صاحب فکر لوگوں کے نزدیک کہ کسانوں میں یہ پورا پورا احساس پیدا کرنا ضروری ہے۔ کہ اگر سائنٹیفک طریق زراعت نے تیزی سے ترقی کی۔ تو ترقی اور جلب منفعت کے امکانات کا دائرہ کس قدر وسیع ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر اقتباس ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

”اگر ہم موجودہ زمین کے سائنٹیفک علم کو حاصل کرنا۔ اور زمین سے بجز امکان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے۔ کہ ہم کاشتکاری کے تمام طریقوں میں تبدیلی کر دیں۔ لیکن زراعت کے لئے سب سے زیادہ مناسب تعلیم ضروری ہے۔“

لے صرف اسی صوبہ کے لئے نہیں۔ بلکہ دنیا کے ہر ملک کے لئے۔ بلانیہ عظمیٰ میں زراعت کی مناسب ترقی میں جو چیزیں حاصل ہیں۔ ان میں یہ چیز بھی ہے۔ کہ زراعت پیشہ لوگ زراعت کی تعلیم فن کے اعتبار سے حاصل نہیں کرتے۔ (ملاحظہ ہو وہ شہادت جو زراعت کے شاہی کمیشن کے سامنے ۱۹۱۹ء میں دی گئی تھی۔)

جس کی بدولت پیداوار کو فنی حیثیت سے فائدہ پہنچے گا۔ اگرچہ ہمارے ملک کی تمام آبادی کمیتوں میں کام کرتی ہے۔ تاہم صاف بات تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں ابھی تک قابل ذکر زراعتی تعلیم مفقود ہے۔ اس امر پر بحث ہو چکی ہے کہ زراعتی علاقہ میں چند مکتب قائم کئے جاتے۔ جہاں عملی تجربات سے زراعت کی تعلیم دی جائے۔ لیکن ابھی تک ایسے مکتب موجود ہیں۔ ہمارا موجودہ نظم تعلیم نامکمل اور اقتصادی زاویہ نگاہ سے غیر مفید ہے ہمارے اسکولوں میں طلباء کو صرف ملازم بننے یا دوسرے پیشے اختیار کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ انہیں مفید باتیں نہیں سکھائی جاتیں۔ کسی آزلو پیشہ اور عملی زندگی اختیار کرنے کے قابل نہیں بنایا جاتا۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے ملک میں خاص زراعتی تعلیم کا انتظام کیا جاتا۔ اور زراعت اور صنعت و حرفت کے لئے طیار کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے حکام اس بات کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔

یہ اقتباس سر ویسے متعلق ہے۔ پنجاب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ حیرت انگیز صحت سے پنجاب پر منطبق ہوتی ہیں۔ سر ویسے ایک

لے سر ویسے بائی سرویز مرتبہ ۱۔ ٹیڈ صفحہ ۲۴۵۔ جاپان کے متعلق ڈیلیو۔ ایم۔ میک گوڈورن اپنی کتاب جاپان جدید میں لکھتے ہیں کہ حکومت کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ نوجوان عام باتوں کی نسبت ادھر ادھر کی معلومات رکھتے ہیں۔ جو نہ تو ان کے کام آسکتی ہے۔ اور نہ ان کے ملک کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں جو تعلیم پائی جاتی ہے۔ وہ لوگوں کو محاکمہ وکیل یا اخلاذ نویس بنا دیتی ہے۔ جبکہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ پولیٹکل ایجی ٹریٹرن جاتے ہیں۔ جاپان کے اسکولوں میں بھی خاص مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شہروں میں تجارت اور بک کیسنگ کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ صنعتی علاقوں میں صنعت و حرفت کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ زرعی علاقوں میں زمین تیار کیا جاتا ہے۔ کاشت کیونکر کی جائے جو علاقے سالانہ کے قریب واقع ہیں۔ وہاں پھلی پھلنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ان کی کوہر جگہ کھانا پکانا اور سینے پر ہونے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ اکثر شہر کے کڑے پانے سے متعلق ابتدائی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ اس اقتباس میں عجائبات ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کے عام اطلاق رائے نہیں کیا جائیگا۔ اور انہیں غیر جانبدارانہ خیالات ہمیں سمجھایا جائیگا۔

ایسا ملک ہے جس سے پنجاب کئی مفید سبق سیکھ سکتا ہے۔ اور پھر دوسرے ممالک کے حالات سے بھی اس نوع کے سبق آموز اقتباسات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم کے متعلق یہ شکایت تقریباً عالمگیر ہے۔ کہ اسے شہر کے لوگوں نے بنایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس نظام تعلیم کو وضع کرتے وقت یہ مقصد پیش نظر رکھا گیا ہے کہ دیہات کے نوجوان اس سے متاثر ہو کر شہروں میں جا آباد ہوں۔ اسے دیہات کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ دیہاتی زندگی سے اس قدر الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ کہ دیہات کے اکثر طلباء اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتے۔ اور ان میں سے جو زیادہ عقلمند ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ کر کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا ہے۔ دیہات میں کسی کام نہیں آسکتا۔ ہنری زندگی میں اپنے علم سے فائدہ اٹھانے کا موقع تلاش کرتے ہیں۔ سکولوں کا سکول ماسٹر اپنی جماعت کے سب سے زیادہ ذہین اور ہوشیار لڑکوں کو یہ تعلیم نہیں دیتا۔ کہ وہ سکولوں میں رہیں۔ بلکہ انہیں ہائی سکول میں بھیجنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو آبادی کے بڑے بڑے مرکزوں میں واقع ہیں۔ یہ ہائی اسکول ان کی توجہ دیہات کی جانب سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور ان میں ایسے پیشے اختیار کرنے کا ولولہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جن میں کم مشقت صرف ہوتی ہے صرف پنجاب میں ہی کالجوں کے لڑکے ہل چلانے کو ناپسند نہیں کرتے۔ اور صرف اسی سر زمین میں اسکولوں پر یہ الزام نہیں لگایا جاتا۔ کہ اسکولوں کی فضا دیہاتی زندگی کی صحیح روح کے قطعاً مخالف ہے۔ بلکہ ہر جگہ یہی دکھائی دیتا ہے۔ کہ اسکول طلباء میں زراعت کے خلاف ایک چھپی ہوئی نفرت یا کم از کم بے اعتنائی کا جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ سو نوجوانوں کے دماغ ہر ملک کی سب سے بڑی منفعت بخش حرفت کے وقار اور اہمیت کا نقش نہیں بٹھا سکتے۔ انہوں نے نوجوانوں میں یہ ولولہ نہیں پیدا کیا۔ کہ وہ جس ہمسالہ کے باشندے ہیں۔ انکی ہمسالہ و ترقی میں اپنی زندگی و قوت و ہمت صرف کرنا ان کا فرض ہے۔ انہوں نے طلباء میں زراعتی ترقی کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے اکثر موقعے کھو دیئے ہیں۔ انہوں نے

طلباء کو یہ نہیں بتایا۔ کہ زراعت ایک ایسا پیشہ ہے۔ جس میں اصلاح و ترقی کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور اگر انسان اُسے ترقی دینے کی کوشش کرے۔ تو اُس کی سعی بہت جلد بار آور ہوگی۔ اور اس بارہ میں کوئی دوسرا پیشہ اس سے ہم سہری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسکولوں کے اساتذہ اور عملہ کے اعلیٰ ارکان کی غفلت کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ صوبہ کی اس سب سے بڑی صنعت سے کوئی محسوسی ظاہر نہیں کی جاتی۔ جہاں زراعت پستی کی حالت میں ہے۔ وہاں تعلیم کی حالت بھی ویسی ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ سائنٹیفک طریقوں سے زراعت کو ترقی دینا ضروری ہے۔ تو دیہاتی تعلیم کا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو سکے گا۔ انگلستان میں تو زیادہ تر تعلیم اس مقصد کیلئے پھیلائی گئی۔ کہ جن لوگوں کو زراعت اور فرحت حاصل ہے۔ وہ تعلیم حاصل کریں۔ اسے ترقی بھی ہوئی۔ تو اسی حیثیت سے یعنی اس سے فارغ البال لوگوں کی تربیت کا کام لیا گیا۔ اور عہد جدید کی زندگی میں اگرچہ باہمی مقابلہ کی گرم بازاری روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ تاہم تعلیم کا مقصد صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں کے دماغ کی جلا اس طرح کی جائے کہ وہ اپنے ہم چمٹوں سے اچھی طرح میل جول کر سکیں۔ انگلستان کے پبلک اسکول اور پرانی وضع کی یونیورسٹیاں ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تو بنیظیر ہیں جنہیں دوسروں کے مل پر زندگی بسر کرنا یا لوگوں کی رہنمائی یا ملک کا انتظام کرنا ہے۔ لیکن یہ تعلیم ان لوگوں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں جنہیں فطرت کی قوتوں پر قابو پانا اور اچھی رہنمائی کرنا ہے۔ بقول پروفیسر کارور۔ ویل۔ ایکٹر۔ واعظ۔ محکم یا تجارت پیشہ لوگوں کا سب سے بڑا کام باتیں کرنا ہے یا اچھی کامیابی کا دار و مدار فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے پر باقی سب لوگوں کی کامیابی اشیاء کی ہیئت ظاہری اور ان کے اجزائے ترکیبی و خواص کا علم حاصل کرنے

(۱۰ صفحہ کا بقایا) ایف۔ ای۔ گرین کی۔ "ایوکیٹنگ آف انجینئرڈ" (انگلستان کی بیداری) مزید ان ڈبلیو۔ ایچ۔ جونس کی "ایوولیوشن آف کنٹری کیونٹی" (دیہاتی جماعت کا ارتقاء) صفحہ ۹۰۔ فرانسیسی فلسفی ڈی سائمن نے لکھا ہے کہ ایگرو سیکس قوتوں کے اعتبار سے انسانی قوتوں کی وجہ سے ہے۔ کہ ان اقوام کی زراعت اور تعلیم سے محبت ہے۔ امریکہ والوں میں یہ دونوں جذبات موجود ہیں۔ امدان دونوں میں سے تعلیم کی محبت کا جذبہ قوی تر ہے جس جماعت میں تعلیم کی کمی ہے۔ اُس میں تنظیم نہیں رہ سکتی۔



اور اس علم کو صحیح استعمال کرنے کی قابلیت پر منحصر ہے۔

کسان سے زیادہ علم اور قابلیت کسی کے لئے ضروری نہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ بائیس سال  
صوبہ کے مادی خوشحالی کے ایک بلند سطح پر پہنچ جانے کو ہم اپنا اقتصادی نصب العین قرار دے  
چکے ہیں۔ اس لئے یہ سوال کہ فرصت کے اوقات کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ اپنی لوگوں  
سے تعلق رکھتا ہے جنہیں فرصت کے اوقات نصیب ہو سکتے ہیں۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے  
کہ تعلیم سے ایک خاص معیار قابلیت کا قانون دان۔ معلم اور کلرک تو پیدا ہو سکتے ہیں لیکن  
ایک بار استعداد کسان کا پیدا کرنا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسا مکمل ترین معلم کا پیدا کرنا۔ یہ یاد رہے  
کہ زراعت اس صوبہ کی سب سے بڑی اور سب سے اہم صنعت ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ اور اراضی  
جدید دولت کا سب سے بڑا اور سب سے اہم ذریعہ ہے جس کی دولت کبھی ختم ہونے میں نہیں  
آئیگی۔ اور اگر کوئی صحیح تعلیمی نظام قائم کیا گیا۔ تو صرف ان باتوں کا خیال ہی نہیں رکھا جائیگا۔  
بلکہ اس کی بنیاد انہیں باتوں پر ہوگی۔ زراعت سے تعلیم کا جتنا قریبی تعلق ہوگا۔ کسان کا لوکا  
اپنے آبائی پیشہ میں اتنی ہی زیادہ عملی دلچسپی ظاہر کریگا۔ اس قسم کی تعلیم میں جس قدر آزادی  
دی جائیگی۔ جتنا فیاضانہ برتاؤ کیا جائیگا۔ اقتصادی مسائل کے حل میں اُسی قدر زیادہ مدد ملے گی  
اس سلسلہ میں یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانوں کے خیالات اور رجحانات  
علم یا انہیں قابو میں رکھنے کی قوت و طاقت بڑے بڑے زمینداروں یا ان لوگوں کے لئے  
تو بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جس کے ہاں بہترے نوکر چاکر ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مالکان  
اراضی کے نزدیک اسے چند اہمیت حاصل نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر ایک آوارہ گرد شخص  
انسان کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہو۔ تو وہ بھی زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھا کر اس  
پر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا صوبہ جس میں چھوٹے چھوٹے کسان اراضی کے مالک ہوں

لے پرنسپلز آف رورل اکنامکس صفحہ ۱۲۰ یہ اقتباس نقل کر کے اسے نظام تسلیم پر چمک کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ ہم اس  
ذیل کو تقویت دینا چاہتے ہیں کہ نوع انسان کا مطالعہ انسان کے لئے بہترین مطالعہ تو ہے۔ لیکن کسان  
کے لئے مفید ترین اذکار کام نہیں دے سکتا۔



اپنے دامن میں بالکل جداگانہ حیثیت کے مسائل نہیں رکھتا ہے۔ کونسلوں کے ارکان اور  
 قانون دانوں کی ضرورت سے کس کو اکٹھا رہے۔ ان لوگوں کی ضرورت تو ہمیشہ رہیگی۔ لیکن  
 ایسا نظام تعلیم نہیں ہونا چاہئے۔ جس کا مقصد محض ایسے لوگ پیدا کرنا ہو۔ یہ بتانا آسان نہیں  
 کہ نظام تعلیم کیسا ہونا چاہئے۔ لیکن ہم وثوق اعتماد کے ساتھ اس کے متعلق چند عام اصول  
 بیان کر سکتے ہیں۔ یعنی نظام تعلیم کم از کم ایسا ہو۔ کہ انسان کو فطرت پر جو قابو حاصل ہے اسے  
 نوجوان پوری طرح محسوس کریں۔ اور یہ جان لیں۔ کہ ترقی بھی ہو سکتی ہے۔ کہ انسان میں فطرتی  
 قوتوں کو قابو میں لانے اور ان کے استعمال سے فائدہ اٹھانے کی قوت برصغیر چلی جائے۔  
 جہاں افلاس کا دور دورہ ہو۔ وہاں تعلیم نوجوانوں کے دماغ پر کم از کم یہ تو نقش کر دے۔ کہ  
 افلاس کو متول میں تبدیل کرنا ممکن ہے۔ تعلیم کا یہ کام نہیں۔ کہ طلباء کو محض گزرے ہوئے  
 زمانہ کے بھولے بسرے قفقے سناتی رہے۔ خواہ زمانہ ماضی عظمت و شوکت کے واقعات سے  
 معمور ہو یا سرتا سر نکبت و ادبار۔ کیونکہ افلاس زندہ ملکوں کو زمانہ ماضی کی داستانوں سے یحید  
 نقصان پہنچا ہے۔ تعلیم کو نوجوانوں کے دل میں قوی امید پیدا کر دینا چاہئے۔ کہ انسان  
 اگر کوشش و محنت کرے۔ تو اس کا مستقبل شاندار بن سکتا ہے۔ اسے طلباء کی توجہ ہر طرف  
 منعطف کرانا چاہئے۔ کہ سکول کی چار دیواری سے باہر نکل کر ان کے سامنے ایک وسیع میدان  
 عمل ہے۔ انہیں ترقی کے بڑے بڑے موقع حاصل ہیں۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ قوم ان  
 موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے طریق  
 تعلیم میں یہ قوت ہونا چاہئے۔ کہ وہ لوگوں کو علم حاصل کرنے پر آمادہ کر دے تعلیم غاجری  
 ہو جائے۔ یا اختیاری رہے۔ وہ کم از کم ایسی ہونا چاہئے۔ کہ دیہاتی طلباء کے والدین اسی  
 پسند کر سکیں تہذیب و تمدن کا پھیلنا اور جبری تعلیم کا نفاذ تو باہم لازم و ملزوم ہیں۔  
 جبری تعلیم سے صرف انہیں ملکوں میں فائدہ ہو سکتا ہے جو تہذیب و شائستگی کے میدان  
 میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور پنجاب ابھی اس منزل تک نہیں پہنچا۔ کہ یہاں  
 طلباء کے والدین کی عملی اعانت کے بغیر جبری تعلیم رائج کر دی جائے۔ کھتری اپنے لڑکے کو  
 اس لئے سکول میں بھیجتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ لڑکے کو تسلیم دلوانے سے اسے فائدہ ہوگا۔

لوگوں کو تعلیم حاصل کر کے ملازمت کے لائق تو ہو جائیگا۔ خواہ اُسے کلرک کی اسامی ہی ملے۔ جو لوگ تعلیم کے متعلق ایک بند لفسب العین پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں خواہ کچھ کہیں حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگ اسی وقت اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے نو نظر بالغ ہونے کے بعد اس تعلیم سے کوئی فائدہ حاصل کرینگے۔ زمیندار کا لڑکا سکول جاتا ہے۔ تو محض اس لئے کہ وہ حکومت کی ملازمت حاصل کر لیگا۔ اس لئے نہیں۔ کہ تعلیم اُسے اچھا زمیندار بنادیگی۔ تعجب ہے۔ کہ لوگوں میں اکثر چرچا ہوتا رہا ہے کہ کسی خاص صفت کی تعلیم دینا طلباء کے خیالات کو محدود کر دیگا۔ اس سلسلہ پر اکثر خامہ فرسائی بھی کی گئی ہے لیکن یہ دلیلیں وہی لوگ پیش کرتے ہیں۔ جو اپنے لڑکوں کو ایسی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ جو انہیں اپنے طبقہ کے لوگوں سے ربط منبٹ پیدا کرنے اور میل ملاقات بڑھانے میں معاون ثابت ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسانوں کے لڑکوں کو بھی ایسی تعلیم دی جائے جس کی مدد سے وہ کسانوں کے حلقہ میں میل جول پیدا کر سکیں۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے۔ کہ کسانوں کے لڑکوں کو اسکول میں بھیجنے کی راہ میں بہت بڑی دشواریاں حاصل ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ کسانوں کے لڑکے اسکول میں نہ آئیں۔ بلکہ اسکول اُن کے گھر پہنچ جائے یعنی اگر وہ اس تعلیم سے جو اُن کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو اُن کے لئے ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جو اُن کے ذوق سے مطابقت رکھتی ہو۔ زراعت پیشہ طبقہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ اسے تنزل کی گہرائی میں پڑا رہنے دیا جاسکتا ہے۔ پنجاب کی زمین میں قدرتی دولت کا بہت بڑا ذخیرہ مخفی ہے۔ جسے نہرو مال کی صورت میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ کسان کو جقدر جلد اس دولت سے فائدہ اٹھانے کی تعلیم دی جائیگی۔

لے زراعت کے شاہی کیشن کے سامنے ۱۹۱۹ء میں حسب ذیل شہادت دی گئی تھی۔ زراعت کو اس امر کا انتظار ہے۔ کہ مستقبل قریب میں تعلیم کو وسیع پیمانہ پر رائج کیا جائے۔ اس پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔ اکثر نوجوان ہمارے اسلحہ سے شہروں میں چلے جاتے ہیں تاکہ مختلف صنعتوں میں محاش حاصل کریں۔ اس طرح ہمیں تعلیم بہت ہنسی پڑتی ہے۔ کیونکہ ہم دوسرے مقامات کے لئے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں۔

وہ اسی قدر جلد اس سے متنع حاصل کر گیا۔ اس سے پہلے وہ اس دولت کو روپیہ پیسہ کی صورت میں منتقل نہیں کر سکتا۔ کسان اور صرف کسان اس کرڈلوں ایکڑ زمین کا محافظ ہے۔ جسکی پیداوار کا ہر شخص محتاج ہے۔ اگر ہم کہیں کہ ماہرانِ تعلیم کا فرض ہے کہ وہ کسان کے لڑکے کو زیادہ روشن خیال کا شکار اور زیادہ دانشمند اور قابلِ قدر شہری بنا کر گھر واپس بھیجیں۔ خواہ اس مقصد کے لئے انہیں کتنے اصول اور نصب العین قربان کیوں نہ کرنا پڑیں۔ تو یہ مبالغہ نہ ہوگا زراعت سے جن فائدوں کے حصول کا امکان ہے۔ اُن سے اگر کسی شخص کو ایک دفعہ دُکھی پیدا ہو جائے۔ تو پھر زراعت کی کشش اُس کے تمام ذہنی شکوک اور دشواریاں دور کر دے گی۔ اگر ایک شخص کو ایسا معلم مل جائے جو فنِ زراعت سے پوری پوری طرح واقف ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ زراعت بچوں میں عقل و دانش کے جذبہ کو کیونکر بیدار کر سکتی ہے۔ تو بہت کم ایسی باتیں جلنے کے قابل رہ جاتیں ہیں۔ جبکہ علم صحیحہ فطرت کے مطالعہ سے حاصل نہ ہو سکے۔ جس چیز نے کسان کو سیاسی دنیا میں ایک کوہِ وقار بنا رکھا ہے۔ وہ محض فطرت اور فطرت کی قوتوں کے اثر و نفوذ کا گہرا علم ہے۔ فطرت اُسے خود سکھا دیتی ہے کہ وہ کون کونسی چیزیں ہیں۔ جنہیں وہ اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ اور جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتا ہے۔ اور کون کونسی چیزیں ایسی ہیں۔ جو اس پر تصرف رکھتی ہیں۔ اور جن سے وہ سرتابی اور انحراف کی برأت نہیں کر سکتا۔ کرم کلمہ کے بیج سے بُرا یا بھلا کرم کلمہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن آج تک جتنے سیاسی نصب العین انسان کے ذہن میں آئے ہیں۔ جتنے سیاسی تقریریں کی گئی ہیں۔ وہ سب کی سب مل کر کرم کلمہ کے بیج سے گونجی کا پھول نہیں پیدا کر سکتیں۔ کسان عموماً صحیح سیاسی شعور رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کے قوانین ایسے اٹل ہیں۔ جن سے انسان کو نہ تو مجالِ گریز ہے۔ اور نہ انہیں نظر انداز کرنے کی طاقت۔ اُسے صرف تعلیم کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ محسوس کر لے کہ انسانی دماغ میں فطرت کی اُن منتقوں کو حاصل کرنے کی قوت موجود ہے جو انہیں لوگوں کو مل سکتی ہے۔ جنہوں نے قانونِ فطرت کا مطالعہ کیا ہے۔ اُس کے ذہن پر یہ نقش کر دینا چاہئے کہ پنجاب کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ کسان پرانے طریقِ زراعت میں ہمسلاح کی

کوشش کرے۔ بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے۔ کہ جدید طریق زراعت رائج کیا جائے، جسے صرف جدید سائنس کا علم حاصل کرنے کے بعد رائج کیا جاسکتا ہے۔ سر ڈائریس پلنکٹ نے درست کہا ہے۔ کہ کسان کو چاہئے۔ وہ اپنے پیشے کو صرف دیہات کی بقا کا سامان ہی نہ سمجھے۔ بلکہ ایک فن، ایک تجارت اور ایک دلچسپ زندگی کی نظر سے دیکھے۔

جب یہ سوال کیا جاتا ہے۔ کہ ان عام اصولوں کو کیونکر عملی جامہ پہنایا جائیگا۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ ابھی وہ زمانہ نہیں آیا۔ جب ایک ایسا چانٹلا لائحہ عمل پیش کر دیا جائے۔ جس سے اس مسئلہ کا پورا پورا اصل ہو جائے۔ لیکن دو محکات ایسے اہم ہیں، جن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر کسان کبھی طریق تعلیم سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ تو اسی صورت میں جبکہ تعلیم کی عنان خود ان کے ہاتھوں میں ہو چنانچہ امریکن کمیشن نے جو شہادتیں فراہم کیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف شمالی دکوٹہ میں تعلیم کے متعلق کسانوں کے خیالات امید افزا ہیں۔ اور شمالی دکوٹہ ایک ایسا مقام ہے۔ جس کی یونیورسٹی میں زراعتی کالج کے تجربہ گاہوں، کسانوں کے اداروں اور دیہاتی اسکولوں کا انتظام خود کسان کرتے ہیں۔ یورپ کے ممالک میں ڈنمارک کا نظام تعلیم بہترین ہے۔ وہاں بھی کسانوں نے منظم ہو کر ایک ایسا تعلیمی لائحہ عمل تیار کر لیا ہے۔ جو ان کے نزدیک اپنی ضروریات کے لئے عین موزوں و مناسب ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے۔ کہ اس صوبہ کے تعلیمی مسئلہ کا کوئی مستقل اور پائیدار حل تلاش کرنے کے سلسلہ میں تحریک امداد باہمی سے بہت مدد ملے گی۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ بچوں کو یہ تعلیم دینا چاہئے۔ کہ ہمارے سامنے فائدہ حاصل کرنے کے جو موقعے ہیں۔ ان سے نفع اٹھانے کے لئے تمام جماعت کا مصروف عمل ہونا ضروری ہے۔ انہیں یہ بھی سکھانا چاہئے۔ کہ وہ مشترکہ سود و بہبود کیلئے متحد ہو کر کوشش کریں۔ اور اپنے ہمسایوں اور اس طبقہ سے وفاداری کریں۔ جو ان کا مبدار اور سرچشمہ ہے۔ اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو انسانی عنصر کے

حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر لینڈ کے چھوٹے چھوٹے کسان جس حالت میں ہوتے تھے۔ اُسی پر قناعت کئے بیٹھے رہتے تھے۔ اُن میں نہ تو کسی کام کا آفاذ کرنے کی ہمت ہوتی تھی۔ اور نہ اس قدر خود اعتمادی کہ دوسروں سے ہڈیاں حاصل کر کے اُن پر عمل کریں۔ صرف اُس وقت اُن میں وہ اعتماد جو کسی پیشہ کے بھکات سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے۔ پیدا ہو جاتا تھا۔ جب وہ دوسرے کسانوں کی محنت میں ہوتے تھے۔ یہ نتیجہ تھا۔ اس امر کا کہ انہیں اونٹے درجہ کی تعلیم دی گئی تھی۔ کہیں بھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسانوں نے اپنے کاروبار کو تجارتی اصولوں پر چلایا ہو۔ اُن کے نزدیک زراعت کا حاصل یہ ہے کہ اچھے سالوں میں اچھا سامان معیشت جیتا ہوتا ہے۔ اور جن سالوں میں فصل اچھی نہیں ہوتی۔ زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پنجاب کے متعلق بھی بہت حد تک یہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ دوسری بڑی بڑی صنعتوں کو تو بہترین قابل اشخاص ہی مدد مل سکتی ہے۔ بیچارے کسان کو محض اپنے آپ اپنے دماغ اور اپنے ذرائع کا آسرا ہے۔ پنجاب میں کسان تو ایک بے بضاعہ شخص ہے۔ جس میں اگر کسی کام کو شروع کرنے کی ہمت ہو۔ جب ہی اُسے اپنے حوصلے بھالنے کیلئے وسیع میدان نہیں ملتا۔ ایسے موقع پر امداد بھی کی تحریک بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ یہ تحریک کسان کو اپنی صنعت کے تجارتی پہلو سے روشناس کر دیتی ہے۔ اور اُس کی فطرت میں تبدلت اور کامیابی کی جس قدر صلاحیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اُسے بیدار کر دیتی ہے۔ تحریک امداد باہمی تعلیم کا دائرہ اثر وسیع کر دیتی ہے۔ تحریک تحریک کا فتنہ یہ ہے۔ کہ زیادہ عقلمند لوگ اپنی عقل کے طفیل جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ انہیں کی حیرت میں جا کے۔ یہ کسان کے لئے اقتصادیات کی عملی تعلیم کا سامان جیتا کر دیتی ہے۔ اور اجتماعی مفاد کے اس جذبہ کو فروغ دیتی ہے جس سے اُس کا قیام و بقا وابستہ ہے دوسرے ممالک میں انہیں امداد باہمی دیہات کے لئے تجارتی اسکولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لے رورل ری کنسٹرکشن ان آر لینڈ۔ صفحہ ۲۳۸ -

لے ٹیٹل، ٹپ مارا بھگن پور (زراعت کے لئے حکومت کی امانت) صفحات ۱۶-۲۳ -

انجمنوں سے عملی طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ تعلیم کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اور لوگ خود خواہش کرتے ہیں۔ کہ اُن کے لئے مزید تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ بلکہ ان انجمنوں کی وجہ سے لوگ ایسے بات پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کہ جو چیز اُن کے پسند خاطر ہے۔ اُس کے حاصل کرنے کیلئے روپیہ صرف کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔ امداد باہمی کی تحریک نے ہر ملک میں تعلیم کی خواہش پیدا کر دی ہے۔ وٹمارک میں اس تعلیم کی وجہ سے کسانوں نے مشترکہ سرمایہ سے کمپنیاں قائم کر لی ہیں۔ جو بانی اسکولوں اور زراعتی اسکولوں کو چلاتی ہیں۔ پنجاب میں یہ تحریک بالغوں کے لئے مدارس شبینہ کے قیام کے بارے میں لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اور نئے مڈل اسکول (ثانوی مدارس) کھولنے میں بہت معاون ثابت ہوئی ہے۔ اس تحریک میں ایک غیبی یہ ہے۔ کہ یہ کاروبار کے قیام و بقا کی ضامن ہے۔ ہر کسان کو ایک دن مرنا ہے۔ مگر یہ موت انفرادی موت ہے۔ اجتماعی حیثیت سے کسان زندہ رہتے ہیں۔ اُن کی مجلس کو غیر محدود زندگی حاصل ہے۔ ایک کسان کا مرنا ہی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ کاروبار کے ایک منتظم کی بجائے دوسرا منتظم مقرر کر دیا گیا۔ اسی طرح ان میں وسعت نظر پیدا ہو جاتی ہے۔ سرمایہ مشترکہ سے کمپنی قائم کرنے کو انفرادی ملکیت پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ مانا کہ ایک فرد واحد جو خاص قابلیت کا مالک ہے۔ کاروبار کو بہت فروغ دے سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اُس کا بیٹا یا جانٹین اپنی موروثی جائیداد کو سنبھالنے کی بھی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ لیکن اگر مشترکہ سرمایہ سے ایک مجلس قائم کر لی جائے۔ تو اس مجلس کے ارکان کوشش کریں گے۔ کہ منتظم کی موت پر بہترین استعداد رکھنے والے شخص کو اُس کا جانٹین بنایا جائے۔ پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں کسان ہی مالکان اراضی ہیں۔ انجمن امداد باہمی کی بدولت کسان اراضی کو وسعت دینے پر زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے۔ کہ اُس کا بیٹا مجلس امداد باہمی کے مشورہ اور تجربہ اور سائنٹیفک طریقہ پر

لے دیہات میں بالغوں کی تعلیم کا انتظام کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ایسے تعلیم یافتہ لوگ نہیں ملتے جو استاد کے فرائض انجام دے سکیں۔ چونکہ تعلیم یافتہ لوگ شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ اسلئے دیہات میں تعلیم نہیں پھیل سکتی۔

کے باہرین کی اعانت سے تمام مشکلوں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوگا۔ کسان اسکول کھولنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ امداد باہمی کی تحریک کے باعث اسکول کا انتظام بہترین ہاتھوں میں ہوگا۔

ایک اور حیثیت سے بھی امداد باہمی کی تحریک دیہاتی تعلیم کو ترقی دینے کا باعث ثابت ہوگی۔ یہ تحریک کاروباری ہے۔ اس کے اصول تاجرانہ ہیں۔ جنہیں ایک یہ بھی ہے کہ مجلس کے متعلق ضروری حالات ضبط تحریر میں لائے جائیں۔ اور انہیں محفوظ رکھا جائے۔ مزید برآں اس کے حسابات بھی محفوظ رکھے جائیں۔ اور اس غرض کے لئے کسی تعلیم یافتہ کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب تک گاؤں میں ایک آدھ تعلیم یافتہ شخص نہ ہو۔ لوگ امداد باہمی کی تحریک سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسی طرح امداد باہمی کی تحریک تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے گاؤں میں کام ہوتا نہیں کرتی۔ بلکہ اس کی وجہ سے تعلیم یافتہ لوگوں کی مانگ بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ایک مجلس کو ترقی ہونے لگتی ہے۔ تو اس کے ممبر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ مجلس کا کام کیونکر چلتا ہے۔ چونکہ یہ معلوم کرنے کیلئے تعلیم ضروری ہے۔ اسلئے اُن میں تعلیم حاصل کرنیکی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

اگر پنجاب کے عام معیار خوشحالی کو بلند کرنا ہے۔ تو وہ لوگ جن کے دماغوں پر چہلت کی تار بچی چھائی ہوئی ہے۔ یا تو ہمت کے شکار ہو رہے ہیں۔ اُس کی پیدوار میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ کسانوں کے قلب میں ترقی پسندی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اور ہمیشہ اصلاح و ترقی کا قدم بڑھاتے رہنے کی خواہش بیدار ہو جائے۔ اس غرض کے لئے ایک ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے۔ جو لوگوں کو اس حد تک روشن خیال بنا دے۔ کہ وہ ترقی کی راہ کی مشکلات کو خاطر میں نہ لائیں۔ اور جو چیزیں انہیں اپنی جدید فنی قابلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے میں مانع ہیں۔ اُن سے نجات حاصل کر لیں۔

۱۔ جلد ۱۱ کی کتاب "کٹر کٹو رول سوشالوجی"۔ صفحہ ۲۲۷۔

۲۔ پرنسپلز آف رول کنکس "معنفہ کارور۔ صفحات ۲۰۲۔ ۲۰۸۔



گذشتہ منغات میں ہم نے اسکولوں کی جانب خاص طور پر توجہ منطوف کرائی ہے یہ بیان کرنا غیر ضروری ہوگا۔ کہ کسانوں کی تعلیم کو اسکولوں تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئے۔ اب لوگ اسکول سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کسی مخصوص فن کی تعلیم حاصل کرنے کے مخالف نہیں تھے پندرہ سال کی عمر کے بعد ایک نوجوان کو اس کے اقربا کی رضامندی سے کسی خاص پیشے کی تعلیم دینا چاہئے۔ یہ تو تجربے سے معلوم ہوگا۔ کہ یہ تعلیم کس قسم کی ہونا چاہئے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پنجاب کو ایسے کسانوں کی ضرورت ہے جنہیں سرمایہ منفعت بخش کاروبار میں لگانے کا ایسا سلیقہ ہو۔ کہ وہ بہت حد تک محض اپنے سلیقہ کی وجہ سے سرمایہ حاصل کر سکیں۔ ایسی دانشمند اور ترقی خواہ جماعت پیدا کرنے کے لئے صرف زراعتی کالج ہی کافی نہیں۔ اتنا ضرور ہے۔ کہ چند کالجوں کا وجود آئندہ ترقی کے لئے ضروری ہوگا۔ لیکن صوبہ کی ضرورت محض چند سو تربیت یافتہ گوجوٹیوں سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اسے بیس لاکھ تربیت یافتہ کسانوں کی ضرورت ہے۔ وادی پنجاب کی نو آبادی کا ترقی پسند کسان ہی تعلیم کا محتاج نہیں۔ بلکہ صوبہ کے ہر صنف میں لاکھوں ایسے کسان ہیں۔ جن میں ترقی کا جذبہ موجود نہیں۔ اور انہیں تعلیم دینا ضروری ہے ایک امریکن اہل قلم نے صحیح کہا ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی ذریعہ سے سب سے پھسٹی کسان کے پاس بھی پہنچنا چاہئے۔ جو بدترین قطعہ اراضی کی کاشت کر رہا ہے۔ حکومت کا فرض ہے۔ کہ اس کی رعایا میں سے جو لوگ دشواریوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہی مملوکہ اراضی کو مفید اور منفعت بخش بنانے کے لئے بہترین ذرائع اختیار کرے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ جطرح وہ زر خیز علاقوں کی کوشش کرتی ہے۔ اُسی طرح ان قطعہ اراضی کی زراعت کو ترقی دینے اور کسانوں کے اطمینان کا سامان ہینا کرنے کی کوشش بھی کرے۔ جو چنڈاں زر خیز ہیں۔ اسی طرح کسانوں میں جذبہ مدنیّت ترقی کرے گا۔ اور ملک کی دولت کو

---

لے گا۔ یا خاص کالجوں کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ پیشوں کی تعلیم کے لئے ملل اسکول اور ٹائی اسکول قائم کئے جائیں جنہیں زراعت کی ابتدائی تعلیم دی جائے۔ بیس لاکھ کسانوں کے لئے کالج کی تعلیم ضروری نہیں۔ بلکہ انہیں جدید اصولوں پر زراعت کی عملی تعلیم دینا چاہئے۔



فروع حاصل ہوگا۔ صوبہ کی خوش قسمتی سے گزشتہ چند سالوں سے یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ کسان کے لئے ایک ایسا نظام تعلیم قائم کیا جائے۔ جو اس کی ضروریات کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہو۔ لیکن ایسا نظام تعلیم کہیں بہت مدت کے بعد مکمل طور پر قائم ہوگا۔ جب تک کسان اپنے پیشے میں علمی اور کاروباری حیثیت سے پوری پوری تربیت حاصل نہیں کر لیتے ختم ہونے والا سال ان کے لئے نقصان و انلاف مال کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کی تربیت مکمل ہو جاتی۔ تو وہ ہر سال اپنی دولت میں معقول اضافہ کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں تیزی سے ترقی کرنے اور اس مرحلہ کو جلد از جلد طے کرنے کے لئے رائے عامہ کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ اگر لوگوں کے خیالات ترقی پسندانہ ہوں۔ تو حکومت کا ترقی پسندی کی حکمت عملی اختیار کرنا بالکل بے سود ہوگا۔ ہمیں اس چیز کی ضرورت نہیں۔ کہ اندھا دھند یہ کہنا شروع کر دیں۔ کہ کسان مالگزاری اور دوسرے مصارف میں جو کسان کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ کمی کر دی جائے۔ بلکہ وقت کی اہم ضرورت تو یہ ہے۔ کہ زراعت کو اس طرح فروغ دیا جائے۔ کہ کسان ہر سال زیادہ آسانی کیساتھ یہ مصارف برداشت کر سکے۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس مقصد کے لئے کون سے ذرائع بہترین ہیں۔ اگر نمونہ کے طور پر نمائش کھیت قائم کر کے ان میں نئے زراعتی طریقے استعمال کئے جائیں۔ اور کسانوں کو سائنٹیفک طریقوں سے روشناس کرایا جائے۔ تو اس سے فائدہ تو ضرور ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے فوائد کے بارہ میں عجیب و غریب غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ ۱۹۵۷ء تک کی سالانہ انتظامی رپورٹ میں ہمیں یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔ کہ امرتسر میں زراعتی تجربات کا جو فارم قائم کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ اعلیٰ نہیں۔ کہ وہ کسی مالی حیثیت سے کامیاب ہو سکے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ زراعت کے جدید طریقوں کا تجربہ کرنے کے لئے جو فارم قائم کئے جاتے ہیں۔ ان سے مالی نفع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح نمائش فارم

لے بیٹے کی کتاب "ٹیٹ اینڈ دی فارم" (حکومت اور کسان) فٹ -

۱۷۷ مطبوعہ کے انتخاب اور تربیت پر ہی کئی سال خرچ ہو جائیں گے +

کے قیام کا بھی یہ مقصد نہیں۔ نمائشی فارم اس لئے قائم کئے جاتے ہیں۔ کہ کسانوں کو شامدی کے طریقے بتائے جائیں۔ یا نئی فصل اور بیجوں کی نمائش کی جائے۔ اگر ایک نمائشی فارم سے یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے۔ کہ محنت اکارت نہیں گئی۔ قیام کا مقصد پورا ہو گیا۔ اگر اس قسم کے فارم سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ زراعت سے کس قدر نفع ہو سکتا ہے۔ تو اسے بالکل جداگانہ اصولوں پر چلانا چاہئے۔ اس قسم کے فارم کی حمایت پر فرمیرے۔ ڈی ہال ایف۔ آر۔ ایس نے کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ تجارت میں ایک جدید قسم کا طریقہ تعلیم رائج کرنے کی کافی گنجائش ہے یعنی ایسے نمائشی کھیت قائم کئے جاسکتے ہیں۔ جن سے محض مالی نفع مقصود ہو۔ لیکن ان کا صاحب کتاب نہایت پابندی سے رکھا جائے۔ اور کھیت کے تمام مصارف اور نتائج سے لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ اس امر میں شبہ ہے۔ کہ آیا پنجاب ایسے نمائشی فارم قائم کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ یا نہیں۔“

چونکہ پنجاب کی دیہاتی اقتصادیات کا مطالعہ بہت کم کیا گیا ہے۔ اس لئے اس امر کی تعمین نہیں کیا جاسکتی۔ کہ کھیت کس قدر وسیع ہو۔ اور اگر بغرض محال کھیت کی وسعت کے متعلق کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ تو یہ بات کیونکر طے ہو۔ کہ اس میں کس جس کی کاشت کی جائے۔ بحالت موجودہ کسانوں میں سائنٹیفک زراعت کا ذوق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے۔ کہ ہر تحصیل ضلع۔ گاؤں میں سے ایک دو اشخاص جو سب سے زیادہ بالغ نظر اور ہوشمند ہوں۔ منتخب کر لئے جائیں۔ اور انہیں اس امر پر آمادہ کیا جائے۔ کہ وہ اپنی مملوکہ اراضی کو نمونہ کے کھیتوں کی حیثیت دے دیں۔ یا کم از کم چند قطعہ اراضی کو نمونہ کے کھیت بنادیں۔ صیغہ انجمن لمے امداد باہمی اس طریقہ کو مقبول عام بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

لے ایگریکلچر انفر وائر۔ صفحہ ۶۹۔ زراعتی ترقی کے لئے جو کمیشن انگلستان میں مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اس غرض کے لئے چالیس ہزار منظر کئے ہیں۔ کہ خالص قابل زراعت زمین پر کھن اور مٹی کے نمائشی فارم کھولے جائیں جنہیں تجارتی حیثیت سے کامیاب کیا جائے۔

تعلیم کی بحث کو ختم کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذکاوتِ فہم کے علاوہ دوسرے اوصاف کا بھی ذکر کر دیا جائے جن پر کسان کی قابلیت کا انحصار ہے۔ یہاں یہ کہنا تو غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اچھی صحت اور جسمانی قابلیت بھی اقتصادی حیثیت سے بھی نہایت قابلِ قدر چیزیں ہیں۔ اور انسان کا موجودہ علم یہ صحیح طور پر نہیں بتا سکتا کہ صحت جسمانی صحت سے احتراز کرنے کی بدولت کس قدر امراض پھیلتے ہیں۔ لیکن جب تک کسان اقتصادی فوائد حاصل کرنے کے لئے مزید محنت مشقت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ انہیں یہ تعلیم دینا بے سود ہے۔ کہ وہ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کی اصلاح کیونکر کر سکتے ہیں۔ ان امور کے علاوہ یورپ کے لوگوں کو جو ہندوستان کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دو چیزیں پتہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہندوستان کے کسان چابکدست نہیں اور دوسرے یہ کہ جن مویشی سے وہ زراعت میں کام لیتے ہیں۔ اُن پر بھی انہیں قابو حاصل نہیں۔ پہلے نقص کی وجہ تو شاید یہ ہے۔ کہ گاؤں میں چند کاریگر بھی ہوتے ہیں۔ جن کی خدمات کا معاوضہ کسان قلعہ کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی کسان مرمت طلب اشیاء کی مرمت خود نہیں کرتا۔ تو صرف اس کا تھوڑا سا وقت بچ رہیگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اپنی انگلیوں پر کام لینے میں اُس نے چنداں ترقی نہیں کی۔ کسان کے ہاتھ میں کوئی نیا آلہ دے کر دیکھئے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ وہ اُسے استعمال کرنے پر آمادہ نہیں۔ اگر زراعت میں صحیح ترقی کرنا ہے۔ تو کسان کو چابکدست بنانا ضروری ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لازمی ہے۔ کہ وہ اپنے مویشی کے متعلق علم رکھتا ہو اور اُسے اُن پر قابو بھی حاصل ہو۔

## دیہاتی لیڈری

اوراقِ گزشتہ میں ہم نے دولت حاصل کرنے کے سلسلہ میں اس عنصر کا بھی ذکر کیا ہے جسے عام طور پر اقدام کہا جاتا ہے۔ صوبہ میں کافی اراضی موجود ہے۔ کارکنوں اور سرمایہ کی بھی کمی نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ایک ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے۔ جو ان تمام اجزاء کو باہم اس طرح متحد کر دے۔ کہ ان تمام اجزاء کے ترکیبی کا تناسب صحیح ہو۔ اور کسی قسم کی کمی بیشی

نہ ہو۔ تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کیجاسکے۔ یہ ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ کسان اپنی مملوکہ اراضی سے صرف اس بات کی توقع کرتا ہے۔ کہ اُس کی خانگی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور اتنا باقی بچ رہے۔ کہ وہ مالگزاری ادا کر سکے۔ وہ بہت کم یہ کوشش کرتا ہے۔ کہ زیادہ روپیہ اور زیادہ محنت صرف کر کے اراضی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ اس کی وجہ کسی حد تک تو یہ ہے۔ کہ زیادہ دانشمند اور تعلیم یافتہ لوگ شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور کسی حد تک اس کا باعث یہ بھی ہے۔ کہ کسان کے نزدیک موجود تعلیم اس کے پیٹھے کے لئے کسی طرح مفید نہیں یہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ اگر اس کی مادی خوشحالی کو ترقی دینا مقصود ہے۔ تو اُس کے ذہن پر یہ نقش کر دینا ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی محنت اور مشقت سے ترقی کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ اس طرح اپنی زندگی کو بہتر بنائے۔ کسان رجعت اور پستی کا عادی ہو چکا ہے۔ اس سے یہ عادت پھر اُٹا دینا چاہئے۔ تاریخ سے ہمیں یہ فائدہ ضرور ہے۔ کہ اُس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ہم نے زمانہ ماضی میں جن غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ اُن سے اجتناء کر کے اب کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن زمانہ گزشتہ کی عظمت و شوکت یا مصیبت و بکارت کی داستانیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا خیالی۔ (اقتصادی حیثیت سے کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ بلکہ انہیں اقتصادی نقصان بھی پہنچتا ہے۔ کیونکہ ہمارا وقت۔ دماغ اور طاقت انہی نذر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جس قدر وقت دماغ اور طاقت اُن پر صرف ہوتی ہے اس سے کوئی تعمیری کام کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں ماضی سے نہیں بلکہ مستقبل سے دوچار ہونا چاہیے اور مستقبل میں صرف اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے مضبوط اور پر جوش انسانوں کیلئے کشش موجود ہے۔ زمانہ گزشتہ صرف کمزور کاہل الوجود اور زوال پذیر لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ فرض کر لیجئے کہ ان تمام اصولوں کو عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک اہم چیز ایسی رہ جاتی ہے۔ جس کے بغیر انسان بھیڑوں کا گلہ ہے۔ یہ چیز رہنمائی یا لیڈرشیپ ہے۔ دیہات کے باشندوں کی معاشرتی حالت ایسی ہے۔ جو یہ قابل قدر وصف نہیں پیدا ہونے دیتی۔ دانشمند۔ تعلیم یافتہ اور باہمت لوگوں کے گاؤں سے شہروں میں چلا جانا۔ دیہات کو لیڈروں سے محروم کر دینا ہے۔ برطانیہ غلطی میں زراعت کو

جس قدر تعقل ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ دیہات تعلیم یافتہ نوجوانوں سے محروم ہو گئے۔ یورپ کے اکثر ملکوں میں پادریوں، اسکول ماسٹروں اور ڈاکٹروں نے حتی المقدور کالوں میں اپنے حالات کی اصلاح کا ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ خاص طور پر پادریوں نے تحریک امداد باہمی کو فروغ دینے میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ کیونکہ یہ تحریک اخلاقی حیثیت سے بہت قابل قدر ہے۔ لیکن میں لیڈروں کا اعتقاد ہے۔ اور اس امر کی کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ کج ہر ملک میں جو افلاس اور پستی نظر آ رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں اچھے رہنما نہیں ملتے اور ایسے لوگوں کی کمی ہے۔ جو معمولی معمولی مسائل کو لیکر انہیں عملی طور پر حل کریں۔ اور لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیں۔ شاید موجودہ پستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ یہاں تاریخی ریکارڈ نہیں۔ یہ تو ممکن نہیں۔ کہ اگلے لوگوں میں غیر معمولی تیز و ہوش اور اعلیٰ تعمیری قابلیت کے لوگ پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اور انہوں نے اس زمانے کی مشکلات کو پوری طرح سمجھ کر ان کا حل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ لیکن چونکہ اس صوبہ کے معاشرتی حالات کچھ ایسے تھے تاہم محفوظ رکھنے کا کئی آسان ذریعہ بھی نہیں تھا۔ بیرونی حملہ آور برابر حملے کرتے رہے۔ اور سیاسی کشمکش برابر جاری رہی۔ اس لئے آج ہم اسلاف کی عقل و دانش سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ پروفیسر مارشل نے لکھا ہے۔ کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے۔ اکثر لوگ تقریباً سارا وقت کھیتوں میں صرف کرتے رہے ہیں۔ آبادی کے ایسے گنجان مرکز بہت کم تھے جہاں لوگ مل جل کر زندگی بسر کریں۔ اور ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوں۔ چھاپے کی ایجاد سے پہلے آبادی بکھری ہوئی تھی اس لئے لوگوں کو یہ موقعہ نہیں ملتا تھا۔ کہ ایک دوسرے کے خیالات اور تجربات سے اپنے اندر کوئی حرکت یا ولولہ پیدا کر سکیں۔ رسم و رواج اور قدیم روایات کا سکہ چلتا تھا۔ اور بہت کم ایسا ہوتا تھا۔ کہ کسی چیز کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر ترقی کا قدم بڑھایا جائے چنانچہ گذشتہ چند

۱۔ (صفحہ ۷۰ کا بقایا حاشیہ) جلیٹ کی کتاب "کنٹرول اور رول سوئیا لوجی"۔

۲۔ "ایگریکلچرل آفٹری وار" مصنفہ ڈال ۱۹۲۹۔

۳۔ "رول لائف پراپلر آف دی یونائیٹڈ سٹیٹس" ۱۹۳۳۔

سالوں سے پہلے زراعت نے باقبار فن بہت ترقی کی یہ بھی شاید سمجھ ہو کہ ہندوستان میں افراد کی معاشی قوت نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ اور یہ تو واقعی درست ہے۔ اور خاص موقع اور ضرورت کی وقت بار بار یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ زراعت پیشہ آبادی کی دولت جس قدر وسیع ہے۔ اسی قدر ان کا عزم بھی قوی ہے۔ لیکن ابھی تک زراعت پیشہ آبادی کے معاشرتی حالات ایسے نہیں۔ کہ ایسے لوگ جو وقت اور موقع سے فائدہ اٹھانے کا وصف رکھتے ہوں۔ آگے بڑھیں۔ اور منظر عام پر آجائیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ صنعتی دولت سے بھی کہیں زیادہ زمین کی ملکیت لوگوں کو ورثہ میں ملی ہے۔ مزدیروں ہر زراعتی مسئلہ کی بعض مختص خصوصیات ہوتی ہیں۔ اور اس کے بعض پہلوؤں پر عبور حاصل کرنے کے لئے مدلل علمی بحث سے کہیں زیادہ چلتی قوت، تیز و فیصلہ کا ذکی لمس، تجربہ کار، اور ہوشیار ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کسان نے کبھی خصوص میں عموم اور عموم میں خصوص کی تلاش و جستجو کی کوشش نہیں کی۔ وہ بہت حد تک جبلی استعداد اور دُور رس نگاہ سے محروم ہو چکا ہے۔ اس کے فن نے حقدار ترقی کی ہے۔ وہ اس وقت تک تجربہ سے حاصل کئے ہوئے علم سے شرمندہ احسان رہی ہے۔ جب تک ایسے لوگوں نے جو صنعت و حرفت یا تجارت کی تربیت حاصل کر چکے تھے۔ یا انکی تعلیم سائنٹیفک اسکولوں میں ہوئی تھی۔ اسکی اعانت نہیں کی۔ انگلستان کی تاریخ زراعت میں جو غیر معمولی طور پر سمجھ تفہیم سے لبریز ہے تقریباً چھ سو سال کے عرصہ میں مشکل چند ایسے لوگوں کے نام نظر آئے ہیں جنہیں مہملکی حیثیت سے اختیار حاصل ہے۔ امریکہ کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں بھی دیہاتی علاقوں میں ابھی تک زیادہ لیڈ پیدا نہیں ہوئے یا اگر پیدا بھی ہوئے۔ تو انکی تعداد امریکہ جیسے دولت مند اور آباد ملک کے لئے شاید ناچ شان نہیں۔ اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ امریکہ کی دیہاتی تحریکوں کی رہنمائی جن لوگوں نے کی۔ وہ خود زراعت پیشہ نہیں تھے صنعت و حرفت کی توجہ کیفیت ہے،

لٹ۔ انڈسٹری ایڈریڈ (صنعت اور تجارت) ۱۹۹۱ء متعلقہ حالات زراعت کی عمومی حالت سے متعلق ہے۔ ہندوستان کے اس حالات سے تعلق نہیں رکھتا۔

لٹ۔ جلیٹ۔ کنٹرول بورل سوڈیا لوجی۔

کمزور ہوش مالکان کا رخانہ فراست سے ایسے صاحب ہوش و تیز کار کنوں کو پہچان لیتے ہیں۔ جو بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن زراعت پیشہ افراد میں کوئی ایسا نہیں۔ کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ منتخب کر کے عنان اختیار اس کے ہاتھ میں دے دے پھر بھی دیہات میں ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے جو تعمیری قابلیت رکھتے ہوں جو دیہات کے باشندوں کی تعلیم تجارتی اصولوں پر کریں۔ موجودہ دشواریوں کا حل بتائیں۔ اور باشندگان دیہات کیلئے ایک ایسا زینہ تعمیر کریں۔ جو انہیں آسودگی اور خوشحالی کے بام بلند پر پہنچا دے رہنما کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ زراعت کا ٹھوس علم رکھتا ہو۔ بڑے بڑے زمیندار اس وقت تک مزارعین کی رہنمائی کرنے اور اراضی کو ترقی دینے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ جب تک وہ محنت و مشقت اور ان تھک محنت نہ کریں۔ جب تک صحیح وضع و قیاس کے رہنما موجود نہ ہوں۔ ابھی سے اچھی اور مکمل سے مکمل تجاویز بھی خاک میں مل جائیگی۔ اگر پنجاب کے شہری زراعت کے بجائے دوسرے مسائل میں اس قدر الجھے نہ ہوتے۔ انہیں دیہاتی معاملات کے متعلق زیادہ اچھی طرح تسلیم و یقینی۔ تو اپنی ذکاوت فہم اور تربیت یافتہ اوصاف کی وجہ سے وہ دیہاتی رہنمائی کی خلی اسامی پر کر کے پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن جب تک ایسے معاملہ فہم لوگ نہیں پیدا ہوتے جو دیہاتی اقتصادیات کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ رہنمائی تلاش کیلئے دیہات کے ان باشندوں کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ جو دیہات کے مخصوص حالات اور دیہات کی مختلف جماعتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ اس غرض کے لئے امداد باہمی کی تحریک ہماری امیدوں کی سب سے بڑی جائزہ پتہ ہے۔ بقول سر راجہ پرنکٹ یہ تحریک ہر جگہ ایک نئی قسم کے مقامی رہنما پیدا کر رہی ہے جو باتیں کرنا تو نہیں جانتے۔ لیکن دیہاتی مسائل کا علم رکھنے کی وجہ سے جماعت کے سود و بہود کا کام اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ یہ میدان بہت وسیع ہے لیکن اسکے

لے نرل انجیر البرات و نایڈ سٹس ۱۲۳۰ ایچ بتائی ہے کہ دیہاتی لیڈر کا مہرین کاؤں میں ہی پیدا ہونا ضروری نہیں اگر تھک کوئی کامیاب کان نہیں تھا۔ الیٹین سرے سے کان ہی نہیں تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ گلستان کی تاریخ زراعت میں بعض زمینداروں کے نام بہت نمایاں نظر آتے ہیں لیکن یہ نشانیات ان کو ہر خدا داد و فطری ذانت رکھنے والے کو کا حوصلہ بڑھایا ہوا ہونگا جو خود ایک ایسی نہیں۔



لئے بھی تو وقت چاہئے۔ کہ ایک غیر معمولی تیز و ہوش اور صلاحیت کا شخص خود اپنی قابلیت ہی آگاہ ہو جائے یا دوسرے لوگ اس کی استعداد پر مطلع ہوں۔ اس وقت کئی اشخاص ایسے ہیں جن پر کچھ بہت سے اہلکے جنس اعتماد کرتے ہیں۔ اور جو باشندگان دیہات کی تنظیم کے سیدھے سادے معاملات میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ لیکن ابھی تک کسی ایسے رہنما کے پیدا ہونے کی امید نہیں جسے قدرت نے بھی رہنمائی کی صلاحیت بخشی ہو۔ اور ساتھ ہی فنِ زراعت کی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل کر چکا ہو۔ اور جب تک صوبہ میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے زراعت کی ترقی کا دار و مدار تربیت یافتہ سرکاری افسروں کی سرگرمیوں پر ہے۔

لیکن بالوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندوستان میں اگر اقتصادی رہنما پیدا نہیں ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ لوگوں کی توجہ مذہبی اور روحانی معاملات پر مرکوز رہی ہے بہت تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے باشندوں نے دولت جمع کرنے کی جانب توجہ کی ہے۔ اور ایسے لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے جنہوں نے پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں کوئی عظیم الشان مہم فتح کی ہو۔ اس صوبہ میں سائنٹیفک طریق زراعت کو رواج پائے ہوئے صرف چند سال ہوئے ہیں۔ لیکن اس عرصہ میں اس نے بہت سی قابل قدر کامیابیاں حاصل کر لی ہیں۔ ایک نئی نسل پیدا ہو رہی ہے۔ جسے جدید طریق زراعت اس قدر نامانوس اور اجنبی نہیں معلوم ہوگا۔ تعلیم فروغ پا رہی ہے۔ اور وہ زمانہ قریب ہے جب تعلیم پر روپیہ صرف کرنے کی اہمیت تسلیم کر لی جائیگی۔ سائنس، تعلیم اور امداد باہمی کی اعانت سے ایسے رہنما پیدا ہونگے۔ جو رہنمائی کے تمام ضروری اوصاف کے مالک ہونگے، آج لوگ اپنے اندر ترقی کا دلولہ پیدا کرنے کے لئے سرکاری افسروں کی سرگرمیوں کے محتاج ہیں۔ اسے بھی ترقی کی ایک علامت سمجھنا چاہئے۔ آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ زیادہ وقت محنت کو منتشر اور پرآگندہ کر دینے سے جدید رہنماؤں کو چنداں فائدہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اقتصادِ اوی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ایک ہی چیز پر اپنی تمام کوششیں مرکوز کر لیں۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ اپنی محنت کو ایک کام پر مرکوز کر دیا جائے۔ تو عارضی، اور نفقش برآب ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے صوبہ کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے،



جو اپنے گھروں میں کام کریں۔ اور چند ایسے مکمل حقائق پیش کر کے اپنے دلائل کو تقویت  
پہنچائیں جو مسلمہ حیثیت رکھتے ہوں۔ اس لئے اُنکے لئے یہ ضروری ہوگا۔ کہ دلائل  
پیش کرنے سے پہلے محنت و مشقت کر کے یہ حقائق فراہم کر لیں۔ ایک شخص کامیاب ہوتا  
ہے تو اُس کے بہتیرے مثال پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے دیہاتی باشندوں کا حقیقی رہنما  
اگر انہیں تعمیری اقتصادی ترقی کی دشوار گزار راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ تو اُسے یہ معلوم ہونا چاہئے۔  
کہ کس چیز میں کامیابی ہو سکتی ہے۔



# تیسرا باب

## کسان کیوں کاشت کرتا ہے

دیہاتی اقتصادیا کے ابتدائی مسائل زمین کا مصرف کیا کسان کو زمین و زرعیہ سے کیا کرنا چاہئے۔ اس کی ضروریات اور لمحے پورا کرنا کیا طریقہ کسان کی سرگرمیوں میں ملتی منڈی پیداوار کا فیصلہ کرتی ہے۔

یہ سوال کہ کسان کیوں کاشت کرتا ہے۔ بادی النظر میں ایک ایسا معملہ معلوم ہوتا ہے جس کا جواب پورے یقین اور وثوق کیساتھ نہیں دیا جاسکتا یا یوں کہئے۔ کہ حیرت و تعجب کے سوائے اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ سوال پوری سنجیدگی سے کیا گیا ہے۔ اس سے اُس اہم ترین مسئلہ کا تذکرہ مقصود ہے۔ جو آج ہمارے ملک کو پیش ہے کیونکہ زراعت دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم ترین صنعت ہی نہیں بلکہ تقریباً دنیا کے ہر ملک میں اس کو حیثیت حاصل ہے۔ انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور ویلز میں بھی دوسری صنعتیں خاص قبہ تک محدود ہوں۔ اور بڑے بڑے علاقے صرف زراعت کے لئے مخصوص ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کا تین چوتھائی حصہ حصول دولت کیلئے زراعت کیلئے محتاج ہے۔ فرانس کے شمال مغرب میں جہاں جرمنوں نے یورپ کی ترقی صنعتی کا رخائے بھی ہیں۔ لیکن ملک کے باقی تمام حصوں کا ذریعہ آمدنی زراعت ہے۔ پیرس کے جنوب مغرب میں جو مصنوعات طیار ہوتی ہیں۔ وہ ایسی ہیں جہاں اور ہوا رکھتوں کی کاشت پر ہے۔ جرمنی میں جہاں کوئلہ، لوہا، یا کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ مصنوعات طیار ہوتی ہیں

لیکن ملک کے اکثر و بیشتر حصے میں زراعت ہی معاش کی کیفی بنی ہوئی ہے اس طرح دوسرے ملکوں کی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں جن کی مجسمہ یہی کیفیت ہے۔ امریکہ کی ریاستوں میں سے صرف نیویارک کی ریاست ایسی ہے جس میں صنعتی کارخانے بہت وسیع پیمانے پر قائم ہیں باقی ملک کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے امریکہ میں کوئی ریاست ایسی نہیں جسکی مصنوعات ایک شہر کے برابر ہوں۔ آجکل ہندوستانیوں کو جاپان کے خواب آیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کم نصیب اور افلاس زدہ ملک کی سب سے بڑی نعمت زراعت ہے اس کے بعد ریشم کی برباد کاغذ آتا ہے۔ کارخانوں کی مصنوعات سے دوسرے ملکوں کیلئے مال فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انکی فروخت کا دارومدار جاپان کی منڈیوں پر نہیں۔ موجودہ طریق تسلیم کے مخصوص نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی بدولت لوگوں کی توجہ مصنوعات تیار کرنے کی جانب مبذول ہو گئی ہے۔ اور ملک کی سب سے اہم ترین صنعت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ ماہرین اقتصادیات بھی اس گناہ میں حصہ لینے کے مجرم ہیں۔ کیونکہ وہ سب بھی تجارت اور کارخانوں کے مسائل پر اپنی توجہ صرف کر دیتے ہیں۔ اور زراعتی مسائل سے جو انکی توجہ کے محتاج ہیں۔ قطع نظر کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ہر ملک میں ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ زمین قومی دولت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن ری دنیا کا عام رجحان اسی جانب ہے کہ زراعت کے سلسلے میں جو سادہ سے سادہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان پر بھی توجہ نہ کی جائے۔ یہی سوال لے لیجئے کہ زمین کا صحیح مصرف کیا ہے۔ اس ملک میں زمین کو کیونکر استعمال کرنا چاہئے۔ قوم کی زندگی میں زمین کا کیا حصہ ہے۔ یہ سوال سادہ تو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا جواب تلاش کرنا مشکل ہے۔ اگر موجودہ لٹریچر میں کچھ چند نظریات کا سراغ ملے گا۔ جنہیں کبھی غلطانہ بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن وہ مصنفین کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ یہ نظریات بھی ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سلجھا نہیں سکتے۔

ایک خیال عام ہے کہ زمین کا مقصد شہروں کے لئے خوراک پیدا کرنا ہے کسان کا فرض ہے کہ وہ شہروں میں بسنے والوں کے لئے گھی۔ دودھ اور

گیہوں سستی قیمت پر بیچے۔ لیکن دوسری جانب شہر کے باشندوں پر یہ ذمہ داری نہیں عائد کی گئی۔ کہ اگر امریکیا کا گیہوں سستی قیمت پر مل سکے۔ تو اس صورت میں بھی کسان سے ہی گیہوں خریدیگا۔ آج یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ کہ صوبہ سے گیہوں کی درآمد منوع قرار دیجائے۔ تو یہ درحقیقت اسی خیال کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ انگلستان میں بھی آج سے سو سال پیشتر یہی صورت پیش آئی تھی۔ اگر یہاں گیہوں کی درآمد منوع قرار دی گئی۔ تو کسان کو نقصان ہوگا۔ اور شہر کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائینگے۔ جنگ کے زمانے میں انگلستان میں بھی اسی نوع کے حالات پیش آئے تھے۔ کسانوں کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ کائیں پلنے کے بجائے گیہوں کی کاشت کریں۔ لیکن وہاں تو اس سے نہایت نازک حالات کا مقابلہ کرنا۔ اور جنگ میں فتنہ ہونا مقصود تھا۔ لیکن یہاں یہ خیال کہ اراضی کا مقصد محض شہر والوں کی خوراک بہم پہنچانا ہے جنگ سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اور اب تک برابر موجود ہے۔ ایک اور خیال یہ ہے۔ کہ اراضی سے تجارت کا سامان فراہم کیا جائے۔ اور اگر کوئی جنس مصنوعات کی طیاری میں کام آسکے۔ تو اسے مالکان کا خانہ کے ہاتھ سے دامنوں فروخت کر ڈالا جائے۔ جو لوگ پارچہ بانی کے کارخانے کھولنا چاہتے ہیں۔ یہ تحریک کر رہے ہیں کہ روئی کی درآمد پر محصول لگایا جائے۔ تاکہ اس ملک میں روئی اڑاں ہو جائے خواہ اس سے کسان کو نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اس امر پر بھی زور دے رہے ہیں۔ کہ ملکی صنعت کی حفاظت کے لئے باہر سے آئے ہوئے کپڑے پر بھی محصول لگایا جائے۔ تاکہ وہ ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے کو گراں قیمت پر فروخت کر سکیں کبھی یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اراضی کا مقصد نہایتی مزدوروں کے لئے کام بہم پہنچانا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اراضی کو ان لوگوں کیلئے کام بہم پہنچانا چاہئے۔ جو شہروں میں معاش پیدا نہیں کر سکتے۔ آجکل اس خیال پر اس لئے زور دیا جا رہا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کیلئے جو فرج میں ملازمت کر چکے ہیں۔ اور اب بیروزگار ہیں۔ وسیلہ معاش فراہم کیا جائے طلبہ میں اراضی کو ان لوگوں کی اعانت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جنہیں سال بھر میں کافی کام نہیں ملتا۔

لے مالی کمیشن کے سامنے ایک گواہ نے شہادت دیتے ہوئے کہا تھا کہ لوگوں کو حق مل رہا ہے کہ وہ گیہوں کو امریکی روپیہ خریدیں

اس طرح یہ خیال کہ اراضی کا مقصد کام بچہ پنچا نہ ہے۔ مختلف ممالک کے اند مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض اہل قلم بھی یہ عقیدہ قبول کر چکے ہیں اور سبھی بیٹھے ہیں کہ ایک شخص کو جس کے پاس نہ سرمایہ ہو۔ نہ زرعت کی ترقی کا تجربہ چند ایک طرز میں دیکر چھوڑ دینا چاہئے۔

ایک اور خیال جو اگر کہیں نہیں۔ تو کتابوں میں ضرور موجود ہے۔ یہ ہے کہ زمین ایسے شجاع لوگ پیدا کرتی ہے۔ جو ضرورت کے وقت جنگ کر سکتے ہیں۔ اور شہر کے باشندے جو دیہاتیوں کی نسبت کمزور ہوتے ہیں۔ گھر بیٹھے کاروبار سے منافع کثیر حاصل کرتے رہتے ہیں چنانچہ جرمنی کی زراعتی حکمت عملی کی تہ میں اس قسم کا عقیدہ سالہا سال تک کام کرتا رہا۔ بہر حال اس خیال کی اساس مضبوط ہے۔ ملک کو ایسے تنومند لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو جنگی ضروریات کے وقت کام آسکیں۔ اور ایسے لوگ زراعت پیشہ طبقہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ زراعت کے نشو و ارتقا پر نظر رکھے۔ اور کسانوں کو خوشحالی اور مسرت سے لذت آشنا کرنے کے لئے تدابیر عمل میں لائے۔ اگر زراعت کو زوال کا خطرہ ہو جس کی وجہ سے لوگ دیہات کو چھوڑ کر شہروں میں سکونت اختیار کر لیں۔ تو ایسی صورت میں زراعت کو محض اقتصادی قوتوں کے رحم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اس کے ساتھ یہ خیال بھی ہے۔ کہ اراضی میں مردوں اور عورتوں کی کافی تعداد ہونا چاہئے۔ تاکہ اگر شہروں کو آبادی برطمان کی ضرورت پڑے۔ تو دیہات کے لوگ نقل مکان کر آسکیں۔ شہری آبادی عام طور پر زوال پذیر ہوتی رہتی ہے۔ دیہات کی نسبت شہروں کی شرح پیدائش کم ہے۔ اور شرح موت زیادہ۔ اس لئے اگر دیہات کے لوگ نقل مکان کر کے شہروں میں نہ آسکیں۔ تو شہروں کے ویران ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ صنعت و حرفت کو ترقی دینے پر زور دیتے ہیں۔ دیہات کو محنت کی فراہمی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دیہات میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کی کمائی پر ان کی پرورش ہوتی ہے

لے یہ کہا گیا ہے۔ کہ صنعتی اداروں کی ملازمت اپنے فرزندوں کو اوسطاً تین پشتوں کے عرصہ میں جذب کر لیتی ہے اس سلسلے میں اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے۔ کہ ہاپان میں لڑکیوں کی محنت سے کیونکر فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اچھی تعلیم کے اعزازات ادا کئے جلتے ہیں۔ اور پھر انہیں کارخانوں کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اکثر ملک میں بہت حد تک یہی کیفیت پیش آتی ہے جزائرِ برطانیہ میں کسانِ تعلیمی اعزازات کے شاکی نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں ان لوگوں کی تعلیم کے مصارف کا متحمل ہونا پڑتا ہے جو شہروں میں جاتے ہیں۔ اس طرح گویا شہروں کو مزدوروں کی تعلیم و تربیت پر کچھ صرف نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ یہ بوجھ بھی دیہات کے باشندے اٹھاتے ہیں چنانچہ مختلف لوگ زمین کا مختلف مصرف بیان کرتے ہیں۔ لیکن سب کی تہ میں یہی خیال کام کرتا نظر آتا ہے۔ کہ دیہات کا مقصد شہروں کو نامدہ پہنچانا ہے۔ جب شہروں کو مزدوروں کی ضرورت ہو۔ تو دیہات کو چاہئے۔ کہ مزدور ہم پہنچا اور جب شہروں کو ان کی ضرورت نہ رہے۔ تو ان کے لئے کام ہتیا کرے۔ دیہات کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جب ملک خطرہ میں ہو۔ تو جنگ کر نیوالے لوگ فراہم کریں۔ اور جب خطرہ کی سماعت گذر جائے۔ تو لنگڑے لوگوں کی پرورش کا بار اٹھائیں۔ جب باہر سے آیا ہوا غلہ ہنگا ہو۔ تو غلہ ہم پہنچائیں۔ اور جب باہر سے آیا ہوا غلہ سستا ہو۔ تو نقصان اٹھائیں۔ دیہات کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ تجارت کے لئے ضروری اشیاء اور مصنوعات کے لئے خام اجناس ہتیا کریں۔ لیکن اگر باہر سے آئی ہوئی خام اجناس دیسی خام اجناس سے زیادہ ازاں ہو۔ تو دیہات یہ بھی مطالبہ نہیں کر سکتے۔ کہ بدیشی خام اجناس کی بدولت انہیں جو نقصان ہو رہا ہے ان سے انہیں محفوظ رکھا جائے قصہ مختصر تجارتی زمین اور کسان پر تو ملکی فرائض کا بھاری بوجھ ہے لیکن اگر شہر کا باشندہ اس کے حقوق کو نظر انداز کرتا چاہے۔ تو اس کا کوئی حق قابلِ التفات نہیں۔

ان مختلف خیالات سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ مختلف اغراض و مقاصد آپس میں متضاد واقع ہوئے ہیں۔ مصلح کی یہ خواہش ہے۔ کہ اسے خام اجناس دستی مل جائیں۔ کسان اپنی پیداوار کے لئے زیادہ سے زیادہ قیمت چاہتا ہے۔ مہاجر اور سوداگر اپنی تجارت و حرفت میں ترقی کے آرزو مند ہیں۔ اور اس سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کسان آمدنی سے زیادہ منفعت کی جانب توجہ کرتا ہے۔ شہر کے باشندوں کو یہ فکر دامنگیر ہے۔ کہ انہیں اتنی خوراک ملتی رہے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اور شاید کسان کو تجربہ سے یہ معلوم ہو کہ اشیاء خود خوشی

سے زیادہ دوسری اشیاء مثلاً تیلوں کے بیج اور روئی کی کاشت فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ صنعت کی یہ فطری خواہش ہے۔ کہ عوام اس کی مصنوعات خریدیں۔ اور استعمال کریں۔ اور لوگ یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ اپنا روپیہ اچھی سے اچھی چیز کے خریدنے پر صرف کریں مختلف اشخاص کے مفاد کا یہی تضاد ہے۔ جسکی وجہ سے شہر اور گاؤں ایک دوسرے کے شکوہ سنچ نظر آتے ہیں شہر اور دیہات کا یہ نزاع اُس وقت سے برابر چلا آتا ہے۔ جب سے شہر آباد ہوئے ہیں۔ جب کسی ملک کے باشندوں نے تجارت و حرفت کی جانب توجہ کی۔ وہ خرید و فروخت اور مصنوعات کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اور شہروں میں اُنکا اجتماع ہونے لگا۔ تو ان کے مفاد میں بھی فوراً تضاد پیدا ہو گیا۔ اس باہمی تضاد و نزاع کو سمجھ لینا آسان ہے۔ لیکن یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ شہر کے باشندوں کو دیہات والوں سے یہ توقع کیونکر ہے۔ کہ دوسرے لوگ جن باتوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ انہیں ملحوظ نہ کریں بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس ملک میں زراعت کو ایک صنعت کی حیثیت بھی نہیں دیا جاتی ہے یہ شور تو سنا جاتا ہے۔ کہ صنعت و حرفت کو فروغ دینا چاہئے۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ملک میں ایک ایسی صنعت موجود ہے۔ جو دہاں دنیا کی سب سے قدیم سب سے اہم اور سب سے بڑی صنعت ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ کیا زراعت کو بھی ایک باعزت پیشہ سمجھا جاسکتا ہے۔ تمام دنیا کے شہروں میں یہ ایک سدا امر ہے۔ کہ زمین کی کاشت کے لئے عقل و دانش کی قطعاً ضرورت نہیں زراعت میں تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کوئی میدان نہیں۔ ناغاندہ اشخاص اور غیر تربیت یافتہ مزدوروں کے لئے تو یہ اچھا پیشہ ہے۔ لیکن جو نوجوان کالوں میں تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ اُن کے لئے زراعت کا پیشہ اختیار کرنا قطعی طور پر ناممکن ہے۔ یہ خیال صرف اسی صوبہ میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہر ملک میں جہاں تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں یہ خیال موجود ہے۔ خاص طور پر امریکہ کے اہل قلم اس کی جانب توجہ منعطف کراتے رہے ہیں۔ برطانیہ کے مصنفین اس پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔ اور دنیا کے دوسرے ممالک کے جن لوگوں نے اس امر پر غور کیا ہے۔ کہ اعلیٰ تعلیم کے لوگ سائنس کے جدید انکشافات کی مدد سے زراعت کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ وہ سب سے سب متفق اللفظ ہو کر اس خیال کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ کہ زراعت تعلیم یافتہ نوجوانوں کا پیشہ بننے کے قابل نہیں۔ بلکہ غلاموں اور گنواروں کیلئے مخصوص ہے۔

اب جبکہ یہ امر منظر عام پر آیا ہے۔ کہ زراعت اس صوبہ کی جدید دولت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور ہمیشہ اسے یہ حیثیت حاصل رہے گی۔ اور اب اس سے دولت بڑھانے کا زیادہ موقعہ ہے۔ تو تعلیم یافتہ لوگوں کے طرز عمل کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب اس مسئلہ کی تحقیق اس خیال سے کرنا چاہئے۔ کہ اصل حقائق کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔

اس طرز عمل کے کئی وجود ہیں۔ کسان خود بھی اپنے کام میں زیادہ دماغ عقل یا تعلیم سے کام نہیں لیتا۔ وہ بھی یہی خیال کرتا ہے۔ کہ اُس کا تعلیم یافتہ بیٹا شہر چلا جائے۔ کیونکہ زمین کی کاشت میں اُس کی تعلیم کسی کام کی نہیں۔ اور زراعت کے اہم ترین مسائل کو وہی لوگ نظر انداز کرتے ہیں۔ جو اگر انہیں اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ تو اُن سے بہت فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک شخص جو کپڑے یا جہاز یا ریل گاڑیاں۔ اور یا دوسری اشیاء تیار کرتا ہے۔ اتنا ہی مال طیار کرتا ہے جتنے آرڈر اُسے موصول ہوئے ہوں۔ کوئی جہاز سازیہ سمجھ کر جہاز تعمیر نہیں کرتا کہ کسی دن کوئی شخص آکر اُس کا جہاز خرید لے گا۔ کوئی شخص ریلوے انجن اس لئے نہیں بناتا۔ کہ ایک دن کسی شخص کو اُن کی ضرورت پڑیگی۔ اور تو اور پارچہ بانی کی صنعت میں بھی یہ دستور ہے کہ جتنا آرڈر آجاتا ہے۔ اُس کے مطابق رُوئی خریدی جاتی ہے۔ اور مزدور مہرتی کئے جاتے ہیں۔ کسان اسی لائحہ عمل کے مطابق کام کرتا ہے۔ جو قدرت نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اگر گہیوں کی کاشت کے بعد اس کی مانگ زیادہ ہو جائے۔ تو کسان کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اس امر کا انتظار نہیں کرتا۔ کہ کوئی غلہ خریدنے والا مل جائے۔ تو فصل کی کاشت کروں۔ وہ اتنا ضرور کرتا ہے۔ کہ جس غلہ کی مانگ عام ہوتی ہے۔ اُس کی کاشت کرتا ہے۔ اور ایسی فصل بوتا ہے۔ جو فروخت ہو جائے۔ منعاع اور کسان کے اسی فرق کی بدولت شہر کے باشندے کا یہ عقیدہ ہو گیا۔ کہ کسان گہیوں یا کپاس کی کاشت کرتا رہیگا۔ خواہ ان کی قیمت کم ہو یا زیادہ۔ وہ نہیں جانتا۔ کہ کسان کیوں کاشت کرتا ہے۔ لیکن شہر کے باشندے نے فرض کر لیا ہے۔

لے آکر کہیں کپاس کی کاشت کر نیو لے اسی قدر کاشت کرتے ہیں۔ جتنی کپاس سے مانگ پوری ہو سکے۔ اس طرح وہ اپنے منافع کی تعیین کرنا چاہتے ہیں۔ بڑا دماغ دوسری اجناس کی بجائے ہی کیفیت ہے۔



کہ کسان کو اپنی پیداوار زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنے کا جو حق حاصل ہے۔ اس سے محروم رکھنے اور اس کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے۔ وہ برابر کاشت کرتا رہے گا۔ درحقیقت شہر کا باشندہ دیہاتی اقتصادیات سے بالکل بے خبر واقع ہوا ہے۔ لیکن اگر شہر کا باشندہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ کہ کسان کیوں کاشت کرتا ہے تو اسے قصور وار نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیوں کہ کسان خود اس سوال کا جواب پھرے و ثوق ہی نہیں دے سکتا۔ اور اُسے اپنے اعمال و افعال کی توجیہ کرنے میں بھی دشواری محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صوبہ میں زراعت کی بنیاد اقتصاد پر نہیں رکھی گئی۔ اور ابھی تک نہ تو کسانوں اور نہ فن زراعت کے طلباء کو یہ معلوم کرنے کا کوئی موقع دیا گیا ہے کہ زراعت کو اقتصادی اصولوں پر کیوں نہ چلایا جاسکتا ہے۔

”کسان کیوں کاشت کرتا ہے؟“ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے معنی سمجھنے کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے دوسری طرح پیش کیا جائے۔ فرض کر لیجئے! کہ ایک نوجوان کے پاس سرمایہ موجود ہے۔ جسے وہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانا چاہتا ہے۔ وہ صنعت و معرفت پر روپیہ لگانا پسند کرتا ہے۔ لیکن اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسی راہیں نقصان کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے علم۔ قابلیت اور ضبط و نظم کی ضرورت ہے۔ اور وہ ان چیزوں سے محروم ہے۔ پھر وہ زراعت کی جانب توجہ کرنے کے مسئلہ پر غور کرتا ہے اور اُس کے ذہن میں کئی مشکل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ آیا وہ زمین کی خرید پر سارا سرمایہ صرف کر دے۔ اور پھر مزید مصارف کا متحمل ہوئے بغیر اُسے کاشت کرنے کی کوشش کرے یا سرمایہ کا صرف ایک حصہ زمین کی خرید پر صرف کرے۔ اور باقی دوسری ضروریات کے لئے رکھے۔ اور اگر یہ طریق بہتر ہے۔ تو زمین کتنے روپے سے خریدی جائے۔ اور باقی اخراجات کے لئے

لے انگلستان میں چودہویں صدی کے اند ایک اچھی مزدور زمین کے مویشی اور دوسرے ذخائر کی قیمت زمین کی قیمت سے ملتی ہو کر کرتی تھی۔ (تھورڈن لڈ رابرٹس جلد اول) پنجاب میں جب سکھ حکمران تھے۔ تو مویشی اور دوسری ضروریات پر زمین کی نسبت زیادہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ مغربی اضلاع کے اجنبیوں میں اب بھی یہ کیفیت ہے +

کتنا روپیہ محفوظ رکھا جائے۔ آیا وہ زمین اجارہ پر لے لے اور اپنا سارا سرمایہ اسکی کاشت پر صرف کر دے۔ یا ایک چھوٹا سا قطعہ زمین خرید کے باقی سرمایہ سے اس میں اچھی طرح کاشت کجائے۔ اور یا جس قدر زمین خریدی جاسکے خرید لے۔ اور ایک وسیع رقبہ کی کاشت کر کے اپنی قیمت آواگے لیاوہ زرخیز ترین قطعہ زمین تلاش کرے جس سے باسانی سامان معیشت فراہم ہو سکے۔ یا مقهور ملٹ راجس کے اس مقولہ پر عمل کرے کہ زمین کی حقیقی زرخیزی دراصل کاشتکار کی ترقی کرنیوالی طاقت ہے۔ ایک زرخیز سے زرخیز قطعہ زمین بھی زیادہ فصل اگانے کی وجہ سے اپنی زرخیزی کھو بیٹھتا ہے۔ اور کئی سے کئی زمین بھی جو اصلاح و ترقی کی اہلیت رکھتی ہو۔ دانشمندانہ طریق عمل کی بدولت پربہار باغ بن سکتی ہے۔ اگر وہ راجس کے اس مقولہ پر عمل کرے۔ تو وہ ایسی زمین خریدے۔ جسکی اصلاح کیجا سکتی ہو۔ اور پھر اپنی ساری طاقت سارا سرمایہ سارا دماغ اور عقل اس سے نفع اٹھانے پر صرف کر دے۔ اگر یہ لونجوان اپنے لئے ذریعہ معاش کا انتخاب کرنے سے پیشتر اپنے گرد و پیش نظر ڈالے۔ تو اُسے بہت سی توضیح طلب چیزیں نظر آئیں گی۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ایک شخص پچیس ایکڑ زمین کا مالک ہے۔ نصف زمین کی کاشت خود کرتا ہے۔ اور نصف لگان پر دے دیتا ہے۔ کیا لگان پر دینے میں اسے خود کاشت کرنے کی نسبت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ جس قطعہ زمین کی کاشت وہ خود کرتا ہے۔ اُس پر وہ سرمایہ صرف نہیں کرتا۔ کیوں وہ اپنی ساری کوشش ایک چھوٹے سے قطعہ زمین پر مرکوز نہیں کر دیتا۔ اور چند کھیتوں کی کاشت پر اکتفا کر کے باقی زمین لگان پر کیوں نہیں دے دیتا۔ دو کھیتوں میں آٹھ آٹھ مرتبہ ہل چیلنے کی بجائے ایک میں ہی سولہ مرتبہ کیوں نہیں چلاتا۔ اگر یہ لونجوان غور و خوض سے کام لے۔ تو اُسے کئی ایسے جواب طلب سوالات نظر آئینگے۔ جن کی تحقیق میں ساری زندگی صرف ہو سکتی ہے۔ قصہ مختصر اگر ایک لونجوان جسکے پاس سرمایہ موجود ہے۔ زراعت کو ذریعہ معاش بنانا چاہتا ہے۔ تو اُسے دیہاتی اقتصادیات سے کسی قدر باخبر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اُسے اپنی چہالت کی بدولت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

لیکن پنجاب میں اس مسئلہ نے ایک مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک نوجوان شخص کو جب ترکہ میں تھوڑی سی زمین اور زلیورات کی صورت میں کچھ سرمایہ ہاتھ آتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا وہ اس زمین کی کاشت کرے یا اسے لگان پر دے کہ شہر میں چلا جائے۔ اور وہاں اپنی معاش تلاش کرے۔ آیا وہ زلیورات کو بیچ کر روپیہ کو زمین کی کاشت پر صرف کرے۔ یا اسے محفوظ رکھنے کی غرض سے زمین میں دفن کر دے۔ اگر وہ اپنی آبائی زمین کی کاشت کرنا ہی پسند کرے۔ تو اسے کئی حل طلب مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اُس کا باپ گیہوں کی کاشت کرتا تھا۔ آیا اُسی کے نقش قدم پر چلے یا اپنے لئے کوئی نئی راہ تجویز کرنے کی کوشش کرے۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ اُس کا ایک پڑوسی جس کے پاس پندرہ ایکڑ زمین ہے۔ گیہوں کی کاشت کرتا ہے۔ سو اُسے بتاتا ہے۔ کہ زراعت کا دار و مدار بارش پر ہے۔ گیہوں کی جڑیں بہت دور تک زمین میں چلی جاتی ہیں۔ اور اسکی فصل خشک سالی کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس لئے گیہوں کی کاشت کرنا ہی موزوں ہے۔ کچھ فاصلے پر ایک اور کسان رہتا ہے۔ جس کے پاس صرف چار ایکڑ زمین، اور ایک کنواں ہے۔ اور وہ بھی گیہوں کی کاشت کرتا ہے وہ کہتا ہے۔ کہ میرے پاس کنواں ہے۔ اس لئے گیہوں کی فصل سب سے اچھی ہے۔ دوسری جانب ایک ہنر ہے۔ وہاں بھی کسان گیہوں کی کاشت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ چونکہ زمین کی آب پاشی ہنر کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اس لئے گیہوں موزوں ترین فصل ہے۔ اب اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا میں بھی گیہوں کی کاشت کروں۔ یا کوئی دوسری جنس کاشت کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیا ایک ہی فصل بارانی چاہی اور ہنری زمینوں کے لئے موزوں ترین ہو سکتی ہے۔ بہترین فصل سے کیا مراد ہے۔ جس سے زیادہ نفع ہو یا زیادہ پیداوار ہو۔ زیادہ فروخت ہونے والی جنس اور یا وہ جنس جسے بکسانی کاشت کیا جاسکے۔ بعض اہل قلم کہتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کے لئے جو سائنٹیفک طریقوں سے کاشت کرنا چاہتا ہو۔ گیہوں کی کاشت میں کوئی وسیع میدان نہیں۔ دوسری اجناس کی کاشت میں سائنٹیفک طریقوں کے استعمال سے جس قدر فائدہ ہو سکتا ہے۔ گیہوں میں اُس قدر نہیں ہوتا۔ گیہوں کا اہل اور جاہل لوگوں کے لئے تو اچھی فصل ہے۔ لیکن تعلیم یافتہ بااستعداد اور سرمایہ رکھنے والے لوگوں کو اس کی کاشت نہیں کرنا

چاہئے۔ بعض لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہری زمینوں میں گیہوں کی بجائے دوسری اجناس کی کاشت کی جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چاہی زمینوں میں گیہوں کی کاشت ترقی کے بالکل منافی ہے۔ اور ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے جب یہ کیفیت ہے۔ تو پھر کسان گیہوں کی کاشت کرتا ہے؟

یہ سوالات بیکار نہیں۔ بلکہ اس صوبہ کی ترقی سے انکا بہت تعلق ہے۔ کسان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ زمین اور فصل کے متعلق محض فنی اور سائنٹیفک معاملات کا علم رکھتا ہے پیداوار مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ ذریعہ ہے۔ منزل نہیں۔ بلکہ راہ ہے۔ کسان کو جو کچھ جاننا چاہئے۔ یہ اس کا ایک جزو ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہم جزو ہے لیکن بہر حال جزو ہے۔ اسے ہم کل نہیں کہہ سکتے۔ کسان فصل اگانے کی خاطر کاشت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا فرض طلب معیشت ہے۔ اور چونکہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ سرمایہ پر گذر اوقات کرے۔ اُسے اپنی محنت۔ زمین اور سرمایہ کے نفع پر زندگی بسر کرنا ہے۔ گویا کسان نفع کے لئے کاشت کرتا ہے۔ اور ذی فہم کسان اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کاشت کرتا ہے۔ کہ اُس سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائے وہ بنی نفع انسان کا اتنا بڑا ہمدرد نہیں جو محض تھر کے باشندوں کا پیٹ بھرنے کے لئے محنت کرے۔ اور نہ وہ غلام ہے۔ جو محض اس لئے محنت کرنے پر مجبور ہو۔ کہ شہر والوں کے لئے خوراک بہم پہنچائے۔ دراصل شہر والوں کو جو خوراک بہم پہنچانا۔ اس کی محنت و مشقت کا مقصد نہیں شہر پیداوار کی منڈی ہے۔ اور کسان منڈی سے ہی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

کسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کاشت کرتے ہیں۔ انسان ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہر وقت اپنی ضروریات پوری کرنے میں لگا رہتا ہے پھر شخص کی ضروریات خود اس کی ذات اور اُس کی زندگی کے حالات و ابواب کے ماتحت مختلف ہوتی ہیں

لے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ کسان زمین کی پیداوار پر زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ تو اس زائد پیداوار پر زندگی بسر کرتا ہے۔ جو معیار پیداوار منہا کرنے کے بعد باقی بچ رہتی ہے۔

یہی ضروریات اور حالات و اسباب اسکی محنت کی ایک راہ معین کر دیتی ہیں۔ انسان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف اسی قدر محنت کرتا ہے جو اُس کے لیے محتاج کی کفیل ہو سکے۔ اگر اس کی ضروریات مختصر ہیں۔ اور انہیں باسانی پورا کیا جاسکتا ہے۔ تو وہ قنوطراکم کرتا ہے۔ جوں جوں انکی ضروریات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے کام میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جس معیار کی زندگی بسر کرنے کا آرزو مند ہے۔ اُسی کے مطابق کام کرتا ہے۔

لیکن اس صوبہ کے متعلق اس عام اصول کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے تقریباً تمام کسانوں کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جس چیز کی کاشت کر رہے ہیں۔ وہ موردی طور پر اُن کے حصہ میں آئی ہے۔ انہوں نے اپنے قصد اور ارادہ سے زراعت کو ذریعہ معاش منتخب نہیں کیا۔ چنانچہ اکثر اشخاص محض اس لئے زراعت کرتے ہیں کہ اُن کے پاس حاصلِ معاش کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ اور حالات و اسباب نے انہیں مجبور کر رکھا ہے کہ جن بتقدیر ہو کر کاشتکاری پر بسر اوقات کریں۔ گویا بہت حد تک زراعت ایک ایسی حرفت ہے جس بہت محنت کرنے کے بعد اکثر ایسے لوگوں کی گندہ کا سامان ہٹیا ہو جاتا ہے جو کوئی دوسرا کام نہیں جانتا۔ انہیں خوراک اور پوشش کے سوا اور کچھ میسر نہیں ہوتا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حالات کی اصلاح نہیں کر سکتے۔

اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایسے لوگوں کی بھی کثیر تعداد موجود ہے۔ جو محض خوراک اور پوشش کے سوا کسی قدر دوسری اشیاء کے بھی خواہشمند ہیں اور اُن سرگرمیوں کا معائنہ بنظرِ غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ اُن کی ضروریات نے اُنکے کام کی مقدار معین کر دی ہے۔ ایک شخص جس کے پاس بچا پس ایکڑ ایسی زمین موجود ہے جس کی آبپاشی کا باقاعدہ انتظام ہے۔ اُس سے معاش حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اس زمین کا نصف حصہ کسی دوسرے شخص کو لگان پر دے دیتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتا ہے خود ساری زمین کی کاشت کیوں نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اُسے جو چیزیں میسر ہیں اُن کے علاوہ بھی اُسے بعض چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اُن کا استفادہ خواہشمند نہیں۔ جتنا فرصت کا متناہی ہے۔ زیادہ کام کرنے سے اُسے جو نفرت ہے۔ وہ اس

جذبہ کو دبا دیتی ہے۔ کہ اُسے بعض اوقات شیار کی بھی ضرورت ہے۔ جو مزید محنت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر اُسے سپاس ایکڑ زمین اور بھی مل جائے۔ تو وہ غالباً سب کو لگان پر دے دیگا۔ اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیگا۔ وہ مزید محنت کے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے پر اپنی خواہشوں کا دائرہ محدود کرنے کو ترجیح دیگا۔ جب کسان کی ضروریات کا تنگ کاری کے بغیر پوری ہونے لگتی ہیں۔ تو وہ کاشت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔ اس صوبہ میں بہت سی زمین غیر مزدور چڑی ہے اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ زمین کے اس طرح غیر مزدور چڑے رہنے کی وجہ کیا ہے تو جواب دیا جائیگا کہ مزارعین کی تعداد کافی نہیں۔ قرب و جوار کے علاقہ میں بہت سے مزارعین موجود ہیں لیکن وہ اسی قدر زمین کی کاشت کرنا چاہتے ہیں۔ جو ان کے پاس موجود ہے۔ وہ غالباً مفلس بھی ہیں۔ اور اس طرح اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ مزید محنت کرنے کے بجائے اپنی ضروریات کو محدود کر دینا پسند کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مشہور انگریز اہل قلم آرٹھنگی کو ایک مرتبہ فرانس (۱۸۷۷ء) جانے کا اتفاق ہوا۔ اُس ملک میں اس نے زراعت کا جو طریقہ دیکھا۔ اُس کا اس کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ فرانس میں مسلسل پیہم محنت کی بدولت ریگ زاروں کو پربار باغ بنادیا گیا ہے۔ اور اُس پر یہ جملہ اس کی زبان قلم پر آ گیا۔ کہ ملکیت کا جادو ریت کو سونا بنا دیتا ہے۔ اُس نے انگلستان میں بڑے بڑے کھیت دیکھے تھے۔ جس کی کاشت مزارعین کرتے تھے۔ اس لئے اُسے قدرتی خیال گذرا کہ فرانس کے ریتلے علاقوں کی اصلاح کا سبب ہے۔ کہ جو لوگ زمین کی کاشت میں مصروف تھے۔ وہ مزارعین نہیں۔ بلکہ خود مالکان اراضی تھے۔ اور یہ واقعیت ان کی ملکیت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ زمین پر اس قدر محنت صرف کی جاتی ہے۔ لیکن غالباً اس کی حقیقی وجہ یہ تھی۔ کہ انگلستان میں

۱۸۷۷ء میں یہ دیکھا تھا۔ کہ ہر کسان چار ایکڑ زمین سے صرف ۲۰ ایکڑ کی کاشت کرتا تھا۔ لیکن جوں جوں نفع کا یقین ہوتا گیا۔ مزدور طبقہ کا اوسط بڑھتا گیا۔

کسان کے پاس بہت بڑا رقبہ زمین ہوتا ہے۔ اور اس طرح اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو نفع حاصل کرتا ہے۔ وہ ایک وسیع حصہ اراضی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لئے فی ایکڑ منافع کا اوسط تو کم ہوتا ہے۔ اور مجموعی طور پر پورے رقبہ زمین کا منافع زیادہ۔ دوسری جانب فرائس میں کسانوں کی مملوکہ اراضی بہت چھوٹے رقبہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جن سے شوہر بیوی اور کنبہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ فی ایکڑ منافع کا اوسط زیادہ ہو۔ فرائس کے کسان نے اگر سر تو محنت کی۔ تو اس خیال سے نہیں کہ وہ اپنی زمین کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے سامنے دو ہی راہیں تھیں۔ یا تو سخت محنت کرے اور یا فاقوں سے اسے زمین کی اصلاح کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو اس کی پیدوار اس کے مایہ ناز کے لئے کافی ثابت نہ ہوتی۔ ملکیت میں کوئی جا دویا ظلم نہیں۔ فرائس میں ملکیت کی وجہ سے زراعت نے ترقی نہیں کی۔ بلکہ محض اس لئے کہ رقبہ زمین محدود تھا۔ اور وہ قدرتی طور پر بخر واقع ہوئی تھی۔ اس لئے مالک اراضی نے زیادہ محنت و مشقت کی۔ اور ریت کو کنڈن بنا دیا۔ آخر زمینگ نے جن مالکان اراضی کو دیکھا۔ اگر ان کے پاس بھی وسیع رقبہ اراضی ہوتا۔ تو وہ اسے لگان پر دیتے۔ اور اس طرح جو کچھ حاصل ہوتا۔ اس پر بیکاری اور فراغت کی زندگی بسر کرتے۔

پھر جو کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے زمین کی کاشت کرتا ہے۔ حصول معاش کے لئے وہ فصل پیدا کرتا ہے۔ اور مویشی رکھتا ہے۔ فصل کی کاشت کرنے اور مویشی رکھنے کے لئے مصارف کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ کسان منافع میں سے اپنی بسر اوقات کے لئے کچھ روپیہ لینے سے پیشتر ان مصارف کی فکر کرے یعنی غلہ یا دودھ اور گھی بیچ کر ان اخراجات کا کفیل ہو۔ گویا کسان اپنی ضروریات مویشی یا فصل کی بدولت پوری نہیں کرتا۔ بلکہ وہ فاضل روپیہ جو فصل اگلے اور مویشی کی پرورش کرنے کے اخراجات ادا کرنے کے بعد بچ رہتا ہے۔ اس کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے کسان اپنی معرفت کے منافع پر زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ منافع کے لئے کاشت کرتا ہے۔ اور یہ منافع کی توقع کا کرشمہ ہے۔ کہ وہ



اُس کے اندر محنت کا ولولہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس منافع میں کمی ہو جائے۔ تو محنت کے ولولہ میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ اور اگر منافع کا وجود نہ رہے۔ تو کام کرنے کا جذبہ بھی خود بخود مٹ جاتا ہے۔

یہ باتیں بظاہر مبتدیانہ اور معمولی معلوم ہونگی۔ لیکن ان کا ذکر ضروری ہے۔ اور بد قسمتی سے یہ مبتدیانہ باتیں بھلا دی جایا کرتی ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ اگر غیر دکنی تجارت پر قیود عاید کر دی جائیں تاکہ اس کی قیمت کم ہو جائے۔ اس طرح کسان کو اتنا فائدہ نہیں ہوگا۔ جو گیہوں کی آزادانہ تجارت میں اُسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور شہر کا باشندہ سستے داموں گیہوں حاصل کریگا۔ شہر کے باشندے کا فائدہ کسان کے لئے نقصان کا سبب ہوگا۔ اور اُس میں فصل کی کاشت کا جذبہ اور ولولہ کم ہو جائیگا۔ اگر دوسری اشیاء کی قیمت بھی ساتھ ہی کم کر دی جائے۔ تو یہ طریقہ فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس کا یہی نتیجہ ہوگا۔ کہ گیہوں کی فصل غیر منفعت بخش ہو جائیگی۔ اسی طرح یہ تجویز بھی پیش کی جاتی ہے۔ کہ ہندوستان سے روئی کی برآمد ممنوع قرار دی جائے۔ تاکہ ہندوستانی صنلے پارچہ بانی کے کارخانوں کے لئے ارزاں نرخ پر روئی حاصل کر سکیں۔ لیکن اگر اس طریق پر عمل کیا گیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ روئی کی فصل بھی زیادہ منفعت بخش نہیں رہے گی۔ اور لوگوں کو یہ خیال نہیں آئیگا۔ کہ وہ روئی کی کاشت کریں یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اگر کسان کی ضروریات محنت کے بغیر پوری ہو جائیں۔ تو وہ کاشت نہیں کریگا۔ یا اگر اُسے کم محنت سے ہی ضروریات زندگی حاصل ہو جائیں۔ تو وہ زیادہ محنت کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوگا۔ اگر آج بہت سی زمین غیر مزدور مہیڑی ہے۔ تو اس کا سبب یہی ہے کہ لوگ اس کے بغیر اپنی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں۔ اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ جو اپنی محنت اور شقت کا دائرہ وسیع کرنے کی بجائے اپنی ضروریات میں کمی کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ جس چیز سے کسان کے قلب میں محنت کرنے کا ولولہ کم ہو جاتا ہے۔ اُس سے فصل کی پیداوار میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اس ملک میں یہ امر خاص طور پر نظر آتا ہے۔ کہ لوگ زیادہ محنت کر کے اعلیٰ درجہ کی زندگی بسر کرنے کے بجائے تھوڑی محنت کر کے اتنے معیار کی زندگی بسر کرنا قبول کر لیتے ہیں



سطور بالا میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کسان کے نزدیک شہر کی حیثیت منڈی ہے جہاں وہ زائد از ضرورت فروخت کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے پیشے کے علمی اور فنی پہلو سے بھی واقف ہے۔ تو اپنی زمین سے ایسا کام لیگا۔ جس سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو سکے۔ اور سامان خورد و نوش شہر کی منڈیوں سے خریدیگا۔ کیونکہ شہر کے باشندوں کے لئے خدک فراہم کرنا اُس کا فرض نہیں۔ بلکہ اگر اُسے دوسری اجناس سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ تو اُسے غلہ کی کاشت ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں ہم اس امر پر زور دینا چاہتے ہیں۔ کہ ایک منلغ کی طرح کسان بھی اہل حرفہ ہے۔ جب ایک منلغ کا یہ فرض نہیں۔ کہ اُس کے پڑوسی جس چیز کو استعمال کرنا چاہیں۔ وہی تیار کرے۔ تو کسان کیلئے بھی یہ ضروری نہیں۔ کہ اُسی چیز کی کاشت کرے جس سے اس کے پڑوسی پیٹ بھر سکیں۔ اُسے بھی منلغ کی طرح اس بارے میں آزادانہ اختیار و انتخاب سے کام لینا چاہئے۔

اگر اس امر کو پوری طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ کہ کسان زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی خاطر کاشت کرتا ہے۔ تو زمین کے متعلق اکثر خیالات باطل اور بودے قرار پاتے ہیں۔ ہجرتی میں جو لوگ اراضی پر کام کرتے ہیں۔ اگر اُنکا اندازہ لگایا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ہجرتی میں ہر سو ایکڑ اراضی پر انگلستان کی نسبت زیادہ آدمی کام کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہاں اراضی پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں فی ایکڑ پیداوار کا اوسط انگلستان سے زیادہ ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ انگلستان میں فی کس نفع کا اوسط ہجرتی کی نسبت زیادہ ہے۔ انگلستان میں امریکہ کی نسبت فی ایکڑ زمین کی پیداوار کا اوسط زیادہ ہے۔ لیکن امریکہ میں فی کس نفع کا اوسط انگلستان سے بڑا ہوا ہے۔ یہاں عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ فی ایکڑ کتنے من غلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ فی ایکڑ پیداوار کیا ہے۔ لیکن زراعت کی صحیح حالت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اس سے فی ایکڑ نفع یا فی کس نفع کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

لے پاس کی کاشت کی تلخی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین میں اضافہ ہوتا ہے اور جو قیمتیں ہیں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ فی ایکڑ اضافہ پیداوار سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیمت پیداوار فی ایکڑ میں اضافہ ہو جائے یا منافع فی ایکڑ بڑھ جائے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل نکات ضروری ہیں۔ جو ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

اگر فی ایکڑ خام پیداوار سے فی ایکڑ پیداوار کے مصارف کو منہا کر دیا جائے تو فی ایکڑ نفع خالص رہ جائیگا۔ پورے قطعہ زمین کی پیداوار خام سے پورے قطعہ زمین کے اخراجات منہا کر دیئے جائیں۔ تو باقی جو کچھ رہیگا۔ وہ اس قطعہ زمین کا منافع خالص ہوگا۔ فی کس پیداوار خام سے فی کس اخراجات بحال دیئے جائیں۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ فی کس محنت سے کس قدر نفع خالص ہوا ہے۔ تجارتی نقطہ خیال سے عام طور پر بہتر سمجھنا جاتا ہے۔ کہ پیداوار خام بہت زیادہ ہو۔ کیونکہ اس طرح تجارت کا مال زیادہ سے زیادہ مقدار میں حاصل ہو سکے گا۔ ایک مالک اراضی جو لگان کے بجائے پیداوار میں سے حصہ لیتا ہے جسے اصطلاح میں بنائی کہتے ہیں سپر چارج کہتے ہیں۔ کہ فی ایکڑ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو۔ لیکن ادھر مزارع کی خواہش ہے۔ کہ اسے منافع اتم حاصل ہو۔ (Maximum Profit) اگر وہ اراضی کی کاشت خود کرتا ہے۔ تو اس کا مدعا محض زیادہ سے زیادہ منافع خالص کا حصول ہوتا ہے۔ اگر وہ مزدوروں کو اجرت دیکر کاشت کرتا ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ منافع خالص فی کس اس کا مقصود ہوتا ہے۔ ایک حکومت جو منافع خالص فی ایکڑ میں سے حصہ طلب کرتی ہے صرف فی ایکڑ منافع سے سوکار رکھتی ہے۔ اور پھر اراضی کے نفع کی جانب توجہ نہیں کرتی۔ لیکن اگر اسے اراضی سے انکم ٹیکس وصول کرتا ہو۔ تو حکومت کا کلکٹر پوری اراضی کے منافع کی جانب زیادہ توجہ کریگا۔ عملی طور پر یہ ہوتا ہے۔ کہ فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہو۔ تو فی ایکڑ منافع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ کسان کو یہ صورت بہت کم پیش آتی ہے۔ کہ تفصیل حاصل کی وجہ سے اسے نقصان ہو۔ مزید برآں ہمیشہ بھی ایسا نہیں ہوتا۔ کہ فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہونے کے باعث فی کس پیداوار یا فی کس منافع بھی زیادہ ہو۔ حالانکہ کسان کا زیادہ تعلق فی کس پیداوار سے ہے۔ یہی اختلاف ہے۔ جس کی بنا پر مصنفین کے مابین بھی اختلاف و تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ان میں ہر شخص ایک مختلف پہلو کا معائنہ کرتا ہے۔ اور اس اہم سوال کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ کہ کسان کیوں کاشت کرتا ہے؟ جس ملک سے اجناس دوسرے ملکوں میں جاتی۔ اس کی یہ کیفیت ہوگی۔ کہ جب فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہو جائیگا۔ تو رقبہ مزروعہ کم ہوتا جائیگا۔ کیونکہ مقامی ضروریات کے لئے چھوٹے سے رقبہ کی پیداوار بھی کافی ثابت

ہوگی۔ اس لئے یہ سوال بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔ کہ کسان کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ اس سوال کے حل کے لئے مختلف مباحث کا علم ضروری ہے۔ اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ زراعتی اقتصادیات کا مطالعہ خاص توجہ سے کیا جائے۔ ہر علاقہ میں کسی خاص جنس کی پیداوار کی خاص سہولتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر اس علاقہ کے لوگ اس خاص جنس کی کاشت پر اپنی توجہ صرف کر دیں۔ تو ان کا علاقہ متمول ترین بن جائیگا۔ اس کے لئے فن زراعت کا علم حاصل رکھنا ہی ضروری نہیں۔ اگر کسان زراعت کے فنی نکات سے باخبر ہو۔ تو وہ ایک ایسی جنس کی کاشت کر سکتا ہے۔ جس کی بدولت اسے زراعتی نمائش میں انعام مل جائے۔ لیکن اگر وہ اس جنس کو کہیں فروخت نہ کر سکے۔ تو اسے نقصان ہوگا۔ اور اس کی ساری فنی معلومات طاق پر دھری رہ جائیگی۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ علاقہ کی زمین جس جنس کے لئے موزوں ہے۔ اس کی کاشت بھی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ کسان کو کسی امور پیش نظر رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ کہ کس جنس کی کاشت کی جائے۔ کلو میس علاقہ میں جہاں ذرائع آمدورفت ناقص ہیں، یہ ضروری ہے۔ کہ اسی قدر پھل پیدا کئے جائیں۔ جو فوراً فروخت ہو جائیں۔ اور ان کے بجائے اجناس خوردنی کی کاشت کی جائے۔ جو عام طور پر ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ انگلستان میں جہاں ذرائع آمدورفت مکمل و منظم ہیں۔ اور ہر ملک سے تعلقات رسل و رسائل قائم ہیں گیہوں اور دوسرے اشیاء خوردنی کی درآمد آسان ہے، اسلئے وہاں کے باشندوں کے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اسی جنس کی جانب توجہ کریں جو گراں قیمت پر بیگ سکے مثلاً دودھ فراہم کرنے کے لئے گائیں بھینسیں پالی جائیں۔ یا مردار درختوں کے بلغ لگائے جائیں، پنجاب میں مردار درختوں کی کاشت مفید ہوگی۔ لیکن یہ صوبہ سمندر سے اس قدر دور ہے۔ کہ اس کے لئے اجناس خوردنی کی فصل ہی مفید ہوگی۔ کیونکہ یہاں اسے سارے پھلوں کے لئے کوئی منڈی نہیں مل سکتی۔ اسی وجہ سے گیہوں کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے گیہوں ایسی جنس نہیں۔ جس سے کسی ایک کسان کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ گیہوں مجموعی طور پر تمام کسانوں کے لئے ایک منفعت بخش جنس کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ ہمیشہ فروخت ہو سکتا ہے اس طرح گویا اصل سوال یعنی کسان کیوں کاشت کرتا ہے۔ کا جواب تلاش کرنے کیلئے

ہمیں مال کی فروخت کے مختلف مسائل کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ پیداوار کا انحصار منڈی پر ہے۔

کیلے قزیا میں لہجہ ہرونی علاقوں سے بھی ایشیا خورد و نوش لائی جاسکتی ہیں۔ کسانوں کے لئے یہ ممکن ہے پھلوں کی پیداوار پر اپنی توجہ صرف کر دیں۔ اور ذرائع آمد و رفت کے مکمل ہونے کے باعث انہیں جو سہولتیں حاصل ہیں۔ ان کی وجہ سے پھلوں کے لئے منڈی بھی تلاش کر لیں۔ ڈنمارک میں یہ آسان ہے۔ کہ زمین کو مولیشیوں اور دودھ مکھن بنیر وغیرہ کے لئے وقف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس ملک کے ذرائع رسل و رسائل اچھے ہیں۔ اور اس کی خاص پیداوار کی جزائر برطانیہ میں بہت کھپت ہے۔ اسی طرح ہالینڈ۔ فرانس کے بعض حصوں اور جزائر رودبار میں زمین میں پھلوں پھولوں اور دوسری چیزوں کی جو انگلستان کی منڈی میں فروخت ہو سکتی ہیں۔ کاشت ہوتی ہے۔ اور منڈی یہ فیصلہ کر دیتی ہے۔ کہ کس چیز کی کاشت کی جائے۔ اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں اُون بہت پیدا ہوتی ہے۔ اور دور دور کی منڈیوں میں جا کر فروخت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تجارت پر دور کی منڈیوں کا بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن اُون میں یہ خوبی ہے۔ کہ اس کی جہالت بڑی ہوتی ہے۔ اور جب اُسے دبا کر بوریلوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے میں اس کی قیمت کے مقابلہ میں بہت کم لاگت آتی ہے۔ اسٹریلیا کی زمین زیادہ گہیوں بھی پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اس گہیوں کو انگلستان بھیج دیا جائے۔ تو وہاں کتناؤا کے گہیوں سے اُن کا مقابلہ ہوگا۔ اور زیادہ قیمت نہیں ملے گی۔ چونکہ کتناؤا میں اُون پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے اسٹریلیا کی اُون اچھے داموں بک جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس کے علاوہ بعض اور عناصر بھی برسر کار نظر آتے ہیں۔ لیکن اُن سے اس مقولہ کی صداقت کی تردید نہیں ہوتی۔ کہ پیداوار کا انحصار منڈی پر ہے۔

لہ لاہور جیسے بڑے بڑے شہروں میں جب چارہ کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔ تو اکثر کسان چارہ کی کاشت پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتے ہیں۔ تمام بڑے بڑے شہر قرب و جوار کی زمین کے مصرف پر بہت اثر ڈالتے ہیں۔

خوراک کا حصول ہر شخص کے لئے مقدم ہے۔ پنجاب کا کسان یہ کر سکتا ہے۔ کہ خوراک جو دوسرے ملکوں سے بھی ہتیا کیجا سکتی ہے۔ بازار سے خریدے۔ اور خود ایسی اشیاء کی ذراعت کرے۔ جن سے اُسے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو سکے۔ لیکن ملک کے لئے بحیثیت مجموعی اس امر کا کوئی نہ کوئی انتظام ہونا چاہئے۔ تمام آبادی کے لئے کافی خوراک فراہم ہو سکے گی۔ کسان کو خواہ اجناس خوردنی کی کاشت دوسری اجناس کے مقابلہ میں منفعت بخش معلوم نہ ہو۔ کیونکہ باہر سے آئے ہوئے غلہ کی وجہ سے اجناس خوردنی کی قیمت اس قدر کم ہو جائے گی۔ کہ کسان کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ لیکن چونکہ انسان کو خوراک کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ اسکے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ خوراک کے لئے اس سے جتنی قیمت طلب کی جائے گی۔ دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اگر باہر سے آئے ہوئے غلہ پر محصول لگادیا جائے۔ تو شاید اس ملک میں غلہ کی کاشت زیادہ منفعت بخش ثابت ہوگی۔ گویا کسان کے منافع میں اضافہ کرنے والے طریقے اختیار کر کے اسے ایک ایسی جنس کی کاشت پر مائل کیا جائے۔ جو عام حالات میں منفعت بخش ثابت نہیں ہوتی۔ اور جس طرح پھلے دنوں انگلستان میں حکومت نے گیہوں کے خاص منفعت بخش قیمت پر پکے کاساماں ہتیا کر دیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی کیا جائے۔ یہاں یاد رکھنے کے قابل تو یہ نکتہ ہے۔ کہ از بس کاشتکار نفع کے لئے کاشت کرتا ہے۔ اس لئے اگر اُسے اس امر پر آمادہ کرنا مقصود ہو۔ کہ وہ اس وقت جس قدر زمین کاشت کرتا ہے۔ اُس سے بڑی زمین کی کاشت کرے۔ تو اُس کے نفع میں اضافہ کرنے کا انتظام ہتیا کرنا چاہئے لیکن اگر غلہ کی برآمد ممنوع قرار دی گئی۔ تو فصل کی پیداوار کم ہو جائیگی۔ اگر شہر والوں کی یہ خواہش ہے۔ کہ انہیں ہمیشہ کافی خوراک ہم پہنچتی رہے۔ تو انہیں چاہئے۔ کہ وہ ایسے طریقوں کے اختیار کرنے پر زور دیں۔ جن سے کسان کے منافع میں اضافہ ہوتا رہے۔ لیکن اُن سے اُس وقت تک اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ جب تک انہیں اس سوال کا صحیح جواب نہ معلوم ہو جائے۔ کہ کسان کیوں کاشت کرتا ہے؟



# پوٹھاباب

## پنجاب کی اقتصادی حالت

جغرافیائی محل وقوع، سڑکیں، ریلیں، اور نہریں، تجارت میں اضافہ!!  
 اس وقت تک کسی ملک کے اقتصادی معاملات پر طویل بحث نہیں کی جاسکتی۔ جب  
 تک اس کے جغرافیائی محل وقوع کا پورا پورا علم نہ ہو جائے، ہر شخص اپنی ضروریات کی تمام چیزیں خود  
 پیدا نہیں کرتا۔ وہ کسی نہ کسی ضروری چیز کے لئے ضرور دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ ہر ملک میں کوئی  
 نہ کوئی چیز اس کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ کہ ملک کی ضروریات پوری کرنے کے بعد کچھ حصہ بقیہ  
 بیچ رہتا ہے۔ اسی طرح ہر ملک میں کوئی نہ کوئی چیز اس قدر کم پیدا ہوتی ہے کہ وہ تمام ملک کی ضروریات  
 کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ زائد از ضرورت چیز کو ٹھکانے لگانے اور کمی کو پورا کرنے کا نام ہی مختلف  
 ملکوں کی باہمی تجارت ہے۔ اور اسی کو درآمد اور برآمد کہتے ہیں۔ بعض حلقوں میں یہ خیال بہت پھیلا  
 ہوا ہے۔ کہ برآمد ملک کی قوت کو ضعیف کرتی ہے۔ اور درآمد ضعیف کے موجود ہونے پر دلالت کرتی  
 ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جو چیزیں باہر بھیجی جاتی ہیں۔ وہ اسی ملک میں رکھی جائیں۔ تاکہ ان  
 کے باشندے ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اشیاء مازداں ہو جائیں۔ اور جو چیزیں باہر سے منگوائی  
 جاتی ہیں۔ وہ ملک کے اندر ہی پیدا کی جائیں۔ عام طور پر ہر سال پنجاب میں جس قدر گہروں پیدا ہوتا  
 ہے۔ وہ یہاں کے باشندوں کی اپنی ضروریات سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جبکہ ان کی ضروریات

لے اس ملک کی بحث کیلئے ہمیں ریل کا کتاب الدین الہی کے دہشتناک ملامت کے تیرا ایشیائی متاثرین بدلی حلقوں کو نظر انداز کرنا چاہیے  
 تو لیکن ہنگامہ تصدیق کیجئے، لیکن یہ سب سچیزوں نے اس امر میں منتہی کے سالانہ ضرورت غلط اندازہ بندہ لکھ ٹی کیا تھا۔

سے بچ رہتا ہے۔ اُسے باہر بیچ دیا جاتا ہے۔ کسان یا تاجر کیلئے یہ امر کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کہ آیا یہ زاید از ضرورت غلہ بنگال نے خریدایا انگلستان نے۔ ان کے لئے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ جس نے اس کی زیادہ قیمت دی۔ اُن کے ہاتھ فروخت کیا گیا۔ اور یہ چیز ان دونوں کے لئے مفید ہے۔ پنجاب کے متعلق بحث کرتے ہوئے اس بحث کو بھڑدینا غیر ضروری ہے۔ کہ آیا سارے ہندوستان میں جس قدر غلہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کے باشندوں کی صحت اور قابلیت کو پوری پوری طرح قائم رکھنے کے لئے کافی نہیں۔ اس صوبہ کے لوگوں کے بیشتر حصہ کی خوراک گیہوں ہے۔ اور ان کے یہاں سے بڑی مقدار میں گیہوں باہر بیجا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ اس صوبہ میں زائد از ضرورت غلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے باقی حصوں کی صحیح حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال اس امر میں تو شبہ نہیں۔ کہ اس صوبہ میں اجناس خوردنی کی پیداوار آبادی کی نسبت زیادہ سرعت سے ترقی کر رہی ہے۔ اگر اس زائد غلہ کا کوئی بھکاس نہ ہوتا۔ اور اُس کے لئے کوئی گاہک نہ ملتا تو اُسے پیدا ہی نہیں کیا جاتا۔ زمین کی زراعت کے لئے قوت اور سرمایہ صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر محنت اور سرمایہ کے ایک حصہ کے صرف کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو۔ تو اہل زراعت محنت اور سرمایہ کا وہ حصہ ضائع نہیں کریں گے۔

بعض لوگوں کی رائے میں یہ زاید گیہوں باہر نہیں بھیجا چاہئے۔ اگر یہ جواب دیا جائے۔ کہ اس صورت میں اس قدر غلہ کی کاشت ہی نہ کی جائے گی۔ کہ کچھ باقی بچ رہے۔ تو اس کے جواب میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے۔ کہ اس طرح جو وقت اور محنت بچ رہے گی۔ اسے اُن چیزوں کی ساخت پر صرف کرنا چاہئے۔ جواب باہر سے اس ملک میں لائی جاتی ہیں۔ یہ دلیل ایک ملک کے اسباب خوشحالی کے متعلق ایک عجیب و غریب اور مکمل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اور اس میں یہ ملک کی جغرافیائی حیثیت اور اس کے متعلقہ امور کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر کسی ملک کو خوشحالی حاصل کرنا ہے۔ تو اس کے باشندوں کو چاہئے۔ کہ وہ ایسی چیزوں کے پیدا کرنے پر توجہ صرف کریں۔ جنہیں پیدا کرنا حالات و اسباب کے عین مطابق ہو۔ اور جن سے بہت سے فوائد اور منفعتیں حاصل ہو سکیں۔ یہ سوال زیر بحث نہیں۔ کہ آیا علمی اور فنی زاویہ نگاہ سے پنجاب میں فلاں فلاں اشیاء کا پیدا کرنا ممکن ہے۔ جو کسی دوسرے



صوبہ ملک سے یہاں لائی جاتی ہیں بلکہ دیکھتا تو یہ ہے کہ آج جو جنس اس صوبہ میں باشندوں کی منوریت سے زیادہ پیدا کی جاتی ہے۔ اس کے بجائے اگر فلاں چیز کی پیدائش پر توجہ کی جائے۔ تو کیا اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ اکثر ممالک میں بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں۔ جن کی بدولت بعض اشیاء کا پیدا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اور بعض کا مشکل آب و ہوا۔ قدرتی ذرائع جغرافیائی محل وقوع بہت حد تک اس امر کی تعیین کر دیتے ہیں۔ کہ ملک کے باشندوں کو کس منزل کی جانب رخ کرنا چاہئے جس زمانہ میں ریل و رسائل اور آمد و رفت کے ذرائع نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی۔ اکثر مقامات کے باشندے ایسی اجناس پیدا کرتے تھے۔ جن کے لئے مقامی حالات موزوں نہیں تھے۔ جب سے ذرائع آمد و رفت میں ترقی ہو رہی ہیں۔ اور ریل و رسائل کا سامان ارزاں ہو گیا ہے۔ باہمی مقابلہ کی بدولت اکثر مقامی صنعتوں کا وجود ان مقامات پر نہیں دکھائی دیتا۔ جہاں حالات ان کے مطابق نہیں تھے۔ اور جہاں انکی ترقی کے لئے سہولتیں ہوتی ہیں۔ وہاں انہوں نے قدم جمائے ہیں۔

ایسٹنڈیہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ پنجاب کے ان مخصوص مقامی حالات کا مطالعہ بدقت سمجھا گیا جائے جو دراصل اس کے جغرافیائی محل وقوع کے باعث پیدا ہو گئے ہیں۔ پنجاب کے جغرافیائی محل وقوع میں کوئی تغیر ناممکن ہے۔ ہاں ایسے طریقے ضرور اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ جن سے اس کے فوائد کا دائرہ وسیع کیا جاسکے۔ یا اس کے نقائص کو کم کیا جاسکے۔ اگر ترقی کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے تو اس سعی کے تمام متعلقہ امور پر پوری وضاحت سے تسلط حاصل کر لینا چاہئے۔ اور ان کے اثرات و نتائج کی تفصیل معلوم کر لینا چاہئے۔ مثلاً صنعت کی ترقی کے سلسلے میں ان مسائل کا حل سب سے زیادہ آسان ہے۔ جو اصطلاحی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصارف پیداوار کا مسئلہ اس کا بہت اہم عنصر ہے۔ لیکن اہم ترین حیثیت نہیں رکھتا۔ کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ مل اس مقام پر پہنچا دیا جائے۔ جہاں اس کی کھپت ہو سکے۔ اور مال اپنی خوبی اور قیمت کے اعتبار سے ایسا ہو۔ کہ کھانک کو دوسرے مال کے مقابلہ میں جو اُسی وقت اس مقام پر فروخت ہو رہا ہو۔ حقیر نظر نہ آئے۔ پنجاب میں گہیوں کے بجائے اور چیزیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً نارنگیوں کا فی ایکڑ نفع خالص گہیوں سے زیادہ ہے۔ اور انکی قیمت خام بھی گہیوں کی نسبت زیادہ ہے۔ یہی فروخت کا مسئلہ ہے۔ جو زراعت اور دوسری صنعتوں کی آمد ترقی

پر بہت اثر انداز ہوگا۔ اگر اس صوبہ کو دوسرے علاقوں کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ کرنا ہے تو اس میں کوئی ایسا وصف ہونا چاہئے جو اس حد تک دوسرے صوبوں میں موجود نہ ہو۔ گویا اس صورت میں صوبہ کے پیش نظر وہ چیزیں نہیں ہونگی جنہیں تیار کرنا عوام کے مرغوب خاطر ہے۔ بلکہ اُسے ایسی اشیاء کی ساخت مد نظر ہوگی جنہیں بنانے کے لئے صوبہ کے مقامی حالات خاص طور پر موزوں واقع ہوئے ہیں۔ اپنے ملک کی منڈی میں تو اشیاء کی فروخت پر جذبات و احساسات اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن غیر ملکی شہروں سے تجارت کی جائے۔ تو وہاں محض جذبات کا خیال نہیں رکھا جائیگا۔ بلکہ مادی منفعت پیش نظر ہوگی۔ اس امر کا فیصلہ خریدار کے ہاتھ ہے۔ کہ آیا پنجاب کو بیرونی ممالک میں کپڑا بیچنے کے لئے پارچہ بانی کرنا چاہئے یا نہیں۔ اسی طرح ان صنعتوں کی ترقی بھی خریدار کے ہاتھ میں ہے۔ جن کی پیداوار بحالت موجودہ مقامی ضروریات سے زائد ہے۔ اس لئے یہ امر نہایت غور و توجہ کا محتاج ہے۔ کہ مال کی فروخت کے لئے منڈی کیونکر فراہم کی جائے۔ جاپان کئی جزیروں پر مشتمل ہے۔ جنہیں کئی اچھی بندرگاہیں ہیں۔ جہاں سے ایشیا اور امریکہ کا سفر آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ اس ملک کی وہ تمام صنعتیں جنہیں حکومت فروغ دینے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ دوسرے ملکوں کو مال بیچنے کی وجہ سے زندہ ہیں خود جاپان میں بہت کم ملکی مصنوعات کی کھپت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جاپان کی صنعت بیرونی خریدار کے رحم و کرم پر ہے۔ جب بیرونی خریدار سے مال خریدنے سے انکار کر دیا۔ تو ایک شدید صنعتی بحال پیدا ہو گئی۔ جتنیں، جاپان کی بندرگاہوں کے قریب واقع ہوا ہے۔ اس لئے رسل و رسائل سے بھی جاپانی نفع حاصل کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس صوبہ کے لوگوں کی بد قسمتی ہے۔ کہ یہاں کی چیزیں جس منڈی میں بک سکتی ہیں۔ وہ بہت فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ان کے وہاں بیچنے سے جو نفع حاصل ہوگا۔ وہ پنجابیوں کی بجائے دوسروں کی جیب میں جائیگا۔

اس صوبہ کے ہر چار جانب خشکی ہی خشکی نظر آتی ہے۔ یہاں ایسے دریا بھی موجود نہیں جن میں درمیانہ جامت کی کشتیاں چل سکیں۔ اور جن کی مدد سے سمندر سے تعلق قائم ہو سکے۔

لے گویا اس صوبہ کا کوئی دریا یا نہر نہیں جس میں ہر قسم کی لکی کشتیاں بھی چل سکیں۔ جیسی یورپ کے ماتی دیکھو صفحہ ۱۰۰)

ایک اور نقص یہ ہے کہ اسے تین جانب سے ایسے ممالک گھیرے ہوئے ہیں۔ جہاں پنجاب کی پیداوار فروخت نہیں ہو سکتی یہ صوبہ ایک گنجان آبادی رکھنے والے جزیرہ نما کی مانند ہے۔ کیونکہ اس کے شمال مغرب کی جانب ایک ایسا علاقہ ہے جہاں آبادی بہت کم ہے۔ شمال میں کشمیر، لداخ اور تبت ہیں۔ ان سے آگے ترکستان کا صحرا ہے۔ مغرب کی سمت افغانستان اور بلوچستان واقع ہیں۔ اور ان سے آگے ایران۔ جنوب کی جانب بیکانیر اور راجپوتانہ ہیں۔ یہی آبادی بھی نسبتاً بہت کم ہے۔ ان تمام ملکوں میں اتنے خریدار نہیں کہ پنجاب کی پیداوار کے لئے منڈیاں ہتیا کر سکیں۔ اس لئے سالہا سال تک ان سے بڑے پیمانے پر تجارت نہیں ہو سکتی۔

پنجاب کے مشرق کی جانب صوبجات متحدہ کا علاقہ ہے۔ جہاں پنجاب کا مال بک سکتا ہے۔ لیکن پنجاب اور صوبجات متحدہ زمین اور آب و ہوا اور باشندوں کے اعتبار سے آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔ انکی پیداوار بھی ایک جیسی ہے۔ اس لئے وہ تجارت کے بارہ میں ایک دوسرے کے مرئیں ہیں۔

پنجاب کے جغرافیائی محل وقوع کے نتائج بہت اہم اور دور رس ہیں۔ سادہ ہمیشہ رہینگے۔ یہ صوبہ چونکہ ریگزاروں کے ایک گوشہ پر آباد ہے۔ اس لئے یہاں معقول تجارت نہیں ہو سکتی اور نہ یہاں کے باشندوں کو انگلستان والوں کی طرح ایکٹ اور دلال بنکر اور اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر تجارت کرنے کا موقع حاصل ہے۔ ریلوے کی تعمیر سے پہلے پنجاب کی تجارت لے دے کے صرف افغانستان اور وسط ایشیا سے تھی۔ لیکن نہ تو یہ تجارت زیادہ اہم اور نہ وسیع اور کبھی

(تقدیم صفحہ ۹۹) دریاؤں میں جلتی ہیں۔ ایک ہی غلطی کے متعلق ہندوستان میں بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب کوئی یورپین اس کا استعمال کرتا ہے۔ تو اس کے کھارے معنی لئے جاتے ہیں۔ اور جب کسی ہندوستانی کی زبان سے لدا ہوتا ہے تو کچھ اور معنی +

لے پنجاب کے حالات کا مقابلہ آئینڈ سے کیا جاسکتا ہے۔ پچھلے دنوں تک نہ تو اس ملک میں حدیث کا وجود تھا۔ معنومات بھی نہیں تھیں۔ نہ لغت بھی منظم نہیں تھی۔ لیکن لٹل کی حیثیت سے اسے بہت فروغ حاصل ہوا۔ لیکن آئینڈ کی جغرافیائی حالت اس کی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔

یہ ظاہر نہیں ہوا۔ کہ اس میں وسعت کی اہلیت بھی نہیں۔ عملی طور پر پہنچی سے کوئی اہم تجارتی تعلق نہیں تھا۔ کراچی سے بہت تھوڑی تجارت تھی۔ انگریزوں سے پہلے جو لوگ اس صوبہ پر حکمران تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی سڑکیں تعمیر نہیں کیں۔ پختہ سڑکیں بنانے سے لوگ عملی طور پر بے خبر تھے۔ بڑے بڑے میاؤں پر پل نہیں تھے۔ ریل و رسائل کی سہولتیں مفقود تھیں۔ کبھی غلہ اتنا سستا ہو جاتا تھا کہ اسے فروخت کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا۔ کیونکہ زائد از ضرورت غلہ کے کھاس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اب بھی جہاں جہاں پل ہیں۔ دریا تجارت کے لئے راہ بنے ہوئے ہیں۔ وہی سے انبالہ تک دریائے جمنا کوشتیوں پر عبور کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح زیادہ آمد و رفت نہیں ہوتی۔ مغرب کی جانب سندھ ایک اور دشوار گزار حصار بنا ہوا ہے۔ ہر سال عام طور پر کئی کئی صوبہ کے پانچوں اندرونی دریا پڑھے رہتے ہیں۔ اس لئے ریلوے یا ٹکوں کے سوائے اُن سے آریا گندہ لے اور تجارت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

ریل و رسائل کے لئے منظم طریق پر آسانیاں ہتیا نہ ہوں۔ تو ذرائع آمد و رفت کو وسیع کرنے کا مسئلہ بہت اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ اب اس اہمیت کا احساس کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ ریل و رسائل کے لئے ایک مستقل کمیٹی قائم کر دی گئی ہے۔ اس زمانے کے ریل و رسائل کے جو کمر سامان مہیا کئے گئے ہیں۔ وہ نہ ہوں، تو اُن علاقوں میں جو بڑے بڑے شہروں سے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی زراعت کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ زراعتی پیداوار میں سے اکثر چیزیں ایسی ہیں۔ جن کے لئے کسی منڈی کا قرب نہایت ضروری ہے۔ حذال آمد و رفت اچھے ہوں۔ تو زراعت بھی اچھی طرح ہوگی۔ پیداوار کا انحصار تو منڈی پر ہے۔ منڈی اچھی نہ ہو تو پیداوار کو زوال ہوگا۔ اور منڈی اچھی ہوئی۔ تو فروغ حاصل کرے گی جب تک ریلوے اور پختہ سڑکیں نہیں تھیں شہروں کے قرب و جوار کے علاوہ کسی جگہ اچھی طرح زراعت کرنا ممکن نہیں تھا۔ پہلی ریلوے لائن ۱۸۵۷ء میں تعمیر ہوئی شروع ہوئی۔ اور ۱۸۶۱ء میں اُس پر آمد و رفت شروع ہونے لگی۔ لیکن اس وقت

۱۸۷۱ء میں اس سے آگے نہ بڑھا۔ اس میں ۱۰ اپریل ۱۸۷۱ء کو آمد و رفت شروع ہوئی۔

ریل کو چلانے کے لئے کونلہ کے بجائے لکڑی جلائی جاتی تھی۔ لاہور سے متان کو جو اُس وقت کراچی سے سندھ کی کشتیوں کے ذریعہ ملا ہوا تھا ۱۸۶۵ء میں ریلوے لائن کے ذریعہ ملا دیا گیا۔ ریل کو چلانے کے لئے کونلہ کا استعمال ۱۸۷۱ء میں کیا گیا۔ اسی سال ہر روز لاہور سے ایک گاڑی غازی آباد تک جانے لگی۔ لیکن کلکتہ اور بمبئی تک ۱۸۸۳ء سے پہلے ریلوے لائن نہیں بن سکی اس کے بعد ترقی کی رفتار تیز تو نہیں رہی۔ لیکن مسلسل وپیم ترقی ہوتی گئی۔ جیسا کہ ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

### بڑی لائن

لاہور سے جنوب کی جانب	۳۱ میل لائن کا افتتاح ۱۸۷۵ء میں کیا گیا
لاہور سے مغرب کی جانب	۴۱۸ " " " ۱۸۷۵ء " "
لاہور سے شمال کی جانب	۲۲۲ " " " ۱۸۸۰ء " "

### شاخیں

گولڑہ باسل	۷ میل لائن کا افتتاح ۱۸۷۱ء میں کیا گیا
اتر سریشاکوٹ	۶۷ " " " ۱۸۸۲ء " "
راچپورہ ٹھنڈا	۱۰۷ " " " ۱۸۸۹ء " "
سندھ ساگر	۲۲۲ " " " ۱۸۹۰ء " "
سیالکوٹ جموں ۱۸۸۲ء	۳۶ " " " ۱۸۹۰ء " "
رائے وٹہ فیروز پور	۳۳ " " " ۱۸۹۲ء " "
جنوبی پنجاب بڑی لائن	۴۰۰ " " " ۱۸۹۷ء " "
نروانا کیتھل	۲۳ " " " ۱۸۹۹ء " "

لہ پنجاب کی زراعت کے تعلق جو رپورٹ بابت ۱۹۱۱ء و ۱۹۲۱ء شائع ہوئی تھی وہ ملاحظہ ہو۔ اس سال میں پنجاب کے اندر ۲۰۲۳ میل ریلوے لائن زیر تعمیر تھی جس میں ۷۰۰ میل دھوپا بڑی کی لائن تھی +

کنڈیاں کیمبل پور	۲۰	۸۹۹	۱۰۰
فیروز پوٹھنڈا	۵۵	۸۹۹	۱۰۰
فیروز آباد خانہ وال	۲۰۱	۹۰۰	۱۰۰
لدھیانہ جاکھل	۷۹	۹۰۱	۱۰۰
کالکا - شملہ	۵۹	۹۰۳	۱۰۰
لدھیانہ میکوٹ گنج	۱۵۲	۹۰۶	۱۰۰
چچ دوآبہ	۱۲۹	۹۰۶	۱۰۰
شاہدہ ساٹھکھ	۵۵	۹۰۷	۱۰۰
خانہ وال لودھراں	۵۶	۹۰۹	۱۰۰
امرتسر پٹی (۱۹۰۷) قصور	۵۴	۹۱۰	۱۰۰
قصور لودھراں	۲۰۸	۹۱۰	۱۰۰
خانپور چاچراں	۲۲	۹۱۱	۱۰۰
چمپوکی - شورکوٹ روڈ	۱۲۶	۹۱۱	۱۰۰

اگر ریل در سائل کے ذرائع ارزاں نہیں تو مقامی ضروریات سے زیادہ غلہ پیدا کرنا منفعت بخش ہوتا ہے۔ چونکہ فروخت سے پہلے منڈی تک پہنچنا ضروری ہے۔ اس لئے اندرونی ترقی کا دارو اس امر پر ہے کہ یا تو منڈیاں ایسی جگہ واقع ہوں۔ جہاں پہنچنا آسان ہو۔ اور ذرائع آمد و رفت کو ایسی وسعت دی جائے کہ دور دراز منڈیوں سے بھی منفعت بخش تجارت ہو سکے۔ جب تک ریلوے کا سلسلہ قائم نہ ہو جائے جس کی وجہ سے نااندام ضرورت پیداوار دور دراز منڈیوں تک پہنچائی جاسکے اس وقت تک دار کو بڑھانے کے طریقے اختیار کرنے پر زور دینا مفید نہیں ہوگا۔ یہ امر بدیہی ہے کہ اگر مزید اجناس کی جائے۔ اور انکی فروخت کا سامان نہ ہو سکے۔ تو ان کی کاشت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لئے ان کی کاشت نہیں کی جائیگی۔ اس لئے جب تک ریلوے کی سہولتیں ہتیا نہ ہو جائیں کہ پاشی کے لئے نہیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح جب تک بہت سے مال کو ایک جگہ دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ ریلوے کی تعمیر کرنا فاع بخش نہیں۔ یہ دونو چیزیں

آپس لازم و ملزوم تھیں۔ اسلامی ہر سال انکی تعمیر ہوتی رہی۔ اور صوبہ گزشتہ پچاس سال کے عرصے سے نہایت سرعت کیساتھ نمایاں ترقی کر رہا ہے۔

باری دعا ہے کہ ہر کا افتتاح ۱۹۵۹ء میں ہوا اور سرسہند کی ہر ۱۹۵۸ء میں بند کر دیا ہو گئی اس لئے صوبہ نے نہایت تیزی سے ترقی کی۔ جس کی کیفیت اعداد و شمار ذیل سے معلوم ہوتی ہے۔

## پنجاب کی اصلاح و ترقی !

(صفحہ ۱۰ کا حاشیہ) اس بھی سادی دلیل کی صداقت انسان پر ہے لیکن چونکہ اکثر اشخاص کے عقاید اس کا تصادم گزیرے ہوئے اس لئے نظر انداز کر دیا جائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ زائد از صرف غلہ کی پیداوار ہی نہیں ہوتی۔ بقدر ضرورت کی کسان بہت تھوڑا تھا لیکن جب بستی سے جہاں زائد از ضرورت غلہ کی کھیت ہو سکتی تھی تعلقات ریل و سائل قائم ہو گئے۔ رقبہ کے وسط میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ منبسط تحریر میں لکھتے ہیں اور محض ذکر لئے گئے ہیں اس لئے ان کی محنت پر اعتراف نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۹۵۸ء میں ہر میں پانی داخل کیا گیا ۱۹۶۰ء میں آبپاشی شروع نہیں ہوئی تھی ۱۹۶۱ء میں رینجرز بس نے رائل کمانڈر سرائی کے ایک جلسہ میں ایک مقالہ پڑھا جس کا عنوان ”پنجاب کی جدید اقتصادی ترقیات تھا۔ اس میں انہوں نے حسب ذیل اعداد و شمار پیش کئے تھے۔

۱۹۰۸-۹ء

۱۸۶۶ء

دو کروڑ اسی لاکھ ایکڑ۔	دو کروڑ بیس لاکھ ایکڑ۔	رقبہ زیر کاشت کا اوسط
ایک کروڑ دس لاکھ ایکڑ۔	ساتھ لاکھ ایکڑ۔	سیراب شدہ رقبہ کا اوسط
دو کروڑ اسی لاکھ ایکڑ۔	دو کروڑ پانچ لاکھ ایکڑ۔	اُس رقبہ کا اوسط جس میں بیج بویا گیا ہے
دو کروڑ ایکڑ۔	ایک کروڑ اسی لاکھ ایکڑ۔	مجموعی آبادی
چودہ لاکھ ایکڑ۔	گیارہ لاکھ ایکڑ	آبادی کے اعتبار سے کاشت شدہ رقبہ

گزشتہ بائیس سال کے عرصہ میں (دیکھو خان ۱۹۵۸ء میں لکھا گیا ہے) کاشت شدہ رقبہ کا اوسط ۵۰ فیصدی زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ذرائع آبپاشی کی توسیع کی وجہ سے جو اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے اوسط پیداوار میں بھی اضافہ ہو۔ کیونکہ جس رقبہ میں آبپاشی ہوتی ہے۔ اسکی پیداوار غیر سیراب شدہ رقبہ کی پیداوار سے دگنی ہوتی ہے۔ پیداوار کا مجموعی اضافہ ۵۰ فیصدی ہو گا۔

اسی کی کمی اوسط پیداوار میں ۶۰ فیصدی کا اضافہ ہو گیا ہو گا +



سال	ریلوے کی طوالت	نہرو کی طوالت	پکی سرنگی طوالت	قیمت زرہہ	ملکداری
۱۸۴۳-۱۸۴۲	۲۱۰ میل	۲۷۴ میل	۲۶۰ میل	ایک ڈالر اسی لاکھ ایکڑ	مکڑ ٹھیکہ روپیہ
۱۸۸۲-۱۸۸۱	۶۰۰	۵۸۳	۱۲۶	مکڑ ٹھیکہ روپیہ	مکڑ ٹھیکہ روپیہ
۱۸۹۲-۱۸۹۱	۱۷۲۵	۱۲۳۶۸	۲۱۲۲	مکڑ ٹھیکہ روپیہ	مکڑ ٹھیکہ روپیہ
۱۹۰۲-۱۹۰۱	..	۱۶۸۹۳	..	مکڑ ٹھیکہ روپیہ	مکڑ ٹھیکہ روپیہ
۱۹۱۲-۱۹۱۱	۲۰۰۰	۱۶۹۳۵	۲۶۱۲	مکڑ ٹھیکہ روپیہ	مکڑ ٹھیکہ روپیہ
۱۹۱۹-۱۹۲۰	۲۲۲۱	۱۹۶۶۲	۲۶۳۸	تین کروڑ ایکڑ	چار کروڑ روپیہ

بعض غیر اہم متشکلات کے سواریل گاڑیاں پنجاب کے چار گوشوں میں آمدورفت رکھتی ہیں، جو سرحدیں ان سے ہٹ کر واقع ہوئی ہیں۔ اُن سے ریلوے لائن نہیں گزرتی۔ تقریباً تمام لائنوں کا نظام ایک ہے۔ یعنی سب کی سب نارٹھ ویسٹرن ریلوے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دنیا میں کوئی اتنی بڑی ریلوے نہیں جس کا انتظام نارٹھ ویسٹرن ریلوے کی طرح ایک ادارہ اہتمام کے ماتحت ہو۔ صوبہ بھر میں ۶۶۰ ریلوے اسٹیشن ہیں یعنی تقریباً پچاس دیہات اور قصبات کے لئے ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس صوبہ میں ریلوے لائن پر جو مصارف آئے ہیں، سب کا بیان مشکل ہے۔ لیکن ریلوے کے نظام پر جس قدر سرمایہ صرف ہوا ہے۔ اور اُس سے جتنی خالص آمدنی ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔ ۱۹۱۷ء-۱۹۱۸ء میں ۵۲۲۶ میل ریلوے لائن پر گاڑیوں کی آمدورفت ہونے لگی۔ اس پر چھیانوے کروڑ اکہتر لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ اور اس سرمایہ کا ۹۷ فی صدی خالص آمدنی ہوئی۔

۱۹۱۸ء-۱۹۱۹ء میں ۵۲۲۱ میل ریلوے لائن پر گاڑیوں کی آمدورفت ہونے لگی۔ اس پر ایک ارب سولہ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اور ۶۴ فی صدی خالص آمدنی۔

ابھی تک اس صوبہ میں ریل و رسائل اور آمدورفت کی سہولتیں بہم پہنچانے کے منفعیت بخش کاروبار میں لاکھوں روپے لگانے کی ضرورت ہے۔ اور صوبہ کی اقتصادی ترقی کا انحصار بہت حد تک اس توسیع و رسائل آمدورفت پر ہے۔

صوبہ کے بڑے بڑے آبپاشی کے کارخانے کئی دیسی ریاستوں کو بھی پانی بہم پہنچانے میں آئے

ان کے معلومات فراہم کرنے میں یہ احتیاط کرنا چاہئے۔ کہ کہیں حساب میں غلطی نہ ہو جائے۔ مزید برآں ابھی تک ان میں برابر اصلاح و ترقی ہو رہی ہے۔ اس لئے ہر سال اعداد و شمار مختلف ہوتے ہیں۔

۱۹۲۰ء تک اس پر جو بیس کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ جس میں سے ایک کروڑ پچپن لاکھ روپیہ دیسی ریاستوں نے دیا۔ اور باقیس کروڑ باون لاکھ روپیہ حکومت انگریزی نے۔ مارچ ۱۹۲۱ء تک جو بڑی نہریں زیر تعمیر تھیں۔ ان کی لمبائی ۴۳۹۲ میل تھی۔ اس کے علاوہ ۱۵۲۴۰ میل معاون نہریں بالوں کہئے۔ کہ کل ۱۹۶۲۲ میل نہریں زیر تعمیر تھیں۔ خام آمدنی چار کروڑ اسیٹھ لاکھ تھی۔ اور مصارف تعمیر ایک کروڑ اکتالیس لاکھ ساٹھ ہزار۔ اس طرح گویا خالص آمدنی تین کروڑ چھبیس لاکھ اسی ہزار رہ جاتی تھی۔ یہ گویا صرف شدہ سرمایہ کا ۵۱ و ۱۴ فیصدی تھی۔ اور اگر سود منہا کر دیا جائے۔ تو ۲۵ و ۱۱ رہ جاتی ہے۔

چھوٹی نہروں پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ ان میں ۱۰ میل پر بڑی نہریں ہیں۔ اور ۶۰ میل لمبی معاون شاخیں۔ ان سے خالص آمدنی تقریباً دس فیصدی ہوئی۔

انہوں نے ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں ایک کروڑ چار لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ رقبہ کی آبپاشی کی، حالانکہ کل رقبہ مزروعہ دو کروڑ تین لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ تھا۔ اور ۱۹۲۰ء و ۱۹۲۱ء میں ایک کروڑ اکتیر لاکھ اسی ہزار ایکڑ رقبہ مزروعہ میں سے ایک کروڑ دو لاکھ پچاس ہزار ایکڑ کو سیراب کیا۔ آخر کار اگر اعداد خاص غور و توجہ کے محتاج ہیں۔ کیونکہ مزروعہ رقبہ میں پہلے سال کی نسبت اس لئے کمی واقع ہوئی۔ کہ مان سولن اپنی عام حالت سے ۴۲ فی صدی کم تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رقبہ مزروعہ بقدر اسی لاکھ ایکڑ کے کم ہو گیا۔ اور محض آبپاشی کے وسیع نظام سے صوبہ قحط کا شکار نہ ہوتے ہوئے بچ گیا۔ مختلف نہروں سے جو خالص آمدنی ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں دیکھائی ہے اس میں سے سود منہا نہیں کیا گیا۔

مغربی جمنا	۱۸۷۱ء میں افتتاح ہوا	۱۲۷۱۱ فیصدی آمدنی
سرہند	۱۸۸۲ء	۱۲۷۳۱
لورہ جہلم	۱۹۰۱ء	۱۹۱۶۱
پریہ جہلم	۱۹۱۵ء	۲۵۰۰۱



منفعت نہیں تھی۔ اور اُن سے خشک سالی کے زمانہ میں لوگوں کو جو مدد مل سکتی تھی۔ وہ ریلوے کی تعمیر کے مطالبہ کی وجہ سے نظر انداز کر دی گئی۔

ملک کی زراعت کو وسائل آمد و رفت کے عہدہ ہونے کے باعث جو عظیم فائدہ ہو سکتا ہے اس میں کسی کو جائے کلام نہیں۔ لیکن جب تک صحیح طور پر اس کا اندازہ نہ کیا جاسکے۔ کہ مستقبل میں ریلوے لائن کہاں بچھائی جائیگی۔ ایسی پختہ سڑکوں کی تعمیر ناممکن ہے۔ جو ریلوے کی تعمیر کے بعد بھی بہت مفید ثابت ہو سکیں۔ اس کا نتیجہ ہے۔ کہ آج پنجاب میں کافی پختہ سڑکیں نہیں ہیں۔ ہر ریلوے اسٹیشن کے لئے پانچ میل پختہ سڑک ہے۔ یاد اس گھاؤں کے لئے ایک میل پختہ سڑک ان اعداد و شمار پر غور کر کے وقت اس امر کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ ۱۸۹۷ء سے پہلے یہ صوبہ مالی مشکلات پر قابو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک ہندوستان کے محاصل محفوظ و متعل حالت میں نہیں تھے۔ اس وقت یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ آئندہ سالوں میں کس قدر روپیہ کی بچت ہوگی۔ اور اس غرض کے لئے مزید قرض لینا بھی مناسب نہیں سمجھا گیا چنانچہ جس قدر آمدنی ہوئی۔ اُسی سے پختہ سڑکیں بنائی گئیں۔ اور چونکہ آمدنی محدود تھی۔ اس لئے سڑکوں کو بھی وسعت نہ دی جاسکی یہ کہنا غیر موزوں نہ ہو گا کہ اس کو تاہی سے امر کا ثبوت ہم پہنچتا ہے کہ حکام نے اچھی سڑکوں کی قدر و قیمت اور فوائد کا اندازہ نہیں کیا۔ اکثر اشیاء پر علی الخصوص پھول جیسی اشیاء پر پیدا کرنے میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں یہ ضروری ہے کہ انہیں منڈی تک سانی پہنچانے کا سامان ہتیا ہو۔ پروفیسر مارشل نے لکھا ہے۔ کہ انڈے کی سب سے بڑی خرابی اس کی تازگی ہے۔ اور اس کی تازگی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اُسے ٹھیک کے پاس جلد پہنچا دیا جائے۔ کئی قسم کے پھلوں اور ترکاریوں کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے۔ بحالت موجودہ بڑے بڑے شہروں کے قرب و جوار میں اچھی طرح زراعت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں زمین کی قیمت اور لوگان زیادہ ہوتا ہے۔ اچھی سڑکوں کی بدولت وہ تمام نقائص رفع ہو جائینگے۔ جن سے کسان کو نقصان پہنچتا ہے۔ کمیٹوں میں کھاد جلد پہنچ سکے گی۔ اور پیداوار کو جلد دوسری جگہ منتقل کیا جائیگا۔ وہ ایسی چیزوں کو بھی کاشت کر سکے گا۔ جن کی کاشت صرف شہروں کے قرب و جوار میں ہوتی ہے۔ جو علاقے دور و دراز مقامات پر آباد ہیں۔ وہ اچھے علاقوں کی برابری کرنے لگیں گے اور

ان کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ یہ اقلب ہے۔ کہ اگر حکومت راہگیروں سے محصول وصول کرنے کی حکمت عملی اختیار کرتی۔ تاکہ سڑکوں کو استعمال کر نیوالے انکی نگہداشت پر بھی کچھ صرف کریں۔ تو سڑکوں کو بہت توسیع ہو جاتی۔ انگلستان میں سڑکوں اور پلوں سے عبور و مرور کرنے والوں سے محصول وصول کرنے کی حکمت عملی سڑکوں کی تعمیر کی محرک ثابت ہوئی حالانکہ اکثر شہر لوگوں نے اپنے ذاتی مصارف سے بنائے تھے یہ اور بات ہے کہ آخر کار اس طریقہ کے نقصان سے زیادہ نکلے۔

ہم صفحات گذشتہ میں جو کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب تک پنجاب برطانوی عملداری میں نہیں آیا تھا۔ اسے زیادہ اقتصادی ترقی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ابتدائی زمانہ میں جن لوگوں نے یہاں نہریں تعمیر کیں۔ اگر وہ اتنی بڑی نہریں بھی تعمیر کر دیتے۔ جو کچھ ہمیں اس صوبہ میں نظر آ رہی ہیں۔ پھر بھی ان مشکلات کا کوئی علاج نہیں تھا۔ جو سرمایہ اور محنت کے فقدان کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں سڑکوں اور ریلوے کے نہ ہونے کے باعث زائد از ضرورت پیداوار کو منڈیوں میں منتقل کرنا بھی ناممکن تھا۔ برطانیہ میں بھی ریلوے اور سڑکوں کی تعمیر انیسویں صدی کے اوائل سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ اور ہندوستان میں سڑکوں کی تعمیر کا خیال ہمیں دہراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد پیدا ہوا۔ اگرچہ انگلستان کا بہت تھوڑا حصہ ایسا ہے جو تری سے اس قدر دور ہو۔ کہ وہاں جہاز یا ایک چھوٹی سی کشتی بھی نہ چل سکتی ہوتا ہے اس چھوٹے

لے چپان میں سڑکوں کے متعلق جو قواعد نافذ ہیں۔ ان کے رو سے جو لوگ سڑکوں پر کوئی کام کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں سڑکوں کے متعلق کے ایک حصہ کا قفل ہونا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ کاروبار کے سلسلے میں سڑکوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ انہیں مرمت کے جزی مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو چپان ایریکٹ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء ہسپانیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ محض ریل و سرائل کی دشواریوں کے باعث اس ۴۵ فیصدی رقبہ کو اقتصادی حیثیت سے نقصان ہو رہا ہے۔

سطح پر آف اٹنا کس مضبوطی میں مسئلہ ذخیرہ و ذخیر زمین کی بھی کیفیت ہو سکتی ہے کہ پیداوار کی کثرت کے باوجود منڈی سے بھر جوتے کے باعث اسکی کوئی قدر و قیمت نہ ہو یا اسکی پیداوار کی مانگ نہیں ہوگی۔ اس زمانہ میں زمین کی ذخیرہ قیمت پر اس قدر اثر انداز نہیں ہوتا جتنا اسکا عمل قیام اثر انداز ہوتا ہے۔ ذرا کچھ ہی خیالی نہیں ہوگا کہ یہاں ہندوستان میں سڑکوں کی تعمیر کے متعلق تحقیق و تجربہ کیا ہے۔

سے علاقہ کی آبادی بھی زیادہ گنجان نہیں ہونے پائی۔ اور محض سرکاری عدم موجودگی کے طفیل انگلستان اسی صدی کے آغاز سے پیشہ ترستی کے غار میں پڑا رہا ہے۔

پنجاب اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا تھا جب تک ریلوے اسے بڑی بڑی بندرگاہوں، اور دنیا کی بڑی بڑی منڈیوں سے ملحق نہ کر دیتی۔ ایک مرتبہ ذرائع آمد و رفت قائم ہو گئے۔ تو تجارت و صرفت نے نہایت سرعت و فروغ حاصل کر لیا۔ حسب ذیل اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ریلوے کی وجہ سے تجارت کو کس قدر ترقی ہوئی۔

درآمد		برآمد	
وزن	قیمت	وزن	قیمت
۶۲ لاکھ من	۷ کروڑ ۱۰ لاکھ روپیہ	ایک کروڑ ۳ لاکھ من	۳ کروڑ ۳۰ لاکھ روپیہ
ایک کروڑ ۲ لاکھ من	۹ کروڑ ۲ لاکھ روپیہ	ایک کروڑ ۶ لاکھ من	۶ کروڑ ۴ لاکھ روپیہ
۲ کروڑ ۵ لاکھ من	۵ کروڑ ۶ لاکھ روپیہ	۲ کروڑ ۴ لاکھ من	۱۱ کروڑ ۵ لاکھ روپیہ
۵ کروڑ ۵ لاکھ من	۲۹ کروڑ ۸ لاکھ روپیہ	۵ کروڑ ۶ لاکھ من	۶۶ کروڑ ۸ لاکھ روپیہ
۵ کروڑ ۵ لاکھ من	۲ کروڑ ۵ لاکھ روپیہ	۴ کروڑ ۳ لاکھ من	۴ کروڑ ۵ لاکھ روپیہ

۱۸۹۲ء تا ۱۸۹۳ء کے متعلق جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں۔ وہ درحقیقت تین سال کی تجارت کا اوسط ہے۔ کیونکہ اس سال تجارت غیر معمولی طور پر زیادہ ہوئی تھی۔

قیمت کے اعداد و شمار وہ ہیں۔ جسکا اندازہ پنجاب میں لگایا گیا ہے۔ اس طرح درآمد و برآمد کی مصارف آمد و رفت بھی اس میں شامل ہے۔ لیکن برآمد و درآمد کی قیمت لگانے میں مصارف آمد و رفت شامل نہیں کئے گئے۔

اس نقشہ سے حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ اگر ریلوے نہ ہوتی۔ تو بعض بڑے بڑے قطعات ارضی میں گہروں کی یہ افراط دکھائی نہ دیتی۔ رونی کی بھی یہ کیفیت ہوتی۔ بنگال میں سن کی کاشت کو اس وقت تک فروغ حاصل نہیں ہوا۔ جب تک یورپ کی منڈیوں سے سلسلہ ریل و رسائل قائم نہیں ہو گیا۔ ریلوے کے بغیر پیداوار کی تعین نہیں

ہو سکتی ہے۔

لیکن غیر ملکی تجارت کا اس قدر فروغ حاصل کرنا اس امر کی دلیل نہیں۔ کہ ملکی خوشحالی کو بھی اسی حد تک ترقی ہوئی ہے۔ جیسا کہ پرفیسر آرتھل نے کہا ہے۔ بہیئت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کسی ملک کی غیر ملکی تجارت میں ترقی ہو۔ تو اس کا اثر اس کی عام خوشحالی پر بھی پڑتا ہے۔ اور اس امر کی کافی شہادتیں موجود ہیں۔ کہ گزشتہ سچاس سال کے عرصہ میں صوبہ کی عام خوشحالی نے معتد بہ ترقی کر لی ہے۔ پنجاب کے محل وقوع نے نزعوں پر جو اثر ڈالا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے اعداد سے ہو سکتا ہے۔ جنگ کے پہلے کے اعداد پہلے دیئے گئے ہیں۔ اور جنگ کے بعد کے اعداد بعد میں۔

ایک بیٹی جہیں دانہ جوتوں کے ایک جوڑے ہیں ؟

جنگ سے پہلے	پنس شنگ پونڈ	جنگ کے بعد ۱۹۲۱ء میں	پنس شنگ پونڈ
کافیا میں ۴ شنگلانی جوڑوں کا حساب تیار ہونے۔	۲۰ — — —	۱۱ شنگلانی جوڑوں کے حساب سے۔	۱۰ — — —
گتے کے ایک سو بکس کباب ۱۰ پنس فی جوڑہ۔	۰ — ۱۲ —	۴ پنس فی جوڑہ۔	۰ — ۱۳ —
بیٹی جسکے کنارے رحمت لگائی ہے۔	۰ — ۱۸ —	بیٹی جسکے کنارے کاغذ لگا ہوتا ہے۔	۰ — ۱ —
بند گاہ تک لیجانے کے مصارف۔	۰ — ۲ — ۶	.. ..	۰ — ۶ —
باربر داری انشاپ کے ٹوک کے اخراجات۔	۰ — ۵ — ۳	.. ..	۰ — ۱۰ — ۶
بند گاہ کے مصارف۔	۰ — ۲ — ۳	.. ..	۰ — ۵ — ۶
کراچی تک جہازی کرایہ۔	۰ — ۱۱ — ۶	.. ..	۰ — — — ۶
اٹھائیس لوڈ پریمہ اور اٹھاسپ۔	۰ — ۲ — ۱۰	توڑے پونڈ پر نیمہ۔	۰ — ۱۳ — ۶

لیکن یہ جتنی بھی چیزیں دیکھائی جاتی ہیں، ملاحظہ ہو انڈیا ریٹ وی ٹیوٹھ آن گریڈر ہندستان کی برسی مسک وقت مصنفہ مولیڈ منگتاہ ۱۹۲۱ء میں تصدیق  
 کامیابی کے اسباب و اوزار کے متعلق جو علم حاصل ہو چکا ہے سو گزشتہ حالت و شوکت کی پرانی داستانوں پر اعتماد کرنے میں نافع ہے۔  
 بلکہ انڈسٹری اینڈ ٹریڈ انکوائری میں اسکی خوشحالی کا اندازہ اسکی خیراتی تجارت سے نہیں کرنا چاہئے۔

تک ان اعداد و شمار کیلئے میں شرمیلو ایچ لیوی کامرہول منت یوں +

پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	مارچیز طے کا فوج بحال پانچ فیصدی
۳-۳-۵	۱-۳-۹	
میزان	میزان	
۳-۲-۷	۲۲-۸-۷	
مبادلہ بحال پیش شنگ فی روپیہ	مبادلہ بحال پیش شنگ فی روپیہ	
۲-۲-۷	۱۵-۳-۷	
مصول مچکی	مصول مچکی	
۹-۹-۰	۲۸-۳-۰	
پانچ پانچ پانچ پانچ پانچ پانچ	پانچ پانچ پانچ پانچ پانچ پانچ	
۲-۸-۰	۲۵-۸-۰	
راولپنڈی ملک ل کا کرلیہ	راولپنڈی ملک ل کا کرلیہ	
۱۲-۸-۰	۱۲-۸-۰	
میزان	میزان	
۸۸۳-۱۱-۰	۴۱۷-۲-۰	
دکن جریاں (ہر ایک میں پندرہ تھان فی مصول کا کپڑا ہر تھان ۳۱ انچ عرض و ۳۶ انچ طول)		
جنگ سے پہلے		
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	کاغذیں ۳۶ انچ کیلئے لکھ شنگ کے مصلے
۱۸۰-۰-۰	۲۰۰-۰-۰	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	ہر تھان کو تھانہ اور مہر لگانے وغیرہ کے اخراجات
۶-۵-۰	۲-۱۰-۰	
۴۰۰ فی تھان		
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	پیننگ کے اخراجات شنگ پونڈ فی بوری
۴-۰-۰	۱-۱۰-۰	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	بندہ تک پہنچانے کے مصارف
۱-۵-۰	۰-۱۰-۰	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	بندہ تک پہنچانے کے اخراجات
۱-۰-۰	۰-۱۰-۰	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	بار برداری اور شامپ وغیرہ
۰-۱۰-۰	۰-۳-۶	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	کراچی تک پہنچانے کے اخراجات
۱۰-۰-۰	۲-۵-۰	
پس شنگ پونڈ	پس شنگ پونڈ	آسی پونڈ پریمہ
۱-۱۲-۰	۰-۹-۰	

لے چکی کا محصول اس کتاب کے دائرہ بحث سے باہر ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ محصول ۱۸۵۷ء میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں پھر ۵۰ فی صدی محصول لگا دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں یہ محصول ۱۰ فی صدی کر دیا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں گیارہ فی صدی۔ آج کل کا نرخ لگا مقصود ہو۔ تو چکی کے محصول میں اضافہ کر لینا چاہئے۔ ہم نے محصول ۱۹۲۰ء کے حساب سے اسے لگایا ہے۔ کیونکہ دوسرے اعداد اسی سال سے متعلق ہیں۔



پس شنگ پوٹ  
۱۰-۴-۸پس شنگ پوٹ  
۳-۷-۱۰

مال بچنے والے کا منافع بحساب پانچ فیصدی۔

میزان ۲۱۴-۱۸-۵

میزان ۷-۵-۷

پانی آنے روپیہ  
۲۱۴۹-۲-۲

مبادلہ بحساب شنگ فی روپیہ

پانی آنے روپیہ  
۱۴۸-۴-۲

مبادلہ بحساب ایک شنگ ۴۸ پیس فی روپیہ۔

۷۲-۱۵-۶

۲۸-۰-۰

موصول ہو گئی۔

۱۵-۰-۰

۱۲-۸-۰

بند گاہ پر لڑنے والے کو لگدلم تک پہنچانے کا خرچ۔

۴۰-۰-۰

۴۰-۰-۰

لاہور تک ریلوے کا کرایہ

میزان ۲۲۶۹-۲-۶

میزان ۱۱۵۸-۱۲-۰

## گھوڑے کی زین اور لگام کی تین پیٹیاں

جنگ سے پہلے

پس شنگ پوٹ  
۱۸۷-۱۰-۰پس شنگ پوٹ  
۷۷-۱۲-۵

کارخانہ میں جو اخراجات آئے۔

۶-۰-۰

۲-۵-۰

یٹن کے کنارے والی پیٹیاں۔

۰-۱۵-۰

۰-۶-۶

بند گاہ تک لیجانے کے اخراجات۔

۰-۱۰-۰

۰-۴-۳

بند گاہ کے مصارف۔

۰-۱۲-۰

۰-۵-۳

بار برداری اور اسامپ وغیرہ۔

۸-۰-۰

۲-۵-۶

چماڑ کا کرایہ۔

۱-۱۶-۰

۲۴۰ پونڈ پر بیمہ

۰-۱۰-۰

بیمہ ۹۰ پونڈ پر۔

۱۰-۵-۲

۶-۱-۵

مال بچنے والے کا منافع بحساب فیصدی

میزان ۲۱۵-۸-۲

میزان ۸۵-۹-۱۱

پانی آنے روپیہ  
۲۰۵۴-۱-۰پانی آنے روپیہ  
۱۴۸۷-۷-۲

مبادلہ بحساب ایک شنگ ۴۸ پیس فی روپیہ

۱۳۸-۷-۶

۹۶-۲-۰

موصول ہو گئی۔

۱۰-۰-۰

۶-۱۲-۰

بند گاہ تک اترنے اور لگدلم تک پہنچانے کا خرچ۔

۲۰-۰-۰

۲۰-۰-۰

لاہور تک ریل کا کرایہ

میزان ۲۲۶۹-۲-۶

میزان ۱۴۰۵-۶-۰

ان اعداد و شمار سے پنجاب کے عجیب و غریب محل و قونچ کے بعض اثرات واضح ہو جاتے ہیں۔  
 لہٰذا پہل سے کراچی تک کپڑے کی دس پوریوں کے لانے پر جو کچھ صرف آتا ہے۔ اُسکی نسبت کراچی سے  
 لاہور تک کے مصارف زیادہ ہیں گھوڑے کا سارو سامان لانے کے اخراجات بھی اسی قدر ہیں  
 لاہور سے کراچی تک ریلوے کا سفر ۵۰ میل ہے۔ اور لاہور سے بمبئی تک ۱۲۵۰ میل۔ اس طرح  
 گویا پانچ ہزار میل بحری سفر تجارت کی راہ میں اتنی بڑی رکاوٹ نہیں۔ جس قدر ساڑھے سات سو میل  
 خشکی کا سفر۔ چونکہ پنجاب خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ غیر ملکی تجارت سے اسے  
 کم نفع حاصل ہو۔ یعنی یہاں جو مال آئے۔ اس کی قیمت اسے زیادہ دینا پڑے۔ اور باہر مل بھیجنے کے  
 عوض جو قیمت اسے ملے وہ کم ہو۔

ایک اور قابل غور امر یہ ہے۔ کہ چنگی کے محصول کی وجہ سے پنجاب کی صنعت کا جس قدر تحفظ  
 ہو سکتا تھا۔ بندرگاہ سے پنجاب تک مال منتقل کرنے کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا پہل  
 سے لاہور تک کا کرایہ جہاز اور ریل اس قدر ہے۔ کہ اس طرح مقامی صنعتیں یورپ کے مال کی تہہ  
 سے محفوظ ہو جائیں گی۔ مزید براں ایک اور نکتہ یہ بھی ہے۔ کہ چنگی کا محصول مال کی قیمت کے  
 حساب سے لگایا گیا ہے۔ اور چونکہ یورپ میں مال کا نرخ بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لئے محصول چنگی  
 خود بخود زیادہ ہو گیا ہے۔

پنجاب سے بندرگاہ تک ریلوے کا جس قدر کرایہ ہے۔ اُس کی وجہ سے پنجاب کو ایک  
 فائدہ تو ہو گا۔ کہ کراچی اور بمبئی سے پنجاب میں مال آئیگا۔ تو پنجاب کی مصنوعات اُس کا مقابلہ  
 اچھی طرح کر سکیں گی۔ لیکن ایک دشواری بھی ہے۔ کہ پنجاب کی مصنوعات بمبئی کی منڈی میں بمبئی  
 کی مصنوعات کا مقابلہ نہ کر سکیں گی۔

لے یہ امر قابل غور ہے۔ کہ تمام مصارف میں اضافہ ہو گیا لیکن ہندوستان کی ریلوے کے کرایہ میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس لئے مقامی صنایع  
 ایک فائدے سے محروم ہو گئے اگر مقامی منڈیوں میں مقامی مصنوعات فروخت کرنے کی کوشش مصمم طبقہ کی جائے۔ تو ریلوے کے کرایہ کے متعلق متنا  
 رائے پیدا ہو جائیگا۔ مناعوں کی بیخود ہش ہوگی۔ کہ ملک کے اندر ریلوے کے کرایہ کی شرح زیادہ ہو اور ملک کے باہر کم دوسری جانب وہ لوگ  
 جو مصنوعات اُتھال کر رہے ہیں۔ اس بات پر زور دینگے۔ کہ ملک کے اندر کرایہ کی شرح کم ہو۔

اس طرح پنجاب کی مصنوعات کے مقابلے میں جہاز کے کرایہ جنگی کے محصول اور ریل کے کرایہ کی وجہ سے اور بیہوشی کی مصنوعات کے مقابلہ میں ریل کے کرایہ کے باعث محفوظ ہو جائیگی۔ اس لئے اُن صنعتوں کے لئے جو مقامی ضروریات بہم پہنچاتی ہیں۔ ترقی کا وسیع میدان ہے۔ لیکن یہی چیزیں جو پنجاب کی مقامی صنعت کے لئے اس قدر مفید ہیں۔ تجارت برآمد کے حق میں نہایت مضرت رکھتا ہیں۔ لیکن اگر اشیا کی قیمت ان کی جسامت کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ تو اس خیال کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ گھوڑے کے سازو سامان پر جو مصارف آئے ہیں۔ وہ باعتبار تناسب کپڑے کے مصارف سے بہت کم ہیں۔ کیونکہ کپڑا اس کی نسبت زیادہ جگہ گھیرتا ہے۔

اگر پنجاب کبھی اپنی مصنوعات کو باہر بھیج کر فائدہ اٹھانا اور تجارت برآمد کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ تو اسے ایسی اشیا کی تیاری پر اپنی ساری توجہ صرف کر دینی چاہئے۔ جو کم جگہ گھیریں۔ اور زیادہ قیمتی ہوں۔ مثلاً ریشم یا وہ اشیا جو پنجاب سے مخصوص ہوں۔ مثلاً تار پین۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت اس امر کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ خام اجناس کے بارہ میں بھی اس امر کا خیال اس حد تک نہیں رکھا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا کو تمام اجناس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے پنجاب کے گہیوں اور تیل کے بیجوں کی ضرورت دنیا کی ہر منڈی کو ہے۔ البتہ یہ اقلب ہے۔ کہ مستقبل میں پنجاب کے کپڑے کی ضرورت نہ رہے۔ جس رقبہ میں بعض خاص پودے آگتے ہیں۔ وہ آب و ہوا اور بعض دوسرے اثرات کے ماتحت کسی ایک ملک سے مخصوص ہوتا ہے۔ حالانکہ مصنوعات ان اثرات کے ماتحت نہیں ہوتیں۔ اور اگر ہوتی ہیں۔ تو بہت کم۔ جو لوگ بحال تاسف کہا کرتے ہیں۔ کہ پنجاب میں صرف خام اجناس ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہاں معدودے چند کارخانے ہیں یقیناً اس وجہ کو نظر انداز کر دینگے۔ کہ صوبہ قدرتی طور پر خام اجناس پیدا کرنے کے لئے موزوں واقع ہوا ہے۔ اور بعض فطری نقائص کی وجہ سے مصنوعات کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ فطری نقائص کیا ہیں؟ کوئلہ کی عدم موجودگی۔ سمندر سے دوری وغیرہ اگر ہم لٹکا تار اور پنجاب کے حالات کا موازنہ کریں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ لٹکا تار بہت بڑی روئی کا مالک ہے۔ جس کا انتظام بہت اعلیٰ ہے۔ اس کے پاس کافی سرمایہ ہے۔ شرح سود بہت کم ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں پر

پارچہ بانی میں آسانیاں ہتیا ہو گئی ہیں۔ اور استقرار حاصل سے جو وسیع پیمانہ پر کپڑا تیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور پورے دنیا کی جہاز رانی کا مرکز ہے۔ اس لئے نسبتاً بہت کم اخراجات پر دنیا کی تمام بندرگاہوں تک خواہ وہ مشرق و مغرب شمال اور جنوب میں کہیں واقع ہوں۔ نہایت کم اخراجات پر مال پہنچایا جاسکتا ہے۔ برخلاف اسکے پنجاب میں سرمایہ موجود نہیں۔ شرح سود بہت زیادہ ہے۔ سمندر تک بلا واسطہ نہیں پہنچ سکتا۔ شمال مغرب اور جنوب میں کوئی منڈی ایسی نہیں۔ جہاں آسانی سے پہنچایا جاسکے اس لئے اس صوبہ کیلئے یہ ممکن نہیں۔ کہ ایسے وسیع پیمانہ پر کپڑا تیار کرے۔ کہ استقرار حاصل سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

سطور بالا سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ محض یہ امر کہ پنجاب میں کپڑا تیار کرنا ممکن ہے، اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ یہاں کپڑا تیار کرنا چاہئے۔ وہی سرمایہ محنت اور ہمت جو پارچہ بانی پر صرف کی جاسکی۔ کیوں نہ کسی دوسری صنعت پر صرف کی جائے جس کے لئے یہ صوبہ قدرتی طور پر موزوں واقع ہوئے۔ مثلاً رال اور تارپین، یا کسی ایسی چیز پر توجہ مرکوز کر دی جائے۔ جو اپنی جامت کے مقابلہ میں بہت زیادہ قیمتی ہو۔ تاکہ وہ قدرتی نقائص جن سے یہ صوبہ نقصان اٹھا رہا ہے تجارت برآمد کو فروغ دینے میں سد راہ ثابت نہ ہوں۔ مثلاً کیوں نہ ریشم پیدا کر کے دوسرے ملکوں کو بھیجا جائے۔ حاصل یہ ہے۔ کہ پنجاب خام اجناس کی پیداوار کے بارے میں جس کی مانگ ہمیشہ رہتی ہے۔ فطری صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے پہلے اُن خام اجناس کی جانب توجہ کرنا چاہئے جنہیں لوگوں کے استعمال میں آنے کے لئے کم مرحلے طے کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً منطقہ حارہ کے ممالک میں ایسے پودوں کی کثرت ہے جن سے نباتی تیل پیدا ہوتے ہیں۔ اور انکی بہت مانگ ہے۔ پنجاب تیل کے بیج باہر بھیجتا ہے۔ حالانکہ تیل استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان بیجوں سے تیل نکالا جائے۔ اس صوبہ صنعتی مستقبل خواہ کچھ ہو یہ یقینی ہے۔ کہ اس کا جغرافیائی محل وقوع اس کا بڑا عنصر ہوگا اور اگر اسکی اہمیت کو ذہن نشین کر لیا جائے تو مفید ہوگا ایسی صنعتوں کو فروغ دینے کی کوشش بیوقوفانہ نہیں صحیح ترین اقتصادی اصولوں پر چلانے کیلئے بیج تجارت برآمد کی ضرورت ہو یہ امر متبادر و غیر یقینی ہے کہ یہ صوبہ دوسرے ممالک کی تقلید کر کے ان صوبہ کی صنعتیں قائم کرے جس میں کامیاب ہو سکتا کیونکہ اگر نئے کارخانے قائم کئے

گئے۔ تو وہ دوسرے ممالک کے مال کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ دوسرے ملکوں میں بہت سا مال بچاؤ کی تیلہ کرنے کی وجہ سے بہت کفایت ہوتی ہے۔ ہم اس مسئلہ پر بعد میں بحث کریں گے۔ یہاں اقتصادیات پر غور کیا محل وقوع کے اثرات بتانا اور اس امر پر زور دینا مقصود تھا۔ کہ انہیں چیزوں پر ساری کوشش منطوف کر دینا چاہئے۔ جنہیں پیدا کرنے کے لئے اس صوبہ کو خاص آسانیاں میسر ہیں۔

جغرافیائی محل وقوع کی اہمیت اس امر سے اور زیادہ ہو گئی ہے۔ کہ پچھلے دنوں کرچی الیگھٹان کے مابین کریم چھان کی شرح بڑھ گئی ہے۔ اور جب نارٹھ ویسٹرن ریلوے کے اخراجات میں اضافہ ہونے کے باعث مال کا کریمہ کا نرخ زیادہ کر دیا گیا۔ تو جغرافیائی محل وقوع کی اہمیت پیش از پیش ہو جائیگی۔ مثلاً جب گہیوں یہاں الگھٹان بھیجا جاتا ہے۔ تو لوہہ پول میں اس کا نرخ پنجاب کے نرخ سے صرف اس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے راستہ کے اخراجات اور بیمہ وغیرہ کے مصارف نکل آئیں۔ اور تھوڑا سا منافع بھی لگا لیا جائے جب یہ اخراجات بڑھ جائیں گے۔ تو گہیوں کی برآمد سے اسی صورت میں کوئی نفع حاصل ہو سکے گا۔ جب لوہہ پول میں اس کا نرخ غیر معمولی طور پر گراں ہو۔ یہ ہندوستان میں غیر معمولی طور پر ازراں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ کم مقدار میں گہیوں کی برآمد ہوگی۔ اور مقامی نرخ گندم میں بھی کمی واقع ہو جائیگی۔ اس کا مقابلہ اس صورت میں ہو سکتا ہے، کہ شرح مبادلہ میں کمی کر دی جائے، یا الگھٹان میں گہیوں کا نرخ بدستور گراں رہے۔

یہ چیز باہر کی آئی ہوئی مصنوعات کے مقابلے میں مقامی مصنوعات کی حفاظت کا سامان ہم پہنچا دے گی اور پنجاب کی وہ صنعتیں بھی جن کا انتظام اعلیٰ درجہ کا نہیں، یورپ کے صنعتی مرکزوں کی وسیع پیمانے پر تیار کی ہوئی مصنوعات کے مقابلے میں زندہ رہ سکیں گی۔ دوسری جانب پنجاب کی مصنوعات کو غیر ملکی مثالوں میں فروخت کرنے کی دشواری نسبتاً بہت بڑھ جائیگی۔ اور جب تک ریل وسائل اور تقسیم کے مصارف کم نہ ہوں گے۔ جن عناصر نے اس صوبہ کو دنیا کے دوسرے ممالک سے الگ رکھا ہے، ان کے اثرات پہلے سے بھی زیادہ ہو جائیں گے۔



# پانچواں باب

## زمین

اقتصادی دباؤ میں کمی اور سکے نتائج ترقی یافتہ معیار زندگی کے اثرات  
مالگداری کے مطالبہ کا اثر

پنجاب کی اقتصادی صلاحیتوں پر جغرافیائی محل وقوع کے بعد یہ حقیقت سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ کہ اس صوبہ کا حصہ گہری دریائی زمین رکھتا ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے۔ کہ آیا آج تک پنجاب کو اس خصوصیت کی وجہ سے فائدہ ہوا ہے۔ یا نقصان پہر حال دریائی زمین قدرتی طور پر بہت زرخیز ہوتی ہے۔ اس میں بہت تھوڑی سی کاشت سے اچھی فصل آگ آتی ہے۔ اسے دوسری زمینوں کی طرح کھاد کی ضرورت نہیں پڑتی بعض جگہ تو بہت زرخیز زمین ہے۔ اور بعض مقامات پر کسی قدریت کی آمیزش بھی ہے۔ اور چکنی مٹی بہت کم ہے۔ اگر اس کی قدرتی حالت بکثرت آبپاشی کی وجہ سے تبدیل نہ ہو گئی ہو۔ تو اسے موریوں اور نالیوں کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کی کاشت کرنے اور فصل سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہت کم سرمایہ چاہئے۔ اس اعتبار سے پنجاب کے لوگ دوسرے ملکوں کے زراعت پریشہ باشندوں کی نسبت بہت زیادہ خوش قسمت ہیں۔ انگلستان کی زمین قدرتی طور پر زرخیز نہیں۔ پرلے زمانے میں ملک کا بہت بڑا حصہ وادیوں، جنگلوں اور بنجر زمین پر مشتمل تھا۔ چھ سو سال تک تو انگلستان میں بحث چھڑی

ہی۔ کہ کیا گیہوں کی کاشت مفید ہے یا نہیں۔ اور حکومت کی جانب سے متواتر ایسے طریقے استعمال کئے جاتے رہے۔ کہ کسان کی ہمت بندھے۔ اور گیہوں کی کاشت پر آمادہ ہو۔

اگرچہ چودھویں صدی سے چوٹے کو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ پہلے کے استعمال سے آٹھ سو سال پہلے کی طرح اس میں ایسا اضافہ ہوا۔ اُس زمانے میں جو اجارہ نامے لکھے جاتے تھے ان میں ایک شق بھی ہوتی تھی۔ کہ پیال زمین کی کھاد کے طور پر استعمال کی جائیگی۔ اس طرح گویا صدیوں تک محنت سے کاشت کرنے اور کھاد ڈالنے کے بعد انگلستان کی زمین زرخیزی کی موجودہ حالت تک پہنچی ہے۔ لیکن اب بھی کوئی کسان اس امر کا تصور نہیں کر سکتا۔ کہ کھاد ڈالے بغیر زمین کی کاشت ہو سکتی ہے۔ جزائر برطانیہ میں اب بھی ایسے بڑے بڑے قطعات زمین پڑے ہیں۔ جنہیں کوئی فصل لگ نہیں سکتی۔ اور ہیڈیت مجموعی زمین میں جو کچھ ڈالا جاتا ہے۔ وہ اُسی قدر واپس دیدیتی ہے۔ ہندوستان میں لوگوں کو اس امر کا احساس نہیں۔ کہ برطانیہ بلکہ شمالی یورپ کے تمام کسان زمین سے فصل اور شیمائی خورد و نوش کی صورت میں جقدر حاصل کرتے ہیں۔ جقدر کھاد کی صورت میں واپس دیدیتے ہیں۔ جنگِ عظیم کے زمانہ میں مصنوعی کھاد اور مویشیوں کی خوراک بھی بننا نہیں ہو سکتی تھی۔ اتنے مزدور بھی نہیں تھے۔ جنہیں کو صاف رکھ سکیں۔ اور پانی کے بحاس کا انتظام کر سکیں۔ چنانچہ زراعت کے شاہی کمیشن کے سامنے شہادت دیتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس وجہ سے انگلستان کی زرخیزی کو بہت نقصان پہنچا۔ اور اگر اب اسے ویسا ہی زرخیز بنایا جائے۔ جقدر وہ جنگ سے پہلے زرخیز تھی۔ تو اس غرض کے لئے اُسپر پانچ پونڈ فی ایکڑ کے حساب سے خرچ کرنا پڑیگا۔

ڈنمارک میں نہ تو آب و ہوا اور نہ زمین کسان کے لئے موزوں تھی۔ بڑے بڑے ریتیلے قطعات تھے۔ جن پر سبزی ہوا نہیں چلتی تھیں۔ لیکن ڈنمارک کے کسان نے سائنس اور نظم کی تمام قوتوں اور انسانی ماسعی کے استعمال سے اسے زرخیزی کی موجودہ منزل تک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ کجیم کی زمین یورپ بھر میں ناکارہ ترین اور اس قدر بخر ہے۔ کہ صدیوں کی محنت و مشقت کے باوجود

آج بھی اگر اس میں کھاد نہ ڈالی جائے تو ایک مرتبہ بھی فصل پیدا نہ ہو سکے۔ ملک کا کوئی حصہ قدرتی طور پر خیر نہیں۔ اور ملکیت زمین کا جو نظم بلجیم میں رائج ہے۔ اُس نے کسانوں کی استعداد اور فوولہ میں بھی کمی پیدا کر دی ہے۔ باہر ہر بلجیم کی تاریخ اس امر کا روشن ثبوت ہے۔ کہ علم اور محنت کی بدولت قدرتی حالات و اسباب پر بھی فتح حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلجیم نے سائنس اور ہنرمندی کی بدولت خوشحالی حاصل کی ہے۔ ماں فی ایکڑ جس قدر کھاد ڈالی جاتی ہے۔ کسی دوسرے ملک میں نہیں ڈالی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ بلجیم والوں کو اس لئے کامیابی ہوئی ہے۔ کہ وہاں تعلیم ہانے اور زراعتی طریقوں کے سیکھنے کے لئے خاص سہولتیں ہتھیائی گئیں ہیں۔ انہیں ہانے امداد باہمی کے قیام نے ملکیت زمین کے اکثر نقصان رفع کر دیئے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی زراعتی تعلیم کی وجہ سے بیجوں کے انتخاب اور مصنوعی کھاد کے استعمال میں بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

ہسپانیہ کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ دس فیصدی زمین تو محض چٹانوں پر مشتمل ہے ۲۵ فیصدی زمین قدرتی طور پر پیداوار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یا تو بہت بلندی پر واقع ہے۔ یا پانی سے محروم ہے۔ ۲۵ فیصدی زمین قابل زراعت ہے۔ لیکن ایسے مقامات پر واقع ہے جہاں ریل و رسائل کے ذرائع موجود نہیں۔ یا پانی کی کمی ہے۔ کیونکہ اس کا دار و مدار محض بارش پر ہے۔ اور اندرونی حصہ ملک میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ باقی رہی دس فیصدی زمین وہ بہت اچھی جگہ واقع ہے۔ ملک کی دولت کے ذرائع دو ہیں۔ زراعت یا مویشی پالنا۔ اور انہیں کی جانب کم توجہ کی جاتی ہے۔ ملک کی زراعت ان لوگوں پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو مفلس اور جاہل ہیں۔ ملکیت زمین کا نظام نہایت مضر ہے۔ زراعت کا معیار نہایت پست ہے۔ یونان کی زمین کا ایک بہت بڑا حصہ تو بیکار رہے۔ یا تو اس میں چٹانیں اور یاد لیں۔ صرف یونان قدیم کا ۴۴ فیصد علاقہ قابل زراعت ہے۔ کٹاوری کے آلات اور طریقے بہت ابتدائی اور پرانے ہیں۔ وہاں

۱۔ لینڈ اینڈ لیبر سٹریٹرم بلجیم ۱۸۷۱ء مصنفہ روسٹری +

۲۔ میٹھ خارجہ کی بیٹڈ بک متعلقہ بلجیم صفحات ۱۱۲ و ۱۱۳ +

۳۔ میٹھ خارجہ کی بیٹڈ بک متعلقہ ہسپانیہ۔ صفحات ۲۲ و ۲۳ +



لوگ کھاد سے بھی واقف نہیں تھیں۔ آج جو لکڑی کے بل استعمال کئے جلتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ جو آج سے دو ہزار سال پیشتر انسان کے زیر استعمال تھے۔

جاپان کا ایک بہت بڑا حصہ جنگلوں کے سوا اور کسی مصرف کا نہیں۔ اور ملک کے رقبہ کے مصرف میں زراعت ہوتی ہے۔ اطالیہ میں بھی جس حصہ زمین پر زراعت ہوتی ہے وہ ملک کے رقبہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اور روس میں بنجر قطعات اراضی دوزنک پھیلتے چلے گئے ہیں۔

قدیم سرویا کا مزرعہ علاقہ تھا۔ لیکن جنگ بنگال میں اُسے جو نیا علاقہ ملا۔ اُس کی آٹھ فی صدی زمین میں زراعت ہوتی ہے۔ بلغاریہ میں مزرعہ علاقہ ۴۲ فی صدی۔ اور رومانیہ میں ۶ فی صدی۔

جب ہم پنجاب کی جانب توجہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ صوبہ زمین کے اعتبار سے یقیناً خوش قسمت ہے۔ صوبہ کے نصف رقبہ میں زراعت ہو رہی ہے۔ اور جب ہنروں کی نئی اسکیم کی تکمیل ہوئی۔ تو رقبہ مزرعہ میں اضافہ ہو جائیگا۔ اور جب لوگ دولت کے اس غیر محدود ذریعہ سے بہترین طریق پر نفع حاصل کرنا سیکھ جائیں گے۔ تو ملک بہت زیادہ خوشحالی حاصل کر لیگا۔ اب تک کھاد کی فراہمی یا زمین کی اصلاح و ترقی پر معقول مصرف کئے بغیر زمین سے استفادہ پیداوار ہوتی رہی ہے۔ کہ پیداوار کے ایک بہت بڑے حصے کو زراعت کا منافع تصور کرنا چاہیے۔ بد قسمتی سے یہ فطرت انسانی کی ایک بڑی کمزوری ہے۔ کہ جب باسانی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس میں کلم کرنے کا حوصلہ اور ولولہ ترقی نہیں کرتا۔ یہ باور کرنے کے کافی وجہ ہیں۔ کہ زمین

۱۔ صیغہ خارجہ کی ہینڈ بک تعلقہ یونان صفحہ ۹۰ اسکے علاوہ جب کی کتاب ماڈرن گریس (یونان جدید) بھی ملاحظہ ہو۔

۲۔ روزنٹری کا بیان ہے۔ کہ بیجم میں زیر کاشت زمین کا تناسب ۶۴ فی صدی ہے۔ جرمنی میں

۶۳ فی صدی۔ فرانس میں ۶۵ فی صدی۔ انگلستان میں ۷۳ فی صدی۔ اور سکاٹ لینڈ

میں ۲۵ فی صدی +

۳۔ ملاحظہ ہوں صیغہ خارجہ کی ہینڈ بک میں +

کی قدرتی زرخیزی جس کی بدولت کم از کم محنت سے پیداوار حاصل ہو جاتی ہے۔ کسی حد تک زراعت کی کپستی کی ذمہ دار ہے۔ جب دشواریاں پیش آتی ہیں۔ تو محنتی لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی شدید ترین مشکلات میں پیدا ہوتی ہے۔ اور عام طور پر اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں۔ اور اسی حد تک محنت کرتے ہیں۔ جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

جب تک زمین کی زرخیزی کے ختم ہو جانے کے آثار ہو یا نہ ہوں۔ لوگ قدیم ممالک کی زراعت کی اس خصوصیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ کہ زمین سے نسبتاً گراں بہا چیز حاصل کرنے کے لئے اس میں ارزاں چیز ڈالی جاتی ہے۔ جب تک کسان زیادہ محنت اور عقل صرف کئے بغیر فصل کاٹ سکتا ہے۔ قدرت اُسے جعفر عطا کرتی ہے۔ وہ اُسی پر قناعت کئے بیٹھا رہیگا جب قدرت بخشش اور فیاضی کا ہاتھ کھینچنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور کسان دیکھے۔ کہ جب تک قدرے کھاد نہ ڈالی جائے۔ اور کچھ جسمانی محنت صرف نہ کی جائے۔ قدرت کی فیاضی سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ تو وہ اپنے گرد و پیش زمین کو زرخیز بنانے والی چیزوں کی تلاش میں نظر دوڑائے گا۔ اور ایسے طریقوں کی جستجو کرے گا۔ جس سے اُسے فائدہ حاصل ہو سکے۔ کسان جس قدر محنت کرے گا۔ اُس کا دار و مدار اس امر پر ہے۔ کہ فطرت کی فیاضی کس حد تک مساعدت کرتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں کسان زمین کو دولت جمع کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے محض سامان معیشت کی فراہمی کا وسیلہ جانتا ہے۔ اور جو آمدنی بآسانی حاصل ہو جائے۔ اس کی بدولت ترقی کو نقصان پہنچتا ہے۔ جہاں حالات قدرتی طور پر یادو سرے اسباب کے ماتحت زراعت کے لئے سازگار نہیں۔ وہیں زراعت پر بہت زیادہ محنت کی جاتی ہے۔ وہاں ہندو ساگر کے چاہیے قطعات اراضی کو جن کی بہت نگہداشت کی جاتی ہے۔ اور کوہستانی کھیتوں کو اس سلسلے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ بیچارہ اہمیر جو ریلواری کی ریتی اور بارانی زمین میں مصروف جدوجہد ہے۔ لائل پور کے زرخیز علاقہ کے کسان سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ جہاں زیادہ لگان دینا پڑتا ہے۔ جیسا کہ شہروں کے نواح میں دیکھا گیا ہے۔ یا جہاں کسانوں کے قبضے میں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی

ہیں۔ وہاں زراعت کی حالت بہتر ہے۔

تجربہ شاہد ہے۔ کہ زراعت کی اصلاح و ترقی یا عمیق کاشت کا خیال اُسی وقت آتا ہے جب اقتصادی دباؤ زیادہ ہو جائے۔ کسان اس وقت تک ایک قطعہ اراضی پر سرمایہ اور محنت صرف نہیں کرتے۔ جب تک وہ اس پر مجبور نہ ہو جائیں۔ جاپان میں زمین کی بہت عمیق کاشت کی جاتی ہے۔ اور یہ اُس کی زراعت کی ایک خصوصیت ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں۔ کہ جاپانی فطری طور پر مشقت پسند واقع ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کا باعث یہ ہے۔ کہ پچھلے دنوں تک جاپان کی روز افزوں آبادی کے محاسن کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے ایک ہی جگہ رہ گیا تھا۔ یا تو فاقہ کشی کریں۔ یا زمینوں کی کاشت نہایت عمیق کی جائے۔ امریکہ میں جہاں ابھی تک بہت زمین موجود ہے۔ کسان کی توجہ اس امر پر رہی ہے کہ ایک بہت بڑے قطعہ زمین میں کاشت کی جائے۔ جس سے فی ایکڑ زیادہ پیداوار حاصل ہو۔ لیکن انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ کہ ایک چھوٹے سے قطعہ زمین میں عمیق کاشت کی جائے جس سے فی ایکڑ زیادہ پیداوار ہو۔ کسان کا مقدمہ ہمیشہ یہ رہا ہے۔ کہ وہ اپنے لئے کافی آمدنی حاصل کر لے۔ اور قانون تبدیل حال کے مطابق یہ آسان ہے۔ کہ ایک بڑے قطعہ زمین کی وسیع کاشت کر کے اُسی قدر آمدنی حاصل کر لی جائے جو ایک چھوٹے سے قطعہ زمین عمیق کاشت سے حاصل ہو سکتی ہے جب اسی وسیع قطعہ زمین نہیں ملتا تو وہ محنت و مشقت سے عمیق کاشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آرتھر ٹنگ کا مشہور

ملہ پنجاب کے بندوبست کی رپورٹ سے اس قسم کی کافی شہادتیں مل سکتی ہیں۔ اکثر ایسے دیہات ہیں جہاں مالکان اراضی محنتی ہیں۔ اور اراضی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ زراعت بہت اچھی ہے۔ (مثلاً تحصیل گوہڑاوالہ) یہ کہنے سے یہ مدعا نہیں کہ اگر ہر جگہ گھان میں اضافہ کر دیا جائے۔ تو پیداوار میں بھی اضافہ ہو جائیگا۔ زیادہ گھان زیادہ عمیق کاشت کی جانب متوجہ کر دیتی ہے۔ اور یہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ صوبہ میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو عمیق کاشت کے طریقوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اگر گھان میں تخفیف ہو جائے۔ تو وہ بھی اسے طریقے اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ زیادہ محنت خرچ ہوئی۔ لہذا آرتھر ٹنگ زراعت پر کتابیں لکھنے والے انگریز مصنفین میں سب سے بڑا تھا۔ اس کی ولادت ۱۸۷۲ء میں ہوئی اور ۱۹۲۲ء میں انتقال کیا۔

مقولہ ہے۔ کہ ملکیت کا جادو ریت کو سونا بنا دیتا ہے۔ ننگ نے یہ مقولہ برطانیہ کے مزارعین کا مقولہ ہے۔ یورپ کے کسان مالکانِ اراضی سے کرتے وقت کہا تھا۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ انگلستان کے مزارعین ڈیڑھ سوا ایکڑ زمین میں کاشت کرتے ہیں۔ اور اس قدر وسیع قطعہ اراضی سے اپنا سامان معیشت ہیا کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے یورپ کے کسان مالکانِ اراضی کی کائنات صرف پچیس تین ایکڑ زمین ہوتی ہے۔ جس میں وہ شدید ترین مشقت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز جس سے آرٹھرینگ اس قدر متاثر ہوا ہے۔ اختیار ی نہیں۔ یورپ کے کسان اس امر پر مجبور ہیں کہ ایک مختصر قطعہ اراضی سے وجہ معاش حاصل کریں۔ ملکیت کے جادو سے نہیں۔ بلکہ بشتت تمام کام کرنے سے ریت سونا بن جاتی ہے۔ البتہ ملکیت کی وجہ سے کسان کو اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی محنت سے جو کچھ حاصل ہوگا۔ اسی کے قبضہ میں رہیگا۔ حقوق ملکیت کی تعیین تو البتہ اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن محض ملکیت اعلیٰ درجہ کی زراعت کے لئے ضروری نہیں۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ کسان میں اپنے طریقوں کی اصلاح اور محنت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اقتصادی دباؤ ضروری چیز ہے۔ اس لئے جب اقتصادی دباؤ سے نجات حاصل ہوگی تو یہ جذبہ بھی مٹ جائیگا۔ اور اس طرح یہ چیز ترقی کے لئے کسی حد تک مضر ثابت ہوگی۔ ایک اور بحث کے سلسلے میں ہم کھ چکے ہیں کہ زمین کی اصلاح کی راہ میں ایک بڑا سنگ گراں یہ بھی ہے کہ کسان میں یہ احساس پیدا کرنا دشوار ہے کہ زمین کی پیداوار کس حد تک اس کی اپنی محنت اور طریق زراعت کا نتیجہ ہے۔ جب کسان اپنے آپ کو نہایت اچھی حالت میں اور ایک قیمتی جائیداد کا مالک پاتا ہے جس سے بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ اور اسے کوئی غیر معمولی محنت اور کوشش کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تو فصل کے متعلق اس کی ذمہ داریوں کے احساس کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ پنجاب کی یہی کیفیت ہے۔ برطانی حکومت کی وجہ سے زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ میں دولت آگئی ہے۔ جب پنجاب کا الحاق قلمروِ برطانیہ سے

جس ہوا تھا۔ تو زمین کا کوئی تسلیم شدہ نرخ نہیں تھا۔ ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۳ء میں حکومت زمین کی جو قیمت ادا کیا کرتی تھی۔ اُس کا اوسط آٹھ روپیہ فی ایکڑ تھا۔ ۱۸۶۲ء و ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۶ء تک ۱۸۶۴ء تک یعنی پانچ سال کے عرصہ میں یہ کیفیت ہو گئی۔ جو زمین پہلے مقاصد کے لئے خریدی جاتی تھی۔ اُس کی قیمت ۱۸۶۳ء فی ایکڑ ادا کی جاتی تھی۔ آئندہ پانچ سالوں میں زمین کی قیمت کا اوسط پچاس روپیہ دو آنہ فی ایکڑ ہو گیا۔ ۱۸۹۵ء و ۱۸۹۶ء تک زمین کی قیمت برابر بڑھتی چلی گئی پھر ہر چنانچہ کا افتتاح ہوا۔ اس نو آبادی اور اس کے آباد کاروں سے صوبہ کو دولت حاصل ہونے لگی۔ اور مسلسل خوشحالی اور فراغت کے عہد کا آغاز ہو گیا۔ مزروعہ زمین کی قیمت ۱۸۹۵ء و ۱۸۹۶ء میں ۱۸۹۵ء فی ایکڑ تھی۔ جو ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء میں ۱۸۹۵ء سے بڑھ کر ۱۸۹۵ء ہو گئی۔

اسی زمانہ میں حکومت نے مالگنداری میں تخفیف کر دی۔ مالکان اراضی کو اس سے قوت حاصل ہوئی۔ اور منڈیوں کے دروازے کھل گئے۔ جب تک وسائل رسل و وسائل قائم نہیں ہوئے اور ریلوے کے ذریعہ صوبہ کا تعلق بڑی بڑی بندرگاہوں سے نہیں ہو گیا۔ اجناس کی قیمتیں گھٹتی بڑھتی رہیں۔ چنانچہ یکم جون ۱۸۶۸ء کو گیکھوں کا نرخ ساڑھے نو سیر فی روپیہ تھا۔ ایک سال کے بعد تیرہ سیر ہو گیا۔ یکم جون ۱۸۷۱ء کو بیس سیر چودہ چھٹانک تھا۔ اور ۱۸۷۴ء کو ستائیس سیر پانچ چھٹانک۔ دو سال کے بعد پھر چودہ سیر ہو گیا۔ بعض دور دراز علاقوں مثلاً متلع میاںوالی میں ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ فصل ہو۔ تو گیکھوں روپے کا ایک من ہو جائے۔ کیونکہ وہاں عملی طور پر گیکھوں ناقابل فروخت ہو جاتا تھا۔ ان حالات کے ماتحت زراعت جس طرح بارش کے اعتبار سے بجا بن گئی تھی۔ اسی طرح قیمتوں کے اعتبار سے بھی اس کی حیثیت قمار بازی کی سی تھی۔ لیکن جب ریلوے کی تعمیر ہوئی۔ تو نرخ بھی مستقل ہو گئے۔ اوسطاً نرخ گراں ہو گیا۔ اور اس طرح کسان کی پیداوار کی قیمت فروخت بعض ایسے ذرائع کی بدولت بڑھ گئی۔ جو اُس کے دائرہ اختیار سے باہر تھے۔

اس کے بعد دو اور عناصر برروئے کار آ گئے۔ جن سے آمدنی کے اوسط کو اور زیادہ کر دیا۔ ان ایک تو نو تعمیر نہریں جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوئی۔ اور پیداوار میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اور بعض ایسے قطعات زمین میں بھی کاشت ہونے لگی۔ جو پانی کی عدم موجودگی کے باعث

غیر مزد عم پڑے تھے۔ گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں پنجاب کا رقبہ مزروعہ بہت بڑھ گیا ہے اور اس کا باعث محض آبپاشی کا انتظام ہے۔ مزروعہ رقبہ کے متعلق ذیل کے اعداد و ملاحظہ ہوں

وزیر زمین سیریکہ تہیں جے کنوئیں لیکہ تہیں جسکی سیریکہ کوئی انتظام نہیں مینر رقبہ مزروعہ

۱۸۶۸ء ۱۸۶۹ء ۱۸۷۰ء ۱۸۷۱ء ۱۸۷۲ء

۱۸۷۸ء ۱۸۷۹ء ۱۸۸۰ء ۱۸۸۱ء ۱۸۸۲ء

ہروں کی آبپاشی کی وجہ سے جو فصل ہوتی۔ اسکی قیمت ۱۹۱۹ء میں سچپن کروڑ لگائی گئی تھی ریلوے امدادوں کی وجہ سے جو فائدہ ہوا ہے۔ اس کا اندازہ تجارت برآمد کی حیرت انگیز ترقی (بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تجارت برآمد کے قیام اور ترقی) سے کیا جاسکتا ہے۔ پنجاب کے الحاق سے پہلے کوئی زراعتی پیداوار کی کوئی قابل ذکر تجارت برآمد نہیں تھی۔ ۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۳ء میں صرف چار لاکھ روپیہ کا گیہوں باہر بھیجا گیا تھا۔ اور چالیس سال کے بعد ۱۹۱۴ء کو ۱۴ کروڑ اڑتالیس لاکھ روپیہ کا گیہوں باہر بھیجا گیا۔

پہلے جس رقبہ میں گیہوں کی کاشت ہوتی تھی۔ وہ سچپن لاکھ ایکڑ تھا۔ لیکن بعد میں ۹۵ لاکھ ایکڑ ہو گیا۔ اور اب تقریباً ایک کروڑ ایکڑ میں گیہوں کی فصل ہوتی ہے۔ اور اس طرح مزروعہ رقبہ میں بہت اضافہ ہوا ہے اور فی مزروعہ ایکڑ کی پیداوار بڑھ گئی ہے۔ مزید برآں زرعی پیداوار کی قیمت

۱۸۶۸ء ۱۸۶۹ء کے متعلق جو اعداد دیئے گئے ہیں وہ حقیقت اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ پنجاب کی حیثیت ترکیبی کج سے مختلف تھی۔ اسلئے اسانہ فائدہ حقیقت میں اس سے بہت زیادہ ہے ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۹ء کے متعلق جو اعداد دیئے گئے ہیں۔ وہ محض تخمینائی ہیں۔ ماہرین اقتصادیات یقیناً سمجھیں گے کہ رقبہ مزروعہ کی توسیع کے باعث اوسط پیداوار میں کمی واقع ہوگئی ہوگی بلکہ کم از کم خیر ترین ارضی میں پہلے زراعت ہوتی ہے۔ اور توسیع رقبہ مزروعہ کی وجہ سے ناقص ارضی کی بھی کاشت ہونے لگتی ہے لیکن پنجاب میں کیفیت ہی دوسری ہے یہاں تو خیر زمین کی وجہ سے ناخیر زمین میں کاشت ہونے لگی جو اچھی پڑی تھی۔ اسلئے رقبہ مزروعہ کی توسیع کے باعث اوسط پیداوار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ملاحظہ ہو۔ انڈیا ایٹ دی ڈیجٹل آف اگبر "مصنف مولینڈر۔ صفحات ۱۱۵ تا ۱۱۸ +

تخمینائیوں کہنا چاہئے کہ جن نہری زمینوں میں آجکل کاشت ہو رہی ہے ان میں نہروں کے بغیر کاشت کی جاتی۔ تو زرعی پیداوار کی قیمت موجودہ پیداوار کی قیمت سے بقدار ۱۴ کروڑ روپیہ کے کم ہوتی۔ لیکن اس سے بھی نہروں کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ (باقی صفحہ ۱۲۷)

میں بھی معتد بہ افزائی ہوئی ہے۔ لیکن آبادی جس پر یہ دولت تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسی تناسب کے ساتھ نہیں بڑھی۔ صوبہ کے موجودہ حدود کے مطابق مختلف سالوں میں جسے بل آبادی رہی ہے۔

سال	آبادی	سالانہ شرح کا اوسط
۱۸۶۸ء	۱۶۲۵۰۰۰۰	۴۷
۱۸۸۱ء	۱۷۲۸۰۰۰۰	۴۷
۱۸۹۱ء	۱۹۰۰۰۰۰۰	۹۶
۱۹۰۱ء	۲۰۳۳۰۰۰۰	۶۷
۱۹۱۱ء	۱۹۹۷۵۰۰۰	۱۸
۱۹۲۱ء	۲۰۶۸۵۰۲۲	

چونکہ ۱۸۶۶ء کے متعلق جو اعداد دیئے گئے ہیں۔ وہ صحیح تخمینہ سے کم معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ آبادی میں بیس فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ حالانکہ زراعت نے پچاس فی صدی ترقی کی ہے۔ اور پیداوار کی قیمت خام تقریباً ۳۵ کروڑ روپیہ سالانہ سے ایک ارب روپیہ سالانہ تک جا پہنچی ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ زمین پر دباؤ کم ہو گیا ہے۔ ۱۸۶۲ء میں ہر سو ایکڑ مزرعہ زمین پر آبادی کا اوسط ۸۳ تھا۔ اور ۱۹۱۹ء میں ۷۶ ہو گیا۔ پہلے ہر سو ایکڑ مزرعہ زمین پر ۷۶ کسان تھے اب ۲۲ ہو گئے۔ (۱۸۶۸ء میں مردم شماری کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس میں مذکور ہے کہ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۶۸ء تک آبادی میں ۵۱ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ اور زراعت ۶۷ فی صدی بڑھ گئی۔ پہلے فی کس خام پیداوار کا اوسط ۲۲ روپیہ سے کم تھا۔ اب ساٹھ روپیہ سے زیادہ ہو گیا۔ اور یہ کہنا یقیناً صحیح

(صفحہ ۱۲۰ بقایا ملاحظہ) نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر نہری تعزیر ہوتیں تو کج جن اراضی پر بہروں کی بدولت فصل کھڑی ہے، وغیرہ مزرعہ اور بنجر زمینیں نظر آتیں۔

لئے ملاحظہ ہو مردم شماری کی رپورٹ بابت ۱۹۱۱ء۔

۱۸۷۰ء کی رپورٹ بابت ۱۹۱۱ء میں پیداوار کی قیمت خام ۱۷۵ روپیہ فی ایکڑ یا ۷۵ کروڑ روپیہ سے زیادہ کیا گیا تھا۔ غالباً سگری قصبوں نے ان اعداد کے بارے میں حدیث کی استیاضہ بتائی ہے۔ مکمل ٹیڑھ ارب روپیہ سے کم تخمینہ لگایا ہے۔ تو اس کی قیمت عمل نظر ہوگی +

ہے کہ زراعت پیشہ خاندانوں کی خام آمدنی گنتی ہو گئی ہے۔

آمدنی میں یہ اضافہ انگریزی نظم و نسق کا نتیجہ ہے۔ یہ امر مثبت ہے۔ کہ آمدنی کے اضافہ میں کسان کی معاشی کو بھی کوئی معقول دخل ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ کہ اب کسانوں میں اصلاح و ترقی کا ذوق پیدا ہو گیا ہے۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسان نے زراعت میں اس حد تک محنت و مشقت کی ہو۔ کہ ملک کی عمومی خارج البالی پر اس کا کوئی مفید اثر پڑا ہو۔ صرف مزدوروں کی تعداد میں ہی کمی واقع نہیں۔ بلکہ پہلے ہر سو ایکڑ زمین میں جس قدر ذیل ہوا کرتے تھے۔ اب اتنے نہیں رہے۔ بندوبست کی بعض رپورٹوں میں تو یہ بھی مذکور ہے۔ کہ زراعت باعتبار کیفیت زوال پذیر ہے۔ اور اقتصادی دباؤ کے اثرات کے متعلق جو ذیل پیش کی گئی ہے۔ اگر وہ صحیح ہے۔ تو اس کی توقع ہو سکتی تھی۔ کسان دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے انہیں۔ مزید محنت و مشقت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں سے بعض تو یہ محسوس کر رہے ہیں۔ کہ محنت کرنا قطعاً غیر ضروری ہے۔ کیونکہ مزاعین کے قبضے میں جتنا رقبہ تھا۔ ہمیں اضافہ ہونے لگا۔ اور مالکان الٹنی نے بڑی بڑی رقموں پر اپنی جائیداد کو رہن رکھنا شروع کیا۔ تاکہ زمین کی روز افزوں قیمت سے فائدہ اٹھائیں۔

اس طرح گویا پنجاب بعض نہایت دلچسپ اقتصادی خصوصیات کا مالک ہے۔ حکومت نے نہایت وسیع پیمانے پر اصلاحات نافذ کی ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ عوام کی دولت میں نہایت سرعت سے ایک نمایاں اضافہ ہو گیا ہے۔ اور وہ افلاس کے جنگل سے رٹا ہو چکے ہیں۔ حکومت کی ان اصلاحی کارروائیوں کی بدولت زمین کی قیمت غیر متوقع طور پر بڑھ گئی ہے۔ زمین کی قیمت میں اس غیر معمولی اضافہ کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ اب زمین کی نقد رقم لگان بہ نسبت سابق بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

لے مثال کے طور پر بندوبست کی رپورٹ کا صفحہ ۷۷ ملاحظہ کیجئے۔ جو تحصیل گوجرانوالہ سے متعلق ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۲۷ء میں ایک ہزار ایکڑ مزدور عارضی میں ۱۲۳۳۰ روپے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں انکی تعداد ۱۰۶ روپے تک پہنچ گئی۔ بعض علاقوں میں مویشی کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ لیکن اسکے جواب میں بھی یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ خام آمدنی میں اضافہ بہت حد تک حکومت کی سرکاری کارکنان کا سامان ہے جس نے ہزاروں روپے کی ترقی کے آمدنی کو بڑھادیا ہے۔



رکب اور سبب یہ بھی ہے۔ کہ تذکرہ بالا طریقوں کی وجہ سے ملک کی جدید دولت کو بھی بہت ترقی ہوئی ہے۔ اور چونکہ ملک کی دوسری صنعتیں اور تجارت ابھی تک پستی کی حالت میں ہیں۔ اس لئے لوگ زراعت پر سرمایہ لگا رہے ہیں۔ زمین کی قیمت میں اس قدر افزوں اضافہ نے سود خواروں کو اور ان تمام اشخاص کی توجہ کو ادھر منعطف کر دیا ہے۔ جو دافر روپیہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ زمین کی قیمت میں اضافہ کے باعث مالکان اراضی کی ساکھ قائم ہو گئی ہے۔ اور اس جماعت کو جس کی آج تک کوئی ساکھ نہیں تھی۔ قرض لینے کے معاملے میں اس قدر سہولتیں مہیا ہو گئی ہیں۔ کہ اس کے لئے قرض لینے کی کوشش سے بچنا مشکل ہو گیا ہے۔ دوسرے زراعتی ممالک کے مالکان اراضی کو جن دتواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ وہی یہاں کے زمینداروں کو بھی پیش آرہی ہیں۔ یعنی جمہ سے اراضی کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ کسان دھڑا دھڑا اراضی رہن رکھ کر قرض لے رہے ہیں۔ جو لوگ ساکھ سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک قابل قدر چیز ہے۔ لیکن جو لوگ اس کے مصروف سے واقف ہیں انکے لئے یہ ایک خطرناک چیز ہے۔ اور دوسرے ممالک کی طرح پنجاب میں بھی ایسے لوگوں کی کثرت ہے۔ جن کے لئے ساکھ خطرہ کا باعث ہے۔ ہم زمین کی قیمت کے اضافہ اور اس کے اثرات اور ساکھ کے غلط استعمال کے متعلق اوراق آئندہ میں تفصیلی بحث کرینگے۔ زیر بحث مسئلہ کے سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ ہمیں مستقبل کا پردہ اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہئے۔ کہ اقتصادی اثرات سے آئندہ زمانہ کیونکہ متاثر ہوگا۔ اور اس سے کیا نتائج پیدا ہونگے۔

اب تک صوبہ کی آبادی میں جو اضافہ ہوا۔ اس کے لئے بہرسانی و خوراک کا پورا پورا انتظام کر دیا گیا ہے۔ یعنی نہروں کی وجہ سے اب وسیع و بکر زمینیں بھی قابل زراعت ہو گئی ہیں۔ دو آبہ سندھ ساگر کی نہر سے بیس لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو گئی۔ وادی ستلج کی نہر سے پچیس لاکھ ایکڑ سیراب ہونگے۔ (جن میں ریاست ہائے بہار و پور اور میکانیر کے وسیع علاقے شامل ہیں) اس کے علاوہ بھکر کے بند کی اسکیم بھی نہری علاقہ میں توسیع کر دی گئی۔ اس لئے یہ اغلب نہیں۔ کہ کسان محض آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے زراعت کے اصلاح یافتہ طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیگا۔ البتہ ایک چیز ہے۔ جو کہاں میں مزید محنت و صنعت کا ولولہ پیدا کر سکتی ہے۔ ساروہ اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ جو

ہر شخص کے قلب میں پرورش پاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ گذشتہ بیس سال کے اندر صوبہ نے اس سلسلہ میں بہت ترقی کر لی ہے۔ لکنا تار سے جو کپڑا ہندوستان میں آتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا۔ کہ لوگ بہ نسبت سابق اچھا لباس پہننے لگے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کی اجناس مثلاً باجرہ وغیرہ کے بجائے اب گیہوں استعمال کیا جاتا ہے۔ مینس جو خوشحالی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ گائے کے بجائے ہر جگہ نظر آتی ہے۔ صوبہ کے باشندے پہلے کی نسبت زیادہ گوشت کھاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اخلاقی حیثیت سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ لیکن اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنیوالے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ہر قسم کی کتابوں کی اشاعت بڑھ رہی ہے۔ یہ اغلب ہے۔ کہ اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کرنے کی خواہش کو مملو کہ اراضی میں اضافہ کر کے یا آمدنی بڑھا کر اور پیداوار کی زیادہ قیمت حاصل کر کے پورا نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرض لینے کے متعلق جو سہولتیں میسر ہو گئی ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ کروڑوں روپیہ کی زمین رہن و بیع کی گئی ہے۔ اور اس روپیہ کا ایک حصہ ایسی بلند معیار کی زندگی بسر کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ جو آمدنی کے اعتبار سے سرفراز ہے۔ گویا زمیندار سرمایہ پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ساکھ کے غلط استعمال کو روک دیا جائے۔

اگر مصارف کو محض مداخل تک ہی محدود رکھا جائے۔ تو بہتر زندگی بسر کرنے کی خواہش اقتصادی ترقی کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں پانچ باتیں جنہیں عناصر سمجھنا نہ آتا چاہئے۔ آپس میں طرح لازم و ملزوم واقع ہوئی ہیں۔ کہ اگر ایک میں کوئی تغیر واقع ہوا۔ تو دوسرے میں بھی تغیر رونما ہوگی۔ یہ پانچ چیزیں آبادی، رقبہ، مزدور، رقبہ کی پیداوار، معیار زندگی اور امتعال مکان ہیں۔ اگر آبادی میں اضافہ ہوا۔ اور مزدور رقبہ میں کوئی اضافہ نہ ہوا تو لوگوں کو چاہئے۔ کہ جب قدر رقبہ میں زراعت ہو رہی ہے۔ ان کے طریق زراعت کی اصلاح کر کے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر

۱۔ مٹر دار رنگ کو تحقیقات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ ۳۰۰ مالکان اراضی میں سے جو سب کے سب محاسن مٹر دار تہی کے ممبر تھے صرف سترہ فی صدی قرض سے آزاد تھے۔ بڑھی ہوئی سکھ کو میوہ اور انگیاں صرف کرنا جو بھان پایا جاتا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر اس کی رقبہ ختم نہ کی گئی۔ تو یہ بھان قوی ہو جائیگا اور اس کی سخت خطرات پیدا ہو جائیگے۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ تو یا اپنی زندگی کا معیار اس قدر بلند رکھیں۔ یا جن زراعت پیشہ لوگوں کے لئے زراعت کام ہوتا نہیں کر سکتی۔ وہ دوسری صنعتیں اور پیشے اختیار کر لیں۔ یا دوسرے ملکوں کو چلے جائیں۔ ہندوستان میں آج جہاں بہت معیار زندگی نظر آ رہا ہے۔ اسکی بہت حد تک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آبادی پیداوار کی نسبت زیادہ سرعت سے بڑھتی رہی ہے۔ لوگ زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور حالات اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کہ زراعت کو وسعت دی جائے یا لوگ اس سر زمین سے انتقال مکان کر کے دوسرے ممالک میں جا آباد ہوں۔ مزید برآں اس وقت یہ سہولت بھی ہوتا نہیں تھی۔ کہ کہیں سے روپیہ قرض لیا جائے۔ اگر یہ وجہ صحیح ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ جسطرح بعض دوسرے ملکوں میں اقتصادی دباؤ کی وجہ سے لوگوں کی قوت ایجاد و اکتشافات کے جو ہر نمایاں ہو گئے تھے۔ یہاں نہیں ہوا۔ لوگوں نے اکتشافات کے سلسلے میں تسلیم خم کر دیا۔ انہیں اتنی جرأت نہیں ہوئی۔ کہ ان دشواریوں کا مقابلہ کر سکیں۔ انگلستان میں جب یہ صورت حال پیش آئی۔ تو باہر سے اہل حرفت منگوائے گئے جن سے انگلستان کے باشندوں کی قوت ایجاد کو بہت فائدہ پہنچا۔ پروفیسر الفریڈ یارشل کے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے۔ کہ انگلستان نے سب سے پہلے جو عظیم کام شروع کیا۔ وہ نالیوں کی تعمیر کا تھا۔ یہ کام بھی مالدیٹ کے باشندوں کا مرمون منت تھا۔ انگلستان میں جو سب سے پہلے آہنی توپیں بنائی گئیں۔ انہیں سسکس میں ایک فرانسیسی نے ڈالا تھا۔ چنانچہ فرانسیسیوں، اطالیوں، وندیزیوں، فلنگس اور سویٹن کے باشندوں اور جرمنوں سے انگریزوں نے جو سبق حاصل کیا۔ اس کی بدولت وہ کپڑے

بلکہ جب تک محل نقل اور ریل و رسائل کے ذرائع کا ایک باقاعدہ نظام قائم نہ ہو جائے۔ لوگ اسی قدر اجناس پیدا کریں گے جو موجودہ ضروریات کے لئے کافی ہوں۔ اگر زائد از ضرورت اجناس پیدا کی گئیں۔ تو ان کے نکاس کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔ اور لوگوں کو پیداوار کا معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ کسان اتنے ہی رقبہ میں فصل کی کاشت کریں گے۔ جس کی پیداوار مقامی ضروریات کے لئے کافی ہو سکے۔ جب کبھی موسم میں کوئی ناخوشگوار تغیر پیدا ہوا۔ تو ہنگامی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے غلہ فراہم نہیں کیا جاسکے گا۔ پنجاب کے موجودہ حالات ایسے ہیں۔ کہ یہاں پیداوار کو محدود کر دیا جائے۔ تو اسے نقطہ فاقہ زدگی کا خطرہ نہیں ہوگا +

ریشم، کاغذ اور مٹی کی اشیاء بنانے اور کانیں کھودنے اور مصائب میں صاف کرنے میں ماہر ہو گئے۔ انگلستان کے قدیم بادشاہوں نے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے اور لوگوں کو تعلیم دلانے کے خیال سے بیرونی دہل عرفہ کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں اپنے ملک میں آباد کیا۔ انکی تعلیمی حکمت عملی صحیح طور پر تعمیری مقاصد پر مبنی تھی۔ ان کی مدد سے انگلستان اپنی مصنوعات دوسرے ملکوں میں فروخت کرنے کے قابل ہوا۔ اور انہیں لوگوں اور انکے بھائی بندوں کی وجہ سے جو عدالت کے پہنچے سے بچنے کے لئے انگلستان میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اشیاء کی ساخت کے مختلف اور متنوع طریقے اختیار کئے گئے۔ اور یہ چیز بالآخر انگلستان کی خصوصیت بن گئی۔ انگریزوں نے اپنے استادوں سے جو کچھ سیکھا تھا۔ اس پر انہوں نے اپنی ذہانت کی بدولت اضافہ کیا اور بعد میں ایجادات کی قوت نے نہایت نمایاں ترقی کی۔

انگلستان کی اراضی پر اقتصادی وباؤ کے اثرات اس قدر نمایاں نہیں تھے۔ جس قدر جاپان میں کیونکہ جاپان دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا۔ آخر اُسے غیر ملکی تجارت پر زبردِ شمشیر مجبور کیا گیا۔ لیکن بہت عرصہ کے بعد جاپان کی حکومت کو یہ خیال ہوا کہ وہ خود لوگوں میں صنعت و حرفت سیکھنے کا جذبہ پیدا کرے چنانچہ اُس نے غیر ملکی ماہرین فن کو طلب کیا۔ کہ وہ جاپانیوں کو مغربی طریقے سکھائیں۔ انہوں نے بیرونی ممالک میں ان علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آدمی بھیجے۔ جو جاپان کی ضروریات کے عین مطابق تھے۔

اس وقت تک جاپانی متواتر اس امر کا ثبوت ہم پہنچاتے رہے ہیں۔ کہ ان میں ایجادات کا مادہ تو نہیں۔ لیکن نقل کرنے کی قوت ضرور موجود ہے۔ انہوں نے صنعت و معرفت کے نئے طریقے تو معلوم نہیں کئے۔ البتہ پرانے طریقوں کی نقل کی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان بھی اس بارے میں جاپان کا متبع کر گیا۔ اگر اقتصادی دباؤ نے ہندوستانیوں کی توجہ زراعت اور صنعت و حرفت کی ترقی کی جانب منحرف کر دی تو ان چیزوں کو فروغ دینے کیلئے انہیں تسلیم دینا ضروری ہے۔ بیرونی ممالک سے ماہرین فن کو طلب کرنے میں تاثر نہیں کرنا چاہئے۔ جتنے فن کا وہ جذبہ قابلِ افہام ہے

جہاں خلافت رنگ و نسل کو اُن تمام اوصاف سے زیادہ اہم سمجھے۔ جن سے ملک آسودگی اور خوشحالی حاصل کر سکتا ہے۔ آجکل ہندوستان کی کیفیت عجیب و غریب ہے۔ اکثر لوگوں کی خواہش ہے کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشحالی کا دور دورہ ہو لیکن اب تک جس قدر خوشحالی میسر ہوئی ہے۔ وہ انگریزی نظم و نسق کی مرہونِ منت ہے۔ لوگوں کی محنت اور کوشش کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ حکومت کی کوششوں کو جو کامیابی ہوئی ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ افلاس کی شدت میں کمی واقع ہو گئی۔ اور از بسکہ افلاس کی شدت انسان کے قلب میں کام کرنے کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے افلاس کی کمی نے پیداوار بڑانے کے جذبہ کو بھی کم کر دیا۔ تاہم امید ہے کہ حکومت افلاس کو مٹانے کی کامیاب کوششوں کا اعادہ کریگی۔ اور جو وسیع تجاویز اس کے پیش نظر ہیں۔ انہیں عملی صورت دیا جائیگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی کوششوں کے باعث محنت و شغف کے جذبہ میں جو کمی واقع ہو گئی ہے۔ بلند معیار کی زندگی بسر کرنے کی خواہش اُس کی تلافی کر دے۔ لیکن یہ باور کرنے کی وجہ موجود ہیں۔ کہ گزشتہ زمانہ میں جب کبھی تکلیت و مصیبت کا دور آیا۔ تو اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کر نیکا جذبہ خود بخود مٹ گیا۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ لوگ سرمایہ کو جسے محفوظ رکھنا چاہتے صرف کر کے اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کریں۔ اور اپنے مستقبل کو خطرہ میں ڈال دیں۔ کیونکہ یہ جذبہ ایسا ہے جسے صرف قانون انتقالِ ارضی ہی کسی حد تک روک سکا ہے۔ اور قانون سا ہو کارہ بھی اس خلا کو پُر نہیں کر سکا۔ امداد باہمی کی تحریک نے بھی بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ لیکن اس تحریک کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُن لوگوں کے لئے سخت قانون نافذ کئے ہیں۔ جو بیسودا درغیرِ منفعت بخش مقاصد کیلئے روپیہ قرض دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرعی تحقیق اور تعلیم کے لئے ایک اسکیم مرتب کی جائے۔ جس سے لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ کہ اگر عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے۔ زمین پر سرمایہ صرف کیا جائے۔ بہتر مندی اور سلیقہ سے زراعت کی جائے۔ تو زندگی کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو ترقی دیا جائے۔ جن سے زراعت کو مدد ملتی ہے۔ اور جن سے چھوٹے چھوٹے مالکانِ ارضی خوشحالی اور فراغت حاصل کر سکتے ہیں۔ چونکہ دولت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ خرچ کی نسبت آمدنی زیادہ ہو۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اسراف اور فضول خرچی سے احتراز کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جو اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ ان سے متعلق تہم کچھ کہہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ کہ سلور بالائیں ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اس عمل میں لانے کیلئے ضروری ہے۔ کہ سرکاری افسروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اور زراعت پر حکومت کی گرفت زیادہ مضبوط ہو جائے۔ حالانکہ اس صوبہ میں دونوں چیزیں کافی موجود ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ گزشتہ مردم شماری میں سرکاری ملازموں اور ان کے متوسلین کے متعلق جو اعداد و شمار فراہم ہوئی ہیں۔ (ان میں فوجی ملازم بھی شامل ہیں) ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکاری ملازمین صوبہ کی پوری آبادی میں ۳۷ و ا فیصدی ہیں۔ حالانکہ گداگر ۲۲۲ فیصدی ہیں۔ طرح گویا اس صوبہ میں سرکاری افسروں کی نسبت گداگروں کی تعداد زیادہ ہے۔ مزید برآں جاپان نے گزشتہ سالوں میں جو ترقی کی ہے۔ اس کا ولولہ سرکاری افسروں نے پیدا کیا۔ اور ترقی و بہبود کے تمام کاموں میں وہ صرف حصہ ہی نہیں لیتے رہے۔ بلکہ لوگوں کو حصہ لینے پر مجبور کرتے رہے۔ ساتھ ہی یہ کہدینا بیجا نہ ہوگا۔ کہ ضروری نہیں۔ کہ صرف سرکاری عہدہ دار ہی صوبہ میں نئی زندگی کی نفع پھونکیں۔ حکومت کو اس وقت اپنے ملازمین سے کام لینے کی ضرورت ہوگی۔ جب عوام کی کوششیں ناکام ثابت ہونگی۔ اگر غیر سرکاری مجالس میں اس قدر دُور اندیشی اور نکتہ رسی پیدا ہو جائے۔ کہ وہ مقامی مزدوروں کی تعلیم و تربیت کے لئے دوسرے ممالک سے ہنرمند کاریگر طلب کر سکیں۔ تو حکومت کو دخل دینے کی بہت کم ضرورت محسوس ہوگی۔ اصل چیز تو یہ ہے۔ کہ غیر سرکاری ذرائع سے لوگوں کو فراغت اور آسودہ حالی سے ترقی دیکھائے۔ اور جہاں انہیں ناکامی ہو۔ حکومت یہ فرض انجام دے۔ لیکن جہاں تک زراعت کے مستقبل کا تعلق ہے۔ ہمیں اس کا یقین نہیں۔ کہ کوئی غیر سرکاری مجلس یہ خدمت انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کسانوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے۔ اور انکی آمدنی کا اوسط اس قدر کم ہے۔ کہ یہ تو امید ہی نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ خود رضا کارانہ اس مقصد کے لئے کافی جذبہ دے سکیں۔ اس لئے لامحالہ یہی چارہ کار نظر آئیگا۔ کہ سرکار کے خرچ پر خدمات کو ترقی دی جائے۔ اور ترقی کے انہیں طریقوں پر اکتفا کیا جائے۔ جنہیں حکومت کا عبویہ فراہم کر سکے۔

یہ مسئلہ کہ ترقی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے کسی نہ کسی قسم کے اقتصادی دباؤ کی ضرورت ہے اس وقت تک تشنہ رہیگا۔ جب تک اس امر کا ذکر نہ کیا جائے۔ کہ زراعت کے معیار پر شرح مالکداری

کا کیا اثر پڑتا ہے۔ پرانے زمانے میں حکومت خام پیداوار کا ایک تہائی اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ مالگذاری کے طور پر وصول کر لیا کرتی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کسان جس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کم از کم اتنی پیداوار تو بچ رہے۔ جس سے اس کا گزارہ ہو سکے۔ جب یہ دیکھے گا۔ کہ اس سے زیادہ مالگذاری کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ تو زیادہ غلہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ جس ملک میں لے دیکھے ایک زراعت ہی کسانوں کی زندگی کا سہارا ہو۔ اور کوئی دوسری صنعت موجود نہ ہو۔ وہاں تو ان سے زیادہ سے مالگذاری کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ زراعت کو ترک کر دیں گے۔

ہم نے دوسرے ابواب میں بیان کیا ہے۔ کہ انگریزی تسلط کے بعد شرح مالگذاری میں جو کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کے باعث کئی نقص بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی کسان کی سلکھ باسانی قائم ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قرض کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ زمین کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اور غیر غلت پیشہ لوگ اس پر روپیہ لگا رہے ہیں۔ گویا شرح مالگذاری سے کسان کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا۔ لیکن اس چیز نے اُن سے نقصان پہنچایا یعنی اس کے لئے تحریص کا سامان ہتیا کر دیا ہے۔ جس سے وہ ہمدرد برائے نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح وہ کئی نئی مشکلات میں پھنس گیا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے۔ کہ کسان اُسی صورت میں خوشحالی حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ شرح مالگذاری معتدل ہو۔ اگر ان سے بہت کم مال وصول کیا جائے۔ تو اس سے انہیں فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ اگر کسانوں سے زیادہ مالگذاری کا مطالبہ کیا جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ انہی خوشحالی میں نمایاں ترقی نظر آئیگی۔ البتہ اس قدر صحیح ہے۔ کہ مالگذاری میں تخفیف کی وجہ سے ترقی کا ولولہ مٹ جاتا ہے۔ پہلے مالگذاری خام پیداوار کا ۱/۳ ہوا کرتی تھی۔ اور کورٹ آف وارڈ کے اعداد کے مطابق اب مالگذاری کا اوسط خام پیداوار کے پانچ فیصدی سے بھی کم ہے۔ چونکہ کسان صرف اسی قدر غلہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس پر وہ زندگی بسر کر سکے۔ اس لئے یہ ضروری تھا۔ کہ شرح مالگذاری میں کمی کے باعث کسان کی

لے سرچیز ولس نے ۱۹۱۰ء میں اس مسئلہ پر خامہ فرمائی کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ مالگذاری غلہ زرعی پیداوار کی اوسط قیمت کا فیصدی ہے اس میں وہ آمدنی شامل نہیں جو مولشی سے حاصل ہوتی ہے۔



محنت و مشقت میں بھی کسی قدر کمی واقع ہو جاتی۔ ہم دوسرے ملکوں کی مثالوں سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہمارا استخراج دوا اڑکار نہیں۔ جب امریکہ کے وسیع میدانوں میں نہایت سرعت کیساتھ گہروں کی کاٹت ہوئے لگی۔ اور یورپ کی زراعتی پیداوار کی قیمت کم ہو گئی۔ تو یورپ والوں کی آمدنی میں جو کمی واقع ہو گئی تھی۔ اُس نے اُن میں پیداوار کو فروغ دینے کی استعداد بہت بڑا دی۔ چنانچہ سائنٹیفک اصولوں پر زراعت کو ترقی دی گئی۔ کئی بہتر طریقے اختیار کئے گئے۔ اور کاروبار کی تنظیم بہتر اصولوں پر کی گئی ہے۔ اس وقت یورپ میں زیادہ تر کسان ہی مالکانِ اراضی ہوا کرتے تھے۔ چونکہ فرانس میں اُن کی تعداد ۷ فیصدی تھی۔ جرمنی میں ۸۸ فیصدی اور ڈنمارک میں ۸۰ فیصدی سے کسی قدر زیادہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی ازرانی سے جو منافع پیدا ہوئے۔ اسکا مقابلہ کسی دوسرے کو نہیں بلکہ اُن کو خود کرنا پڑا۔ آئرلینڈ میں اُس کا یوں مقابلہ کیا گیا۔ کہ رقم لگان میں کمی کر دی گئی۔ لیکن زراعت کے طریقوں کو ترقی دینے کی جانب کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ پھر جب بیعِ اراضی کی اسکیم عالم وجود میں آئی۔ اور رقم لگان کی بجائے رقم بیع سالانہ قسطوں میں ادا کی جانے لگی۔ جو عموماً تعداد میں کم ہوتی تھی تو پیداوار میں مزید کمی واقع ہونیکا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن آئرلینڈ کو انجمنِ ملے امدادِ باہمی اور محکمہ زراعت کے قیام نے اس خطرہ سے بچا لیا۔ کہ اسی طرح انگلستان میں بھی جدید طریق زراعت کو اس لئے ترقی نصیب نہیں ہوئی۔ کہ مالکانِ اراضی نے یہ گواہ کر لیا۔ کہ رقم لگان میں تخفیف کر دی جائے۔ لیکن انہیں یہ منظور نہ ہوا۔ کہ زراعت پر زیادہ محنت صرف کی جائے۔ اور بہتر طریقے رائج کئے جائیں۔ چنانچہ جن مصیبت نے یورپ کے دوسرے ممالک کے کسانوں کو زراعت کے طریقوں میں کلیتہً تبدیل و تغیر پر مجبور کر دیا تھا اسکا مقابلہ انگلستان میں اس طرح کیا گیا کہ رقم لگان میں تقریباً تین فیصدی کی کمی کر دی گئی۔ یہ طرح گویا انگلستان کے مالکانِ اراضی نے مزارعین ہی جو مشقت آمیز سلوک کیا اُس سے بہت مجموعی زراعت کو فائدہ نہیں بلکہ انا نقصان پہنچا۔

لے نسل ری کنٹرکشن ان آئرلینڈ صفحہ ۲۲ + لے ایڈ صفحہ ۲۲ +

لے ٹیٹ ہلپ نار ایگریکلچر صفحہ ۴۸۔ لے لڈ کی شریٹ سٹری ان ایگریکلچر صفحہ ۱۱۱ کی کتاب ایگریکلچر آف یورپ صفحہ ۶۶  
 ڈیٹیکٹ کے ایک ہائڈ نے جنوری ۱۹۲۷ء میں ٹائٹل کے نام ایک مکتوب لکھا تھا جس میں انگلستان کی زراعت پر بحث چینی کی گئی تھی۔

منجملہ ادراساپ کے ایک درجہ بھی بتائی ہے کہ زمیندار مزارعین سے بہت سابقہ کسان لیتے ہیں +



پنجاب کے متعلق قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں پیداوار پر مالگداری کا کیا اثر ہوا لیکن شہر میں  
 کے قریب جہاں راضی کا لگان زیادہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس سلسلہ میں  
 عوام کا رجحان کیا ہے جو لوگ ان راضی پر مزارع کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بڑی بڑی رقم لگان  
 دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ ان راضی کی عمیق کاشت کر کے وہ اسبابِ حیات فراہم  
 کر سکیں گے۔ لہذا ایک مزارع زیادہ لگان ادا نہ کر سکے تو اسے کمال دیا جائیگا۔ اور اس کے بجائے کوئی دوسرا  
 مزارع زمین پر آباد ہو جائیگا۔ صوبہ کے دوسرے حصوں میں یہ عام طور پر دیکھا گیا گیا ہے۔ کہ مزارعین ابھی تک راضی  
 پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر لگان پیش نہیں کرتے۔ لیکن جب باہمی  
 مقابلہ کے اس سلسلہ نے جو بعض نہری نوآبادیوں میں شروع ہو گیا ہے۔ سامے صوبہ میں قبول عام  
 حاصل کر لیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لگان کی قیمتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ اور ساتھ ہی پیداوار کے طریقے بھی  
 اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ اگر ایسا زمانہ آجائے۔ کہ ہوشمند نوجوان جو زراعت کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں کاشتکاری  
 کی جانب توجہ کریں۔ تو وہ غیر ترقی پسند کسانوں سے گونے بدعت بجا لینگے۔ اور ایسے بڑے بڑے قطعات راضی  
 پر قبضہ کرینگے جہیں وہ پوری طرح اپنی ہمت کے جوہر دکھا سکیں اور اچھی طرح زندگی بسر کر سکیں۔ اس وقت  
 پرانی وضع کے مزارع کو یا تو اپنے طریق زراعت میں تبدیلی کرنی پڑیگی۔ یا وہ تباہ ہو جائیگا۔ مالگداری  
 کے موجودہ طریقہ میں یہ اہمیت نہیں کہ اُسے توڑ مروڑ کر وہ کام لیا جائے جو ایک عقلمند زمیندار سے لیا جا  
 سکتا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ آبپاشی کے نرخ کا انتظام اس طرح کیا جائے۔ کہ کسان کو جس سے  
 قوڑی آمدنی ہوتی ہے۔ چھوڑ کر کسی زیادہ قیمتی فصل کی کاشت شروع کر دیں +



لے زراعت کی منفعت میں جو عظیم اضافہ ہو رہا ہے۔ کہی حد تک اس کا باعث یہ ہے۔ کہ زیادہ تعداد میں مزارعین زمین کی کاشت کر  
 رہے ہیں۔ مالکان راضی کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کھوڑا راضی محنت کر نیکے بجائے واسی لگان پر دیکر زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں +

# پھٹا باب

## پنجاب کی اراضی!

گذشتہ ابواب میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ کہ پنجاب کے جغرافیائی محل وقوع اور اس کے دریلنی میدان کا اس صوبہ کی اقتصادی حالت پر کیا اثر پڑا ہے۔ اس سلسلہ میں تیسرا نہایت اہم عنصر یہ ہے۔ کہ پنجاب کی اکثر اراضی وسعت کے اعتبار سے بہت چھوٹی ہیں۔ صوبہ کا مجموعی رقبہ مزروعہ دو کروڑ نو سے لاکھ یا دو کروڑ تیس لاکھ ایکڑ ہے۔ اور یہ ایک کروڑ سے زیادہ اراضی میں بٹا ہوا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک زمیندار ایک سے زیادہ اراضی کی ملکیت میں حصہ دار ہے۔ مثلاً لائل پور اور شاہ پور کے آباد کار اپنے ضلع میں اراضی کے مالک ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں۔ جن کی زمین ایک ہی ضلع کے دو تین دیہات میں واقع ہے۔ سرکاری پلوڑوں سے ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ مالکان اراضی کی صحیح تعداد کیا ہے۔ مردم شماری کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوبہ میں چالیس لاکھ سے زیادہ مالکان اراضی موجود ہیں۔ لیکن یہ تعداد سرکاری بیان کے مطابق نہیں۔ کیونکہ مالگذاری ادا کر نیوالے اشخاص کی مجموعی تعداد پچیس لاکھ بیان کی گئی ہے۔ مالگذاری کا اوسط دس سے بارہ روپیہ تک ہے۔ اور اراضی کے رقبہ کا اوسط سات اور آٹھ ایکڑ کے درمیان ہے۔ سرسری طور پر اس طرح تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ۲۰۰ کسان جنہیں سرکاری مزارعین بھی شامل ہیں۔ ۲۵۰ روپیہ یا اس سے زیادہ مالگذاری ادا کرتے ہیں۔ جنکی مملوکہ اراضی کا اوسط ایک پچاس ایکڑ سے کم ہے۔ ایک لاکھ کسان پچاس روپیہ یا پچاس روپیہ سے زیادہ لگان دیتے ہیں۔ ان مملوکہ اراضی کا اوسط تقریباً پچیس ایکڑ ہے۔ تین لاکھ کسان پچیس روپیہ یا

اس سے زیادہ مالگذاری داخل کرتے ہیں۔ اُن کی اراضی کا اوسط اٹھارہ ایکڑ ہے۔ اور تقریباً تیس لاکھ کسان بچپن میں روپیہ سے کم مالگذاری ادا کرتے ہیں۔ اور ان کی اراضی کا اوسط اٹھارہ ایکڑ سے کم ہوتا ہے لیکن اس تعداد میں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی بھی شامل ہیں۔ جو مندوں یا مکانات وغیرہ سے ملحق ہیں۔ یا لوگوں کو عطا کر دینے جاتے ہیں۔ یا مالک اراضی کے بعد کسی برہمن کو دان کے طور پر دیدیئے جاتے ہیں۔ اگر ان اراضی کو جنہیں وسیلہ حاش کی حیثیت حاصل نہیں الگ کر دیا جائے تو اغلب ہے۔ کہ تیس لاکھ مالکان اراضی کی مملوکہ زمین کا اوسط دس سے بارہ ایکڑ تک رہ جائیگا سرچیز و کسٹن نے اندازہ لگایا تھا کہ ہر مالک اراضی کے پاس جب قدر زمین ہے۔ اس کا اوسط پندرہ ایکڑ ہے۔ اور وہ رقبہ جس کی زراعت خود مالکان اراضی کرتے ہیں۔ اس کا اوسط سترہ ایکڑ ہے۔ اور جس رقبہ کی کاشت مزارعین کے سپرد ہے۔ اس کا اوسط پانچ ایکڑ۔ لیکن اس اوسط سے صوبہ کے صحیح حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔ جالندھر۔ گورداسپور۔ ہوشیارپور کے علاقوں میں جہاں زمینوں کو کنوؤں کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ مملوکہ اراضی کا اوسط چار ایکڑ ہے۔ جنوب مشرق میں جہاں آبپاشی کا کوئی انتظام نہیں۔ اراضی بڑی بڑی ہیں۔ اور مغرب کی سمت بھی یہی کیفیت ہے۔

فیل میں پنجاب کے قطعات اراضی کا مقابلہ دوسرے ممالک سے کیا جاتا ہے۔

ایک ایکڑ کے کم رقبہ کے قطعات اراضی شامل کر کے      ایک ایکڑ کے قطعات اراضی کے علاوہ

۱۴۰۵

۵۰۷

۲۴

۱۵۰۵

بلجیم

فرانس

۱۸۸۱ء کا شمار (یہ سرکاری رپورٹ ریفرم ایکم کے معلقہ انتخاب کے سلسلے میں سب کی گئی ہے۔

۱۹۱۱ء کا شمار (پنجاب کی تازہ اقتصادی ترقیات) ۱۹۱۱ء

۱۹۱۱ء کی کتاب "ایڈوانسڈ لیبر" میں سے بلجیم سے سبق لیتے یہ اعداد جنگ سے پہلے کے ہیں قیمت امرتسر کے اعداد و شمار کا رپورٹ مرتبہ ۱۹۱۱ء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اراضی کے رقبہ کا اوسط اور اوسط مالگذاری حسب قرار فیل ہیں۔ امرتسر میں

۱۹۱۱ء اور ۱۳ روپیہ گورداسپور میں ۱۵ ایکڑ اور ۱۶ روپیہ ۱۹۱۱ء اور ۱۶ روپیہ ۱۹۱۱ء

ایک ایکڑ کے کم رقبہ کے قطعات اراضی شامل کر کے ایک ایکڑ کے قریب قطعات اراضی کے علاوہ

۳۳۵

۱۹۰۲۵

جرمنی

۴۹

۳۵۰۵۹

ڈنمارک

۷۰

۴۶۰۹۵

انگلستان

۵۷

۵۶۰۳۱

سکاٹ لینڈ

۶۲

۳۸۰۰۵

ویلز

لیکن جب تک ساتھ ہی یہ بھی نہ بتایا جائے کہ ان ممالک میں زراعت کیونکر ہوتی ہے۔ یہ اعداد و شمار گمراہ کن ثابت ہونگے۔ امریکہ میں اراضی کا اوسط گزشتہ ساٹھ یا ستر سال سے زوال پذیر ہے۔ اب امریکہ میں زمین کا اوسط ایک سو تیس ایکڑ ہے۔ لیکن اس ملک میں کھیت سے عام طور پر ایسا رقبہ مراد لیا جاتا ہے جس کی وسعت ایک سو پچاس ایکڑ سے دو پچاس ایکڑ تک ہو۔ انگلستان میں کھیت سے تقریباً ایک سو پچاس ایکڑ زمین مراد لی جاتی ہے۔ سات فی صدی زمین ایسی ہے جو ایک سو ایکڑ سے زیادہ وسیع کھیتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ لیکن چھوٹی چھوٹی اراضی کی کثرت ہے جنکا رقبہ پچاس ایکڑ سے کم ہے۔ اگرچہ امور عامہ سے دلچسپی لینے والے حضرات اس خیال کی حمایت کرتے رہے ہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی اراضی کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے۔ لیکن اراضی کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے۔ اور عام رجحان اس امر کی جانب ہے کہ اراضی پچاس ایکڑ سے تین سو ایکڑ تک ہوں۔ چنانچہ پانچ ایکڑ سے کم اراضی کو اصطلاح میں کھیت نہیں بلکہ قطعہ مفوضہ کہنا چاہئے۔

بلجیم میں سات لاکھ مالکان اراضی ہیں۔ ان میں تقریباً ۵۲۰۰۰۰ ایسے ہیں جن کے قبضے میں پانچ ایکڑ سے کم رقبہ کی زمین ہے صرف پچاس ہزار ایسے مالکان اراضی ہیں جن کی مملوکہ اراضی کا رقبہ پچاس ایکڑ سے زیادہ ہے۔ اور چار لاکھ مالکان اراضی ایسے ہیں جن کے قبضہ میں ارضائی ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔ لیکن اس کے باوجود اراضی کی وسعت میں مزید

لے آؤ گئے ۶۸ء میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ انگلستان کے انحصاری زمینداروں کے قبضہ میں ۳۰ ایکڑ سے زیادہ زمین ہوتی ہے۔ انگریز زمینداروں کے قبضہ میں ۳۰

کمی واقع ہو رہی ہے۔ کیونکہ پنجاب کی طرح بلجیم کے کسان بھی اپنی جائیداد کے بیشتر حصہ کو اپنی اولاد میں مساویانہ طور پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ انگلستان میں اراضی کے وسیع ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہاں بڑا بیٹا جو اپنے باپ کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ اراضی پر قبضہ کر لیتا ہے۔

اب دوسرے ملکوں کو لیجئے۔ بلغاریہ میں زمین کا اوسط گیارہ ایکڑ کے قریب ہے، رومانیہ میں زمین پر بڑے بڑے مالکان اراضی قابض ہیں۔ اور مزارعین کی حالت غلاموں سے اچھی نہیں۔ سربیا میں ۵۵ فیصدی مالکان اراضی کے قبضے میں پچاس ایکڑ سے کم رقبہ کی زمین ہے۔ اور نصف کے قریب ایسے ہیں۔ جن کے قبضے میں آٹھ ایکڑ زمین ہے۔ جاپان میں اراضی کا اوسط اڑھائی او تین ایکڑ کے درمیان ہے۔ ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف پنجاب میں ہی چھوٹی چھوٹی اراضی نہیں۔ بلکہ دوسرے ملکوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یہاں جو چیز عجیب و غریب نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مالکان اراضی اتنی زمین کی کاشت خود کرتے ہیں۔ جو ان کی ضرورت پورا کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہوتا۔ غالباً یہ کہنا صحیح ہو گا۔ کہ ہر مالک اراضی جسکے قبضہ میں پچیس ایکڑ سے زیادہ زمین ہے۔ اس کا ایک حصہ مزارع کو لگان پر ضرور دیتا ہے۔ یہ کوشش نہیں کی جاتی۔ کہ وسیع کھیت قائم کئے جائیں۔ اور وہ لوگ بھی جن کے قبضے میں کافی زمین ہے۔ ایسا نہیں کرتے۔ اسی طرح شاذ و نادر ہی یہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ کسی مزارع نے پچیس ایکڑ سے زیادہ زمین کی کاشت کی ہو۔ حالانکہ اگر وہ چاہے تو اتنی زمین تو لگان پر لے سکتا ہے بلکہ دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ایک وسیع رقبہ زمین لگان پر لیتا ہے۔ تو وہ اس کا ایک حصہ کسی دوسرے مزارع کو اجارہ پر دے دیتا ہے۔

پنجاب کی اس خصوصیت سے قطع نظر کر لیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ اس صوبہ کو اکثر مالک پر فوٹیت حاصل ہے۔ جاپان کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ جب ایک ملک جدید علم و فن خصوصاً جیڈ سائنٹیفک زراعت اور طریق تنظیم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ تو اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء تک اس ملک کو عدا مغربی اقوام سے تعلقات پیدا نہیں کرنے دیئے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں فیوڈل سسٹم کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور شاہنشاہی قائم ہوئی۔ جواب تک چلی آتی ہے۔ جاپان میں گزشتہ پچاس سال کے اندر بہت اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

لیکن جاپانی ابھی تک نکبت و افلاس کے پھندوں میں گرفتار ہیں۔ زراعت کا طرہ و مدار ابھی تک انسانی محنت پر ہے۔ ابھی تک وہی قیادوسی آلات کشاورزی استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ تو ہوتا ہے۔ لوگ زراعت میں ایک میلن یا ایک گھوڑے سے مدد لیں۔ لیکن یہ بہت کم ہوتا ہے۔ کہ گھوڑوں اور بیلوں کی جڑی سے زراعت کا کام کیا جائے۔ ریل و رائل کا کام بھی آدمی ہی کرتے ہیں۔ آدمی ہی بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اور وہی قدیم وضع کی گاڑیوں کو جن پر بھاری بوجھ لدا ہوتا ہے خراب ٹرکوں اور کمان کی طرح خمیدہ پول پر سے کھینچے جاتے ہیں۔

کسان خواہ کتنی ہی محنت سے زراعت کیوں نہ کریں۔ چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی سے وہ معمولی سے معمولی سامان معاش بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جاپانی کسانوں کو بسر و قات کے لئے زراعت کے علاوہ کوئی اور کام بھی ساتھ ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ اگر جاپان کا کسان ریشم کے کیڑوں کی پرورش نہ کرتا۔ تو اُس کیلئے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا۔ وٹاں پیداوار کا تقریباً سولہ یا ستر فیصدی تو محصولوں میں صرف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ پنجاب میں محصولوں پر جو کچھ صرف ہوتا ہے۔ وہ پیداوار کے پانچ فیصدی سے بھی کم ہوتا ہے۔ زمین کا لگان زمین کی مجموعی قیمت کا تین فیصدی ہوتا ہے۔ اور مقامی محصول ایک فیصدی۔ پنجاب میں مالگداری زمین کی قیمت کا ایک فی صدی بھی کم نہیں۔ بلکہ اس کا نصف ہوتی ہے۔ بیچارے جاپانی کسان کی حالت یہ ہے۔ کہ اُس کچا پس بیل بھی نہیں۔ جو ہل چلانے میں اس کی اعانت کر سکیں۔ اُس کے کندھوں پر حاصل کا بار گراں پڑا ہے۔ چھوٹی سی زمین ہے۔ اور افلاس کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ وہ بیچارہ

لے ملاحظہ ہو مکمل نمبر ابیت ۱۹۲۲ء جاپانی مزدوروں کے متعلق رپورٹ۔

لے ملاحظہ ہو جاپان کی سیرک: لندن جاپان (جاپان جدید) جاپان بائی جاپانیز وغیرہ وغیرہ۔ ریشم کا تگ بنانا۔ اور اس سے کپڑے بننا۔ جاپان کی بہت بڑی گھریلو دستکاریاں ہیں۔ ان کے علاوہ مزے بننا، یاسلائی، بٹن، برش اور جھانڈنا۔ سن اور پال کی چیزیں بنانا۔ نقلی موتی اور جواہر بنانا، بلبان کی بڑی صنعتیں ہیں۔ بیوی یا تو باہر کھیت میں جا کر کام کرتی ہے۔ یا گھر میں کام کرتی ہے۔ اور اسی قسم کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔ اور تو اور گلی کوچوں میں کھیلنے وقت بھی وہ بچیاں سے چیزیں بناتے دیکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ جاپان کے مزدوروں کے متعلق سرکاری رپورٹ +

زراعت کیساتھ کوئی دوسرا کام کرنے مثلاً چاول اور پیاز کی چیزیں بنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر کام میں اُس کے بیوی بچے اُس کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے پنجاب کے کسان کو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہئے۔ کہ اپنے جاپانی ہم پیشہ بھائیوں سے اُس کی حالت بدتر ہو رہی ہے۔

یہ کہنا غیر ضروری ہو گا۔ کہ جب اراضی چھوٹی سی ہو۔ تو کسب معاش کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ متواتر وہیم محنت کر کے زمین کی گہری جوئی کی جائے۔ اور کاشتکاری سے جو آمدنی حاصل ہو، انہیں اضافہ کرنے کے لئے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا کام بھی کیا جائے۔ لیکن جاپان کی یہ کیفیت ہے۔ کہ یہ تمام چیزیں جمع ہو کر بھی عمدہ سامانِ معیشت ہتیا نہیں کر سکتیں۔ بلجیم میں تو سائینس اور امدادِ باہمی کی تحریک نے چھوٹے چھوٹے مشقت پسند مالکانِ اراضی پر یہ واضح کر دیا ہے۔ کہ سرمایہ کو منفعت بخش کاروبار میں لگانے کا طریقہ کیا ہے۔ جس کا ہر شخص کو قائل ہو جانا چاہئے۔ یعنی اگر ایک چھوٹے سے رقبہ میں سائنٹیفک طریق پر زراعت کرنے کے لئے بہت بڑا سرمایہ صرف کرنا ہے تو انسانی خوراک کے بجائے انسان کے لئے دودھ، مکھن، گوشت بطورِ خوراک ہتیا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جاپان میں مذہبی خیالات کی وجہ سے پھلی کے سوائے دوسرے حیوانات کا گوشت کھانا ممنوع ہے، کچھ مویشی جو دکھائی دیتے ہیں۔ اُن سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے۔ اور لوگ دودھ اور مکھن سے نا آشنا ہیں۔ جاپانی زمین سے پوری پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے وہ منسلح ہوئے ہیں۔ اور بلجیم میں صرف ۹ فیصدی رقبہ مرزوعہ میں گیہوں کی کاشت ہوتی ہے۔ ورنہ زیادہ تر دوسری قیمتی اجناس مثلاً چھتر، تباکو اور سن یا ایسی اجناس کی کاشت کی جاتی ہے۔ جو مویشی کی خوراک بن سکیں وہاں زمین میں جھتر کھا ڈالی جاتی ہے۔ اور جھتر مویشی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اُس کا اوسط تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ زراعت پر جو انسانی عنصر کا گہرا اثر پڑتا ہے اُس کا اندازہ بلجیم اور روس کے کسانوں کے باہمی موازنہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ روسی کسان زمین میں کچھ نہیں ڈالتے۔ اور اُس سے جتنا زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ محنت و

لے مٹروٹری نے (مثلاً) حسب ذیل تناسب فی صدی بیان کیلئے۔ فرانس ۲۱۔ جرمنی ۵۔ برطانیہ ۱۱۔

مشقت سے زراعت کرنے کو قابلِ نفرت سمجھتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے زمین کو تباہ کر دیا ہے اُس کی زرخیزی ختم ہو چکی ہے۔ اور ابھی تک وہ مزید پیداوار حاصل کرنے کے طالب ہیں۔ روسی کسان کے پاس عام طور پر جس قدر زمین ہوتی ہے۔ اگر اس کی کاشت اسی طرح کی جاتی جس طرح بلجیم اور جرمنی میں کی جاتی ہے۔ تو وہ اسکی ضروریات کیلئے کافی ثابت ہوتی۔

پنجاب کو بلجیم سے یہ سبق سیکھنا چاہئے۔ کہ قطعاتِ اراضی کا چھوٹا ہونا خوشحالی کی راہیں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ اگر ترقی کرنے کا حوصلہ موجود ہو۔ سائنس، امداد باہمی، سرمایہ اور محنت و مشقت سے کام لیا جائے۔ تو ایک چھوٹے سے رقبہ پر بھی اچھی طرح زندگی بسر کجا سکتی ہے۔ لیکن زمین پر عقل و دانش اور ہنرمندی صرف کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے قصہ مختصر اگر پنجابی کسان صحیح معنوں میں خوشحالی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اُسے چاہئے کہ اپنے طریقِ عمارت میں بحیرہ تغیر و انقلاب پیدا کر دے۔

بلجیم سے بالکل متضاد کیفیت دیکھنا ہو۔ تو سربو یا کی حالت دیکھئے۔ اس ملک میں قطعاً اراضی چھوٹے چھوٹے ہیں۔ جو ابھی خدا جانے اور کتنے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ زمین کی زراعت کے بارے میں بھی اس کی کیفیت بعینہ پنجاب کی سی ہے۔ زراعتی تعلیم پستی کی حالت میں ہے۔ سرمایہ کا فقدان ہے۔ لوگ زراعت کو صنعت و حرفت اور دیہات کے شہروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ ریلوے کے سلسلے کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ ملک کا جغرافیائی محل وقوع ایسا ہے کہ سمندر تک پہنچنا مشکل ہے۔ اس طرح گویا ملک اقتصادی حیثیت سے طاقتور مہیا سلطنتوں کا محتاج ہے۔ جن سے ہمیشہ اس کے تعلقات دوستانہ نہیں رہتے۔ راج سے کچھ عرصہ پیشتر کیفیت تھی۔ کہ سربو یا سے جو مال برآمد کیا جاتا تھا۔ اُس میں سے نوے فیصدی آسٹریا کو جاتا تھا یا تو اس مال کی کھپت وہیں ہو جاتی تھی۔ یا تو دور دراز منڈیوں کو بیچ دیا جاتا تھا۔ سربو یا کے کسان ابھی تک

۱۔ ملاحظہ ہو "ایکس آف رشا" (روس کا ناول) صفحہ ۱۵۱۔ جی ڈی۔

۲۔ فرانس میں جہاں لاکھ سے زیادہ اراضی ایسی ہیں۔ جن کا رقبہ  $\frac{1}{4}$  ایکڑ سے بھی کم ہے۔ جرمنی میں بھی تقریباً یہ کیفیت ہے۔



زراعت کے نہایت دقیقانوسی طریقوں پر کاربند ہیں۔ وہ زمین کو زرخیز بنانے کے لئے اُس میں کھاد نہیں ڈالتے۔ اس لئے پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ مصنوعی کھاد کا تو کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ صرف ۳۲ فی صدی رقبہ میں زراعت ہوتی ہے۔ جو آرمک کی اہم ترین جنس ہے۔ اور پچارے کسان اسی سے پیٹ پالتے ہیں۔ البتہ اس ملک میں مویشی پالے جاتے ہیں۔ مویشی اور دودھ مکھن، پیئر وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔ سوئر کو پالتو جانوروں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اس کے بعد سینگ والے جانوروں کا درجہ آتا ہے۔ تمام کسان سوئر پالتے ہیں اور ان سے بہت نفع حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ثمر دار پودوں کی کاشت بھی کی جاتی ہے۔ آلوچہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ جسے سکھا کر باہر بھیجا جاتا ہے۔ ہر ضلع کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس میں ثمر دار درختوں کا ایک باغ ہو، جو کم از کم بارہ ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہو۔ سروریا ایک مفلس اور در ماندہ ملک ہے۔ لیکن اس کے لیڈر دیہاتی مسائل کو سلھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو جان لیا ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی محض اجناس خوردنی کی کاشت کر کے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

اس سلسلہ میں ٹومارک کا ذکر نامناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہاں پنجاب کی نسبت ارضی بہت بڑی ہے۔ لیکن یہ کہنا غیر متعلق نہیں ہوگا۔ کہ اگرچہ ٹومارک کے لوگ جنہیں اعلیٰ درجہ کی تنظیم پائی جاتی ہے۔ گیارہوں کی کاشت بہت کم کرتے ہیں۔ اور زمین کو مویشی کیلئے چارہ دینا کرنے کے کام میں لگتے ہیں۔ تاہم اکثر سامان خورد و نوش مثلاً اناج، آٹا وغیرہ دوسرے ملکوں سے لایا جاتا ہے۔ اور یہاں سے مویشی، مکھن، پیئر، سوئر کا گوشت، انڈے وغیرہ باہر بھیجے جاتے ہیں۔

لے سروریا بانی سرورینز، ابواب ۱۵-۱۶ + لے مٹر رابرٹس لکھتے ہیں۔ کہ ٹومارک اور ٹیم کوہ بہت فائدہ ہے۔ کہ انکی اجناس اچھٹ جیسے صنعتی ملک میں فروخت ہوتی ہیں۔ لیکن پنجاب میں اگر موجودہ زمانہ کی نسبت زیادہ لکھی پیدا ہو۔ یا باہر سے لایا جائے۔ تو یہاں وہ صرف ہوا بیگ۔ اس لئے فروخت کیلئے مٹی تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مٹر رابرٹس یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر پنجاب کے کسان غیر ہوا کشت شروع کر دیں۔ تو انہیں زیادہ پانی کی ضرورت ہوگی۔ اور زچہ نہریں اس کے لئے ناکافی ہیں +

دوسرے ملکوں پر یہ مختصر تبصرہ کرنے کے بعد جب ہم پنجاب کی جانب توجہ کرتے ہیں تو یہیں کئی باتیں قابل غور نظر آتی ہیں۔ اس سر زمین کے کسانوں کو اس امر پر اصرار ہے کہ وسیع زمین میں تھوڑی جوتائی کھجائے اور اس پر زیادہ محنت بھی صرف نہ کی جائے، و قیاً نوی آلات زراعت استعمال کئے جائیں۔ وہ اس کھاد کو بھی جو مویشی سے حاصل ہوتی ہے۔ زمین میں شاد و نادر ہی ڈالتے ہیں اور مصنوعی کھاد بالکل استعمال میں ہی نہیں لائی جاتی ہے۔ وہ زمین کا ایک بڑا حصہ یعنی تقریباً ۱/۲ گیارہواں زمین کی کاشت کے لئے وقت کر دیتے ہیں۔ اور مویشی کی خوراک ہتیا کرنے کا کام زمین کی بہت کم لیتے ہیں۔ وہ پھلوں کی کاشت نہیں کرتے۔ اور مویشی یا مویشی کے دودھ مکھن کی تجارت نہیں کرتے۔ ہاں البتہ کچا چمڑہ باہر ضرور بیچا جاتا ہے۔ ان کے مذہبی جذبات کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ وہ سینگوں والے مویشی کی پرورش کر کے ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ دوسرے ملک ان چیزوں سے بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ایک تو آلو، اور دوسرے سور پنجاب میں آلو کی تو یہ کیفیت ہے۔ کہ اسے ابھی تک عام غذا کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور سور کو ممنوع جانور سمجھا جاتا ہے۔ کسان کاشتکاری کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ جن سے انکی آمدنی میں ترقی ہو اگر کوئی کام کرتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اپنی بہلیوں کو کرایہ پر چلا دیتے ہیں۔ و تنکاری بعض بعض ضلع ذالوں اور قبیلوں کے لئے مخصوص ہے۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کو مقبول عام بنانے کی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شہد کی مکھیاں شاد ہی پالی جاتی ہیں۔ منس، بلخ، فیل مرغ، کبوتر، اور مرغی کو فروخت کے لئے پالنا ابھی تک قابل التفات ہی نہیں سمجھا گیا۔ بھری کی کاشت کو کسان اپنے لئے ذلت تصور کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مالی اپنا معاشرتی درجہ بلند کرنے کے لئے باغبانی چھوڑ کر گیہوں کی کاشت کر رہے ہیں۔ قصہ مختصر پنجاب کے چھوٹے مالکان اراضی اس کوشش میں مصروف ہیں۔ کہ نہ تو وہ مویشی پالیں۔ نہ خانگی صنعتوں کو ترقی دیں۔ بلکہ چند ایکڑ زمین میں گیہوں

لے اٹھتے ہیں آج سے چھ سو سال پہلے بھی تقریباً ہر جگہ غنیمت کی پرورش کی جاتی تھی چنانچہ فشر ہریشا نے ۱۹۲۳ء میں لکھا تھا کہ کسان کی بیوی بازار جاتی ہے۔ اور مکھن، پنیر، دودھ، انڈے، چوزے، مرغیاں اور بھجیں فروخت کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو کہ کس قدر

کی کاشت کر کے اس پر بسر اوقات کریں۔ اور یہ ایک ایسا کام ہے جس سے دنیا کے کسی ملک میں فائدہ حاصل نہیں کیا گیا۔ اگر پنجاب کے کسان اس کام کو جس سے فائدہ کی قطعاً کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ اب تک کئے جاتے ہیں۔ تو اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے۔ کہ اس کی ضروریات زندگی محدود ہیں اور کچھ یہ وجہ ہے کہ حکومت پیداوار بڑھانے میں اس کی مدد کر رہی ہے۔ چنانچہ انہیں چیزوں کی وجہ سے اس کے حالات جاننے کے کسان سے بہتر ہے۔ اور اگر ضروریات کے تناوب کا خیال رکھا جائے۔ تو پرنکھال۔ ہسپانیہ۔ سومانہ۔ بلغاریہ۔ یونان۔ اور سربو کے کسان سے اس کی حالت بدتر نہیں۔ اگر اس صوبہ کی زراعت کو ابھی خاصی ترقی دینا مقصود ہے۔ تو راعی مسائل کا حل کرنے کے لئے نہایت غور و خوض سے اس کی تحقیق کی جائے۔ کہ پنجاب سے کن اجناس کی کاشت سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یا یوں کہئے۔ کہ پنجاب کی زمین کو کیونکر منفعت بخش طریق پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے۔ کہ زمین کا استعمال ایسا نہ ہو جس سے لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔ کیونکہ یہ امر ملحوظ رہے۔ کہ اگر مولشی کو محض دودھ حاصل کرنے کے لئے پالا جائے۔ تو اس سے اتنا ہی نفع حاصل ہوگا جتنا مرغیوں کو محض انڈوں کے لئے پالنے یا ان کے لئے بھیڑوں کی پرورش کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں بھیڑیں بہت پالی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ان بھیڑوں کے گوشت اور کھالوں کی فروخت کے لئے کوئی منڈی نہ مل سکے۔ تو آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ والوں کو محض ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ

لے جا پانی غیر متعینہ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے امریکہ والوں کے ایک مجمع میں کہا تھا۔ ہمارے اہل ملک کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کی ضروریات کا دائرہ صرف انہیں چیزوں تک محدود ہے۔ جن کے بغیر زندگی بسر ہی نہیں ہو سکتی۔ ملک بہت تھوڑا رقبہ ایسا ہے۔ جس میں اشیاء خوردنی کی پیداوار ہوتی ہے۔ اسی سے ہمیں خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ہم مجبور ہیں۔ کہ اس کے ہر حصہ میں عمیق کاشت کریں۔ ہم نے اپنی سارے طرح قائم کی ہے۔ کہ ہم معاشرت کے بارہ میں بہت کفایت شعاری مد نظر رکھتے ہیں۔ افراد سلطنت کیلئے ایسا روبروبائی کرتے ہیں۔ تاکہ سلطنت ملت اور افراد زندہ رہیں۔

فخر برٹ نے زمین کی گہد کاشت اور غود پر داخت کے مسئلہ پر ۱۹۲۳ء میں قلم اٹھا تھا وہ لکھتا ہے کہ کثیرہ کھانا کسان کیلئے ہی ضروری ہے جو فصل کھانا لے کر سفر پر نکلا۔ تو اسے خریدنا پڑے یا مستعملینا پڑے یا بھیک مانگنی پڑے۔ (ضوء المذہب جلد چہارم باب دوم)

ہم کرنے کی محنت میں گوشت اور مکھنیں ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس تحقیقات سے جن اجناس کی کاشت منفعت بخش نظر آئیگی۔ اُن کی فہرست میں یقیناً دکھائی نہ دیگا گیہوں ایک ایسی جنس ہے۔ جس کی کاشت نہایت وسیع رقبہ میں کی جاسکتی ہے صورت میں کاشت ہو سکتی ہے۔ کہ زمین ارزاں ہو۔ دوسری اجناس کی نسبت گیہوں کی چھی پیداوار حاصل کرنے کے لئے بہت کم محنت صرف ہوتی ہے۔ لیکن دوسری اجناس کی طرح یہ کیفیت نہیں کہ انسان جتنی زیادہ محنت کرے۔ پیداوار میں بھی اُسی نسبت سے اضافہ ہوتا ہے ایسی جنس نہیں جس کی کاشت پر زیادہ محنت مشقت صرف کر کے زیادہ نفع حاصل کیا جائے، قیمت کے مقابلہ میں اس کا وزن اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ ان مشینوں میں جو یہاں سے ہزار میل کے فاصلے پر ہیں۔ اس کا پہنچایا جانا مشکل ہے۔ جوں جوں زراعت ترقی کا قدم ہے گیہوں کو تنزل حاصل ہوتا ہے۔ انگلستان میں گیہوں کی کاشت بہت کم کھجائی ہے ہی اس لئے کہ زراعت کی ترقی کے لئے زمین میں باری باری مختلف اجناس کی کاشت کرنا ہے۔ او گیہوں اس مقصد کیلئے موزوں ہے۔ جنگ کے زمانے میں اشیاء خورد و نوش کی پرکھانے کی بہت کوشش کی گئی۔ اس لئے گیہوں کی کاشت بھی زیادہ ہوئی۔ لیکن زیادہ گیہوں کی کاشت جاری نہ رہ سکی۔ ادھر جنگ ختم ہوئی۔ ادھر گیہوں کی کاشت بھی کم ہو گئی۔ تہاں متحدہ امریکہ میں یہی کیفیت ہے۔ کہ جس رقبہ میں گیہوں کی کاشت کی جاتی تھی، بچند سال سے کمی واقع ہو رہی ہے۔ اور اس کی جگہ دوسرے اجناس لے رہے۔ شمالی یورپ کے متعلق ہم بیان کر رہے ہیں۔ کہ وہاں کے چھوٹے چھوٹے قطعات میں گیہوں کو بار نہیں ملتا۔ دنیا میں جہاں کہیں زراعت کے سائنٹیفک طریقوں نے نفع

ہی کسی حد تک مدد اور کھن پیدا کرنے کی محنت میں ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ امر کہ محض دودھ کے سے بیٹھی اُلو مند نہیں۔ اس واقعہ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے۔ کہ کسی ہندو سر یاہ وارسے مویشی یا بٹھکا کو شش نہیں کی۔ اگر بجائے محض لے رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بھینسوں کے متعلق کوئی مذہبی جذبہ نہیں پایا جاتا۔ یورپ کی بھینس سے زیادہ دیتی ہے +

حاصل کیا۔ گیہوں کی مقبولیت اوسپر و اعزیزی خال میں مل گئی۔ جن جوں زیادہ سرمایہ لگایا جا رہا ہے کاشت زیادہ عمیق کی جا رہی ہے۔ اور کھیتوں کا رقبہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ گیہوں کی کاشت زوال پذیر ہو رہی ہے۔

جہاں جہاں نوگوں کے پاس روپیہ نہیں، اور دوسری اجناس جن کی کاشت میں زیادہ محنت کرنی پڑتی ہیں، نہیں بونی جاسکتیں۔ وہاں گیہوں نے قدم ٹھما رکھے ہیں۔ اور اگر گیہوں سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ بڑھتے بڑھتے یورپ والوں کے معیار آمدنی کے قریب پہنچ جائے۔ تو یقیناً گیہوں کو پنجاب میں قبول عام حاصل رہیگا۔ پنجاب کے مزروعہ رقبہ کے ایک ٹکٹ میں گیہوں کی کاشت کرنے کے علاوہ ایک اعتراض یہ ہے۔ کہ خریف میں ربیع کی نسبت نہاتی نشو و نما زیادہ سرعت سے ہوتی ہے۔ اور پودے جلد جلد بڑھتے ہیں۔ اس لئے جس رقبہ میں گیہوں بونی جائیگی۔ اُس کی قوت نشو و نما کو اس قدر ترقی نہیں ہوگی۔ جیسی اُس صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ اسی رقبہ میں فصل خریف کی کاشت کی جائے۔

۱۔ آسٹریلیا میں یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ وکٹوریہ میں چھ سو ایکڑ زمین پر گیہوں کی کاشت کیے سے حاصل فراہم ہو سکتی ہے۔ یہ علاقہ بالکل خشک ہے۔

۲۔ ملاحظہ ہو آئینہ کی کتاب ایلاٹ منٹ آف شمال ہولڈنگز ان آکسفورڈ شائر "ص ۶۴" ایک چھوٹے سے قطعہ میں بونے کے لئے گیہوں سب سے زیادہ مفید جنس ہے۔ ملاحظہ ہو کانرڈ کی کتاب پر پریسڈ آف رورل اکناکس ص ۱۱۲ "کنٹرکٹو رورل سوشیالوجی۔ مضامین جلیٹ ص ۳۹ رورل ولتھرائیڈ ریفورمٹ۔ وٹ کی انٹروڈکشن ٹو رورل سوشیالوجی ص ۷۰ رورل کی لینڈ اینڈ لیبر ریجیم سے سبق ص ۳۱ تا ص ۳۱ +

۳۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ دلیل سرٹولیو رابرٹس سابق پرنسپل ایگریکلچر کالج لائل پور نے پیش کی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اگر پنجاب کے زراعت پیشہ لوگ بھی انگلستان کی طرح زمین میں چار سال کے بعد سہا دل جنس کی کاشت کریں۔ تو وہ رقبہ جس میں گیہوں کی زراعت ہوتی ہے۔ بہت کم ہو جائیگا۔ کاشت کیلئے جنس کا انتخاب اس امر پر منحصر ہے۔ کہ پانی کتنی مقدار میں فراہم ہو سکتا ہے۔ سرجمز وٹسن کا اندازہ ہے۔ کہ فی ایکڑ پیداوار کا اوسط برطانیہ عظمیٰ میں ۳۲ بشل ہے۔ کنٹاڈ میں ۲۲۔ یٹسہاؤ متحدہ امریکہ میں ۱۶۔ اور پنجاب میں ۱۲۔ (ایک بشل ۳۲ سیکڑا ہو رہا ہے)

اب اُن دلائل کا بیان بھی ضروری ہے۔ جو گہیوں کی حمایت میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسے یہ خطرہ نہیں کہ حمل و نقل کی وجہ سے اس کی قدر قیمت میں کوئی کمی واقعہ ہو جائے گی۔ یا کس قدر نقصان ہو جائیگا۔ اُسے فروخت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اور چونکہ اس مانگ ہمیشہ رہتی ہے۔ اس لئے گہیوں کی کاشت کرنیوالے کو ہمیشہ یہ اعتماد رہتا ہے۔ کہ اُسے پوری پوری قیمت مل جائے گی۔ خرید براں یہ ان جہاں کا ذمہ کھائے بہترین جنس ہے، جتنے پاس تو سراپا ہے، اور نہ اتنی عقل، کہ گہیوں سے بہتر جنس پیدا کر سکیں۔

اگر گہیوں کے بجائے کپاس کی کاشت کی جائے تو اس کی حمایت میں بہت دلیلیں دی جاسکتی ہیں۔ کپاس کی عیمق کاشت سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ سائنٹیفک طریقوں سے اس کی پیداوار کو بہت ترقی دیا جاسکتی ہے۔ اور پھر یہ گرمیوں کے موسم میں بہت نشوونما ہوتی ہے۔ اسی مانگ بھی غیر محدود ہے۔ اور ہمیشہ رہتی ہے۔ اس کے ریشوں کو اگر دبا دیا جائے۔ تو اس کی قیمت جسامت کی کمی کے باعث بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ آسانی سے فروخت ہو سکتی ہے اور دور دراز مقامات پر بھیجی جاسکتی ہے۔ چنچاں میں اسے گہیوں پر ایک اور فوقیت حاصل ہے۔ کہ کپاس کی کاشت کے موسم میں ہنروں کے اندر پانی بہت ہوتا ہے، لیکن جن دنوں کھیتوں میں گہیوں کی فصل کھڑی ہوتی ہے۔ پانی میں قلت رونما ہو جاتی ہے۔

اگر یہ موبہ بھی اُن تغیرات سے روشناس ہونا چاہتا ہے۔ جو دوسرے ممالک میں چھوٹی چھوٹی اراضی کی ترقی کے ساتھ ساتھ رونما ہوئے ہیں۔ تو یہ اغلب ہے۔ کہ جوں جوں عیمق کاشت کی عادت ہوتی جائے گی۔ گہیوں یا کپاس کے بجائے دوسری اجناس قبولِ عام حاصل کرتی جائیں گی۔ اب بھی بڑے بڑے شہروں کے نواح میں عیمق کاشت کی جاتی ہے۔ لیکن جب وسائل رسل و رسائل کو ترقی ہوگی۔ حمل و نقل کے مصارف کم ہو جائیں گے۔ اور اجناس ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائی جاسکیں گی۔ تو عیمق کاشت کے طریقے بھی زیادہ پھیل جائیں گے۔ کاشت کے موجودہ طریقوں میں اس لئے کوئی فوری تنبیہ رونما نہیں ہوتا۔ کہ ایسی منڈیاں موجود نہیں، جن میں تمام پیداوار کی کمپیت ہو سکے۔ وسیع کاشت کے اسباب

یہ ہیں۔ کہ کھاد نہیں ڈالی جاتی۔ اراضی غیر مزدور پڑی ہیں۔ وہی طریقہ استعمال کئے جاتے ہیں جو ہمیشہ سے مستعمل ہیں۔ عقل و دانش کا فقدان ہے۔ موسمی فصلوں کی وجہ سے کاشت کی حد بندی ہو گئی ہے۔ جن مزارعین کے حقوق معین اور محفوظ ہیں۔ انہیں چھدی جنگلی کا طریقہ بہت پسند آتا ہے۔ اور عملی طور پر اس طریقہ کی وجہ سے بہت سی زمین اور محنت کا نقصان ہوتا ہے و بلیغ کاشت میں اس طرح تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ کہ محنت سے جو بہت سہل محصول اور فراوان ہے۔ پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے کھاد پر مزید سرمایہ صرف کیا جائے۔ زمین کی اصلاح اور آلات کٹاوندی پر بھی زیادہ روپیہ خرچ کیا جائے۔ اور زراعت کے سائنٹیفک طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ امریکن مصنفین کا دعویٰ ہے۔ کہ ایک بڑے رقبہ پر چھدی جنگلی سے فی کسان یا فی مزدور نفع کا اوسط گہری جنگلی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ جو ایک چھوٹے سے رقبہ میں کی جائے۔ اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ زراعت کے مختلف طریقوں کا معاوضہ کرتے وقت یہ ضروری ہے۔ کہ فی کس پیداوار اور فی ایکڑ پیداوار کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جرمنی میں خوراک کی فی ایکڑ پیداوار انگلستان سے زیادہ ہے۔ لیکن انگلستان میں خوراک کی فی کس پیداوار جرمنی کی نسبت بقدر بیس فی صدی کے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انگلستان میں پچاس ایکڑ سے کم رقبہ کی اراضی ٹولہ فیصدی سے بھی کم ہیں اور جرمنی کی نصف زمین پچاس سے کم رقبہ کی اراضی پر مشتمل ہے۔ پنجاب میں فی کس رقبہ بڑا نہیں۔ اور کوئی

لے فروخت کیلئے منڈی فراہم کرنے کے سلسلے میں وسائل رسل و رسائل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اور رسل و رسائل کے مسئلہ کو بہت نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مٹر ٹاؤڈ اور مٹر ٹاؤڈ نے اس سلسلہ میں بہت بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ رسل و رسائل کے اکثر عقول کی گرہ کشی کیونکر ہو سکتی ہے۔ کوئٹہ کے پھلوں کا پکینگ اگر اچھا ہو۔ تو انہیں معدود از مقامات پر فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اور سوکھے پھل تو ہر جگہ بیچے جاسکتے ہیں مٹینس ملٹیما اور بہت و اقام کی بدولت حیرت انگیز کارنامے کئے جاسکتے ہیں۔ مٹر ایمرسن اس سلسلے میں یہ کہتے ہیں۔ کہ فوری تغیر اس لئے رونما نہیں ہوتا۔ کہ کھاد فراہم نہیں ہو سکتا۔ لیکن انہوں نے ٹھہروں کے کوڑے کرکٹ کو نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۲ یہ ٹولہ فیصدی زمین بھی دراصل ۱۶ فی صدی کھیتوں پر مشتمل ہے۔

شخص اس امر کی حمایت نہیں کریگا۔ کہ یہاں وسیع کاشت کی جائے۔ حالانکہ یہاں اسی طریقے پر عمل ہوتا ہے۔ اراضی چھوٹی ہو گئی۔ تو فی کس پیداوار بھی تھوڑی ہوگی۔ اوسط درجہ کے انسان میں پیداوار سے آمدنی حاصل کرنے کی قابلیت بہت محدود ہوتی ہے۔ صرف محنت کی بدولت جو فی کس آمدنی ہوتی ہے۔ وہ بہت تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ پنجاب کے کسان کو محنت کے علاوہ دوسری چیزوں کے استعمال کی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہئے۔ اُسے ساری عقل و دانش جو اس میں موجود ہے بامید اکیجا سکتی ہے۔ استعمال کرنی چاہئے۔ اُسے مزید سرمایہ لگانے کا طریقہ بھی سیکھنا چاہئے۔ اگر صوبہ کی حیثیت مجموعی کو پیش نظر رکھا جائے۔ تو اس میں کوئی جائے کلام نہیں۔ کہ عمیق کاشت کے طریقوں کا استعمال بہت مختص ہے چونکہ زمین موجودہ اور آئندہ دولت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس سے جتنی زیادہ دولت حاصل کر لی جائے۔ صوبہ کی عام خوشحالی کے لئے اُسی قدر بہتر ہے۔ بدیہات میں یہ بڑی دشواری پیش آرہی ہے۔ کہ وہاں محنت کی فراوانی ہے۔ اوسطاً ہر کسان کو بہت سادہ امت اور فراغت کا وقت مل جاتا ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی بہت کم ہے۔ یہ کیفیت نہیں کہ کثیر التعداد لوگ ہمیشہ بیکار رہتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہے جو سال بھر میں بہت سی گھنٹے بیکاری میں بسر کرتے ہیں۔ اگر کسان کی آمدنی سے اُس کی اراضی کی قیمت فروخت کا سود اور اسکی محنت کا معاوضہ وضع کر لیا جائے۔ تو اکثر کسانوں کو کوئی نفع باقی نہیں

۱۔ وسیع کاشت اور عمیق کاشت کی تفصیلی بحث کیلئے سلیکٹڈ صفحات ۴۵-۳۱۵-۳۲۱۔ جائیداد صفحہ ۱۷ تا ۱۹۹۔ کارور صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۹۔  
صفحہ ۲۲۹ تا ۲۴۰۔ دیکھئے۔ کارور صفحہ ۲۶۹ پر لکھا ہے۔ ”کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فی ایکڑ کثیر پیداوار بجائے خود ایک مستحسن چیز ہے یہ صحیح نہیں۔ دراصل فی کس کثیر پیداوار مفید چیز ہے۔ جن مقامات پر فی کس پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ وہیں اوسط درجہ کا آدمی بلند معیار کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور خوشحال و فادار رہتا ہے۔ جہاں زمین بہت ہو۔ وہاں وسیع کاشت کی وجہ سے فی کس کثیر پیداوار باسانی حاصل ہو سکتی ہے۔ فی ایکڑ کثیر پیداوار کو اگر مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ تو اس لئے۔ کہ وہ فی کس کثیر پیداوار حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کسی دوسری حیثیت سے وہ مستحسن نہیں۔ اگر فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہو۔ اور فی کس پیداوار قلیل تو اس کا نتیجہ ہوگا۔ کہ لوگ نہایت عسرت و مصیبت کی زندگی بسر کریں گے۔ جن کھوں میں فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہے۔  
ان کی کمی کیفیت ہے۔“



پچھگا۔ پھر بھی یہ کہا جاتا ہے۔ کہ کھیتی باڑی سے زیادہ کوئی مفید صنعت نہیں۔ اس بدیہی مغالطہ کی وجہ یہ ہے۔ کہ پنجاب میں ملکیت زمین موروثی ہے۔ اور جو لوگ اپنی آبائی زمین کی کاشت میں مصروف ہیں۔ ان میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے۔ جو کبھی کبھی دوسرے کام پر اس قدر محنت صرف کئے کہ اسباب معاش پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر پنجاب میں زراعت کی تنظیم صحیح اقتصادی اساس پر ہوتی۔ اور زمین سے نہایت منفعت بخش کام لیا جاتا۔ اگر مزدور سال بھر متواتر پیہم باقاعدگی سے زمین پر محنت کرتے رہتے۔ اور آج جو زمین بیکار پڑی نظر آتی ہے اس میں زراعت کیجاتی۔ نوکسان اپنی ہمت اور انشمندی کی بدولت ضرور نفع حاصل کر لیتے۔

یہاں شاید یہ کہا جائے کہ اراضی کو اقتصادی حیثیت حاصل نہیں۔ اس لئے کسان خوشحالی اور فراغت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر کیلنگر کے الفاظ میں اقتصادی اراضی ایک ایسے رقبہ کا نام ہے۔ جس سے ایک شخص اس قدر پیداوار حاصل کر سکے۔ کہ مصارف پیداوار ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے۔ وہ اُس کی اور اس کے اہل و عیال کی باسائش بہر اوقات کیلئے کافی ہو۔ لیکن اس امر کی صحیح تہتین ناممکن ہے۔ کہ ایسی اراضی کا رقبہ کس قدر ہو۔ کیونکہ آسائش اور آرام کی زندگی کا کوئی خاص معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ پھر زمین کی زرخیزی پیداوار کی فراغت کے لئے مٹی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسیہ امر بھی ملحوظ رکھنا پڑیگا۔ کہ کسان زمین میں کس جنس کی کاشت کریگا۔

یہ صحیح ہے۔ کہ پنجاب کی اکثر اراضی کو آج یہ حیثیت حاصل نہیں کیونکہ آج نہایت صحیح رقبہ

لے ملاحظہ ہو کارمد کی کتاب پنسلوڈ آف رومل آفٹا کس ۱۸۵۱ء۔ وہ لکھتا ہے۔ کھیتی باڑی کا منافع اُس رقم کو کہا جائے۔ جو کسان کی محنت کا معاوضہ زمین کا لگان اور سرمایہ کا سود و منفع کرنے کے بعد باقی بچا جائے۔ لیکن یہ امر مشتبہ ہے۔ کہ کیا پنجاب یا کسی دوسرے ملک کے نصف کسان بھی کوئی نفع حاصل کرتے ہیں یا نہیں۔ البتہ یہ امر یقینی ہے۔ کہ ان میں سے جو بہت مفلس ہیں۔ انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا۔

مٹے پلیس آف اگریکلچر ان انڈیا پٹری: مصنفہ آرون۔

مٹے رومل اکاٹومی ان ہندی۔ رکت۔

میں کاشت کو کے قھوڑی پیداوار حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن اگر طریق زراعت میں تبدیلی کر دی جائے  
فلانے رسل و رسائل کو وسعت دیکر منڈیوں کے ساتھ تعلق پیدا کیا جائے۔ امداد باہمی کے لغاؤ سے  
مصارف میں تخفیف کی جائے۔ اور آمدنی بڑا دی جائے۔ تو پنجاب کی اراضی اقتصادی حیثیت  
مائل کر سکتی ہے۔ ایک قلعہ اراضی کو اقتصادی حیثیت میں اور منفعت بخش بنانے کیلئے اس کا وسیع ہونا  
ضروری نہیں۔ بلکہ اس امر کا دار و مدار اسکی خالص پیداوار پر ہے۔

یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اگر ایک قلعہ زمین کسی بہت بڑی منڈی کے قریب واقع ہو۔ اس میں  
بہت کھاد ڈالی جائے۔ اور نہایت گہری جوتائی کی جائے۔ تو وہ اقتصادی حیثیت اختیار کر لے  
لیکن اگر وہی قلعہ اراضی کھوڑہ کے ٹمک کے علاقہ میں یا دو آبہ سندھ ساگر کے وسط میں واقع  
ہو۔ تو اسے کوئی اقتصادی حیثیت حاصل نہ ہوگی۔ زمین سے منڈی سے قریب ہونے کو وہی  
اہمیت حاصل ہے جو زرخیزی کو۔ بلکہ اگر منڈی تک پیداوار کو پہنچانے کی تمام سہولتیں میسر ہوں  
تو منڈی کا قرب زرخیزی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ آج کل دانشمندی محنت اور سرمایہ  
کے میچ استعمال کی بدولت زمین کو زرخیز بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی قلعہ زمین کو  
ایک کنوئیں سے جس پر کسان کو پورا اترق اور قبضہ حاصل ہو سیراب کیا جاتا ہے۔ تو کسان  
اس چاہی زمین سے اتنا پیدا کر لیگا۔ جس سے اپنی گذر اوقات کسکے۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس  
زمین کو ہر سے سیراب کرنا نقصان کا موجب ہو۔ کیونکہ نہری زمینوں کی یہ کیفیت ہے۔ کہ کسان  
جب چاہے۔ انہیں سیراب نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسے اس غرض کیلئے اپنی باری کا منتظر رہنا پڑتا  
ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ زمین میں کس جنس کی کاشت کی جائے صرف یہی نہیں دیکھا  
جاتا کہ اسے کتنی مقدار میں پانی دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کہ فصل کو مناسب اور  
موزوں موقع پر پانی مل سکتا ہے یا نہیں۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اگر ایک ہنرمند اور باہمت کسان کے قبضہ میں پہنچ ایک چاہی زمین  
ہو۔ جو جالندھر جیسے ضلع میں ایک ہی جگہ واقع ہو۔ تو وہ اس کے مایحتاج کے لئے کافی ثابت ہو سکتی  
ہے۔ لیکن اگر یہی زمین دس بارہ حصوں میں بٹی ہوئی مختلف مقامات پر واقع ہو۔ اور اسے کئی  
کنوئیں سیراب کرتے ہوں۔ جن کی ملکیت پر بیچارہ کسان جزوی طور پر شریک ہو۔ تو اس سے

کوئی اقتصادی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ پنجاب کے اکثر اضلاع علی الخصوص دریائی اضلاع میں اراضی بیشمار چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جو گاؤں کے مختلف حصوں میں واقع ہوتے ہیں۔ ہم ایسی بیشمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ بعض گاؤں ایسے ہیں۔ جو ہزار یا ہزار سے زیادہ کھیتوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان کھیتوں کے رقبہ کا اوسط  $\frac{1}{4}$  ایکڑ یعنی دو کنال سے زیادہ نہیں۔ کئی گاؤں ایسے ہیں۔ جن میں کھیتوں کا اوسط  $\frac{1}{2}$  ایکڑ یعنی ایک کنال ہے۔ ان کھیتوں میں بعض اتنے چھوٹے ہیں۔ کہ کاشت کے قابل ہی نہیں۔ بعض اتنے تنگ ہیں۔ کہ انہیں آڑا بڑھا ہل نہیں چلایا جاسکتا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ اگر ان علاقوں میں اراضی کی تقسیم از سر نو طرح کی جائے۔ کہ ہر مالک اراضی کے پاس جو زمین ہو۔ وہ سب کی سب ایک ہی جگہ واقع ہو۔ تو یہ اراضی جنہیں اس وقت کوئی اقتصادی حیثیت حاصل نہیں۔ بہت زیادہ قیمتی بن سکتی ہیں۔ اس کام میں بہت سی دشواریاں تو ہیں۔ لیکن تحریک اشتمال اراضیات اس کام میں کسی قدر کامیابی حاصل کر رہی ہے۔ ہم جو کچھ اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ غیر اقتصادی اراضی کے معنی محض وہ رقبہ ہیں۔ جو ایک کسان کے قبضہ میں ہے۔ اور زمین پر جو دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس کے نجات حاصل کرنے کا صرف یہی ذریعہ نہیں بلکہ اشتغال مکان کیا جائے۔ بلکہ بعض دوسرے ذرائع بھی ہیں۔

یورپ کے اکثر نظام ماے زراعت کے مطابق ایک گنہ کی پرورش کے لئے  $\frac{1}{4}$  ایکڑ زمین ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ یورپ میں معیار زندگی پنجاب کی نسبت بلند ہے۔ لیکن اتنا بلند بھی نہیں۔ جتنا عوام خیال کرتے ہیں۔ دوسری جانب پنجاب کی نسبت زراعت پر بدرجہا زیادہ محنت کی جاتی ہے۔ برطانیہ غلہ کے اکثر زمینداروں کے قبضے میں چھوٹی چھوٹی اراضی ہیں۔ (ان کی اراضی سچاس ایکڑ سے کم ہوتی ہے) زراعت کے شاہی کمیشن کے سامنے ۱۹۱۹ء میں جو شہادتیں دی گئیں۔ اُن سے ظاہر ہوا تھا۔ کہ چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مسلسل محنت میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ گھنٹوں کام

کرتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے کلبے کے لوگ یعنی بیویاں، لڑکے، اور لڑکیاں اُن کی مدد کرتی ہیں ویز میں سالہا سال تک یہ کیفیت رہی۔ کہ کسان جو سرمایہ زمین پر لگاتے تھے۔ اُس کا مناسب سود وضع کر لیا جائے۔ تو جو آمدنی بچ رہتی تھی۔ وہ تنخواہ دار مزدوروں کے حق خدمت سے بھی کم ہوتی تھی۔ کسی طبقہ کے لوگوں کو اتنی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ جتنی اس کسان کو کرنا پڑتی ہے۔ جس کی اراضی پچاس ایکڑ سے زیادہ نہ ہو۔ وہ بیچارہ خود اپنے بیٹوں کی مدد سے زراعت کرتا ہے۔ اور اس طرح اُسے مزدوروں کو حق خدمت دیکر کام نہیں کرنا پڑتا۔ اگر اس کا کوئی لڑکا نہیں۔ تو وہ کسی دوسرے شخص سے سارے دن کے لئے یا چند گھنٹوں کے لئے مدد لیتا ہے۔ یہی شخص اپنی حالت سدھار سکتا ہے۔ جو کئی کئی گھنٹوں تک ہنایت محنت سے کام کرتا ہے ہر ممکن طریق پر اپنی ذات سے اپنے کام کو فائدہ پہنچائے۔ اور فریسی سے جتنی روپیہ بچا سکے بچائے۔ ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ ایسے تنخواہ دار مزدور اپنے آقا کی زندگی اختیار کرنا نہیں چاہتے جب انہیں کہا گیا۔ کہ وہ مزدوری کرنا چھوڑ دیں۔ اور ایک چھوٹی سی اراضی کے مالک بن جائیں۔ تو انہوں نے اسے منظور نہ کیا۔ اور مزدوری کو نیکو ترجیح دی۔

ماحصل یہ کہ اس بحث سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ آیا پنجاب کی اراضی اقتصادی حیثیت رکھتی ہے یا نہیں۔ اس مطلق استعمال یہ دیکھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس علاقہ میں زراعت، محنت، اور جزری کا معیار کیا ہے۔ اس صوبہ میں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ جس شخص کے پاس پچاس ایکڑ یا اس سے زیادہ زمین ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا زمیندار سمجھتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کاشت کر نیکو تنگ و عار خیال کرتا ہے۔ زمین اجارہ پر دے دیتا ہے۔ اور خود لگان پر بسر اوقات کرتا ہے۔

مختلف ملکوں میں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کی جو حالت ہے۔ اُس پر بحث کرتے وقت یہ بتا دینا ضروری ہے کہ پنجاب میں انگلستان جیسی سرسبز چراگاہیں موجود نہیں۔ بعض اہل قلم کبھی کبھی اس امر پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ اس صوبہ میں اراضی کا جو رقبہ چراگاہوں کیلئے مخصوص تھا۔ اس میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ اسی سبب سے گائوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ اور دودھ اور گھی کا نرخ بہت بڑھ گیا ہے۔ سچ بات

یہ ہے۔ کہ پنجاب میں اگر زراعت سے غفلت برتی جائے۔ تو زمین چراگا ہوں کی صورت اختیار کر لے گی۔ لیکن انگلستان کا عالم ہی اور ہے۔ وہاں چراگا ہیں بنانے کے لئے سرمایہ محنت اور ہنرمندی صرف کی جاتی ہے۔ دولت کے قدرتی ذرائع سے غفلت بدلنے سے دولت حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ آج سو ایکڑ زمین میں تھوڑی بھرت آبپاشی کر کے انسانوں اور مویشی کے لئے جس قدر خوراک حاصل کر لی جاتی ہے۔ نہروں کی تعمیر سے پہلے اتنے رقبہ سے اس قدر خوراک حاصل نہیں ہوا کرتی تھی۔ بلکہ یہ زمین بیکار پڑی رہتی تھی۔ زراعت کی توسیع کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ بیلوں کے لئے، جن کا وجود زمین کی کاشت کیلئے ضروری ہے۔ چارہ مل سکیگا۔ حالانکہ پرانے زمانہ میں جب ہر طرف چراگا ہیں، ہی چراگا ہیں نظر آتی تھیں۔ لوگوں کے بیل بیکار تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک چارہ کا صرف یہی مصرف تھا کہ اُس سے گھی اور دودھ حاصل کیا جاتا۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ اس صوبہ میں اصل نقص تو یہ ہے۔ کہ یہاں کا نظام زراعت مقامی حالات کے لئے موزوں نہیں۔ پنجاب کے کسان کو انگلستان، امریکہ، بلکہ آئرلینڈ کے کسان جیسا بھی نہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ معنوں میں کسان ہی نہیں۔ وہ بیچارہ ایک چھوٹا موٹا مالک اراضی ہے۔ بلکہ اکثر کسان تو اراضی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب زراعت کے اُن طریقوں پر عمل کرتے ہیں۔ جو اُسی صورت میں منفعت بخش ہو سکتے ہیں۔ کہ زمین کئی سو ایکڑ رقبہ میں بھیلی ہوئی ہے۔ بہر حال اس کی حالت

لے اونٹ اور انگلستان کے متعلق بھی سرائے ڈی ہال لکھتے ہیں۔ کہ جس رقبہ میں کاشت کی گئی ہو۔ اس میں گھوٹوں اور بچوں کی پیدوار کے علاوہ اس قدر چارہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جتنا اسی قدر رقبہ میں گھاس پیدا ہونے سے ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ”ایگریکلچر آف انڈیا وار“ ص ۲۷۲۔ اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ جس زمین میں ہل چلایا گیا ہو۔ اور کسی جنس کی کاشت کی گئی ہو۔ اس کی فصل کو جب مویشی کے چارہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ تو اس سے جس قدر دودھ اور گوشت حاصل ہوگا۔ ایسی صورت میں جبکہ اس رقبہ پر گھاس اُگی ہوئی ہو۔ اُس کی نسبت نصف دودھ اور گوشت حاصل ہو سکتا ہے۔

جنوبی یورپ کے کسانوں سے بدتر نہیں۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے بہتر ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ اُس کی حالت ہمیشہ ناقابلِ اطمینان رہے۔ ہاں اگر وہ پوری طرح یہ محسوس نہ کرے کہ خوشحالی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ تو اس کی حالت ایسی ہی رہیگی۔ وہ بحالتِ موجودہ اس ناممکن العمل کام میں مصروف ہے کہ ایک چھوٹی سی زمین یا زمین کے ٹکڑے میں اُن طریقوں سے زراعت کر کے زندگی بسر کرے۔ جو وسیع رقبہ زمین میں زراعت کر لے کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں۔ وہ ان تمام امور کو نظر انداز کر دیتا ہے جن سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ذخیرہ فراہم کرتا نہیں جانتا۔ زیادہ سے زیادہ چند مویشی یا بکریاں اُس کی ساری کائنات ہیں۔ مویشی پالنے اور ان کی اعانت سے فائدہ اٹھانے پر بھی مذہبی جذباتِ جہالت اور تعصبات نے پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ اور یہ چیز نہ ہو تو ایک چھوٹی سی اراضی سے اسی وقت فائدہ ہو سکتا ہے کہ اس کی کاشت پر بحد محنت صرف کھجائے۔ چونکہ فی الحال اراضی کی توسیع کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ زمین کے استعمال اور مصرف میں تغیر کیا جائے۔ پنجاب میں کج ہمیں جو براصل طلبِ سٹلٹیشن ہے۔ وہ یہ ہے کہ پلوں ایکڑ سے پندرہ ایکڑ تک کی زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کونسے ایسے طریقے استعمال کئے جائیں۔ جن کی بدولت زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل ہو سکے گیہوں کی کاشت سے یقیناً یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ اگر زمین کے ایک حصہ میں گیہوں کی کاشت کی جائے۔ تو اس سے ہمیشہ نفع حاصل ہوتا رہیگا انگلستان کے بورڈ آف ایگریکلچر (مجلس زراعت) نے پچھلے دنوں تحقیق اور تجربہ کے بعد یہ اطلاع ہم پہنچائی ہے۔ کہ اگر ایک اراضی کی پیداوار سے چند گائیوں کی پرورش کا انتظام کیا جائے۔ تو تجربہ سے معلوم ہوگا۔ کہ جب اس قطعہ پر گھاس اُگی ہوئی ہو۔ تو اس سے جتنی گائیوں کی پرورش ہو سکتی ہے۔ اُن سے دگنی تک گائیوں کے لئے اس وقت خوراک ہتیا ہو سکتی ہے۔ جب اُس میں بل چلا یا گیا ہو۔ اس طرح گویا سترہ سے کمپیں ایکڑ تک کی زمین سے اقصاء نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ زراعتی ترقی کے کمیشن نے یہ تجربہ کرنے کے لئے۔ کہ ایسی زمین پر جو زراعت کے لئے مخصوص ہو۔ کمین اور دودھ کے فارم قائم کرنا تجارتی زاویہ نگاہ سے درست ہے۔ چالیس ہزار پونڈ دینا منظور کئے ہیں۔ جن سے دس فائشیں

کی جائیں گی۔

پنجاب کا مسئلہ لائیوٹیشن نہیں۔ لیکن اگر اس کا کوئی حل تلاش کرنا مقصود ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تحقیق اور تجربہ پر روپیہ صرف کیا جائے۔ اگرچہ شخص تحقیق و ترقیق کرے۔ وہ بہت بڑا صاحبِ استعداد اور باہر شخص ہو۔ جو اس روپیہ سے صحیح طور پر فائدہ اٹھاسکے۔ دوسرے مقامات پر جو تجربات ہوتے ہیں۔ ان سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے۔ کہ ہم جان لیتے ہیں۔ کہ مسئلہ حاصل کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے لیکن ان کی مدد سے مسئلہ کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ ایک وسیع رقبہ زمین پر گہری جانی کرنے کی راہ میں پانی کی بہر سانی کا مسئلہ حاصل ہے۔ باقی رہا نثر دار درختوں کی کاشت کا مسئلہ۔ تو اس کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ جب ضرورت اور موقع ہو۔ پانی کافی مقدار میں ہتیا ہو سکے۔ کیونکہ صرف پانی کا کافی مقدار میں ہتیا ہونا ہی اس مسئلہ کا حل نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ سوال بھی پیش ہے۔ کہ عین وقت پر پانی ہتیا کیا جائے۔ نہروں اور مصنوعی ذخائر آب سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے لیکن ان کی تعمیر کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ اس امر کی کیا ضمانت ہے۔ کہ اس قدر ساکھ بھی قائم ہو جائیگی۔ کہ سرمایہ مطلوب مل سکے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ زراعتی اصلاحات سے عام لچھی بھی پیدا ہو۔ زراعتی تعلیم کا کوئی مناسب نظام دریافت کیا جائے۔ کسانوں کی تنظیم کی جاسے۔ تاکہ وہ جدید علم سے فائدہ اٹھاسکیں۔ اور انہیں ان اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ جو ان سے کہے ہوئے اور غرم کو پست کر دینے کا باعث ہوں۔ کیونکہ عوام میں زراعتی اقتصادیات سے جو عام بیخبری اور جهالت پائی جاتی ہے۔ انہیں اکثر ایسے طریقے اختیار کرنے کی دعوت دی جائیگی جن سے بعض ایک گروہ کو خوش کرنا مقصود ہوگا۔ اور جو یقیناً ہمیشہ مجموعی عوام کی آئندہ خوشحالی کی تمام امیدوں کو مٹا دیں گے۔

کوئی قوم کوئی نسل اقتصادی قوانین کو تقاریر سے ٹھکرا نہیں سکتی۔ لیکن ایسے گروہ کا وجود ضروری ہے۔ جو بعض ذاتی اغراض کے لئے بعض تدابیر اختیار کرنے کی دعوت دیں۔ مثلاً یہ کہا



جائیگا۔ گے گیہوں کی برآمد ممنوع قرار دی جائے۔ اور اس سے مقصود یہ ہو گا کہ شہر کے باشندوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہ امر پوری طرح محسوس نہیں کیا جاتا۔ کہ جو چیز زراعتی پیداوار کی قیمت میں جقدر تخفیف کا باعث ہوتی ہے۔ اُسی قدر زراعت کی جانب سے بے اتفاقی پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ گذشتہ صدی کے نصف اول میں امریکہ سے جو ستا گیہوں آیا۔ اُس نے یورپ کی زراعت کو تقریباً تباہ کر دیا۔ سیاسی خلفشار پیدا ہو گیا۔ معاشرتی ہنگامے رونما ہوئے۔ اور آخر کار زراعت کے طریقوں میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ خواہ اچھا ہی ہو لنگر ابتدا میں تو لوگوں کو بہت مصیبت اٹھانی پڑی۔

آپ کو شیار کی ارزانی کے حامی بھی ملیں گے۔ جو یہ دلیل پیش کریں گے کہ اجناس کی گرانی سے کسی کو فائدہ نہیں ہو سکتا۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک ہر شخص جو کوئی جنس پیدا کرتا ہے۔ اپنی محنت اور ہمت کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ کا طلبگار نہیں ہوتا۔ اس قسم کے اہل قلم پنجاب کے اہم مسئلہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کسان کو بہر حال زمین سے اپنے سامان معیشت کی کفالت کا بندوبست کرنا ہے۔ خواہ وہ زمین کا مالک ہو۔ یا اُس کی حیثیت محض مزارع کی ہو اس کی مقبوضہ زمین کا رقبہ محدود ہے۔ اس لئے وہ ایسے طریقے اختیار کرنا اس کے لئے مفید نہیں۔ جن سے بڑے بڑے مالکان اراضی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اُسے کیا طریق کار اختیار کرنا چاہئے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جو تمام دوسرے مسائل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اُسے ایسی اجناس کی کشت کرنا پڑیگی جن کی کھپت ہو سکے۔ اور جنہیں وہ باسانی فروخت کر سکے۔ اس لئے اب اُسے سب سے زیادہ اس امر کا خیال رکھنا پڑے گا۔ کہ کونسی جنس ایسی ہے۔ جسے فروخت کر سکتا ہے۔ جب اس سوال کا فیصلہ کر لیگا۔ تو یہ نہیں دیکھے گا۔ کہ سوسائٹی کے دوسرے خود غرض گروہوں کو کیونکر فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس کے پیش نظر تو یہ بات ہو گی۔ کہ

لے ملاحظہ ہو متحدہ لٹریچر سچوٹی جلد چھیسواں باب۔ نئی پیداوار میں اضافہ (بشرطیکہ وہ موسم کی مزاجی کے باعث رونما نہ ہوا ہو) ہر حالت میں مفید ہے۔ خواہ روپیہ کی قیمت میں تبدیلی کے باعث یہ اضافہ ہوا ہو یا طلب بڑھ جانے کی وجہ سے یا جنس کی فراہمی میں کمی ہو جانے سے +



مخود کس طرح زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے۔

بعض خواب و خیال کی دنیا میں رہنے والے لوگ ہمیشہ ایک ایسے اشتراکی نظام کا خواب

دیکھتے رہتے ہیں۔ جس میں ہر فرد دوسروں کے مفاد کی فکر میں رہتا ہے۔ اور اپنی ساری سرگرمیوں کو دوسروں کے مقاصد پورا کرنے کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے۔ کہ سب لوگوں کے مفاد کی حفاظت اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ ہر شخص

ان ضوابط و قوانین کے دائرہ میں رہ کر جو متمدن ممالک میں مفاد عمومی کی خاطر نافذ کئے گئے ہیں۔ اپنے مفاد کی حفاظت کا خیال رکھے۔ ایک شخص جس کی ساری بساط پانچ

ایکڑ زمین کی ملکیت ہے۔ اس خیال میں مستغرق نہیں رہ سکتا۔ کہ وہ ہمدردی بنی نوع کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دے۔ اور سوسائٹی کے دوسرے افراد کی خدمت

کرتا رہے۔ وہ اگر اسی امر کا فیصلہ کر لے۔ کہ اُسے کسی جنس کی کاشت کرنی چاہئے اور کس جانور کو پالنا چاہئے۔ تو اس کا یہ فیصلہ اس روشن حقیقت کے ماتحت ہوگا۔ کہ اسے

ایک زمین سے سامان معاش فراہم کرنا ہے۔ جو باعتبار وسعت بشکل اس کے معاش کی کفیل ہو سکتی ہے۔ باہمہ اس بات سے کہ کسان زمین سے زیادہ نفع حاصل کرے۔ عاقبت الامر

شہر کے لوگوں کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ زراعتی خوشحالی کسی ایک طبقہ کی خوشحالی نہیں۔ بلکہ اس سے ساری قوم کی خوشحالی وابستہ ہے۔ جب زراعت کو ترقی ہو۔ تو دولت

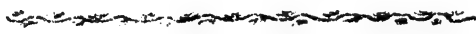
بھی آہستہ آہستہ جمع کی جا سکتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ دوسری صنعتوں اور منفعت بخش کاموں کے لئے جو سرمایہ بہم پہنچایا جائیگا۔ وہ موقع اور وقت کی ضروریات سے

کم ہوگا۔ دوسری جانب زراعت کا عروج اور ترقی اگر قوم کی اکثریت کو دولت مند نہیں بنا دیتی۔ تو اس سے اکثر افراد ضرور دولت حاصل کر لیتے ہیں۔ آبادی کا جو حصہ صنعت و حرفت

میں معروف ہے۔ اُسے بھی خوراک چاہئے۔ جب تک مقامی ضروریات سے زیادہ خوراک پیدا نہ کی جائے غلہ کی اس قدر توفیر نہیں ہو سکتی۔ کہ اس سے صنعتی مرکزوں کے باشندوں کی خوراک

بہم پہنچائی جائے اس لئے یقیناً اس صورت میں بڑے بڑے صنعتی مرکز عالم وجود میں نہیں آسکتے۔ زراعت کی ترقی سے غیر ملکی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ زراعت کو

ترقی ہوگی۔ تو وہ ایسی اشیاء کے مبادلہ میں جو یہاں پیدا نہیں ہوتیں۔ غلہ فراہم کریں گی۔ جب کسی ٹک میں صنعت و حرفت کو زوال ہو۔ تو اُس وقت یہی زراعت آڑے آتی ہے۔ اور لوگوں کی اعانت اور پرورش کرتی ہے۔ قومی نقطہ خیال سے یہ کہنا چاہئے۔ کہ اگر ملک کو زندگی کی جدید لطیف چیزوں سے بہرہ اندوز ہونا اور دنیا میں کوئی حیثیت حاصل کرنا ہے۔ تو اُس کے لئے ضروری ہے۔ کہ زراعت ترقی کا قدم آگے بڑھاتی چلی جائے یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے کئی شرائط ہیں۔ اور ان میں بلاشبہ ایک یہ بھی ہے۔ کہ ترقی کے تمام عوامل اور عناصر کی حدود اور اُن کے فوائد و اثرات کی تحقیق کرنا۔ اور انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے ان حدود میں سے پنجاب کی اراضی کی وسعت و جہامت کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں اراضی کی وسعت کا اوسط یورپ کے اکثر ممالک سے کم نہیں۔ لیکن مقامی حالات و اسباب جن میں مذہبی احساسات بھی شامل ہیں۔ یہاں زمین کو ایسے طریقے پر استعمال کرنے میں مانع ہیں۔ جن سے کسی دوسرے ملک میں خوشحالی حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس لئے پنجاب کو اپنے مسئلہ کا حل خود تلاش کرنا چاہئے۔



# سوالیاتی

## اجارہ داری کی حدود اور اثرات

پنجاب کے بڑے اقتصادی عوامل و عناصر کی بحث اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اجارہ داری کی حدود اور اس کے اثرات کا ذکر نہ کیا جائے۔ اجارہ داری کو ترقی ہو رہی ہے اور جوں جوں زراعت کے متعلق تجارتی زاویہ نگاہ وسیع ہوتا جائیگا، اقتصادی ترقی بھی اجارہ داری سے پیش از پیش اثر پذیر ہوتی جائیگی۔

چونکہ حکومت نے اجارہ داری کے متعلق جو اعداد و شمار فراہم کئے ہیں۔ انکی فراہمی مختلف اوقات میں بھی ہوئی ہے۔ اور اجارہ داری کے متعلق حکومت کا اصول مختلف اوقات میں

لے "امریکن بینکر نریسولیشن" نے جو راجی کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس کے اجلاس میں یہ الفاظ پر قلم کئے گئے تھے۔ اجارہ داری کی روز افزوں دشواری زراعت کے استقلال و خوشحالی اور تحفظ میں خلل انداز ہو رہی ہے۔ اور اس کا دیہات کی فلاح پر روز زندگی پر بہت ناخوشگوار اثر پڑ رہا ہے۔ اس کی وجہ سے زمین کی زرخیزی کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ کھیتوں میں جو لوگ آباد ہیں۔ انکی حالت غیر منظم ہے۔ چہاں عام ہو گئی ہے۔ دیہاتی مدارس کا نظام ناقص ہو گیا ہے۔ لوگ کھیتوں کو چھوڑ کر شہروں میں سکونت اختیار کر رہے ہیں۔ اور زراعت کے غیر منفعت بخش طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ امریکہ میں اوسطاً ایک مزارع چار سال تک ایک کھیت میں کام کرتا ہے، انگلستان میں اجارہ داری اوج کمال تک پہنچ گئی ہے۔ کچھ دہائیوں کے امکان اراضی زراعت کو ترقی دینے کی بہت قابل قدر کوششیں کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو انگریز پور اکٹا کس (زرعی اقتصادیات) مصنفہ بائل صفحات ۶۲ تا ۸۱

مختلف رہا ہے۔ اس لئے ان تغیرات کی کوئی مسلسل اور مربوط روئداد نہیں پیش کی جاسکتی۔ البتہ یہ بیان کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔ کہ اس قسم کے تغیرات موجود ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے۔ کہ مزارعین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ذیل کے اعداد و شمار سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔

میزان	موروثی مزارع	غیر موروثی مزارع
۱۱۰۰۰۰	۳۷۹۰۰۰	۶۵۰۰۰۰ ۱۸۷۳ء
۱۶۰۸۰۰۰	۵۱۲۰۰۰	۱۰۹۶۰۰۰ ۱۸۸۲ء
۳۶۳۲۰۰۰	۷۵۸۰۰۰	۲۸۷۴۰۰۰ ۱۸۹۳ء
۴۰۱۷۰۰۰	۹۴۰۰۰۰	۳۰۷۷۰۰۰ ۱۹۰۳ء

لیکن ان اعداد و شمار سے اجارہ داری کے تغیرات نہیں معلوم ہوتے۔ حالانکہ۔

(الف) جن لوگوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ غیر موروثی مزارع ہیں۔ ان میں اکثر ایسے ہیں۔ جو درحقیقت مالکان اراضی ہیں۔ اور جنہوں نے ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی اپنے ہمایہ سے اجارہ پر لے لیا ہے۔

(ب) ہندی علاقے میں آبادی ہونے کی وجہ سے سرکاری مزارعین کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مزارعین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ مرصع شماری میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ اٹھارویں فی صدی آبادی کی بسر اوقات کا ذریعہ زراعت کرنا یا زراعت میں مدد دینا ہے۔ حسب ذیل اعداد ملاحظہ ہو:-

۴۱۷۳ فی صدی رقم اجارہ ادا کرتے ہیں۔

لے یہ اقتباس مانگڈاری کی سالانہ رپورٹ سے لیا گیا ہے۔ ۱۸۷۳ء میں ہرقسم کے مزارعین کی مجموعی تعداد ۱۱ لاکھ تھی اور کاشتکار مالکان اراضی میں ۱۱ لاکھ تھے۔ لیکن اس رپورٹ میں جو اعداد دیئے گئے ہیں۔ وہ میزان سے مطابقت نہیں رکھتے۔

۱۹ فیصدی مالکان اراضی ہیں جو خود زمین کی کاشت کرتے ہیں۔  
 ۲۰ فیصدی رقم اجارہ وصول کرتے ہیں (خود زمین کی کاشت نہیں کرتے)  
 ۵ فیصدی کاشتکار متفرق ہیں۔

دوسری قابل غور تبدیلی یہ ہے۔ کہ جس رقبہ کی کاشت مزارعین کرتے ہیں۔ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور تیسری یہ کہ مجموعی مزدورہ رقبہ میں سے اُس رقبہ کے تناسب میں اتنا فائدہ ہو رہا ہے جس کی کاشت مزارعین کرتے ہیں۔

۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۶ء میں صوبہ کے مزدورہ رقبہ میں سے ۴۴ فیصدی مزارعین کے رقبہ میں ہے۔ جن میں تیس فی صدی کو قبضہ کے حقوق حاصل ہیں (۱۹۱۸ء تا ۱۹۱۹ء میں یہ تناسب ۵۱ فی صدی تھا۔

جو رقبہ غیر موروثی مزارعین کے قبضہ میں ہے، اس نے حرب ذیل ترقی کی ہے۔

۱۸۹۲ء تا ۱۸۹۳ء	۲۲۵۰۰۰۰ ایکڑ میں سے	۹۰۲۶۰۰۰	یا	۴۰ فی صدی
۱۹۰۲ء تا ۱۹۰۳ء	۲۵۷۸۰۰۰	۱۴۱۳۳۰۰۰	یا	۴۳ فی صدی
۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۷ء	۲۵۷۸۰۰۰	۱۲۲۵۰۰۰۰	یا	۴۷ فی صدی

۱۹۱۸ء تا ۱۹۱۹ء ایکڑ رقبہ میں سے ہر قسم کے مزارعین نے جو رقم اجارہ ادا کرتے ہیں۔ جس قدر رقبہ کی کاشت کی۔ وہ ۲۸۸۴ ایکڑ یعنی کیاواں فیصدی تھا

لے سرچیز تین اپنی کتاب اینٹا اکٹا کسٹڈی ولپنٹس ان پنجاب میں لکھتے ہیں ۱۸۷۱ء میں خود کاشت رقبہ ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ایکڑ تھا۔ اور ۱۹۱۸ء میں ایک کروڑ تیس لاکھ ۷۳۳ ایکڑ تھا۔ وہ ۷۷ لاکھ ایکڑ تھا۔ اور ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ایکڑ ہو گیا۔ یہ تبدیلی ۱۹۰۷ء کے بعد بھی براہ جاری ہے۔ سرچیز تو کہتے ہیں۔ کہ گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اُسی رقبہ مزدورہ میں اضافہ ہوا ہے۔ جو ہزوں سے سیراب ہو رہا ہے۔ اس لئے فی ایکڑ نفع اور پیداوار کے اوسط میں بھی اتنا فائدہ ہو گیا ہے۔ مگر یا اب مالک اراضی ایک چھوٹے سے رقبہ سے بھی اُسی قدر پیداوار اور اس قدر منافع حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں منفعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مزارعین زیادہ لگان دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے مالکان اراضی اپنی مملوکہ اراضی انہیں دیدتے ہیں +

موروثی مزارعین نے جعفر رقبہ کی کاشت کی۔ اور ہر مزارع کے رقبہ مزروعہ کا اوسط دونوں میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

جو مٹی تبدیلی یہ ہے۔ کہ لگان بصورت جنس کے مقابلے میں نقد رقم لگان کا تناسب کم ہو رہا ہے۔

۱۸۷۶ء و ۱۸۷۷ء میں غیر موروثی مزارعین میں ۵۶ فیصدی نقد لگان ادا کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء و ۱۹۰۳ء تک اس تناسب میں معقول کمی واقع ہو گئی۔ اور چونکہ زرعی پیداوار کی قیمت زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے مالکان اراضی کا رجحان اس امر کی جانب ہو گیا ہے۔ کہ لگان بصورت جنس وصول کیا جائے۔ بہر حال اس تبدیلی کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہئے۔ ابتدائی ایام میں ۱۸۸۲ء و ۱۸۸۳ء تک مزارعین نقد رقم اجارہ مانگداری اور محصولوں کی صورت میں ادا کیا کرتے تھے۔

ایک اہم چیز جس سے اجارہ داری کے اعداد و شمار پر اثر پڑتا ہے۔ یہ ہے کہ اراضی سرزمین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۶۰۰۰ ایکڑ مزروعہ زمین با تمام مزروعہ رقبہ کی ۱۰۵۹ فی صدی اس وقت رہن شدہ ہے۔ رہن شدہ اراضی کی تعداد ۱۶۰۰۰۰ ہے چونکہ اراضی رہن کرنے والے کسان اکثر اوقات اپنا نام اس طرح درج کراتے ہیں۔ کہ وہ مزارعین ہیں۔ جو رہن شدہ اراضی کی کاشت کرتے ہیں۔ اس لئے جوں جوں رہن شدہ اراضی کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مزارعین کی تعداد بھی

لے لہجہ کے بندوبست کی رپورٹ دیکھئے۔ گذشتہ بندوبست سے لگان بصورت جنس کی ہر دفعہ عریزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی کیفیت عکاسات کی ہے۔ جعفر رقبہ کا نقد لگان ادا کیا جاتا ہے۔ وہ قابل اتفات ہی نہیں۔ جب فصل اچھی نہ ہو۔ تو مزارع کیلئے لگان بصورت جنس اچھی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی مالک اراضی کیلئے مفید ہے۔ مگر سر کے متعلق لکھا ہے۔ گذشتہ چند سال سے مالکان اراضی ان زمینوں پر جنگی آپاشی کا انتظام اچھا ہے۔ لگان بصورت جنس لینا چاہتے ہیں۔ لیکن جن زمینوں کی آپاشی کا انتظام نہیں۔ ان کا نقد لگان بھی لے لیتے ہیں۔ کیونکہ انکی پیداوار یقینی نہیں۔ گورڈ آپاشی کے متعلق لکھا ہے۔ گذشتہ چند سال کا رجحان لگان بصورت جنس کی جانب ہے۔

بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ہم معلوم بالا میں جو کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ یہ چیز نظر آتی ہے۔ کہ صوبہ کا نصف رقبہ مزروعہ ایسے مزارعین کے قبضہ میں ہے۔ جسے زمین کی اصلاح و ترقی کی مشروط آزادی حاصل ہے۔ انکی نوع حقیقت کی کوئی تعین نہیں کی گئی۔ اور اگر وہ زمین پر سرمایہ صرف کر کے اس کی قوت پیداوار کو ترقی دیں۔ تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں۔ کہ رقم اجارہ میں اضافہ نہیں کر دیا جائیگا۔ یا انہیں سرے سے بے دخل ہی نہیں کر دیا جائیگا۔ مزارعین اور مالکان اراضی کا تناسب مختلف جماعتوں میں مختلف ہے۔ ۱۸۷۲ء و ۱۸۷۳ء میں اندازہ لگایا گیا تھا۔ کہ سکھوں میں جو اس سے کچھ عرصہ پہلے اس صوبہ پر قابض و متصرف تھے۔ ۱۰۰ مالکان اراضی اور ۲۳ مزارعین کی نسبت ہے۔ مسلمانوں میں جو مغربی اضلاع میں وسیع زمینوں کے مالک ہیں۔ مالکان اراضی اور مزارعین میں ۱۰۰ اور ۱ کا تناسب ہے۔ اور ہندوؤں میں ۱۰۰ اور ۳۵ کا تناسب۔ اعداد و شمار تو فراہم نہیں ہو سکے۔ لیکن اگر ہم مشرقی اضلاع یعنی حصار رہتک کرناٹ اور انبالہ کا مقابلہ چار مغربی اضلاع یعنی راولپنڈی، ٹٹک، میانوالی اور مظفر گڑھ سے کریں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ مزارعین اور مالکان اراضی کا تناسب حسب تفصیل ذیل ہے۔ یہ واضح رہے۔ کہ مشرقی اضلاع میں ہندوؤں کی آبادی کا تناسب ۳۵ و ۷۰ فی صدی ہے۔ اور مسلمانوں کی آبادی صرف ۲۵ و ۳۰ فی صدی۔ اسی طرح مغربی اضلاع میں ہندوؤں

لے یہ اعداد و شمار ۱۸۹۲ء کی رپورٹ مالگڈاری سے لئے گئے ہیں۔ اوسط طور پر اراضی مرہونہ  $\frac{1}{4}$  ایکڑ ہیں۔ اور انکی مالگڈاری تین سو پید ہے۔ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اراضی مرہونہ اوسط وجہ کی ہیں۔ اور ۲ فی صدی سے زیادہ مالکان اراضی رہن نہیں کر سکتے۔ رہن شدہ اراضی کے اضافہ کے سلسلہ میں سکھ کے غلط استعمال کی بحث ملاحظہ ہو۔

۱۔ ٹینسی ایکٹ (قانون مزارعین) کے دو سے غیر مصدقہ کاغذ کاروں کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ مالک اراضی کی رضامندی سے زمین کی اصلاح کریں۔ اگر کوئی مزاع یہ ثابت کر دے کہ اس نے مالک اراضی کی رضامندی کیسے کیا ہے تو اسے بیڈل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسکے لگان میں اس وقت اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تاکہ اسے اپنی محنت کا معاوضہ نہ دیدیا جائے۔ لیکن تقاضی حالات ایسے ہیں۔ کہ مزارع کیلئے مالک اراضی کی رضامندی کا ثبوت ہم ہم پنا ناممکن ہے +

کی اقلیت ہے یعنی وہ صرف ۱۲۰۲ فی صدی ہیں۔ اور مسلمان ۸۷۲ فی صدی۔

مالکان اراضی	مزارعین جو اراضی پر قابض ہیں	دوسرے مزارعین
۵۳ فی صدی	۱۱ فی صدی	۳۶ فی صدی
۴۸ فی صدی	۱۱ فی صدی	۴۱ فی صدی

اب مرکزی اضلاع کو لیجئے۔ امرتسر میں وہ رقبہ مرزومہ جس کی کاشت خود مالکان اراضی کرتے ہیں۔ ۴۸ فی صدی ہے۔ اور لاہور میں ۴۴ فی صدی۔ گجرات کے ضلع میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ تناسب بڑھ گیا ہے۔ یعنی تحصیل گجرات میں ۵۶ فی صدی تحصیل کھاریاں میں ۶۱ فی صدی اور پچالہ میں ۶۰ فی صدی۔ مسلمانوں میں اگر مزارعین کا تناسب زیادہ ہے تو اسکی وجہ مذہب نہیں۔ بلکہ اس کا باعث یہ ہے۔ کہ دریائے سندھ کے کنارے جو اضلاع واقع ہیں انہیں مسلمانوں کی بڑی جاگیریں ہیں۔

پنجیم میں وہ زمین جس کی کاشت مالکان اراضی کرتے ہیں ۳۵ فی صدی ہے۔ جہڑی میں ۸۶ فی صدی۔ ڈنگرک ۴۴ فی صدی۔ فرانس میں ۴۱ فی صدی۔ برطانیہ میں بارہ فی صدی اور جاپان میں ۳۵ فی صدی۔ دوسرے ممالک میں اہارہ داری کو پنجاب سے زیادہ ترقی ہو رہی ہے۔ انگلستان میں تو وہ پرانی وضع کے خود کاشت زمینداروں کے معدوم ہوتے ہی مزارعین کی تعداد بڑھنے لگی۔ پنجم اور امریکہ میں بھی اہارہ داری کو عروج حاصل ہو رہا ہے۔ اور امریکہ میں اہارہ داری کے معاشرتی اور اقتصادی اثرات و نتائج کو ملک کی زرعی حالت مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا سب سے

۱۔ ملاحظہ ہو رومنٹری کی لپٹڈ اینڈ لیبر سے پنجم سے سبق "مطلوبہ"۔ وہاں یہ اعداد و شمار تازہ نہیں۔ دوسری جانب فرانس میں ۷۷ فی صدی کسان اور جرمنی میں ۳۵ فی صدی اپنی اراضی کے کھدیا جزا بلکہ ہیں۔ یہ پانچ گناستہ اور تیرہ گناستہ ۳۵ فی صدی کسان مزارعین ہیں ملاحظہ ہو جلیٹ کی کنٹرکٹور ورنل سو فیالوجی ص ۲۲ +

۲۔ لیکن جنگ عظیم کے بعد اراضی کی فروخت اس کثرت سے ہونے لگی۔ کہ خود کاشت زمینداروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ قدیم مزارعین اراضی خریدنے کی بہت کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی کوششیں دانشمندی پر مبنی نہیں ہوتیں۔



بڑا سبب یہ ہے۔ کہ زمین کی قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لئے بیچارے مزارعین (فلاحین) پس انداز نہیں کر سکتے۔ کہ خود اراضی خرید لیں۔ انگلستان کے سوا جہاں مزارعین اور زمینداروں کے تعلقات دنیا میں بہترین ہیں۔ مالکانہ حقوق حاصل کرنے کی خواہش ہر ملک کے مزارعین میں پائی جاتی ہے۔ پنجاب پر اجارہ داری کا جو اثر ہوا ہے۔ اس کے متعلق کچھ لکھنا دشوار ہے۔ پچھلے دنوں انجمن آباد باہمی کے انسپکٹروں کے پاس بعض سوالات بھیجے گئے تھے۔ اور ان سوالات کے ساتھ قیمت زمین کے آثار چٹاؤ اور اس کے نتائج کی تحقیقات کے متعلق ہدایات کردی گئی تھیں۔ انسپکٹروں کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ خود کاشت اراضی کا مقابلہ ان اراضی سے کریں۔ جن کے مزارعین مالکان اراضی سے کوئی قرابت نہیں رکھتے۔ اور اس سلسلہ میں چند تفصیل حاصل ہو سکیں مثال کیجائیں۔ چنانچہ پنجاب کی اجارہ داری کے متعلق ہم جو کچھ میاں کرینگے، اُنہیں سرمایہ یہ سوالات اور انکے جوابات ہیں۔

پہلا سوال یہ تھا۔ کہ ان دونوں کے طریق زراعت ہل چلانے اور کھاؤ ڈالنے وغیرہ میں کوئی فرق ہے۔ جہاں تک موروثی کاشتکاروں کا تعلق ہے۔ ان کے حقوق عملی طور پر اسی قدر محفوظ ہیں جس قدر مالک اراضی کے حقوق۔ اس لئے ایسے مزارعین کے متعلق کسی بحث و تحقیق کی ضرورت نہیں۔

جس قدر جوابات موصول ہوئے ہیں۔ ان میں یا تو غیر موروثی مزارعین اور متاجرین کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ یا بٹائی کی صورت میں قیمت اجارہ دینے والے اور نقد رقم اجارہ ادا کرنے والے مزارعین کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ متاجرین مالکان اراضی کی نسبت زمین پر زیادہ وقت اور محنت صرف کرتے ہیں۔ اور انکی نسبت زیادہ غلہ پیدا کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں سب جوابات میں اس امر کے متعلق بھی اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ کہ بٹائی دینے والے مزارع کی نسبت نقد رقم ادا کرنی والا مزارع زمین کی زیادہ گہری جوتائی کرتا ہے۔ زیادہ مرتبہ ہل چلاتا ہے۔ اور زیادہ کھاد دیتا ہے۔ اگر اس کی کیفیت یہ ہے۔ کہ وہ ایک قطعہ اراضی میں گیہوں جیسی کسی جنس کی کاشت کرتا ہے۔ اور لگان غلہ کی صورت میں دیتا ہے اور دوسرے قطعہ اراضی میں کسی دوسری جنس مثلاً گیہوں کی کاشت کرتا ہے۔ اور اس کا لگان

اور مالک اراضی سے بھی زیادہ کھاد ڈالیکا گوداسپہ میں جو تحقیقات کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارعین گنے کی فصل میں جتنی مرتبہ ہل چلاتے ہیں۔ اس کا اوسط ۴ و ۵ ہے اور مالکان اراضی کے ہل چلانے کا اوسط ۷ و ۸ ہے۔

ان تمام جوابات میں اس امر کے متعلق اٹھا د خیال اور اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ بٹائی دینے والے مزارعین زمین میں اتنی مرتبہ ہل چلاتے۔ جتنی مرتبہ مالکان اراضی ہل چلاتے ہیں۔ نہ اس قدر کھاد ڈالتے ہیں۔ اس لئے زیادہ پیداوار حاصل نہیں کرتے۔ ایسے مزارعین کے پاس آلات کثاوری بھی کم ہوتے ہیں۔ وہ نئے آلات کم خریدتے ہیں۔ بلکہ فرسودہ آلات کو ہی کام میں لاتے ہیں۔ جن علاقوں میں نئی وضع کے ہلوں اور نیچے کوراج کیا جا رہا ہے۔ وہاں دیکھا جاتا ہے کہ ان چیزوں کو رواج دیتے ہیں۔ مزارعین کی نسبت مالکان اراضی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ بعض تحقیقات کرنیوالوں کا بیان ہے کہ مزارعین کا حاصل مالکان اراضی کے حاصل سے ۲۵ فیصدی کم ہوتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ بایں ہمہ غیر موردی مزارعین بھی بڑے بڑے مالکان اراضی کے تنخواہ دار مزدوروں سے بہتر طریق پر کاشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عارضی اجارہ داری اور بٹائی کے طریقوں سے زراعت کا معیار پست ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مزارعین نقد لگان ادا کریں۔ تو یہ چیز زمین کی اعلیٰ عہد و پرداخت کیلئے کم مضر ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو پرنسپلز آف رورل اکنامکس صنفہ کارور ۲۳۱۔ عام طور پر موسمی تغیرات کے باعث نقد لگان ہی اچھا معلوم ہوتا ہے بٹائی کے طریقہ کی وجہ سے مزارع زمین کی کاشت جانفشانی سے نہیں کرتا۔ نقد لگان کی وجہ سے کاشت بھی طرح ہوتی ہے لیکن اراضی کی آئندہ زرخیز محض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ نقد لگان دینے والے مزارعین اعلیٰ کاشت کے تمام فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اور بٹائی دینے والے مزارعین کو اس فائدہ کا محض ایک حصہ ملتا ہے۔ اصول تسکین حاصل کی رو سے نقد لگان دینے والا مزارع بہت عین کاشت کر سکتا ہے۔ بٹائی کے حق میں مضامین کا یہ دلائل میتے ہیں۔ (الف) اسکی وجہ سے لگان اور قیمت کے درمیان خود بخود تنا سب قائم ہو جاتا ہے۔ اور زمیندار کے مابین بہترین تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ (ب) موسمی حالات اور لگان میں خود بخود ایک نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ (ج) لگان اور زمیندار دونوں کو یہ خیال رہتا ہے۔ (باقی بر موعدا)

تحتیقات کرنیوالوں سے دوسرا سوال یہ کیا گیا تھا کہ آیا فصل کے معاملے میں بھی زمیندار اور مزارع کے درمیان کوئی فرق ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر مزارع خود مالکِ راضی ہے تو بہترین اجناس مثلاً گنا۔ روئی وغیرہ کی کاشت تو اپنی مملوکہ راضی میں کرتا ہے اور گیہوں وغیرہ اجناس کو جن سے نسبتاً کم نفع ہوتا ہے۔ اُن زمینوں میں ہوتا ہے۔ جن کا لگان وہ بٹائی کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ دوسری جانب ایک زمیندار جو زمین کے ایک حصہ میں کاشت کرتا ہے اور باقی زمین لگان پر دیدیتا ہے۔ اپنے لئے زمین کا وہ حصہ منتخب کرتا ہے۔ جو منفعہ بخش اجناس کی کاشت کیلئے زیادہ موزوں ہو۔ اس طرح گویا اجناس کی کاشت کے بارے میں بھی اختلاف رونما ہو گیا ہے۔ اگر مزارع ایک قطعہ زمین کو مویشی کیلئے چارہ ہتیا کرنے کی غرض سے مخصوص کر دیتا ہے۔ تو اس قطعہ زمین کی وسعت کا دار و مدار بہت حد تک اس امر پر ہے کہ مالکِ راضی کو چارہ میں سے کس قدر حصہ دیا جائیگا۔ اور اس بارہ میں کیا دستور رائج ہے۔ جن مقامات پر لگان کی تعیین فصل کے تناسب کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ وہاں بھی زمین کی ساری پیداوار کے تناسب سے کوئی رقم مقرر نہیں کی جاتی۔ بلکہ لگان کی تعیین اس پیداوار کے تناسب سے ہوتی ہے۔ جو شاگرد پیشہ لوگوں کی تنخواہ اور دوسرے مصارف ادا کرنے کے بعد بچ رہتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مزارعین مزدوروں کو پیداوار میں سے بہت بڑا حصہ مینے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انھی گروہ سے کیا جاتا ہے یہ معاوضہ انکے حصہ کی پیداوار سے نہیں دیا جائیگا۔ مزید برآں پیداوار اٹھاتے وقت بھی مزارع زیادہ احتیاط نہیں برتتا۔ کیونکہ اُسے سبجی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کھیت میں کچھ غلہ رہ گیا۔ تو عورتیں اُسے اٹھا لیں گی جو مزارعین لگان بٹائی کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ جب گیہوں کی کاشت کرتے ہیں۔ تو

(صفحہ ۱۷۱) کہ زمین کی کاشت اچھی طرح ہو۔ لیکن زمیندار تو محض لگان وصول کر لیتا ہے۔ جیسا کہ پنجاب میں عموماً دیکھا گیا ہے یہ بات بآسانی سمجھ میں نہیں آتی کہ زمیندار کو اضافہ پیداوار سے کیوں فائدہ پہنچے۔ ہاں وہ اضافہ منافع سے اُس وقت فائدہ حاصل کرے جب اسکی زمین کو لگان حاصل کرنے کیلئے مزارعین میں مقابلہ ہو۔ اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر لگان پیش کریں +

عام طور پر انکی اپنی کوشش ہوتی ہے۔ کہ زمیندار کی نسبت زیادہ پیداوار حاصل کریں۔ لیکن اگر کوئی دوسری فصل ہوتی۔ جس پر سرمایہ لگائے بغیر چارہ نہیں۔ تو پیداوار نسبتاً کم ہوتی ہے۔ زیادہ گراں قیمت اجناس مثلاً گنا۔ یا روئی کے لئے تو نقد لگان مفید ہے۔ اور کم قیمت اجناس کے لئے بٹلی کا طریقہ بحیثیت مجموعی مزارع سے مالک اراضی زیادہ قیمتی فصل پیدا کرتا ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا۔ کہ آیا زیادہ دیر تک رہنے والے پودوں مثلاً اراضی کے درختوں کے بارے میں بھی کوئی اختلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ مزارعین نہ تو اراضی میں درخت لگاتے ہیں۔ اور نہ ان درختوں کی غور و پرداخت کرتے ہیں۔ جو پہلے سے اراضی میں موجود ہیں۔ تو آبادیوں میں جن مربعوں کی کاشت مزارعین کرتے ہیں۔ ان میں جو کاشت مربعوں کی نسبت کم درخت بوئے جائے جاتے ہیں۔ سفید پوشوں کے چکوں میں جہاں جہاں سفید پوش ابتدا میں آباد ہوئے۔ وہاں بہتیرے درخت ہیں۔ لیکن جو اراضی انہوں نے مزارعین کو اجارہ پر دے دی ہے۔ انہیں درختوں کی تعداد کم ہے۔

گورداسپور میں درختوں کا شمار کیا گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ خود کاشت اراضی میں ان اراضی کی نسبت جبکی کاشت مزارعین کے سپرد ہے۔ دس گنا زیادہ درخت ہیں مزارعین کے نزدیک اراضی میں درخت لگانا فصل کے لئے مضر ہے۔ دوسری جانب مالکان اراضی کو یہی متحس معلوم ہوتا ہے۔ کہ کھیتوں میں درخت لگائے جائیں۔

ثمر دار درخت اور باغ سب کے سب مالکان اراضی کے لگائے ہوئے ہیں۔ مزارعین نے عملی طور پر کبھی ایسا نہیں کیا۔

پہاڑوں کے سوا لوہ کریں زیادہ دیر تک رہنے والے پودوں کی کاشت فصل کے طور پر نہیں کی جاتی۔ (چائے، قہوہ، بھوٹے، چھوٹے پھل وغیرہ) اور درختوں کے بارے میں مزارعین کی سستی اور بے توجہی کا ذکر ہر شخص کرتا ہے۔

چوتھا سوال یہ تھا۔ کہ آیا نقد رقم مینے والے اور بٹائی کے طریق پر عمل کر کے مزارعین مالکان اراضی مستاجرین۔ اور غیر موردی کاشتکاروں کے درمیان زمین کی اصلاح کی کوشش

کے بارہ میں بھی فرق ہے۔

اس کا جواب یہ تھا۔ کہ جو شخص رات بھر کے لئے ایک سرسے میں رہے۔ اُسے کہا پڑی ہے۔ کہ کوٹھے پر بڑھ کر سورج بند کرتا پھرے۔ تاکہ سرسے کی چھت نہ ٹپکے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا۔ کہ بستر کو کسی قدر سرکا لیگا۔ اس بارہ میں بھی اتفاق ہے۔ کہ مزارع زمین کی اصلاح ترقی کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اس کی بھی بہت کم پروا کرتا ہے۔ کہ مختلف اجناس کی کاشت باری باری کی جائے۔ تاکہ زمین کی قوت پیداوار میں ترقی ہو۔ حالانکہ وہ زمیندار کی نسبت زیادہ محنتی اور جفاکش ہوتا ہے۔ اور زیادہ پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ زمیندار زمین کو حوض و خاشاک سے پاک و صاف کرتے ہیں۔ اُسے ہموار کر دیتے ہیں۔ کھیتوں کے ارد گرد میٹل بندھوا دیتے ہیں۔ تاکہ بارش کے پانی کو روک لیا جائے۔ وہ کھیت میں کھاؤ ڈالنے کا خیال رکھتا ہے۔ اور مزارعین عام طور پر گوبر کو بھی بیچ ڈالتے ہیں۔ کنوئیں بھی مالکان اراٹنی ہی کھودتے ہیں۔ مزارعین کو اس کام سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ پہاڑوں میں آبپاشی کے لئے دُور دراز سے پانی کی نہریں کاٹ کاٹ کر لاتے ہیں۔ اور ہمیشہ اُن کی مرمت کرتے رہتے ہیں۔ ان جوابات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ مزارعین زمین کی اصلاح و ترقی کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ اور مالکان اراٹنی سے جو کچھ ہو سکتا ہے کرتے ہیں۔

پانچواں سوال یہ کہ آیا مولشی کے بارہ میں اُنکی حالت جداگانہ ہے؟

اس کے متعلق عام خیال یہ ہے۔ کہ اگر چند زمیندار اچھے بیل خریدتے ہیں۔ اور غالباً ٹٹو وغیرہ بھی زیادہ تعداد میں رکھتے ہیں۔ تاہم مزارعین کے پاس گائیں اور بھینسیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور وہ مولشی کی نگہداشت اور پرورش بہتر طریق پر کرتے ہیں۔ مولشی کے بارے میں نظری طور پر جو تو تھا قائم کر لی گئیں تھیں۔ اُن سے یہ جواب پوری پوری مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن اگلے زمانہ میں

لے مزارع کو اس اندیشہ نے زمین کی اصلاح سے باز رکھا ہے۔ کہ کہیں اُسے زیادہ خرچ نہ کرنا پڑے، اُنکی وجہ سے زراعت کی نشو و ارتقا کو دوسرے اسباب کی نسبت بہت نقصان پہنچا ہے۔

زمین کی قیمت بیلوں کی قیمت سے کم ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کسان بیلوں کی جانب زمین پر زیادہ توجہ کیا کرتا تھا۔ اب زمین بیلوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے وہ اس کی اصلاح و ترقی پر زیادہ توجہ صرف کرتا ہے۔ دوسری جانب بیچارہ کسان یہ سمجھتا ہے۔ کہ مولیشی کے سوا اس کی کوئی جائیداد نہیں۔ وہ گائیوں بھینسوں کی غور و پرداخت اس لئے کرتا ہے۔ کہ دودھ اور گھی فروخت کر کے اپنی آمدنی میں کسی قدر اضافہ کرے۔ بیلوں کی نگہداشت کا باعث یہ ہے کہ اُن سے حمل و نقل کا کام لیکر چند روپے کماتا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کسان کے پاس جتنی بڑی زمین ہوتی ہے۔ وہ اتنے ہی زیادہ اچھے بیل رکھتا ہے بعض اسپیکٹروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں مزارعین اور زمینداروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ایک دو نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالکان اراضی مزارعین کی نسبت زیادہ اچھے بیل اور بھینس رکھتے ہیں۔ جو تعداد میں زیادہ ہوتی ہیں۔ جن مقامات پر مالکان اراضی چارہ میں سے کوئی حصہ طلب نہیں کرتے۔ وہاں مزارعین چارہ پیدا کرنے پر زیادہ محنت صرف کرتے ہیں۔ اور دودھ مینے والے جاتوں بھی زیادہ تعداد میں رکھتے ہیں۔

چھٹا سوال مکانوں کے متعلق تھا۔ اس کے متعلق سب نے متفق اللفظ ہو کر لکھا ہے۔ کہ زمینداروں کے مکان زیادہ وسیع ہوتے ہیں۔ انکی تعمیر بھی اچھی طرح کی جاتی ہے۔ مکانوں کی تعمیر میں جو کٹری استعمال ہوتی ہے۔ وہ بھی باعتبار نوعیت بہتر ہوتی ہے۔ یعنی چیل اور یوڈا کی کٹری سے مکان تعمیر کئے جاتے ہیں۔ مزارعین کے مکان ادنیٰ قسم کی مقامی لکڑی کے بنے ہوتے ہیں۔

نوآبادیوں میں یہ فرق زیادہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ گویا مختصر طور پر یوں کہنا چاہئے کہ مالکان اراضی مکان تعمیر کرتے ہیں۔ اور مزارع محض مہوپ اور بارش سے بہتا لینے کے لئے ایک جھونپڑا سا بنالیتا ہے۔ ایک دو رپورٹوں میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ مزارعین اپنی سکوتی مکانات کی اصلاح کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے۔ کہ اب انہیں پیداوار کی قیمت زیادہ ملنے لگی ہے اور کچھ یہ سبب ہے۔ کہ زراعت کے سوائے دوسرے ذرائع سے بھی وہ کچھ روپیہ کمالیتے ہیں۔

ساتواں سوال یہ تھا۔ کہ کیا مزارعین اور مالکانِ اراضی کی حالت بچوں کی تعلیم کے بارے میں مختلف ہے۔

اس کا جواب یہ تھا۔ کہ بڑے بڑے زمینداروں میں مزارعین کی نسبت بچوں کی تعلیم لانے کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن مزارعین اور چھوٹے چھوٹے مالکانِ اراضی کے مابین اس بارے میں چنداں فرق نہیں۔ مزارعین کے لڑکے پرائمری سے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ کیونکہ مزارعین تو اپنے لڑکوں سے کھیتی باڑی میں مدد لیتے ہیں۔ اور بڑے بڑے زمیندار مزدوروں سے خدمت لیتے ہیں۔ صرف ایک رپورٹ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ زمیندار بچوں کو تعلیم دلانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ زمین کی بدولت ہی اُنکی اولاد اپنی بسر وقات کر سکتی ہے۔ لیکن کسی رپورٹ میں یہ نہیں بیان کیا گیا۔ کہ مزارعین میں بھی یہ میلان پایا جاتا ہو۔ کہ اُنکے فرزند تعلیم حاصل کریں۔ تاکہ اراضی پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ اور تعلیم حاصل کر کے کچھ کمائیں۔ اور اپنے کنبے کی پرورش کر سکیں۔ زراعت پیشہ لوگوں کے لئے ابتدائی تعلیم مفت ہے۔ اس لئے مزاج کا توندیشہ نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یہ امر کہ اس صورت میں بھی مزارعین اپنے بچوں کو کھو کیوں نہیں بھیجتے۔ تو اس وجہ کچھ تو اس کی سستی اور چہالت ہے۔ جو محض اُن کی تنگ نظری کا نتیجہ ہے۔ اور بڑا سبب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد سے مویشی کی رکھوالی کا کام لینا چاہتے ہیں۔

آٹھویں سوال میں یہ پوچھا گیا۔ کہ مزارعین اور مالکانِ اراضی کے بچوں کے طریق حصولِ مالش میں بھی کوئی اختلاف ہے۔ یعنی آیا وہ کاشتکاری کرتے ہیں۔ یا کوئی دوسرا کاروبار اختیار کر رکھا ہے کسی شہر میں نقل مکان کر لیا ہے۔ یا ملازمت کر رہے ہیں یا اس سلسلہ میں جو جوابات موصول ہوئے ہیں۔ اُن سے قطعی طور پر کوئی بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ دونوں زراعت کرتے ہیں۔ البتہ بڑے بڑے مالکانِ اراضی کے تعلیم یافتہ فرزند ملازمت تلاش کرتے ہیں۔ اور مزارعین کے لڑکے جنہیں زیادہ آزادی حاصل ہے۔ نوآبادیوں میں جلتے ہیں۔ زمیندار تو زمین کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ مزارع مجبور ہو کر شہر کو چلا جائے۔ اور وہاں محنت و مشقت کر کے پیٹ پالے۔ اس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ زیادہ کدو کاوش سے تحقیقات کر کے



اعداد و شمار فراہم کئے جائیں۔ باقی رہا یہ امر کہ مزارعین اور زمینداروں میں سے زیادہ مقروض کون ہے۔ کس کا معیار زندگی بلند ہے۔ تو اس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ مالکان اراضی کو اپنی معاشرتی حیثیت کے مطابق زیادہ مصارف کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ لباس اور خوراک کے اعتبار سے ان کا معیار زندگی مزارعین سے بہتر ہے۔ مزارعین دودھ اور گھی کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے بلکہ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور مالکان اراضی ان چیزوں کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں بعض ذاتوں میں تو یہ فرق بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن بعض ذاتوں مثلاً ارائیں اور گوجر وغیرہ میں کم ہے۔ چونکہ مزارع کی کوئی ساکھ نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ کفایت شعاری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ مقدمہ بازی اور عیش و عشرت میں روپیہ صرف نہیں کرتا۔ زیادہ محنت سے کام کرتا ہے۔ اور مصارف کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ہر جگہ مالکان اراضی کے قرض کا اوسط مزارعین کے قرض کے اوسط سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہی ساکھ زیادہ ہے۔ جو مزارعین شہروں کے قریب رہتے ہیں۔ وہ فرصت کے اوقات میں چھوٹے موٹے متفرق کام بھی کر لیتے ہیں۔ اور انہی حالت زمینداروں سے بہتر ہے۔ کیونکہ زمینداروں کو اپنے وقار کا بھی خیال رہتا ہے۔ اور انہیں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ زراعت کے سوائے کوئی دوسرا کام بھی کر لیں۔

اس سلسلہ کا دسواں اور آخری سوال یہ تھا۔ کہ آیا مزارعین بھی انجن بلے امداد باہمی میں مالکان اراضی کی طرح بکثرت شریک ہو رہے ہیں۔ اس کا جواب ملا۔ بڑے بڑے مالکان اراضی تو ان مجالس میں زیادہ شریک نہیں ہوتے۔ متوسط درجہ کے زمیندار البتہ بکثرت شریک ہوتے ہیں یہ اور بات ہے۔ کہ ان کے سر پر قرض کا بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ جو بعض اوقات انکی شرکت میں سدا راہ بن جاتا ہے۔ مزارعین کا اس میں بہت کم نقصان ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ انہیں ساہوکاروں سے قرض نہیں ملتا۔ اس لئے وہ قرض کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔

لے مٹر ایمرسن نے لکھا ہے کہ جوں جوں خوشحالی میں ترقی ہو رہی ہے۔ مزارعین کا میلان گھی بیچنے کی جانب سے کم ہوتا جاتا ہے۔ گھی کی قلت کے اسباب سے ایک یہ بھی ہے۔



بعض ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ کہ زمینداروں نے مزارعین کو مجالس امداد باہمی میں مادی حیثیت سے شریک کرنا گوارا نہیں کیا یا اگر وہ ان میں شریک بھی ہوئے۔ تو انہیں عین قرض نہیں دیا۔ بعض حالات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ زندگی کے متعلق مزارع کا زاویہ نگاہ ہنسیا تنگ ہے۔ اور وہ امداد باہمی کے مقاصد اور فوائد کو پوری پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ وہ گاؤں کی زمین میں حصہ دار نہیں۔ اس لئے بعض اوقات وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ سوسائٹی میں وہ زمیندار کی برابری کیونکر کر سکتا ہے۔

نوآبادیوں کی طرح جن جن مقامات پر مزارعین متقل حیثیت سے دیہات میں آباد نہیں ہو سکتے انہوں نے مجالس امداد باہمی میں شرکت نہیں کی۔ ان ہمسایوں میں جو قدیم ایام سے آباد چلے آتے ہیں۔ اور جہاں امداد باہمی کی تحریک استقلال حاصل کر چکی ہے۔ مزارعین مجالس مذکور میں بکثرت شریک ہوتے ہیں۔ لیکن شمار میں ان کا تناسب مالکان اراضی سے کم ہے بحیثیت مجموعی یہ باور کر لے کے وجہ موجود ہیں۔ کہ جوں جوں اس تحریک کے اصولوں کو زیادہ لوگ سمجھتے جاتے ہیں۔ مزارعین زیادہ تعداد میں شریک ہو رہے ہیں۔

محصل یہ کہ صوبہ کے نصف سے زیادہ رقبہ مزرعوں کی کاشت مزارعین کرتے ہیں۔ اس رقبہ میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ مزارعین زمین میں فصل اگانے کی صلاحیت پیدا کرنے کی جانب زمینداروں کی نسبت کم توجہ کرتے ہیں۔ ان کی نسبت کم بل چلاتے ہیں کم کھاد ڈالتے ہیں۔ اور کم آلات کثوری استعمال کرتے ہیں۔ وہ جو فصل پیدا کرتے ہیں۔ وہ کم قیمت ہوتی ہے۔ ایسی فصل پیدا کرنے کی جانب توجہ نہیں کرتے جس کے لئے زمین پر سرمایہ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کھیتوں کی اصلاحوں کی کوشش نہیں کرتے۔ اونٹوں کے مویشی رکھتے ہیں زیادہ دیر تک رہنے والے پودے نہیں اگاتے۔ درختوں پر کوئی توجہ صرف نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی سے بھی زیادہ غفلت برتتے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک عموماً نہیں کیا۔ کہ زراعت کو زیادہ منفعت بخش بنانے کے لئے تعلیم کس قدر ضروری ہے۔ غلہ کی صورت میں رقم اجارہ ادا کرنے کا طریقہ چسے بٹائی کہتے ہیں۔ ان کے اس طریق طبع کو زیادہ قوی کرنے کا باعث ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے زمین میں باری باری مختلف

اجناس کی کاشت نہیں کی جاتی۔ اور یہ طریقہ آہستہ آہستہ نقد لگان ادا کرنے کے دستور کو مٹا رہا ہے۔

اس نقص میں اس وجہ سے اور اضافہ ہو رہا ہے۔ کہ زمین کی قیمت میں رقم اجارہ کی نسبت زیادہ سرعت سے گراں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس طرح مزارعین کے لئے اول تو مالک نے مین بننا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ اور اگر بغرض محال وہ اراضی کے مالک بن بھی جائیں۔ تو یہ چیز ان کیلئے منفعت بخش نہیں۔ مزید برآں اراضی کی رہن و فروخت بکثرت ہو رہی ہے۔ اور ایسے کھیتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو اجارہ پر خریدی گئی ہیں۔

اس مزارعی کی وسعت کو صحیح طور پر ذہن نشین کر دینا ناممکن ہے۔ کیونکہ بکثرت مزارعین ایسے ہیں جو بعض قطعات اراضی کے مالک بھی ہیں۔ جن کا مبادلہ انہوں نے دوسرے زمینداروں سے کر لیا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں۔ جو اپنی رہن شدہ زمینوں کی کاشت کر رہے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی معلوم نہیں کہ کس قدر مزارعین ایک قطعہ اراضی کو چھوڑ کر دوسرے قطعہ اراضی کی شروع کر دیتے ہیں۔ یا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں انتقال مکان کرتے ہیں۔ اور نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کتنے مزارعین ایسے ہیں۔ جو ایک ہی قطعہ زمین کی کاشت متعلق طور پر کئے چلے جاتے ہیں۔ اجارہ داری بجائے خود بُرائی نہیں۔ انگلستان میں اکثر کھیت مختصر عرصہ (ایک سال)

لے بلٹی کا طریقہ وسیع کاشت کے لئے موزوں واقع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ محنت کا زیادہ سے زیادہ خام معاوضہ ہے۔ یہ طریقہ تازوں تغیل حاصل کی وجہ سے عین کاشت کامیاب نہیں۔

لے ریاتہائے متحدہ امریکہ کی اجارہ داری کے متعلق ذیل کا بیان "اسٹریٹنٹن ریلوے آف انگریجھل لائن" میں "بابت اپریل ۱۹۱۰ء سے لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہایت دلچسپ موازنہ ہو جائیگا۔

ریاتہائے متحدہ امریکہ میں مزارع ایک کھیت پر تین سال سے زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا۔ لگان بصورت مجلس ادا کر نیوالے مزارعین اکثر نقد لگان سینے والوں سے زیادہ دیر تک رہتے ہیں۔ باقی رہے مالکان اراضی تو ایک مالک اراضی اپنی زمین میں سولہ سال تک کاشت کرتا رہتا تھا۔

امریکہ کے کھیتوں کی قیمت نہایت سرعت سے بڑھ رہی ہے اس لئے ان کی فروخت بھی (بلٹی برصغیر ۱۷۹)

کے لئے مزارعین کو اجارہ پر دیدیئے جاتے ہیں۔ اور مزارعین کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ وہ زیادہ عرصہ کیلئے انہیں اجارہ پر لیں۔ سکاٹ لینڈ میں اجارہ کی مدت ساٹھ سال سے انیس سال تک ہوتی ہے۔ اکثر زمینیں ۱۴ سال کیلئے اجارہ پر دے دی جاتی ہیں۔ ویلز میں بھی عام پر سال بھر کیلئے اراضی اجارہ پر دی جاتی ہے۔ ملکیت زمین طویل عرصہ کے اجارہ اور سال بھر کے اجارہ

(معاذ اللہ) ہو رہی ہے اکثر زمینوں کے مصرف میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ کچھ مالک تبدیل ہو جاتے ہیں جب تک کوئی اراضی قابل فروخت مالک اراضی کے قبضہ میں رہے گی۔ وہ متاجرین کو قحوطے قحوطے عرصہ کے لئے زمین دیتا رہے گا۔ قحوطے عرصہ کے اجارہ کا باعث یہ ہے کہ مزارعین بھی مالکان اراضی بن رہے ہیں۔ جو لوگ ساری عمر زراعت کے پیشہ میں گزارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی طرح مالک اراضی بن جاتے ہیں۔ اس لئے مزارعین کا ایک حکمت میں قحوطے عرصہ کے لئے کام کرنا درحقیقت بہت حد تک اسی وجہ سے ہے کہ مزارعین برابر جتنی کر کے مالک اراضی بنتے چلے جا رہے ہیں۔ اجارہ داری کے حالات واسباب علی الخصوص زراعت کی قیمت کا قدرتی نتیجہ ہے۔ مزارع کے پاس مولیشی نہیں ہوتے وہ درخت نہیں لگاتا۔ وہ زمین کو زرخیز بنانے یا اسکی گہری جتنائی کرنے پر روپیہ صرف نہیں کرتا۔ کچھ خواہش یہ ہے کہ سال بھر کے اندازہ ہی وہ جنس بوئے سلٹے اور اسے فروخت بھی کر لے۔ اجارہ داری ان علاقوں میں زیادہ ہے جہاں کپاس، غلہ اور گیہوں کی کاشت ہوتی ہے۔ مزارع خود کاشت زمینداروں سے زیادہ غلہ پیدا کرتا ہے لیکن مولیشی کے لئے زمینداروں کی نسبت کم چارہ پیدا کرتا ہے۔ وہ دودھ، کھن اور پھلوں کی پیداوار کا جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ لیکن تنباکو اور دوسری سبزلیوں کی پیداوار کی جانب زیادہ توجہ کرتا ہے۔ کیونکہ کچھ لئے زیادہ سامان کی ضرورت نہیں۔ اور محض چند چینیے صرف ہوتے ہیں۔ لگان میں اس طرح جلد اضافہ نہیں ہوتا۔ ج طرح زمین کی قیمت فروخت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسلئے زمین خریدنے کی نسبت اسے لگان پر لے لینا زیادہ امان ہے۔ مزارع کو جو آمدنی محنت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وہ خود کاشت زمینداروں کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ کہہ کر یہ زمیندار مزارع دلوں مستقل زراعت میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے۔ مالک اراضی کو یہ توقع رہتی ہے کہ وہ زمین فروخت کر لیگا اور مزارع بھی ہوتا ہے۔ میں کبھی نہ کبھی اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ مالک اراضی فی ایکڑ جتنا غلہ پیدا کرتا ہے۔ مزارع بھی اتنا ہی غلہ پیدا کر لیتا ہے۔ شادی ایسا ہوا ہے کہ مزارع نے زمین کی اصلاح و ترقی کی خواہش کی ہو مزارعین میں تنگیم بہت کم ہے۔ وہ ایک فلسفہ جماعت کو مان رہے ہیں کہ زراعت کے شاہی کیشن کے سامنے سکاٹ لینڈ کے ایک گروہ نے اولو میں بیان دیا تھا۔ آپ ایسے لوگ سے جو

کی موافقت اور مخالفت میں جو دلیلیں دی جاتی ہیں۔ وہ لچپ ہیں۔ اس صوبہ میں جہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اجارہ داری کے نقائص کا یہ صاسلوہ علاج اس قسم کا مسودہ بیع اراضی ہے جس نے آرٹیکلڈ کے مزارعین کو مالکان اراضی بنادیا تھا۔ یہ ضروری ہے کہ ان دلائل پر غور و خوض کیا جائے یہ واضح رہے کہ آرٹیکلڈ میں اجارہ داری کے مسئلہ کو غیر ملکی مالکان اراضی نے جنہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں تھا سمجھ دیا تھا۔ اس مسئلہ کی پیچیدگیوں میں ان کانونوں نے اضافہ کر دیا جو عرصہ سے زمین پر قابض تھے۔ اور اس لئے اپنے آپ کو زمین کا مالک سمجھتے تھے۔ اور اور یہ خیال کرتے تھے کہ انہیں حقوق سے محروم کرنے میں بے الصافی سے کام لیا گیا ہے۔ وہاں لوگوں نے اجارہ داری کا علاج کرنے کے لئے اس امر کا مطالبہ کیا تھا کہ رقم اجارہ مناسب ہو۔ حقیقت کی تعیین کر دی جائے۔ اور حقوق اجارہ داری کے بیع و شری کی اجازت عالم دیدی جائے۔ چنانچہ یہ مطالبہ قبول کر لیا گیا۔ برطانیہ کے کسان حقیقت کی تعیین کے طالب نہیں۔ بلکہ ان کی خواہش اس قدر ہے۔ کہ ان کی حقیقت کو محفوظ کر دیا جائے۔ امریکہ کے کسان ہمیشہ سے یہی سمجھتے رہے ہیں۔ کہ جن زمینوں کی وہ کاشت کرتے ہیں۔ انکا انہیں ملکیت میں رہنا بہتر ہے کیونکہ اول تو اضافہ قیمت زمین کو ہی کاشتکاری کی منفعت کا جزو سمجھا جاتا ہے۔ مزید برآں انکے سامنے زمین کو اجارہ پر دینے کے متعلق کوئی معقول نظام نہیں پیش کیا گیا۔ پروفیسر کارو لکھتا ہے کہ ہم نے اجارہ داری کے مسئلہ کا حل کر کے کوئی ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش نہیں کی جس میں ترقی پسند اور دور اندیش اپنے لئے ایک کشش محسوس کرتا ہو مختصر عرصہ کے اجاروں کا نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ اقدام کا جذبہ اور مابقت کی خواہش دب جائیگی۔ چونکہ زمیندار کے مفاد کی حفاظت کا پورا پورا انتظام نہیں۔ اس لئے اس کا اپنی زمین کو طویل اجارہ پر دے دینا خطرناک ہے لیکن لطف یہ ہے کہ دنیا میں بہترین زراعت وہیں ہو رہی ہے۔ جہاں اجارہ داری کا طریقہ رائج ہے۔ (انگلستان میں) اگر زمین کی قیمت کم ہونے لگے۔ تو یہ ظاہر ہے کہ زمین کی

صرفہ، اکالغیرہ، مل وراثت اور سڑک رکھتے ہوں اسوقت تک زراعت پر اپنی تمام کوششیں مرکوز کرنے کی توقع نہیں کر سکتے جب تک کہ انہیں یہ یقین نہ دلائیں کہ اتنے سالوں کے عرصے میں زراعت سے نفع ہوگا سال ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۰ء تک پرنسپل رکن رسل انکا کس ۱۸۷۷ء

ملکیت میں خارہ ہی خارہ ہے۔ انگلستان کے کسان اس خطرہ کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ برطانیہ میں آجکل زمین فروخت کی جا رہی ہے۔ اور کسانوں اس امر کی جانب مائل کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ اراضی خرید کر کھیتوں کے مالک بن جائیں۔ وہ زمین کی ملکیت کے خواہشمند تو نہیں۔ البتہ اپنے حقوق کا اشتکاری کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے محض حقیقت کی حفاظت کے لئے زمین کے مالک بن جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہتیرے کسان زمین کو ترقی دینے کے خیال سے اپنا سارا جمع جتنا زمین پر لگا کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن وہ ذخائر جمع کرنے اور زراعت کی دوسری ضروریات فراہم کرنے پر روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہتے۔ انگلستان کی طرح جس ملک میں رقم اجارہ قیمت زمین کے مقابلہ میں بہت تھوڑی اور اس کی حیثیت ادنیٰ شرح سود جیسی ہو۔ تو وہاں ایک ذی استعداد کسان کیلئے بہتر ہے۔ کہ اجارہ ادا کرتا رہے۔ اور اپنا سرمایہ مویشی اور مشینوں کی خرید پر لگا دے۔ جن سے اُسے زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے۔ پنجاب میں جہاں زراعت کی اصلاح و ترقی پر بہت کم روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ یہ محسوس کرنا مشکل ہے۔ کہ انگلستان میں زمین کی مستقل ضروریات مثلاً عمارت، نالیوں۔ جگلے وغیرہ پر تو زمیندار روپیہ صرف کرتا ہے۔ پھر بھی کسان اپنی جیب سے فی ایکڑ جس قدر رقم صرف کر دیتا ہے۔ اُس کا اوسط پندرہ پونڈ سے پچیس پونڈ تک سے (۱۵۰ روپیہ سے ۲۵۰ روپیہ) تک ہے۔

انگلستان میں جو کسان زمین کے مالک ہیں ان کے خلاف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے۔ کہ زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے ان کے کھیتوں کی حدود متعین ہو گئی ہے اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ ایک مزارع خواہ وہ ایک چھوٹے سے قطعہ اراضی مثلاً ایک سو ایکڑ زمین میں کاشت کرنا شروع کرے جب خوشحالی حاصل کر لیا۔ تو وہ زمین کو ۲۰۰ ایکڑ تک بھی وسیع کر سکتا ہے۔

لے ملاحظہ ہو۔ کارور مندرجہ زراعت کے شاہی کمیشن کے سامنے حقوق اجارہ کی حفاظت۔ مٹا جی، اور ضرورت کے متعلق جو شہادت دی گئی تھی۔ اُس کا ایک مختصر خلاصہ ادا فی آئندہ میں دیا گیا ہے۔



کہ حقیقت کی حفاظت کی جائے۔ لیکن اُن کے مقصد میں حقیقت کی تیسیں بلکہ رقم اجارہ کی تیسری داخل نہیں تھی۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ زمیندار کو اپنی زمین پر قبضہ کا اختیار حاصل ہے لیکن مزارع زمین کی اصلاح و ترقی کیلئے جس قدر محنت کرتا ہے۔ اور پھر زمیندار کے تجدید اجارہ سے انکار کر دینے کی صورت میں اُس بیچارے کو جس قدر پریشانی ہوتی ہے۔ قانون اُس کا معاوضہ بالکل نہیں دلاتا۔ کسانوں کے نمائندے تخمیناً ایک سے چار سال تک کی رقم اجارہ کو کسان کی محنت کا معاوضہ قرار دیتے ہیں۔ اجارہ کے متعلق معقولیت پسند کسانوں کا خیال ہے۔ کہ اس کا انحصار نرخ پر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ نرخ کم ہو جائے۔ تو رقم اجارہ میں بھی تخفیف کو دی جائے۔ نرخ زیادہ ہو جائے۔ تو رقم اجارہ کو بڑا دیا جائے۔ ذیل میں ہم اس مسئلہ پر کاشتکار کے زاویہ نگاہ سے بحث کرتے ہیں۔ اس بارے میں زمیندار کی رائے چنداں مختلف واقع نہیں ہوئی۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے۔ کہ ایک مسلم الثبوت مبصر اس خیال سے اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ اگر مزارع کو حقیقت کی حفاظت کا حقین دکھا دیا جائے۔ تو زراعت میں تدریجی اصلاح و ترقی ہونے لگے گی۔ اُس کی رائے میں زمین کے معاملے میں کسانوں کے درمیان مقابلہ نہ ہو۔ اور مسابقت کا خیال اُنکی حوصلہ افزائی نہ کرے۔ تو رقم اجارہ کم ہو جائیں گی۔ اور مزارعین محفوظے صرف سے کافی آمدنی حاصل کر لیا کریں گے۔ مسابقت کا جذبہ لگائے میں اضافہ کرتا ہے کسانوں کی ہمت اور حوصلہ افزائی کو ترقی ہوتی ہے۔ اور عمدہ طریق پر کھیتی باڑی کیجاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اجارہ داری کے اثرات و نتائج سے نجات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہ نہیں۔ کہ اجارہ داری کو مٹا دیا جائے۔ اور تو اور اگر سال بھر کے لئے زمین اجارہ پر دیدی جائے جب بھی اُس میں اعلیٰ طریقہ پر کاشت ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ یا تو زمیندار اپنی ذمہ داریاں جسکا تعلق زمین اور کاشتکار سے ہے۔ محسوس کرے۔ یا قانون مزارع کو فزنیٹس زمیندار کے خصائص طبیعت سے محفوظ رکھے۔ مزارع اور زمیندار میں اشتراک عمل ہونا ضروری ہے۔ اور ایک امر لیکن اہل قلم نے اسی حقیقت کو ملحوظ رکھ کر لکھا ہے۔ کہ قانون کی



رُوسے اجارہ داری کا کوئی عمدہ نظام قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے خیال کو اس امر سے تقویت ہوتی ہے کہ قانونِ اراضی میں متواتر ترمیمیں کیا جاسکتی ہیں۔

مندرجہ بالا بحث میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ انہیں اگر پنجاب کے نظامِ اجارہ داری پر منطبق کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ موجودہ حالات و اسباب کا بہترین علاج یہ ہے۔ کہ مزارعین میں سابقانہ اور لیفانہ سعی و ہمت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اُن کے قلب میں یہ خیال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ مزارعین کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ اٹھ ایکڑ یا بارہ ایکڑ اراضی پر اکتفا کرے۔ بلکہ اُس کے پاس پچاس ایکڑ یا سو ایکڑ زمین ہونی چاہئے۔ اور وسیع رقبہ پر قبضہ کرنے کے لئے اگر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ قیمت بھی دینا پڑے۔ تو اُس میں تاثر نہ کیا جائے۔ اگر رقمِ اجارہ زیادہ ہے تو زمین پر زیادہ محنت، ہنرمندی اور عقل و دانش صرف کی جائے۔ زرعی کالچ کے گیسوٹ ملک کی سب سے بڑی خدمت یہ کر سکتے ہیں۔ کہ اس تحریک میں رہنمائی کریں۔ اور ان لوگوں کو اراضی سے بیدخل کر دیں۔ جو کاشت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ عذر کہ اگر ایسا کیا گیا۔ تو آبادی کا ایک حصہ گرفتارِ مصیبت ہو جائے گا۔ چنداں قابلِ غور نہیں۔ اکثر لوگ جو اس وقت زراعت میں مصروف ہیں۔ زمین سے محض قوتِ لایوت حاصل کر رہے ہیں۔ اُن کے لئے غالباً یہ بہتر ہوگا۔ کہ اُن بیرونی اشخاص کو جو مزدوری کر رہے ہیں بے دخل کر کے ان کی جگہ لے لیں۔ یا جدید صنعتی تحریک میں شامل ہو جائیں، کیونکہ اس تحریک نے یہ فرض کر لیا ہے۔ کہ دیہات میں ایک ایسی جماعت موجود ہے۔ یا پیدا کیا جاسکتی ہے۔ جو وسیع رقبوں کی کاشت میں محنت صرف کرنے پر آمادہ ہے فی الحال تو عام رجحان اس امر کی مانگ ہے۔ کہ اگر ایک چھوٹے سے رقبے میں عین کاشت کر کے اس قدر فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ جو ایک وسیع رقبہ کی کاشت سے ہوتا ہے تو رقبہ مزروہ میں تخفیف کر دی جائے۔ بلند معیار کی زندگی بسر کرنے کی خواہش اس رجحان کی مزاحمت



کرے گی۔ لیکن ابھی زمانہ دُور ہے جب مختلف الاستعداد کسانوں میں مابقت کا حقیقی جذبہ پیدا ہوگا۔ اور جو لوگ زراعت کی اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے انہیں بھی اپنے طریقوں کی اصلاح کا ولولہ پیدا ہو جائیگا۔

موجودہ نظام میں ایک بڑا نقص یہ ہے۔ کہ کئی کئی گھنٹوں تک مسلسل محنت مشقت کرنے کی بجائے کئی کئی دنوں تک تھوڑے تھوڑے عرصہ تک محنت کر کے کام ختم کیا جاتا ہے۔ اگر صحیح طور پر ترقی حاصل کرنا مقصود ہے۔ تو محض زمین کے استعمال کے بارہ میں ہی تغیر و انقلاب ضروری نہیں۔ بلکہ رائے عامہ میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے۔ کہ سال بھر میں کتنے عرصہ تک محنت کی جائے۔ ہندوستانی کسانوں کو اس بارے میں ہمیشہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ جس زمانہ میں وہ اپنی زمین پر مصروف کار نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا کام کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کی کوشش نہیں کرتا۔



# آٹھواں باب

پنجاب کی اقتصادی تاریخ میں خصوصیت نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ کہ اراضی کی قیمت نہایت تیزی سے گراں ہوتی جا رہی ہے قیمتوں کی اس گرانی نے صوبہ کو نشو و ارتقا پر ایک نمایاں اثر ڈالا ہے۔ اس کی وجہ سے کسان کی طرح قانون دان اور دلال بھی اراضی کی صلاح و ترقی پر روپیہ صرف کرنے کی بجائے مزید اراضی کی خرید پر روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ اب تو یہ کیفیت ہے کہ پیداوار میں اضافہ ہو جائے تو اسے اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن اراضی کی حیثیت بڑھ جائے تو اسے بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ اراضی کی قیمت میں ہونے والے اضافہ کا اندازہ لگا کر جا کھیلنے کو ترقی ہو رہی ہے۔ اسکی روک تھام کے لئے خاص قوانین کے نفاذ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو اسے بھی ایک سیاسی شکایت بنایا گیا۔ اور کہا گیا۔ کہ جو لوگ اس وقت اراضی نہیں خرید سکتے جس وقت اس کی حیثیت ارزاں ہوتی ہے۔ انہیں ان قوانین و احکام سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اراضی کی قیمت میں روز افزوں اضافہ کی بدولت کسانوں کی ساکھ تو آسانی سے قائم ہو گئی۔ لیکن چونکہ ان کی تعلیم ناقص ہے۔ اس لئے وہ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ اس سہل الحصول ساکھ میں کیا کیا خطرات ہیں۔ اس کی وجہ مزارعین کی تعداد بڑھ گئی۔ اور مزارع کا ترقی کر کے مالک اراضی بن جانا دشوار ہو گیا۔ لیکن یہ چیز صوبہ کی اقتصادی پستی کا باعث نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے اراضی پر کئی کروڑ روپیہ لگایا گیا ہے۔ اور اگر اراضی کی قیمت میں مزید اضافہ کی امید سدراہ نہ ہوتی۔ تو اس روپیہ سے کوئی منفعت حاصل کی جاسکتی تھی۔ اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا۔ کہ اراضی پر روپیہ لگانے کا شوق عام ہو گیا۔ لیکن اس سے بہت مجموعی زراعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

یہ موضوع اس قدر اہم ہے۔ اور اس کے متعلق ایسی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ کہ ابھر

تفصیلی بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پنجاب میں یہ چیز بہت نئی ہے۔ آج اراضی پر لوگوں کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ لیکن انگریزوں کے عمل داخل سے پہلے جو لوگ اس ملک پر حکومت کرتے تھے۔ اُنکے عہد حکومت میں حقوق کی دو خاص صورتیں تھیں۔ ایک تو حکومت کی جانب سے مالگذاری جمع کرنا کا حق دوسرا کسی قلعہ اراضی پر قبضہ رکھنے کا حق جسکے لئے یہ شرط تھی کہ اس قلعہ اراضی کی مالگذاری حکومت کو یا کسی زمیندار کو جسے مالگذاری جمع کرنا کا حق ہوگا۔ ادا کی جائیگی۔

جن لوگوں کو پہلی قسم کا حق حاصل تھا۔ انہیں انگریزی سلطنت کے ابتدائی دور میں اعلیٰ درجہ کے مالکان اراضی سمجھا گیا۔ (مثلاً اودھ کے تعلقدار) اس طرح گویا کاشت کار ادنیٰ درجہ کے مالکان اراضی تصور کئے گئے۔ اور باقی کو پورے پورے مالکان اراضی تسلیم کر لیا گیا جسے جنگال کے بڑے بڑے زمیندار) اس طرح گویا ان لوگوں کو جو زمین میں خود کاشت کرتے تھے، مزارع کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ محولہ بالا اقسام میں سے پہلی قسم کا حق زمین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ حق دراصل اس مالگذاری پر تھا۔ جو زمین سے حاصل کی جاتی ہے۔ کاردار یا مالگذاری وصول کرنے والے زمیندار جس قدر روپیہ وصول کرتے تھے۔ اُس میں سے زیادہ خود لگتے تھے۔ اور حکومت کے خزانے میں صرف اُس کا

لے پروفیسر کیل نے اپنی چھپ کتاب 'انڈین اکناکس' کے پندرہویں باب میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزی عہداری سے پہلے جو ہنگامہ خیز عہد گذر رہا تھا۔ فتحند بادشاہ مالکان اراضی کو ملکیت سے محروم کر کے انہیں مزارع کی حیثیت میں پہنچا دیتے تھے۔ یا اُنکی زمین اپنے منظم نظر لوگوں کو عطا کر دیتے تھے۔ لیکن پروفیسر نکور کو اس بیان کا یہ نتیجہ متخرج کرنے سے انکار ہے۔ کہ یہ حکمران یقیناً یہ سمجھتے ہوئے تھے کہ انہیں مالکان اراضی کو ملکیت سے محروم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پروفیسر کیل کا خیال ہے۔ کہ جو لوگ زمین کی کاشت کرتے تھے۔ انہیں مالکانہ حقوق حاصل تھے۔ سکھوں کے عہد حکومت میں جو کاردار زیادہ طاقتور ہوتے تھے۔ ایک ذریعہ سے زمین چھین کر دوسرے کو زیادہ مالگذاری ادا کرنے پر آمادہ ہوا کرتا تھا۔ یہ تھے۔ وہ کسی کوئی حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اگر حقوق ملکیت تسلیم کر لیا جاسکے تو وہ بالکل سب ہے۔ اگر کوئی حکمران قانون فتح لے کسی حق کا دعویٰ کرے۔ اور اُسے منسوخ کرے تو اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بجا طور پر حق رکھتا ہے۔

ایک حصہ داخل کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم کا حق کاشتکار کے سوائے کسی کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ حکومت یا مالگذاری وصول کرنیوالا زمیندار مالگذاری وصول کرنے کے بعد اس کی کمائی میں سے اتنا ضرور چھوڑ دیتے تھے کہ اُس کے چھینے اور اراضی کی کاشت کرنے کا سہارا رہے۔ حکومت یا زمیندار کا یہ مقصد نہیں تھا کہ بچارے کاشتکار کے پاس اس سے زیادہ بچ رہے۔ حکومت کی ضروریات یا زمیندار کی حرص بچارے کاشتکار کو زراعت کے منافع سے کلی طور پر محروم کر دیتی ہے۔ اس صورت میں کاشتکار کو مالگذاری کے علاوہ کوئی رقم اجارہ نہیں ادا کرنا پڑتی تھی۔ اراضی سے جو حاصل ہوتا تھا اُس سے کچھ مالگذاری وصول کرنیوالے کی حرص پوری ہو جاتی تھی۔ اور کچھ کاشتکار کے پیٹ بھر کھلے کا سامان ہوتا ہو جاتا تھا۔ اتنی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کوئی تیسرا شخص لگان پر زندگی بسر کر سکے۔ جو شخص مالگذاری ادا کرتا تھا سو ہی زمین کی کاشت بھی کیا کرتا تھا۔ چوںکہ کاشتکار کے پاس قوتِ لایموت کے سوا اور کچھ نہیں بچتا تھا۔ اس لئے اس امر کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی کہ اراضی پر اس کے کیا کیا حقوق ہیں۔ اگر کوئی شخص زراعت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتا تو اس کے لئے بہت آسانی تھی۔ کیونکہ بہت سی زمین غیر مزدور و عہ پڑی تھی۔ وہ اس زمین میں ہل چلانا شروع کر دیتا۔ اس طرح اُسے کاشتکاری کا غیر اہم حق حاصل کرنے کے لئے کوئی قیمت بھی ادا نہیں کرنا پڑتی تھی۔ پنجاب میں کاشتکاروں پر مالگذاری کا بوجھ الگ الگ نہیں پڑتا تھا بلکہ گاؤں سے ایک رقم معینہ مالگذاری کے طور پر وصول کی جاتی تھی۔ اس لئے گاؤں کے لوگ باہر سے لوگوں کو بلا کر لاتے تھے۔ اور انہیں اس امر پر آمادہ کرتے تھے کہ وہ غیر مزدور زمین میں کھیتی باڑی کریں۔ اس طرح ان کے بوجھ میں ایک اور شخص شریک ہو جاتا۔ اور یہ بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سیاسی انقلاب کی وجہ سے یا اس لئے کہ لوگوں سے زیادہ

لے موجودہ زمانہ میں جاگیرداروں کو اسی بھار مالگذاری کے لئے ساجھ حاصل ہے جو حکومت نے مقرر کر رکھی ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ کوئی جاگیردار اس زمین پر مالکا نہ حقوق نہیں رکھتا۔ جو اُس کی جاگیر میں ہیں یہ اور بات ہے کہ جاگیر کے علاوہ کچھ زمین اُسکی ملکیت ہو۔

ملکداری طلب کی جاتی تھی۔ لوگ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ کبھی کوئی باہمت شخص کچھ روپیہ ادا کر کے حکومت سے اراضی کے ایک رقبہ میں زراعت کرنے کی اجازت لے لیتا تھا۔ وہ شاہی منطوقی کے بل بوتے پر دوسرے کاشتکاروں کے حقوق پر اپنے حقوق کی فوقیت کا مدعی ہوتا تھا۔ یا اپنے کاشتکاروں کو لایا کرتا تھا۔ اور پھر ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ کاشتکار اُسے کمال کر خود زمین کے مالک بن جاتے تھے۔ اُس زمانہ میں قبضہ اور ملکیت کو کوئی استقلال نہیں تھا۔ اس لئے زمین کو کوئی خریدنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ یہاں پر بحث کرنا بیسوہ ہے۔ کہ پنجاب میں ہندو دھرم شاستر کا کس قدر اثر و نفوذ تھا۔ ہندو دھرم شاستر کی رو سے کوئی فرد واحد آبائی جائیداد پر قبضہ نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ امر متنبہ ہے۔ کہ آیا ہندو دھرم شاستر میں زمین کی خرید و فروخت کا بھی ذکر ہے یا نہیں؟ مسلمان حملہ آور کسان نہیں بلکہ گلہ بان تھے۔ وہ بھیڑ بکری کے گوں پر زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ سو انکی دولت کا تمام تر انحصار اسی جائیداد منقولہ پر تھا۔ زراعت کے حقوق کے متعلق انہیں جو دستور رائج ہیں وہ انہوں نے اُن ہندوؤں سے لئے ہیں جنہیں وہ آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ بھی وہ اولاد میں یہ باور کرنے کے کافی جوہر ہیں۔ کہ انگریزوں کے پنجاب میں آنے سے پہلے اراضی کی فروخت بہت کم ہوتی تھی۔ شہروں کے قرب و جوار میں ایسے واقعات کی مثالیں پیش کیا جاسکتی ہیں یا کنوؤں کے فروخت کے واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن انگریزی حکومت سے پہلے کی پانصد سالہ تاریخ سے معلوم

لے اس سلسلہ میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اراضی کی قیمت فروخت کچھ نہ تھی۔

۱۔ قدیم زمانہ میں اراضی پر حقوق کی جو حیثیت تھی اسکے لئے مورخین کا کتاب انڈیا ایڈ ویوڈ تھ آف انڈیا صفحات ۹۶-۱۰۰ اور ۲۹-۱۳۰ دیکھئے۔ اُس زمانہ میں کسانوں کو عام طور پر ہمیشہ بظہور رہتا تھا۔ کہ انکی زمین ان سے چھین لی جائیگی۔ اس واقعہ کا ثبوت جہاں گیر کے اس فرمان سے ملتا ہے۔ کہ سرکاری افسر اور جاگیردار کسانوں کی زمینیں نہ چھینا کریں۔ ہم نے یہاں جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔ انکی مخالفت کے سلسلہ میں نہ کہ لچرپی سے خالی نہ ہو گا کہ جس زمانہ میں سر ایڈمز سیکیلیٹن ملکوں کے ہتھ ہندو بہت تھے۔ انہوں نے اسی وجہ سے پہلے فروخت اراضی کے کئی واقعات جمع کئے تھے۔ بظاہر انہیں ہوا کہ اُن زمانہ میں کوئی کسان زمین مقول قیمت پر فروخت کیا جاسکتی تھی۔ یا زمین خریدیوالاتھیں تو در تنازعوں سے کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا۔ وہ زمینیں پھیلے نوں تاک میں کیونکر جڑی کرانے کا کئی انتظام نہیں تھا کچھ تو اسے سوار کچھ کسانوں کی جہاں تک باعث زمین کو معطل ہاموں پر فروخت کر لینا تقریباً ناممکن تھا۔ ہر قطعہ زمین پر بے شمار اشخاص حقوق ظاہر کرتے تھے۔ سو انکا بظاہر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ شہر کی جڑی کے بغیر قدیم زمانہ میں بھی کیونکر آبادہ فروخت میں ممکن تھی +

ہوتا ہے۔ کہ نہ تو یہاں متقل ملکیت اراضی کا وجود تھا۔ نہ کوئی اہم حقوق حاصل تھے۔ اور نہ اُن حقوق کو فروخت کیا جاسکتا تھا۔ یہ بھی وثوق کیساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آیا اُس بدامنی کے زمانہ میں لوگ وہیہ پس انداز بھی کرتے تھے یا نہیں۔ اور اگر کرتے تھے۔ تو کیا اراضی خرید کر وہ یہ راز افشا کرنے کی جرأت کر سکتے تھے۔ کہ اُن کے پاس کچھ اندوختہ موجود ہے۔

ریگھوں کے دورِ حکومت میں کسان کاشت بھی کرتا تھا۔ تو اس طرح کہ پہلو میں تلوار لٹکتی رہتی تھی جب تحصیلدار مالگداری وصول کرنے آتا تھا۔ تو اس کے ساتھ ایک پوری جینٹ حفاظت کی غرض سے ہوا کرتی تھی۔ بڑے بڑے شہروں کے قریب وجوار کے سوا اور کہیں زمین فروخت نہیں ہو سکتی تھی۔ غرض سے پہلے لوگ انتقال اراضی کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے۔ کہ صوبہ پنجاب کے بعض حصوں میں ۱۸۶۱ء سے پہلے زمین فروخت نہیں ہوئی۔ پنجاب کا الحاق ۱۸۴۹ء میں سلطنت انگریزی سے ہوا تھا۔ اسے ایک ایسی سرزمین میں سمجھا جاتا تھا۔ جہاں ریتیلی اور بخر زمین بکثرت ہے۔ اور یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ سلطنت میں اس صوبہ کا اضافہ حکومت ہند کے خزانہ پر جو آگے ہی بوجھ تلے دیا ہے۔ ایک مزید بوجھ کا اضافہ ہوگا۔ جب امن و امان قائم ہو گیا۔ مالگداری کی ایک رقم معین کر دی گئی۔ جو نہ کم تھی اور نہ زیادہ۔ اور کسانوں کے حقوق اور ملکیت کی حفاظت کا سامان بھی ہو گیا۔ تو پنجاب خوشحالی کی راہ پر قدم بڑھانے لگا۔ اور اُس وقت سے آج تک کسی روک کے بغیر کامزن ہے۔ چونکہ اب رسل و رسائل کے ذرائع کو ترقی ہو گئی ہے۔ آبپاشی کو وسعت دیدی ہے پیداوار کی قیمت بڑھ رہی ہے۔ اس لئے ابھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ یہ خوشحالی اور ترقی کہاں تک بر ملتی چلی جائیگی۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ۱۸۵۷ء سے پہلے اراضی کی فروخت شاذ ہی ہوا کرتی تھی۔ لیکن جلد ہی لوگوں کی توجہ اس کی جانب ہونے لگی۔ اور ۱۸۷۷ء میں اراضی کی فروخت اس قدر بڑھ

۱۸۷۷ء میں انگلستان کے اندر زمین کی سالانہ قیمت تقریباً ۲۰ فی ایکڑ تھی۔ اور اس کے ذخائر سے

قطع نظر کیا جائے۔ تو اُس کی قیمت ایک شلنگ بھی نہیں تھی۔ ملاحظہ ہو کرٹلر کی کتاب "شارٹ ہسٹری کا

پیمائش آف انڈیا" ۱۹۰۷ء

برآمد گئی کہ حکومت بھی پریشان ہو گئی۔ یہ جاننا خاص دلچسپی کا باعث ہو گا۔ کہ جس ضلع میں بارش زیادہ ہوا حدنگی سے ہوتی تھی۔ اس میں ساہوکار زمین خریدنے سے زیادہ اراضی زمین رکھنے کو اچھا سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں انہیں زمین کا مالک بن جانا ایک بارگراں مظلوم ہوتا تھا۔ ۱۸۴۳ء میں ضلع گورداسپور کے اندر ۶۰۵ فیصدی اراضی ساہوکاروں کے پاس زمین رکھی گئی۔ اور ۱۹۲۱ء میں اراضی کسانوں کے پاس فروخت کی گئی۔ جن منسلع میں بارش کی حالت اچھی نہیں تھی۔ ساہوکاروں کو بہت دیر تک اقتصادی زندگی میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوئی۔ ان منسلع میں شاذ ہی اراضی کو زمین کرنے کے واقعات ہوئے ہونگے۔ عام طور پر اراضی کا انتقال فروخت کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ لیکن زیادہ تر اراضی دوسرے مالکان اراضی کے پاس فروخت کی جاتی تھی۔

پنجاب میں زیادہ تر چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی آباد ہیں۔ پنجاب کے کسان کے قبضہ میں عموماً آٹھ ایکڑ زمین ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی دوسرے مالک اراضی کی چار ایکڑ زمین مزاد کی حیثیت سے کاشت کرتا ہے۔ زراعت پیشہ ذاتوں کے لوگ دوسرے باشندوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کے جسم اپنی ساخت کی وجہ سے بآسانی پہچانے جاتے ہیں۔ ان میں نہایت بیش بہا فوجی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ جنگی وجہ سے انہیں بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ ستر سال سے حکومت ان کے اطمینان اور فاسخ البالی کیلئے کوشش کر رہی ہے۔ اگر ابھی جبکہ غیر زراعت پیشہ سرمایہ دار لے لیں۔ تو حکومت کو اس سے بہت پریشانی ہوگی۔ انعام اراضی کی سالانہ رپورٹ اس امر کی گواہ ہے۔ کہ حکومت پنجاب اس امر کو نہایت تشویش اور فکر کی نگاہوں سے دیکھتی رہی ہے۔ کہ اراضی قدیم مالکان اراضی کے قبضے سے نکل کر ساہوکاروں اور دوکانداروں کے قبضہ میں جا رہی ہے۔ چنانچہ حکومت کو اس کے متعلق جو تشویش رہی ہے۔ اس کا نتیجہ

لے جہاں مالید زیادہ ہوتا تھا۔ زمیندار اٹلاس میں بتلا ہو جاتے تھے۔ وہ مویشی ساہوکاروں کے ہاتھ فروخت کر کے لہر زمین کو چھوڑ کر کسی دوسرے ضلع میں چلے جاتے تھے۔ جہاں مالکداری کم ہوتی تھی۔ بہت زمین کو فروخت نہیں کرتے تھے۔ ان اگر زمین میں کنواں ہوتا تھا تو اسے بیچ ڈالتے تھے۔



یہ ہوا۔ کہ اسلئے میں قانون انتقال برائے منظم کیا گیا۔ اس عرصہ کے دوران میں اراضی کی قیمت برابر بڑھتی گئی۔ اور حکومت نے نہایت مبالغہ ادا قابل فخر واقعہ سمجھا۔ حکومت کو اس کے متعلق بھی کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا۔ کہ آیا قیمت اراضی کی یہ گراہی اس حد تک تو نہیں جا پہنچی۔ کہ اس کے متعلق پریٹانی ظاہر کی جائے۔ یہی ہے وہ سوال۔ جس پر ہمیں اس باب میں بحث کرنا ہے۔ یہ حال اس قدر مہم ہے۔ کہ اگر آج اراضی کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ تو اس کا اولین سبب انگریزی حکومت کا نظم و نسق ہے۔ جس نے کسانوں کو وہ تمام سامان ہم پہنچا دینے میں جو غارت میں خوشامی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ انگریزوں نے مالگذاری کی شرح کم کر دی کسان کے حقوق کا ایک صحیح ریکارڈ مرتب کیا۔ اور ان حقوق کی حفاظت قانون سے کی گئی۔ تاکہ حق ملکیت محفوظ ہو جائے۔ اور غلامانہ لیشہ نہ رہے اس طرح اراضی کو کسانانی منتقل کھیا ایک طریقہ رائج کیا گیا۔ اور ان چیزوں کو اراضی کو قابل فروخت بنا دیا۔

جن لوگوں کو متذکرہ بالا حقوق میں سے پہلی رقم کا حق حاصل تھا۔ یعنی جو لوگ مالگذاری وصول کرنے کا حق رکھتے تھے۔ بعد حکومت کو ایک معینہ رقم ادا کر دیا کرتے تھے۔ انہیں نئی حکومت نے اعلیٰ درجہ کے مالکان اراضی تسلیم کر لیا۔ حکومت کے خزانہ میں جو مالگذاری داخل کی جاتی تھی۔ اُسے محدود کر کے بلکہ اُسے گھٹا کر اُن کے حقوق کی قدر و قیمت بڑھا دی۔ ساتھ ہی یہ بھی حکم دیدیا گیا۔ کہ کسان سے کس حد تک رقم وصول کی جائے۔ لیکن صوبہ میں زیادہ تر ایسے لوگ آباد تھے جنہیں دوسری رقم کا حق حاصل تھا۔ یعنی وہ زمین کی کاشت کا حق رکھتے تھے۔ اور اس کے عوض مالگذاری ادا کر دیا کرتے تھے۔ ابتدا میں جن افسروں نے اراضی کا بندوبست کیا۔ انہوں نے مالگذاری میں تخفیف کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اب زراعت کا سارا منافع حکومت کے خزانہ میں داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ کہنے کو تو حکومت نصف منافع لیتی ہے۔ اور دراصل اس کے خزانہ میں جو رقم داخل ہوتی ہے۔ وہ اُس کا بہت تھوڑا حصہ ہوتی ہے۔ پہلے تو کسان کو جو نفع پہنچتا

لے ملاحظہ ہو سچو ورسن سہتا کہ پنجاب کی جدید ترقیات کے متعلق (دہشتہ ۱۹۱۰ء) زمانہ داز سے ہندوستان کی ساری اراضی میں ماکم وقت کو صد دینا مقرر کیا گیا ہے۔ جہاں پنجاب انگریزوں کے زیرِ نگیں ہوا (دانی برص ۱۹۱۳ء)



تھا۔ وہ بھل اُس کے گذرہ کیلئے کافی ہوتا تھا لیکن انگریزی عہد حکومت میں اسے اس سے بہت زیادہ نفع ہونے لگا۔ یہ نفع جو اس طرح بچ رہتا ہے۔ قدر قیمت دیکھتا ہے۔ اور اسے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۷ء میں بنگال کے انڈر پریمنٹ سٹیشنٹ ریگولیشن کا نفاذ کیا گیا۔ اور اس قانون کے رو سے زمینداروں کو یہ پورا پورا اور آزادانہ حق حاصل ہو گیا۔ کہ حکومت کی اجازت کے بغیر اراضی کی رہن دینے کر سکیں۔ یہ خیال شمالی ہندوستان میں پھیلا۔ اور اگرچہ پنجاب میں انتقال اراضی کو محسن نہیں سمجھا گیا۔ تاہم آہستہ آہستہ لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گیا۔ اب گویا دو عنصر بر روئے کار گئے۔ کسان جتنے مالگداری ادا کرنے کا عادی تھا۔ حکومت نے اُس سے کم مالگداری کا مطالبہ کیا۔ اور اس طرح اس کے پاس کچھ زائد منافع بچ رہا۔ اس طرح اب دلال کو موقع ہاتھ آ گیا بلکہ آگے بڑھ کر مالکانہ حقوق خرید لے۔ کسان بیچارہ پہلے جو کچھ ادا کیا کرتا تھا سہ اس سے وصول کر لے۔ اور جس قدر منافع بمذ فاضل بچ رہے۔ اُس پر خود قبضہ کر لے یہ منافع زائد رقم اجارہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس تغیر کے ساتھ ہی پنجاب میں یہ خیال عام ہو گیا۔ کہ اراضی کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ جس چیز نے ساہوکار کی توجہ کو اپنی جانب کھینچا۔ وہ یہی منافع زائد یا رقم اجارہ تھی۔ ساہوکار نے یہ چاہا۔ کہ زمین کو رہن رکھ کر رقم اجارہ حاصل کرے۔

آگے چل کر جو واقعات پیش آئے۔ وہ تمام تر انہیں دو اسباب کے رہیں منت ہیں۔ زمین کی فروخت سے پہلے خریدار کا ہونا ضروری ہے۔ اور خریدار کے پاس سرمایہ ہونا چاہئے۔ اور سرمایہ جب تک جمع نہ کیا جائے۔ کہاں سے آئیگا۔ پنجاب کے سلطنت انگریزی کے ساتھ ملحق ہونے سے

(مفر ۱۹۲۷ء کا بقیہ) قریہ مالہ نام ندی پیداوار کا کم از کم مل ہوا کرتا تھا۔ پہلے تو مملکتوں پر غلبہ پیداوار کا مالہ لیا جاتا رہا۔ جو مکتوں کے زمانہ کے مالہ سے نصف تھا۔ لیکن گذشتہ سالوں میں قیمت پیداوار میں جو اضافہ ہوا ہے اسکی وجہ سے مالہ کا تناسب قائم نہیں رہا۔ ۱۹۸۷ء میں مالہ کا وسط ایک روپیہ فی مزدور ایکڑ سے کم تھا۔ ایک ایکڑ زمین کا مالہ ادا کرنے کے لئے چالیس روپے کی رقم دینا پڑتا تھا۔ گذشتہ نو سال میں جو وسط رہا ہے۔ اُس کے اعتبار سے ۲۰ روپے کی رقم دینا پڑتا ہے۔ اب مالہ فی ایکڑ عام پیداوار کا مل ہوتا ہے۔

پہلے ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جن کے پاس کسی قدر اندوختہ بھی ہوا کرتا تھا۔ تجارت بہت محدود تھی مختلف صوبوں کے حاکم اور چھوٹے چھوٹے افسر اسی فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں سے جتنا حاصل کیا جاسکے حاصل کیا جائے جن لوگوں کے پاس دولت تھی۔ وہ بڑے بڑے شہروں میں مقامی افسروں اور سرداروں کے زیرِ حفاظت رہا کرتے تھے۔ انہیں گاؤں میں جانے اور اراضی کے حقیقی ملکیت خریدنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

لیکن انگریزوں کے آتے ہی ایک مستبد و قہذب نظام حکومت کی تمام ضروری باتیں آگئیں چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ ان میں فوجیں رکھی گئیں جنہیں باقاعدہ تنخواہ ملنے لگی۔ نظام کے کام ہونے لگے۔ مزدوروں کو نقد اجرت ملنے لگی۔ پیداوار کی فروخت کیلئے منڈیاں قائم ہوئیں اور تاجروں کو یہ موقعہ ملنے لگا۔ کہ جو لوگ سرکاری ملازمت میں ہیں۔ انکی ضروریات فراہم کر کے روپیہ کمائیں۔ غرضیکہ نئے عہد حکومت میں صرف کسان ہی روپیہ پس انداز نہیں کر سکتا تھا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی روپیہ جمع کرنے کا موقعہ ملنے لگا۔

۱۸۶۷ء و ۱۸۶۸ء میں ایک لاکھ ایکڑ سے زیادہ اراضی دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدی گئی جو سالانہ مالگذاری سے اٹھارہ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء میں اراضی کا نرخ بیس روپیہ فی ایکڑ تھا۔ جو سالانہ مالگذاری سے اکتیس گنا زیادہ ہے۔ اراضی کی قیمت میں اسقدر اضافہ اس لئے ہو گیا۔ کہ مداس میں قحط پڑ گیا تھا۔ اس لئے وہاں یہاں سے قحط بھیجا گیا۔ آئندہ چند سالوں کے عرصے میں بارش کی قلت کی وجہ سے اپنی فصل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ فروخت شدہ رقمہ میں اضافہ ہو گیا۔ اور اراضی کی قیمت گھٹ کر ستر روپیہ فی ایکڑ ہو گئی۔ شرح مالگذاری میں کمی کے باعث ۱۸۸۰ء میں اراضی کی قیمت سالانہ مالگذاری سے چھتیس گنا زیادہ ہو گئی۔ اس وقت اس اضافہ کو غیر متوقع سمجھا گیا تھا۔

شرح مالگذاری کی تخفیف کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی پیداوار میں حکومت کا کیا حصہ تھا۔

۱۸۷۰ء سال کی قیمت خرید اگشت ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء اس منوال تک پیش کیا تھا۔ دیکھئے کہ رقم ۱۸۷۰ء کو کتنی وارڈس (دانی برص)

۱۰ فیصدی	۸۱۲ لکھ
۹۳ فیصدی	۸۲۲ لکھ
۵۰ فیصدی	۸۳۲ لکھ
۶۷ فیصدی	۸۴۲ لکھ
۵۰ فیصدی	۸۵۵ لکھ
۵۰ فیصدی	۸۷۵ لکھ

موجودہ مالیں پیداوار کا ۵۰ فیصدی -

پہلے پہل جو شرح مالگداری مقرر کی گئی - وہ اس قدر زیادہ ہے - کہ یقین نہیں آتا - یہ شرح مالگداری انگریزوں سے پہلے حکمرانی کی یادگار تھی سو اس قدر نامدفع ہی نہیں بچنے دیتے تھے - کہ جن اعتقالات راضی کو کوئی اہمیت حاصل ہو سکے -

دوسرے اسباب جنہوں نے راضی کی قیمت پر بہت اثر ڈالا - ریلیں اور فہریں تھیں - اس صوبہ میں پہلے پہل ۸۵۸ لکھ میں ریلوے لائن تعمیر ہوئی - اور ۱۸۷۷ء میں اس پر آمدورفت ہوئے گی صوبہ کے صدر مقام لاہور سے ملتان تک ایک ریلوے لائن تعمیر کی گئی - ٹیمر کے ذریعے یہ لائن کراچی سے ملحق ہو جاتی تھی - اس کا افتتاح ۱۸۷۵ء میں کیا گیا - بمبئی اور کلکتہ سے پنجاب کو ریل کے ذریعہ ۱۸۷۲ء سے ملایا گیا - اُس وقت ریلوے لائن میں گیارہ میل

(۱۹۳۱ کا تقایا) کی ریلوے ۱۹۱۹ء سے معلوم ہوتا ہے - کہ مالگداری اور مال اُن قسم کے پندرہ فیصدی سے کم تھے - جو ملک کی فروخت اور لگان حاصل ہوتی تھی بعض حالات میں یہ فیصدی سے بھی کم تھے - بعد میں جو شرح فیصدی دی گئی ہے وہ سرکاری ریلوں پر کی گئی ہے - سرنگان کا بیان ہے - کہ مالگداری کی جو تعین کی گئی ہے - اس کا تناسب حسب ذیل ہے -

ہوشیار پور - ۲۶ فیصدی - فیروز پور - ۲۰ فیصدی - لاہور - ۲۲ فیصدی - امرتسر - ۲۵ فیصدی - گجرات - ۲۲ فیصدی - جالندھر - ۲۱ فیصدی - لدھیانہ - ۲۷ فیصدی - شاہ پور - ۲۸ فیصدی - اٹالہ - ۲۸ فیصدی - ملتان - ۲۰ فیصدی - دلاخندہ - ۲۸ فیصدی - میان کوئل میں تاریخ یکم اگست ۱۹۱۷ء -

۱۰ ریلوے کی تعمیر میں سرکار نے اقساط دیے تھے کہ مقامی شاہیل میں ملک کی اس قدر فراوانی ہوئی - کہ اسے فروخت کرنا ناممکن ہو گیا - اصلے قدر کا نقصان ہوا - اگر زمین کی پیداوار کا فروخت ہونا ناممکن ہو جائے تو زمین کی قیمت زیادہ نہیں ہوگی -

سفر ہو سکتا تھا۔ سیلابی نہریں پنجاب کے الحاق سے پہلے موجود تھیں۔ انہیں وسعت دی گئی۔ آبپاشی کی وسیع اسکیم پر غور کیا گیا۔ باری دوآبہ کی نہر کا افتتاح ۱۸۵۹ء میں ہوا۔ اور نہر سرترند کا افتتاح ۱۸۶۰ء میں ہوا۔ نہروں کو بہت سرگرمی سے وسعت دی گئی۔ ریلوں کی تعمیر کی گئی۔ ریلوے مزدوروں کی مانگ بڑھ گئی۔ اور ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۲ء میں جب جنگ افغانستان چھڑی۔ یہ مانگ اور بھی زیادہ ہو گئی۔ قیمتیں بہت بڑھ گئیں۔ اور اگرچہ ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۲ء میں سخت قحط پڑا۔ اور ۱۸۶۳ء میں بھی خشک سالی رہی۔ زراعت پیشہ لوگ زیادہ خوشحال ہوتے گئے۔ ۱۸۶۲ء میں بنگال قحط میں مبتلا ہوا۔ ۱۸۶۳ء میں مدراس میں قحط پڑا۔ تو ان دونوں صوبوں کو ریلوں کی وجہ سے پنجاب سے غلہ بآسانی بھیجا گیا۔ اس کے قحطی عرصہ کے بعد ہی اس صوبہ سے غلہ یورپ کی منڈیوں میں پہنچنے لگا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ غلہ کا نرخ متعین ہو گیا۔ اب زائد از ضرورت جنس کا محاسن بآسانی ہو سکتا تھا۔ یہ کمانے کی خواہش نے غلہ کی برآمد کو ترقی دی۔ کسان کو قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ زراعت سے کیا نفع حاصل کر سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اگر اچھی فصل ہوئی۔ تو یہ نہیں ہوگا کہ اس کے پازائد از ضرورت غلہ بڑا رہے۔ اور اسے فروخت نہ کیا جاسکے۔ اس لئے آئیں زیادہ سرگرمی پیدا ہو گئی۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۶۸ء تک مزدور و رقبہ میں ۶۷ فیصدی کا اضافہ ہو گیا۔ اور یہ روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۸۵ء تک آبلوی میں جو اضافہ ہوا۔ اس کا اندازہ لگایا گیا۔ کہ ۱۱۵۰۰۰۰ سے بڑھ کر ۱۷۲۰۰۰۰ ہو گئی ہے۔ گویا آبادی میں پچاس فیصدی سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اب یہ کیفیت نہیں رہی تھی۔ کہ مالگزار ہی اکثر میوا کے لوگ مزارعین کی تلاش کرتے پھریں۔ جو انکا بوجھ بٹائیں۔ بلکہ مزارعین اس فکر میں پھرنے لگے کہ کہیں اراضی ملے۔ تو اس کی کاشت کریں۔

لے ۱۸۸۲ء میں لائسنس اس کی تعمیر ہوئی۔ اور موجودہ بند بنایا گیا۔

۱۸۸۵ء میں مالگزار معلوم ہوتا ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے۔ کہ ۱۸۵۵ء میں آبادی کا تخمینہ اصل آبادی سے بہت کم لگایا گیا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اراضی کی خرید و فروخت میں ترقی ہونے لگی۔ صرف انہی تعداد میں ہی ترقی نہیں ہوئی۔ بلکہ قیمتوں میں بھی ترقی ہوئی۔ ۱۸۶۹ء و ۱۸۷۰ء میں دس لاکھ روپے کی اراضی خریدی گئی۔ پانچ سال کے عرصہ میں اس کی قیمت پندرہ لاکھ تھی۔ اور ۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء میں تیس لاکھ روپیہ۔ یہ اراضی اس لئے فروخت نہیں کی گئی۔ کہ کسانوں کی اقتصادی حالت بھی نہیں تھی۔ بلکہ لوگوں نے اس لئے زمین خریدی۔ کہ ان کے پاس فالتو روپیہ پڑا تھا۔ جسے وہ منفعت کاروبار میں لگانا چاہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ زمین کی خرید و فروخت زیادہ تر ان اضلاع میں ہوئی۔ جو سب سے زیادہ خوشحال تھے۔ اراضی خریدنے والے ساہوکار اور بننے اس زمانہ میں اراضی خرید کر کسانوں کو اس پر قبضہ نہیں جما سکتے تھے۔ لیکن جب عدالت انصاف کی قوت بڑھی۔ حکومت کا اثر وسیع ہوا۔ بنیاد پر قدیم زراعت پیشہ سے فائدہ حاصل کیے اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہتا ہے محفوظ ہو گیا۔ اور اسے اپنی پالیسی سے زیادہ فائدہ حاصل ہونے لگا۔ ۱۸۶۷ء و ۱۸۶۸ء میں زراعت پیشہ جماعت میں روپیہ سود پر لینے کا ذوق نمایاں ہوا۔ جو زمین فروخت کی گئی تھی اس میں سے نصف زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ فروخت ہوئی۔ اور اہل زراعت نے جس اشتیاق سے اپنے گھروں کے قرب و جوار میں اراضی خریدنا شروع کی اس نے قیمت اراضی کے اضافہ میں مدد دی۔

۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء تک پانچ سال کے عرصہ میں فروخت شدہ رقبہ کا اوسط ۳۰۰۰ ایکڑ تھا۔ اور ۱۸۷۲ء و ۱۸۷۳ء تک کے پچاس سالہ عہد میں ۶۱۰۰۰۰ ایکڑ۔ آئندہ پانچ سال میں فروخت شدہ رقبہ ۳۱۰۰۰۰ ایکڑ تک جا پہنچا۔ اور بعد کے پانچ سالوں میں جن کا اختتام ۱۸۹۲ء و ۱۸۹۳ء پر ہوتا ہے۔ فروخت شدہ رقبہ ۳۸۰۰۰ ایکڑ تھا۔ فروخت شدہ رقبہ میں اس نمایاں اضافہ کے باوجود (اس رقبہ میں وہ زمین شدہ رقبہ بھی شامل ہے۔ جسے بعد میں فروخت کر دیا گیا) قیمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ابتدائی ایام میں سرسہ کی اراضی ہر فی ایکڑ کے حساب سے فروخت ہوئی تھیں۔ تقریباً ۱۸۶۹ء کا ذکر ہے۔ کہ اس علاقہ کی اراضی کی قیمت دس روپے فی ایکڑ ہو گئی۔ اس کے بعد اراضی کی قیمت میں جو ترقی ہوتی رہی۔ اس کا اندازہ مصرحہ ذیل کی اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے۔

۱۸۷۶ء	۱۸۷۷ء	فی ایکڑ اوسط قیمت	۲۰ یا ۳۱ روپیہ x	مالگنداری
۱۸۸۰ء	۱۸۸۱ء	" "	۸ یا ۳۲ روپیہ x	"
۱۸۸۵ء	۱۸۸۶ء	" "	۱۶ یا ۳۴ روپیہ x	"
۱۸۹۰ء	۱۸۹۱ء	" "	۳۰ یا ۵۰ روپیہ x	"

سرکاری طور پر جو اعداد و شمار شائع کئے گئے ہیں۔ اُن میں رقبہ مزروعہ فی ایکڑ کی اوسط

قیمت حسب قرائن دی گئی ہے۔

۱۸۷۶ء	۱۸۷۷ء	۳۰ روپیہ
۱۸۹۰ء	۱۸۹۱ء	۶۱ روپیہ
۱۸۹۵ء	۱۸۹۶ء	۵۹ یا ۵۶ x مالگنداری
۱۹۰۰ء	۱۹۰۱ء	۷۷ یا ۸۹ x
۱۹۰۵ء	۱۹۰۶ء	۸۸ یا ۱۰۵ x
۱۹۱۰ء	۱۹۱۱ء	۱۲۴ یا ۱۲۷ x
۱۹۱۶ء	۱۹۱۷ء	۲۲۷ یا ۱۵۷ x

۱۹۱۹ء کی رپورٹ مالگنداری میں یہ مذکور ہے۔ کہ ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء میں اراضی مزروعہ

کی قیمت کا اوسط ۲۵۲ روپے فی ایکڑ سے کم ہو کر ۸۴ روپے ہو گیا ہے۔ (یا ۱۲ روپیہ x مالگنداری) دوسرے سال یہ رقم بڑھ کر ۲۷۵ روپیہ ہو گئی۔ اس سال کے دوران میں سرکاری زمین کا اچھلنا سہاگ پارہ اور سدھائی کی نوآبادیوں کے مزارعین کے ہاتھ برائے نام نرخ پینچ ڈالا گیا۔ اس کا اثر صوبہ کی قیمت فروخت کے اوسط پر بھی پڑا۔ اکثر اضلاع سے یہ رپورٹ بھی موصول ہوئی کہ زرعی پیداوار کی قیمت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے زمین کی قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

لے: ۱۹۹۷ء رن ۱۹۹۷ء شہری اراضی قیمت اوسط ۳۶۰ روپے تھا۔ جانتہ میں ۶۶۸۔ ہوشیار پور میں ۵۲۷ اور لڑنہ ۴۲۰ +

۱۸۹۶ء و ۱۸۹۷ء سے ۱۹۱۶ء تک اکیس سال کے عرصہ میں تقریباً ۹۶۷۰۰۰ قطعات اراضی جن کا مجموعی رقبہ تیس لاکھ ایکڑ رقبہ مزروعہ (یعنی تمام رقبہ مزروعہ کا دسواں حصہ) ہوتا تھا۔ ۳۳ کروڑ روپے میں فروخت کیا گیا۔

ان اعداد و شمار پر نظر ڈالنے کے بعد شاید یہ کہا جائے کہ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۱ء تک زمین کی قیمت میں چنداں سرعت سے اضافہ نہیں ہوا۔ کیونکہ مالگداری میں تنخیف۔ ذرائع حمل و نقل کی اصلاح، وسیع منڈیوں کی فراہمی اور ایک منظم حکومت کی دوسری برکات خصوصیات کی موجودگی میں اس سے زیادہ اضافہ قیمت کی توقع کی جاتی تھی قیمت زمین میں جو متواتر و پیہم اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ بیان کرنا مشکل ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ آبادی گنجان ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ ۱۸۸۱ء میں رقبہ مزروعہ کی مجموعی آبادی ۱۲۷ لاکھ نفوس فی مربع میل تھی۔ اور ۱۹۱۱ء میں نہری نو آبادیوں کے قائم ہونے کی وجہ سے ۲۹۹ رو لگی۔

اس کی یہ بھی وجہ نہیں کہ اب پہلے کی نسبت بہتر طریق زراعت اختیار کیا جا رہا ہے۔ یازمین کی اصلاح و ترقی کی جانب توجہ ہو رہی ہے۔ ۱۸۶۸ء میں سوا ایکڑ رقبہ مزروعہ میں ۲۴ زراعت پیشہ نفوس آباد تھے۔ اور ۱۹۱۱ء میں ان کی تعداد ۳۴ رو لگی۔ یہ لہجہ کیا جاتا ہے کہ سیلوں کی تعداد میں بھی اس قسم کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ یہ تو کہنا ہی عبث ہے۔ کہ گانٹھوں کی پیداوار کی وجہ سے یا کھاد ڈالنے کے باعث زمین کی اصلاح ہوئی ہے۔ اور قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس اضافہ کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ نہروں اور کنوؤں سے آبپاشی میں اضافہ ہوا ہے۔ یعنی ۱۸۶۸ء میں نہروں اور کنوؤں سے ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کیا جاتا تھا۔ اور ۱۹۱۱ء میں یہ رقبہ ایک کروڑ بیس لاکھ ایکڑ سے متجاوز ہو گیا۔ کنوئیں

لے قیمت زمین پر جو سب سے زیادہ سبب اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ آبادی کی ترقی ہے لیکن اگر کاروباری خوشحالی میں کمی ہو جائے۔ اور پیداوار کا استعمال کم ہو جائے تو لوگوں کو مزارعین کو نواد کی آمدنی گھٹ جائے۔ تو محض آمدنی میں اضافہ کی وجہ سے قیمت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ زمین پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔



کی قیمت بھی عالم طود پر زمین کی قیمت میں محسوب کی جاتی ہے۔ اور چونکہ کنوئیں پر کئی کروڑ رطلاباً کم از کم پانچ کروڑ) روپیہ صرف کیا گیا۔ اور نہروں پر ۲۳ کروڑ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ اس لئے زمین کی قیمت بڑھ گئی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کی کسی قدر کم قیمت لی جاتی ہے۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آبپاشی میں یہ اضافہ کس قدر اہم ہے۔ بہر حال یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کہ ان اضلاع اور علاقوں میں بھی جہاں نہریں اور کنوئیں موجود نہیں۔ قیمت زمین میں اضافہ ہو رہا ہے۔

کسی حد تک اضافہ زمین کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ سنگی پیداوار کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ لیکن اس چیز کے اثرات و نتائج کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ ۱۸۶۹ء میں گہوں ۱۳ سیر فی روپیہ کے حساب سے فروخت ہوتا تھا۔ ۱۸۷۷ء سے اس نرخ میں برابر کمی ہونے لگی یعنی ۱۸۷۷ء میں بیس سیر تھا۔ اور ۱۸۷۷ء میں ۲۷ سیر ہو گیا۔ ۱۸۷۹ء میں پھر فوراً قیمت بڑھ گئی۔ یعنی گہوں کا نرخ ۱۳ ۱/۲ سیر فی روپیہ ہو گیا۔ گزشتہ سالوں کے اندر اچھی منڈیوں سے فرارح آمد و رفت قائم ہو جانے کی وجہ سے گہوں کے نرخ میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اُن کے باعث اُن تمام اضلاع میں جہاں سے باہر گہوں جاتا ہے۔ زمین کی قیمت بڑھ گئی ہے لیکن اس کا اثر ان اضلاع پر نہیں پڑا۔ جو اپنی پیداوار کو اپنے ہاں ہی صرف کرتے ہیں۔ مصارف زراعت میں معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے۔ ۱۸۷۷ء میں بیلوں کی قیمت ۳۵ روپیہ فی راس تھی۔ اب ان کی قیمت کا اوسط ۸۰ روپیہ سے کم نہیں۔ دوسرے لوازم زراعت کی قیمت بھی اس طرح بڑھ گئی ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مصارف پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے تمام پیداوار متاثر ہوتی ہے۔ اور قیمت پیداوار میں جو اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے صرف پیداوار

۱۔ آبپاشی کا نرخ فی ایکڑ اوسطاً پانچ روپیہ دس کنے ہے۔ (۱۹۳۷ء) اسی فی ایکڑ جنس کی قیمت کا اندازہ ۶۲ روپیہ کیا گیا ہے۔

۲۔ مثلاً ذلک میں اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ اگر غنیمت کاشت کی وجہ سے ۱۸۷۷ء سے آج تک فصل کی قیمت نو صدی بڑھ گئی ہو تو ہم زمین کی قیمت میں ۳۸۰ اضافہ ہوا ہے قیمت پیداوار نفع پر بہت اثر انداز ہوتی ہے لیکن اس کے سوائے کئے اور اسباب عوامل بھی ہیں +



کا وہی حصہ متاثر ہوتا ہے۔ جو فروخت کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ سو بہ کالنفق رقبہ مزروعہ مزارعین کے قبضے میں ہے جس کی اکثریت لگان جنس کی صورت میں ادا کرتی ہے۔ معارف زراعت میں جو اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا بار مزارع کے سر پر پڑتا ہے۔ اور زمیندار اپنے حصے کی پیداوار کی قیمت کے اضافہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے حکومت چونکہ پیداوار کے تناسب کے حساب سے مالگنداری کا مطالبہ نہیں کرتی۔ اس لئے زمیندار کو زیادہ فائدہ ہو رہا ہے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کر کے زمین خریدتا چلا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر یقیناً بہت اہمیت رکھتا ہے کہ حکومت مالگنداری کی تعیین میں بہت نرمی کا سلوک کر رہی ہے۔ ۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء میں حکومت اوسطاً فی ایکڑ ۱۰۰ - ۱۲۰ مالگنداری وصول کرتی تھی۔ جو اس زمانے کے نرخ کے مطابق ۲۲ سیر سے ۲۸ سیر گیہوں کی قیمت تھی۔ اب مالگنداری ۱۰۰ - ۱۲۰ فی ایکڑ ہے۔ جو تقریباً ۱۰ سیر گیہوں کی قیمت ہوتی ہے۔ اس لئے اب روپیہ کے اعتبار سے مالگنداری زیادہ ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس رقبہ پر مالگنداری لگائی گئی ہے۔ اس میں بیشتر حصہ وہ ہے جس کی آبپاشی کا انتظام حکومت نے کیا ہے۔ لیکن حکومت کے مطالبہ میں جو اضافہ ہوا ہے۔ وہ قیمت پیداوار کے اضافہ سے کم ہے۔ اس طرح گویا حقیقتاً ابھرا ہوا ہو گیا ہے۔

ایک چیز جو اضافہ قیمت اراضی میں مانع ہے۔ اراضی کی تقیم ہے۔ سہرا ارضی کئی کھیتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ کھیت آبائی جائیداد کی تقیم کی وجہ سے سارے گھاؤں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۸۶۸ء میں ہے کہ تعیین مالگنداری کے سلسلے میں جو سختی اور نرمی برتی گئی ہے۔ اس کا اندازہ کہ نہیں مبالغہ تو نہیں کیا جاتا۔ گذشتہ سالانہ رپورٹوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رقبہ ایکڑ ۱۰۰ فی ایکڑ معلوم ہوتا ہے۔ قیمت اس سے ۵۰ گنا زیادہ ہے۔ اور پیداوار کا اوسط کمپیس ۱۰۰ پیسہ۔ اگر لگان پیداوار سے نصف یا بارہ روپیہ لگتا ہے تو اس سے ۲۰۰ گنا زیادہ ہے۔ اگر مطلقاً بالکل معاف کر دیا جاتا تو یہ ۵۰ فیصدی ہو جاتا۔ اور اگر اسے گنتا کر دیا جائے۔ تو یہ تخفیف کے بعد ۲۰۰ روپیہ ہو جائیگا۔ لیکن ایسے معمولی اختلافات موجود گلاں قیمتوں کا باعث نہیں ہو سکتے۔ قصہ مختصر کہ مالگنداری اس قدر کم ہوئی ہے۔ کہ اگر اس میں مزید تخفیف کر دی جائے تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اسی طرح گویا کسان کی محنت کے فواید میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کا بہت وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اسے بیلوں کو ساتھ لیکر ایک قطعہ اراضی سے دوسرے قطعہ اراضی تک جانا پڑتا ہے۔ مزید برآں زمین کی حد بندی کے لئے بہت سی مینڈیں بنانے میں کسی قدر قبضہ کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ کہ کھیت اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان میں کنواں کھود کر فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ جاپان میں جہاں اس مسئلہ پر بہت توجہ صرف کی گئی ہے۔ حکومت نے تحقیق و تدقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ اگر ان منسٹر کھیتوں کو از سر نو منظم و مرتب کیا جائے۔ تو پیداوار میں ۵۰ فیصدی کا اضافہ ہو جائیگا۔ اور وہ رقبہ جس سے کوئی پیداوار حاصل نہیں ہوتی وہ مینڈیں وغیرہ رقبہ مذکور میں سے ۳۰ فیصدی ہو گئی۔ اگر پنجاب میں اشمال اراضی کی تحریک کو مقبول کامیابی حاصل ہوئی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ زمین کی قیمت میں اضافہ ہو جائیگا۔ لیکن یکجہ میں جو تجربہ ہوا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین کو چھوٹے چھوٹے قطعات میں منقسم کر دینے کی وجہ سے اُس کی فروخت میں آسانی ہوتی ہے۔ مزید برآں اس طرح زمین کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دُور اندیش خریدار چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کو ہی خرید کر کرتے ہیں۔

تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر صنعتی اداروں کے مزدوروں کو کم تنخواہ ملے۔ تو اس کی وجہ سے قیمت زمین میں اضافہ ہوتا ہے۔ پنجاب میں نصف زمین کی کاشت مزارعین کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں کثیر التعداد لوگ لیے ہوئے۔ جنہیں شہروں میں محنت کا معاوضہ مقبول ملے۔ تو وہ یقیناً شہروں میں جا کر محنت و مشقت کرینگے۔

لے جاپان میریک صفحات ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ ارضی کے چھوٹے چھوٹے جہاز کی قیمت تو کم ہو جاتی ہے۔ لیکن جہاں اراضی استفادہ چھوٹی نہیں۔ کہ اقتصادی حیثیت سے اس کی کاشت نہ ہو سکے، تو اس کی قیمت ایسی ہوتی ہے جو اکثر خریدار لوگ کر سکیں۔ اس لئے اس کی خرید کیلئے باہم مقابلہ کرنیوالوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

لے جاپان جدید صنعتی رجحان اور دیہاتیوں کا نقل مکان کر کے شہروں میں چلا جانا ایسے واقعات ہیں جن کی وجہ سے مالکان اراضی کو مزارعین کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا ہے۔ جاپان میریک صفحہ ۵۱۔



کی کاشت ہوئی تھی۔ اس لئے نیویارک کی ریاست میں زرعی جائیداد کی قیمت کم ہو گئی۔ اور انہیں  
میں بھی زمین کی قیمت میں اسی نوع کی کمی واقع ہوئی۔

پنجاب میں زراعت کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ کیونکہ وسیع نہریں تعمیر ہو گئی ہیں۔ اور جو وسیع  
علاقے پہلے بالکل ویران پڑے تھے۔ اب انہی آبپاشی کا سامان ہتیا ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے  
اضافہ قیمت زمین میں کمی نہیں ہوئی۔ گزشتہ ۲۸ سال کے عرصہ میں رقبہ مزرعہ ۴۰ فیصدی  
بڑھ گیا ہے۔ جس رقبہ میں نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ وہ پہلے تیس لاکھ ایکڑ تھا۔ اب ایک  
کروڑ ایکڑ ہے۔ اس زمانہ میں آبادی میں بھی چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ یعنی آبادی محض ۵ فیصدی  
بڑھی ہے۔ اس طرح زمین پر کوئی زیادہ دباؤ نہیں پڑا۔ خام پیداوار غالباً دو گنی ہو گئی ہے۔  
اکثر لوگ انتقال مکان کر کے نہری نوآبادیوں میں جا رہے ہیں لیکن اس کی وجہ سے پرانے  
اضلاع میں قیمت زمین کم نہیں ہوئی۔ اس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں  
لوگوں کے پاس چھوٹی چھوٹی زمینیں ہیں زراعت کو کتنا ہی فروغ کیوں نہ دیا۔ اضافہ قیمت زمین  
کو روکا نہیں جاسکتا۔

اضافہ قیمت زمین کو روکنے کا دوسرا ذریعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فن کثاوری میں کوئی  
فرضی اور عظیم اصلاح کی جائے۔ اس صوبہ کی زراعت پر جس چیز نے بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ وہ  
ریلوے اور ریل و رسائل کی دوسری آسانیاں ہیں جن کی وجہ سے پنجاب کا تعلق بڑی بڑی  
نوآبادیوں سے ہو گیا ہے۔ جس زمانہ میں زراعت کو یہ وسعت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ عام طور پر

۱۸۵۳ء سے ۱۸۸۰ء تک دو گنی ہو گئی تھیں لیکن امریکہ میں غلہ کی بکثرت کاشت  
ہوئی۔ اور یہاں غلہ کی قیمت گر گئی۔ تو قابل زراعت اراضی کی قیمت میں ۳۳ فیصدی کمی واقع ہو گئی۔ یہ تغیر ۱۸۸۰ء  
سے ۱۸۹۵ء تک رونما ہوا۔ چراگاہوں کی قیمت میں جو کمی ہوئی۔ وہ ۳۳ فیصدی سے کم تھی۔ لینڈ ایکٹیوٹیر  
منصفہ روزنری (جلیم سے سبق) ص ۱۲۶۔

۱۸۹۵ء تک رقبہ ۲۸ سال کے عرصہ میں رقبہ مزرعہ ۴۰ فیصدی بڑھ گیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں  
لوگوں کے پاس چھوٹی چھوٹی زمینیں ہیں زراعت کو کتنا ہی فروغ کیوں نہ دیا۔ اضافہ قیمت زمین  
کو روکا نہیں جاسکتا۔

زمین سے اس قدر پیدا ہوتی تھی جس سے لوگوں کی اپنی ضروریات پوری ہو جایا کرتی تھیں، رقبہ مزبورہ جل جوں بڑھتا گیا۔ گیہوں کی پیداوار بھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور بہت سا زائد از ضرورت گیہوں بچ رہا۔ جسے باہر کے ملکوں میں بھجایا گیا۔ گیہوں کی تجارت برآمد کا باعث یہ ہے۔ کہ یورپ کی منڈیوں میں گیہوں کی بہت مانگ ہے۔ اور تجارت برآمد اسی صورت میں جاری رہ سکتی ہے۔ کہ ان منڈیوں میں برابر گیہوں کی مانگ رہے۔ یہ اغلب نہیں۔ کہ سائینس کے کسی جدید کھٹاف کی وجہ سے یورپ کے وہ ممالک جن میں پنجاب سے گیہوں جاتا ہے۔ اپنی ضروریات کے لئے خود کافی گیہوں پیدا کر سکیں۔ اور اس طرح پنجاب کے گیہوں کی مانگ میں کمی ہو جائے۔ لیکن اس قسم کا واقعہ ناممکن بھی نہیں۔ مزید برآں یہ بھی ناممکن نہیں۔ کہ کوئی ایسا علمی اکتشاف ہو۔ جس کی وجہ سے پنجاب کی پیداوار بدجہا زیادہ ہو جائے۔ اگر پیداوار میں فوری اضافہ ہو جائے اور مال کی فراہمی مانگ سے بڑھ جائے۔ اور چند سال تک متواتر ایسا ہی ہوتا رہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آج جس زمین میں گیہوں کی کاشت ہو رہی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ بیکار ہو جائیگا۔ گیہوں کی قیمت بھی کم ہو جائیگی۔ اور زمین کی قیمت میں بھی کمی رونما ہونے لگے گی۔ یہ ہر حال قیامات ہیں۔ بعض دوسرے اسباب سے بھی یہی نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی وجہ سے یورپ کو غلہ نہ جاسکے۔ تو اس کا بھی وہی اثر ہوگا جو غلہ کی مانگ سے کمی واقع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ فرض کر لیجئے۔ کہ سیاسی اسباب وجہ سے ریل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ گیہوں منڈی گاہوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا شہروں کے باشندوں کو نفع پہنچانے کیلئے گیہوں کی برآمد میں مداخلت کی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ سے ملک کی داخلی منڈیوں میں نرخ کم ہو جائیگا۔ اور اس طرح گیہوں کی کاشت کے شوق اور ولولہ میں بھی کمی واقع ہو جائیگی۔ کسان گیہوں کی کاشت کرتا ہے۔ تو سب سے پہلے اس کے پیش نظر یہ مقصد ہوتا ہے۔ کہ وہ اس سے اپنی محنت کا معاوضہ حاصل کرے۔ اور کچھ نفع بھی لے جیسا کہ ہم انسانی عنصر کی بحث میں واضح کر چکے ہیں۔ کسان اپنے

سلاح یا موجودہ وسائل ریل و رسائل سے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ لجا سکیں۔ بہری زمینوں میں بہتر ہلوں کے استعمال سے پیداوار بہت بڑھ سکتی ہے۔

طریقوں کی اصلاح کرنے یا اپنی سرگرمیوں کو وسعت دینے کی جانب مائل نہیں ہوتا۔ اس لئے  
 ضروری ہے کہ کوئی ولولہ انگیز چیز موجود ہو۔ تو اس کے قلب میں مزید کوشش و محنت کا قوی جذبہ  
 پیدا کرے۔ اگر نفع بھی نہ رہا۔ جو اسے محنت کی ترغیب دلاتا ہے۔ تو پیداوار میں کمی ہو جائیگی  
 اور اس کے ساتھ ہی اراضی کی قیمت بھی گھٹ جائیگی۔ پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں نصف زمین  
 کی زراعت مزارعین کرتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ قیمت زمین کا انحصار بہت حد تک رقم  
 اجارہ پر ہو۔ ہم آگے چل کر تفصیلی طور پر بیان کریں گے۔ کہ یہاں نقد لگان میں اس سرعت سے  
 اضافہ نہیں ہوا۔ جس سرعت سے قیمت زمین میں اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح ندی پیداوار  
 کی قیمت اتنی نہیں بڑھی۔ جتنی زمین کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ یہ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ قیمت زمین  
 جس قدر بڑھ گئی ہے۔ لگان خواہ جس کی صورت میں ہو یا نقد کی صورت میں اتنا نہیں بڑھا۔  
 حالانکہ لگان اور قیمت زمین آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جب رقم لگان میں تخفیف ہوگی۔ تو اس  
 سے یقیناً یہ خطرہ ہوگا۔ کہ قیمت زمین فوری طور پر نہ گر جائے۔ اس دلیل کو ذہن نشین کرنے کیلئے  
 اس بات پر غور کرنا چاہئے۔ کہ گذشتہ صدی کے اندر انگلستان میں کیا ہوا۔ جب بنیولین  
 شاہ فرانس سے انگریزوں کی جنگ ختم ہونے کے قریب تھی۔ تو گیارہوں کی قیمت میں اضافہ  
 ہو گیا۔ اور چونکہ سالہا سال تک نرخوں کی گراہی عالم رہا۔ اس لئے زمیندار اور مزارعین دونوں  
 نے اس سے یہی نتیجہ نکالا۔ کہ اب نقل طور پر یہی نرخ رہیگا۔ لگان کی رقم ہدایت سرعت سے  
 بڑھ گئی۔ اکثر لوگ جو زمینداروں اور کسانوں کے طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ آگے بڑھے  
 ان کے پاس جتنا روپیہ تھا۔ یا جس قدر وہ قرض لے سکتے تھے۔ سب زراعت پر لگا دیا۔ پنجاب  
 میں تو کوئی زمین پر روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن وہاں زمین کی اصلاح و ترقی پر بہت  
 سرمایہ لگایا گیا۔ دور و دراز علاقوں سے کھاد فراہم کی گئی۔ بہت تیزی سے نہایت وسیع ترقی  
 کی گئی۔ کشاورزی میں بھی اصلاح ہوئی۔ اور بہتری زمین جو بیکار پڑی تھی۔ قابل زراعت  
 بن گئی۔ اب گیارہوں کا نرخ کم ہونے لگا۔ اجناس کے متعلق جو قوانین نافذ تھے۔ وہ منسوخ کر  
 دیئے گئے۔ اور افلاس و کمکت کا دور شروع ہو گیا۔ قوانین اجناس کی تنفیخ کے بعد بھی بعض  
 ہوشمند مبصرین کی یہی رائے تھی کہ زمین کی قیمت میں برابر اضافہ ہوتا رہیگا۔ اس ضمن میں

یہ دلیل دی گئی تھی۔ کہ چونکہ رقبہ مزرعوں میں توسیع ممکن نہیں۔ اور آبادی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس لئے زمین کی قیمت یقیناً زیادہ ہو جائیگی۔ انہوں نے اس امر کا اندازہ نہیں کیا۔ کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں لاکھوں ایکڑ قابل زراعت زمین کی دریافت ہوگی۔ اور وسائل آمدورفت میں بہت کچھ اصلاح رونا ہو جائیگی۔ جب امریکہ کا گیارہواں انگلستان کی منڈیوں میں بکثرت آنے لگا۔ تو قیمتیں بالکل گر گئیں۔ لگان میں تخفیف کر دی گئی۔ چودہ سال کے عرصہ میں قیمت کم ہوئی۔ وہ تخمیناً ۲۴ فیصدی تھی۔ زمین پر قبضہ رکھنے والوں کے نفع کے اوسط میں چالیس فیصدی کی کمی ہو گئی۔ اور ۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۲ء کے درمیان زمین کی قیمت میں ۹۴ فیصدی سے زیادہ کمی واقع ہو گئی۔

اس مختلف تذکرہ سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ زمین کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ زمین کی قیمت میں تخفیف کے دو ممکن اسباب ہو سکتے ہیں۔ جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ دوا اور سبب بھی ہیں جنہیں یقینی نہیں۔ بلکہ اغلب سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ زمین کی قیمت کا دار و مدار ان اور ملکیت کی منفعت پر ہے۔ ان میں دو طریقوں سے تخفیف کیجا سکتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ گاؤں کے مزدور صنعت و حرفت کی ترقی یا دوسری ترقیات کی وجہ سے کھیت میں کام کرنے کے عوض زیادہ حق خدمت طلب کرے۔ اور اس سبب اور اسی قسم کے دوسرے اسباب کی بنا پر مصارف زراعت میں استقدر اضافہ ہو جائے کہ زمیندار پیداوار کے ایک قبیل حصہ یعنی لگان پر قناعت کر لے۔ اگر مزادع پیداوار کا بیشتر حصہ حق خدمت کے طور پر اپنے قبضہ میں کر لے جب بھی یہی نتیجہ ہوگا۔

لے کر کتاب: شرطہ ٹری ان انگلش ایگریکلچر صفحہ ۲۲۲ و ۲۱۰ -

۱۸۷۵ء میں تقریباً ۱۲۸۵۰۰۰ ہیکٹار زمین پر زراعت کی فراہمی میں بہت کمی واقع ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کھیت زراعت بڑھ گئی۔ اور زمینداروں کا منافع بہت کم ہو گیا۔ جس رقبہ میں، الکن الرئی تھوہ دار زوروں کی مدد سے کاشت کیا کرتے تھے۔ اس میں بھی کمی واقع ہو گئی۔ اور زیادہ رقبہ لگان پر دیدیا۔ متھور و لڈراہر نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ پرلے وٹا میں بائے عظیم سے پہلے جب قارق اور ناظر زراعت کے منتظم تھے۔ اوسط درجہ یا اس سے زیادہ ملتی برصغیر (۱۰۸)



دوسرا قرین قیاس سبب اضافہ محاصل ہے۔ ہندوستان عرصہ سے ایک ایسی حکومت کے نظم و نسق سے متمتع ہو رہا ہے۔ جو ایک متمدن ملک کے نظم و نسق کی ارباب ترین صورت ہے۔ جب اس ملک میں جمہوری ادارے قائم ہو گئے۔ تو یہ توقع ہے۔ کہ رفاہِ عام کے مصارف میں اضافہ ہو جائیگا۔ اور یہ اضافہ اس قسم کی آئینی تبدیلی کے ساتھ ہر جگہ بروئے کار آ رہا ہے۔ مثلاً جبری تعلیم کا عام مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اور یہ مطالبہ پبلک فٹس سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ جو محصول لگا کر پورا کیا جائیگا۔ رفاہِ عام کی بعض چیزیں مثلاً سڑکوں کی اصلاح، مویشی کی بیماریوں کا علاج ایسی چیزیں ہیں۔ کہ ان سے تھوڑے عرصہ میں نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تعلیم پر یہیہ صرف کیا جائے۔ تو بہت عرصہ کے بعد تھوڑی سی ملی آمدنی ہوگی۔ اس عرصہ کے دوران میں بالکل اراضی یا مزارعین اور بادلوں سے یہ مطالبہ کیا جائیگا۔ کہ زمین پر جو محصول لگائے گئے ہیں۔ انہیں ادا کریں۔ اور اس طرح زمیندار کو زمین کی ملکیت سے جو فائدہ حاصل ہیں۔ ان میں کمی واقع ہو جائے گی۔ یہ قرین قیاس ہے۔ کہ اس قسم کا کوئی عنصر اضافہ قیمت زمین کی تحریک کو روک دیگا۔

لیکن ان امور کا تعلق حال سے نہیں۔ بلکہ مستقبل سے ہے۔ اس ضمن میں جو تازہ ترین اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ وہ بھی خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ لورڈ دواہ باری کی نوآبادی میں جو زمین سرکاری طور پر نیلام کے ذریعہ بیچی گئی۔ اس کی قیمت ۱۹۱۶ء میں ۲۲۹ روپے تھی۔ اور ۱۹۱۸ء میں ۳۳۳ روپے ہو گئی۔ اس زمین کی قیمت میں غالباً محض اسیلئے اضافہ ہوا۔ کیونکہ انہی دنوں یہ بات دریافت ہوئی تھی۔ کہ اس علاقہ کی زمین امریکن روٹی کی کاشت کیلئے

(نہایت وصف ۲۰۷) زرخیزی کے سواں میں ۱۸ فیصدی منافع ہوا کرتا تھا۔ جب وادور ہو گئی۔ تو نفع بہت کم ہو گیا۔ یعنی سرباہ پر ۱۸ فیصدی سے بھی کم رہ گیا۔ ہائیڈروادای النظر میں بہت بے قیمت چیز معلوم ہوتی تھی۔ زراعت کی سب سے زیادہ اہم ٹائیپیلوار یعنی اون کی قیمت بہت گر گئی۔ اور جمائی محنت سے جو قدر پیداوار ہوتی تھی۔ اکی قیمت بڑھ گئی۔ جلد باب ۴۸ ملے جبری تعلیم کے سواں کے پھول کو کھیتوں پر کام کرنے سے روئے گی۔ اور وہ جو کام اب کرتے ہیں۔ وہ یا تو کوئی نہ کیجے۔ اور اگر کیجے بھی تو خواہ دارم وود ہی کہہ سکے۔ اس طرح مصارف زراعت میں اضافہ ہو جائیگا۔



موزوں ہے۔

دوسرے سال ان گراں قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ۸۸۶۸ ایکڑ رقبہ کی قیمت فروخت کا اوسط ۴۹۲ فی ایکڑ تھا۔ سب سے زیادہ قیمت ۲۵ لیکڑ کے ایک قطعہ زمین کی ادا کی گئی۔ جو خانیوال ریلوے اسٹیشن سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں واقع ہے یہ قطعہ زمین بحساب ۱۰۸ روپیہ فی ایکڑ فروخت ہوا۔ ان قیمتوں کی گرائی کا باعث یہ ہے کہ بکثرت روپیہ ایسا موجود ہے۔ جسے سرمایہ دار کسی کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید اس واقعہ کی ہوتی ہے۔ کہ شہر منگھڑی میں بعض نئی دکانوں کے لئے جو زمین خریدی گئی۔ اس کی قیمت ۸۶۲۱۲ روپیہ فی ایکڑ تھی +

قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اُس کی ایک وجہ ہر گاؤں کے مقامی حالات بھی ہیں زمیندار موروٹی کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک ہی گاؤں میں وہ پیدا ہوتے ہیں سوہیں پوش پاتے ہیں۔ انہیں اپنے گاؤں سے اُسی صورت میں انتقال مکان کا خیال آ سکتا ہے۔ کہ کسی نوآبادی میں انہیں زمین حاصل ہو سکے گاؤں میں زمین کو فروخت کرنے کی کوئی منڈی نہیں۔ اگر ایک نوآباد اپنے گھر بار کو چھوڑ کر گاؤں میں سکونت اختیار کرنا اور زمین خریدنا چاہئے۔ تو اس کا اعتقاد نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ زمین خریدنے کے بھی قابل ہوگا۔ اس طرح گویا گاؤں میں کوئی زمین ایسی نہیں جسے زمین برائے فروخت کہا جاسکے۔ وراثت کے اصول ایسے ہیں۔ کہ ہر بیٹے کو اراضی میں سے حصہ ملتا ہے۔ اس طرح زمین چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ اور اراضی کا مالک

لے بہت زیادہ قیمتی فصل کی کاشت کے باعث فیملی گراں ہو جائیگی۔ جس طرح انگلستان میں باپ (ایک تم کا کروا پودا) کی کاشت کی وجہ سے بیوقوفیتیں بڑھ گئی تھیں۔ ملاحظہ ہو کہ ۱۲۹۱ء میں اس کی پیدائش یا زراعت کی اصلاح میں کفایت شعاری سے کام لیا گیا۔ تو لگان زیادہ ہو جائیگا۔ اور اراضی کی قیمت بڑھ جائیگی۔

لے سرکاری رپورٹ میں لکھا ہے۔ کہ جو کیفیت زرعی زمین کی ہے۔ وہی شہر کی ان سکنی زمینوں کی ہے۔ ان غیر معمولی قیمتوں کی وجہ بہت حد تک یہ ہے۔ کہ دیہات میں ایسے روپیہ کی فراوانی ہے جسے کسی ایسے کاروبار میں نہیں لگایا جاسکتا جس پر عوام کو اعتماد ہو۔ یہ موقع صنعتی نشوونما کے لئے بہت مفید ہے بشرطیکہ صنعتوں کا آغاز کرنا لے عوام کا اعتماد حاصل کر سکیں +

اپنے ذرائع و وسائل کو کام میں لاکر جتنی زمین کی کاشت کر سکتا ہے۔ اسکی نسبت قطعہ زمین جو اُسے ورثہ میں ملتا ہے۔ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ ان اراضی کی وسعت میں اضافہ کا یہی طریقہ ہے کہ اگر کوئی قطعہ اراضی قابل فروخت ہو۔ تو اُسے اس میں شامل کر لیا جائے۔ اس طرح گویا زمیندار کی اکثریت قابل فروخت اراضی کی خریدار بن سکے گی۔ چونکہ اراضی چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اور ہر اراضی گلوں میں دس بارہ حصوں میں منقسم ہوتی ہے۔ جو گاؤں میں مختلف مقامات پر واقع ہوتے ہیں اس لئے اراضی کی فروخت میں بھی سہولت ہے۔ انگلستان میں ایک اراضی جس کا رقبہ ۵۰ ایکڑ ہوتا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں فروخت کی جاتی۔ بلکہ پوری اراضی یکبارگی بیچی جاتی ہے اراضی کے ساتھ جو مکانات وغیرہ ہوتے ہیں۔ اُن کی وجہ سے اُسے مختلف قطععات اراضی میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح انہیں لوگوں سے اراضی کا خریداری بننے کی توقع ہو سکتی ہے۔ جو پوری اراضی کو خریدنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ یقیناً اُن لوگوں سے تعداد میں کم ہوتے ہیں۔ جو ایک چھوٹے سے قطعہ اراضی کو خریدنے کے لئے روپیہ ہتیا کر سکتے ہیں۔ یہاں اول تو کھیت ہی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور پھر جن کھیتوں کی زراعت ایک ہی شخص کے سپرد ہے۔ اُنکے لئے مزدوری نہیں۔ کہ ایک ہی جگہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے واقع ہوں۔ اس لئے فروخت اراضی آسان ہے۔ ایک سودے میں اوسطاً جو رقبہ فروخت کیا جاتا ہے۔ وہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس کی قیمت بھی ایسی نہیں ہوتی۔ کہ گاؤں کے اکثر باشندوں کی حیثیت سے بڑھ کر ہو۔ پھر وہ سب کے سب یہ چاہتے ہیں۔ کہ اُن کی مملوکر اراضی میں اضافہ ہو۔ ایک سودے میں اوسطاً جو رقبہ فروخت کیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

۱۹۰۱ء تک پانچ سال کے عرصہ میں	۹۵ ایکڑ مجموعی طور پر	۲۴۲ ایکڑ رقبہ مزروعہ
۱۹۰۶ء	۵۷	۳۰۴
۱۹۱۱ء	۵	۲۰۸
۱۹۱۶ء	۴۵	۲۶۸
۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں	۴۰۶	۲۰۶

گویا جو قطعات اراضی فروخت ہوتے ہیں۔ وہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور جو لوگوں  
 نہایت آگے قدم بڑھاتا جاتا ہے۔ وہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ اسکی مثال بلجیم میں مل سکتی ہے۔  
 کیونکہ اس ملک میں بھی بیشتر اراضی کا رقبہ مختور ہے۔ وہاں جب ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی  
 میں قابل فروخت ہوتا ہے۔ گاہک یا مزارعین وہ اس کے مالے وقوع پر جا پہنچتے ہیں دوسری  
 جانب انگلستان کی یہ کیفیت ہے۔ کہ اگر ایک بڑے کھیت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں  
 بانٹ دیا جائے۔ تو بلجیم کی طرح اس پاس کے لوگوں میں اتنے کافی اشخاص نہیں نکلیں گے  
 جو اسے اجارہ پر لینے یا خریدنے کے خواہشمند ہوں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس امر کی  
 جانب میلان زیادہ ہو رہا ہے۔ کہ زمین کی زیادہ قیمت حاصل کرنے کیلئے اسے چھوٹے چھوٹے  
 حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ دونوں ملکوں میں بڑی بڑی اراضی کی نسبت چھوٹی اراضی کی مانگ  
 زیادہ ہے۔ ایسے لوگ نسبتاً کم ہیں۔ جنکے پاس بڑی اراضی کو خریدنے یا اجارہ پر لینے کیلئے  
 کافی روپیہ ہو۔ اس لئے جب وہ فروخت ہونے کے لئے منڈی میں آتی ہیں۔ تو ایسے لوگ  
 کم ہوتے ہیں۔ جو اسے حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بولی دیں۔ لیکن  
 چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کی یہ کیفیت نہیں۔

پنجاب کی بھی یہی کیفیت ہے۔ چونکہ مالک اراضی بلا اعانت غیرے جتنی زمین کی کاشت  
 کر سکتا ہے۔ اس سے عام طور پر اسکی مملو کہ اراضی چھوٹی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس فکر  
 میں رہتا ہے۔ کہ اپنی زمین میں اضافہ کرے۔ چونکہ اراضی چھوٹی ہوتی ہے۔ اس لئے اسکی قیمت  
 بھی اس پاس کے اکثر لوگوں کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس امر کو کوئی نقص نہیں سمجھا جاتا۔ کہ خرید  
 اراضی خریدار کی مملو کہ اراضی کے پاس واقع نہیں۔

ان اثرات کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے۔ جو بجد اہمیت رکھتی ہے۔ شاذ و نادر  
 ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ زمینداروں کو اپنی اراضی کی وسعت بڑھانے کا موقع ملے۔ صوبہ میں تقریباً  
 پچیس لاکھ ایسے گنبے ۳۲۴۰۰ دیہات میں آباد ہیں۔ جنکی زندگی کا سہارا زراعت ہے۔

اکیس سال کے عرصہ میں اراضی کے ۹۶۲۰۰ سوے ہوئے۔ یا یوں کہئے۔ کہ ایک سال کے اندر ۴۶۰۰ سوے کئے گئے۔ اس طرح گویا اکیس سال کے طویل عرصے میں فی گاؤں اتنی اراضی کی خرید و فروخت ہوئی۔ ہر زراعت پیشہ کنبے کو ۵۴ سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ کہیں زمین خریدنے کا موقع ملا۔ یا اگر ہم فرض کریں۔ کہ بیچنے والوں اور خریداروں کی تعداد ایک جتنی ہے۔ پھر بھی کہیں ۲ سال میں ایک مرتبہ مزروعہ زمین کے خریدنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ زمین کی قیمت اس قدر زیادہ ادا کی جاتی ہے۔ خریداری میں باہمی مابقت و مقابلہ بہت زیادہ ہے۔ زمین کی قیمت اس کی کمیابی کی بنا پر زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کھوجیے دور دست علاقہ میں بھی زمین کی بہت زیادہ قیمت ادا کی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ محض کمیابی ہے۔ اس کو ہستانی علاقہ میں ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۱ء تک زمین کی قیمت اوسطاً ۲ روپیہ فی ایکڑ رہی ہے۔ اور ۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۲ء تک ۸۵ روپیہ فی ایکڑ گزیر میں لکھا ہے۔ کہ قیمت زمین کا تعلق اس نفع سے نہیں۔ جو زمین کی پیداوار سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ہمالیہ کے وسطی علاقہ میں زمین کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ لاہل میں ۱۵ روپیہ فی ایکڑ ہے۔ اور ممبئی میں ۱۳۲ روپیہ فی ایکڑ قیمتوں کی گرانی کی وجہ یہ ہے۔ کہ قابل زراعت زمین کی کمیابی ہے۔ چونکہ آبادی بھی منتشر ہے۔ اس لئے زمین کی قیمت اس کے وقوع کے اعتبار سے بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ لوگ محنت مزدوری اور تجارت سے تھوڑا سا روپیہ کمالیتے ہیں۔ اور اسے کاروبار میں لگانے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں۔ کہ یا تو مویشی پالیں یا زمین پر روپیہ لگائیں۔ ان سنان علاقوں میں اگر ایک گاؤں کے باشندے کو جس کے پاس روپیہ موجود ہو۔ یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ وہ دیہات سے آگے گذر کر کوئی زمین برائے فروخت موجود ہے۔ تو وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

لہٰذا زمین آزاد خریدی جاسکتی ہے۔ اور اس کی قیمت بعض عارضی اسباب و عوامل مثلاً غلہ کی قیمت، محنت کا معاوضہ وغیرہ کے متعلق ہے۔ لیکن جہاں طلب رسد سے بڑھ جاتی ہے۔ ان کا کوئی اثر نہیں رہتا۔  
 لہٰذا یہ اعداد و شمار بہت دلچسپ ہیں۔ کیونکہ جس رقبہ سے ان کا تعلق ہے۔ ان پر وہ اسباب و عوامل اثر انداز نہیں (داتی جوفہ ۱۲۳)

یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے۔ کہ جن اثرات و عوامل کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ انکی وجہ سے اس قدر زمین کی قیمت اقتصادی حدود سے باہر چل گئی ہے۔ پچھلے دنوں کورٹ آف وارڈس کے متعلق پتہ چلا ہے کہ ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں بیان کیا گیا تھا۔ کہ ۲۰۰۰۰۰ ایکڑ زمین کی قیمت کا اندازہ ۹۲ روپے فی ایکڑ لگایا گیا۔ اس وسیع رقبہ سے جو خام آمدنی ہوتی ہے۔ وہ قیمت زمین کے سات فیصدی سے کم ہے۔ اور مالگذاری ادا کرنے کے بعد صرف بائیس فیصدی رہ جاتی ہے۔ اور جب اس سے انتظام زمین اور شکست و سختی کے اخراجات و منع کر لئے جائیں۔ تو منافع محض  $\frac{1}{4}$  فیصدی رہ جائیگا۔ اگر زمین کی قیمت مالگذاری سے ۵ گنا زیادہ ہو۔ (۱۶ لاکھ و ۱۹ لاکھ میں قیمت زمین اور مالگذاری کا یہی تناسب تھا) تو منافع خالص صرف تین فیصدی رہ جاتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی اس نوع کے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ معارف زراعت کا صحیح تخمینہ تو کسی وقت اور کسی جگہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اور پنجاب میں تو ریکارڈ میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ ہم نے جو اعداد پیش کئے ہیں۔ انہیں ایک وسیع رقبہ کا جو سارے صوبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ صحیح حساب سمجھنا چاہئے۔ اس سے یہ بات ظاہر

(۲۱۲ لاکھ) ہوئے۔ جو عام طور پر گران قیمت زمین کا باعث ہوتے ہیں۔ آبادی میں سرعت سے اضافہ نہیں ہوا۔ کوئی نئی شہر بھی موجود نہیں۔ ریلوے بھی نہیں۔ صنعتوں کا بھی وجود نہیں۔ شہری آبادی بھی نہیں۔ ایک شہر کے سوا باقی تمام شہروں کی کیفیت ہے جو صدیوں سے جلی آتی ہے تجارت پر آمد بھی نہیں ہے۔ اضافہ کا سبب قرار دیا جاسکے۔ ان مقامات میں اضافہ قیمت کے اسباب یہ ہیں۔ برطانوی حکومت کی وجہ سے اس وادان ہے۔ مالگذاری تھوڑی ہے۔ تہمت اور وسطی ایشیاء سے تجارت کے باعث جس سے لئے بہت سہولتیں میسر ہیں۔ نفع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ زمین اب ہاں ایک حد سے بڑھی ہوئی سکاری مالگذاری و محول کرنا کا بہانہ نہیں بلکہ سامان معاش کے حصول کا ذریعہ ہے جس سے اس وادان کی بدولت لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو رورٹری کی کتاب لینڈ اینڈ لیبر (جلیم سے سبق) بعض تجارتی اسباب ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے وجوہ بھی ہیں جو بلیم کے طریقہ کار میں اراضی پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ کیونکہ یہ ہنڈیاں زیادہ قیمتی ہیں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کو خریدنے کیلئے اس قدر مقابلہ ہوتا ہے کہ عام طور پر زیادہ قیمتیں ادا کی جاتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی پہلا دار اس قدر نہیں جس سے اس کا کہ قیمت کا مناسب موہال ہو سکے۔ چنانچہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ حقیقت کے ساتھ قیمت ادا کی جاتی ہے کیونکہ کوئی نفع کے قانع اندیشہ ہو یا محض بڑی ہوئی قیمت بتاتی ہیں۔

ہوتی ہے کہ زمین کی قیمت اُس کی پیداوار کی قیمت کے اعتبار سے جقدر ہوتا چاہئے۔ اس سے بہت زیادہ ہے۔ ہم نے صوبہ کی جس عام خوشحالی کا ذکر کیا ہے۔ کچھ تو اس کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ لوگوں نے فوجی ملازمت کر کے بہت سی آمدنی حاصل کر لی۔ اور اکثر لوگوں نے امریکہ اور آسٹریلیا، وغیرہ میں جا کر بہت روپیہ کمایا ہے۔ پنجاب کے لوگوں کے پاس بڑی بڑی رقوم جمع ہو گئی ہیں۔ وہ اس روپیہ کو یا تو زمین پر لگا دیتے ہیں۔ اور یا زیورات بنوا لیتے ہیں۔ کسی زمانہ میں زیور بنوالینا زائد از ضرورت کو جمع رکھنے کا ایک معقول عام طریقہ تھا۔ لیکن جب زیور کا روپیہ حاصل کرنا چاہیں۔ تو اس میں نقصان ہوتا ہے۔ لیکن زمین خریدنے میں ایک بڑی شش یہ ہے کہ اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اور یہی اضافہ قیمت دراصل اضافہ قیمت کا سب سے بڑا باعث ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اگر آج زمین کی خرید پر کچھ روپیہ صرف کیا جائے۔ تو جب زمین کو فروخت کر کے روپیہ وصول کرنا چاہیں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ اگر زمین خریدنے کے وقت قیمت خرید کے لائق نہیں ہوتی۔ تو چند سال کے بعد ہو جاتی ہے۔ اس طرح گویا قیمت زمین کے اضافہ کا اندازہ کر کے زمین خریدی جاتی ہے۔ ایک اور سبب یہ ہے کہ اکثر پیشوں کے لوگ جو دولت حاصل کر رہے ہیں۔ وہ اُسے لگانے کے لیے کوئی محفوظ اور مناسب کاروبار تلاش نہیں کر سکتے۔ صنعت و حرفت ابھی غیر اہم چیز ہے۔ اور سرمایہ منتر کمر کاروبار شروع کرنے کا طریقہ بھی ملنے والا ہے۔ جس علاقہ کے اندر ۱۹۶۱ء میں ۴۰ وکیل تھے۔ اب اس میں ۱۳۰ وکیل ہیں۔ یہ لوگ اور اسی طرح کے دوسرے پیشوں کے لوگوں میں فطری خواہش موجود ہے۔ کہ وہ ایسی جائیداد کے مالک بن جائیں جس کی قیمت میں کمی واقع نہ ہو۔ ان حالات میں تو خالص آمدنی بھی چنلاں اہمیت نہیں رکھتی۔

اوپر ہم کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اضافہ قیمت زمین کوئی ایسی بات نہیں جس پر خوشی ظاہر کجائے بلکہ یہ چیز نہایت فکر و تشویش کی محتاج ہے۔ بہت کم ایسا

لے غیر مالک سے جو منی اکٹھا ہے۔ اُن کی وجہ سے پہلے پہل پنجاب کے اندر ۱۹۵۵ء و ۱۹۵۶ء میں روپیہ کی توخیر ہوئی پھر ۱۹۵۷ء میں بھی گئیں انکی نسبت جو رقوم یہاں آئیں۔ ۱۹۵۸ء و ۱۹۵۹ء میں بقدر ۲۵ لاکھ کے زیادہ تھیں۔ ۱۹۶۰ء و ۱۹۶۱ء میں ۲۵ لاکھ اور ۱۹۶۲ء و ۱۹۶۳ء میں ۴۰ لاکھ سے زیادہ (۲۱۵ صفحہ ۲۱۵)

ہوا ہے۔ کہ زمین پر روپیہ لگانے کی وجہ سے زراعت کو کوئی فائدہ پہنچا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات جیسا کہ کرلیکھ  
اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے بہت نقصان پہنچا ہے ہم  
کہہ چکے ہیں۔ کہ اضافہ قیمت زمین کی ایک بہت بڑی وجہ خود اضافہ قیمت زمین ہے۔ اگر زمین  
کی قیمت میں کمی واقع ہو جائے۔ تو لوگوں کو اس پر روپیہ لگانے کا شوق بھی نہیں رہے گا۔  
اس طرح بہت سا سرمایہ جسے اب زمین پر لگایا جاتا ہے سوچ جائیگا جس سے اصلاح و ترقی  
کے دوسرے کام کئے جاسکتے ہیں۔ یہ نقص تو واضح ہے۔ کہ صوبہ کا سارا جدید سرمایہ زمین پر لگا  
دیا جاتا ہے۔ زمین کی اصلاح پر صرف نہیں کیا جاتا۔ صوبہ میں ریلوے کی کئی کمپنیاں ہیں، تاہم  
سرکاری ریلوے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء میں تقریباً ۲۰ کروڑ روپیہ صرف زمین خرید  
پر صرف کیا گیا۔ یہ روپیہ تو رقبہ مزدور کی توسیع کے کام آیا۔ اور نہ اس موجودہ رقبہ مزدور کی پیداوار  
کو ترقی دی گئی۔ یہ امر قابل غور ہے۔ کہ نہ تو قیمت زمین میں اضافہ ہوئے نہ اراضی کی خریداری بڑھتی  
اور نہ سرمایہ کی فراوانی کی وجہ سے بیکار زمین سے فائدہ اٹھانے اور دلالوں اور ویرانوں میں نالیاں  
لگانے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ اس زمین کی حالت سد مارنے کی سعی کی گئی جسے ندی نالوں  
نے نقصان پہنچایا ہے۔ صوبہ کی زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ فی الحال قابل زراعت نہیں۔ لیکن  
اگر روپیہ صرف کیا جائے۔ تو اس زمین کا اچھا خاصہ حصہ زراعت کے قابل بن سکتا ہے۔ اس  
سلسلہ میں معی اقدام اور بہت وجہات کی جو کساد بازاری ہے۔ وہ زیادہ توجہ و التفات کی مستحق ہے۔  
ایک اور بڑا نقص یہ ہے۔ کہ زمین کی بڑھی ہوئی قیمت کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی

(۴) کا بقایا مال بیچنے زراعت سرت ہے۔ کہ اس طرح صوبہ میں دولت کی فراوانی اور مالگداری کے کم ہونے کا ثبوت فراہم ہو گیا۔  
لے وٹارک کے ایک وزیر کا ایک قول بڑے بڑے جی جی ہارم فیز ۲۰ ص ۱۱ میں مدع کیا گیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ڈنمارک میں قیمت  
زمین محض قیاس کی بنا پر روپیہ لگانے کا باعث بنی ہوئی ہے اسے قوم کی محنت اور خود امانتی کا سرچرپہ نہیں سمجھا جاتا یہ صورت حال ملت  
کیلئے بہت مضر اور اس کے سود بہود میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

طبعی اقلہ مالک زمین معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر زمین کی قیمت سے بہت زیادہ کمی جاتی ہے۔ تاکثری شیعہ کا  
ظہور نہ ہے ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں ۳۰ کروڑ ۹۰ لاکھ روپیہ کی زمین خریدی گئی۔



یامزارعین میں جکی پونجی تھوڑی سی ہے یہ ہمت کہاں کہ زمین خریدنے کی جرأت کر سکیں۔ ان مالکان اراضی کی صحیح تعداد معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جنہیں گزشتہ سالوں میں بغیر عمل کر دیا گیا ہے لیکن گذشتہ ۲۱ سال کے عرصہ میں زمین کی فروخت کے ۹۶۰۰۰ سووے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ تو وہ مالکان اراضی ہونگے جو زمینداری کے مرتبہ سے گر کر محض مزارع رہ گئے۔ اس کا یہ جواب نہیں کہ اگر انہیں تخفیف ہوئی۔ تو دوسری اراضی میں اضافہ بھی تو ہوا۔ اگر ایک آسودہ حال شخص نے اپنی جائیداد میں جو اتنی بڑی ہے کہ وہ اس کی بدولت باسائش تمام زندگی بسر کر سکتا ہے چند ایکٹوں کا اضافہ کر لیا۔ تو یہ چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اہمیت تو اس بات کو حاصل ہے کہ وہ مزارعین اور زمیندار جن کی اراضی سے اقتصادی نفع نہیں ہوتا۔ کفایت شعاری کی بدولت اپنی اراضی میں اضافہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ صوبہ کی تقریباً نصف زمین کی کاشت غیر موروٹی مزارعین کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اسی گاؤں یا پاس پڑوس کے کسی گاؤں میں خود مالک اراضی بھی ہیں۔ لیکن ایسے مزارعین کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ جو مالکان اراضی نہیں، اگر وہ زمین کے مالک بن جائیں تو اس سے صوبہ کی اقتصادی حالت مستحکم ہو جائیگی۔ دوسرے ممالک میں روپیہ قرض لیکر زمین خرید لینا اور پھر اُس روپیہ کو قسطوں میں ادا کر دینا ممکن ہے۔ لیکن پنجاب میں یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی شخص روپیہ قرض لیکر زمین خرید لے۔ تو زمین کی پیداوار اس قدر نہیں ہونگی کہ اس سے سود بھی ادا ہو سکے۔

اضافہ قیمت زمین کے ساتھ ساتھ اُس روپیہ کے اوسط میں اضافہ ہو گیا ہے۔ جو زمین زمین کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی فائدہ کی بجائے نقصان ہی ہوا ہے۔ پنجاب میں زمیندار نے اپنی ساکھ سے پیداوار بڑھانے کے لئے روپیہ نہیں لیا۔ البتہ جوں جوں اس کی

لہذا زمین پر ایسے حقوق ہوں، جکی وجہ سے معیشت محفوظ ہو سکتی ہے۔ جذبات سے قطع نظر کر لیجئے۔ تو مالک اراضی بنتے ہیں کوئی خاص غمی نہیں۔ اگر مزارع کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ (یعنی وہ اس قدر محفوظ ہو جائے کہ مالک اراضی جب چاہے اُسے بے ذل نہ کر سکے) تو ہر تہہ ہے کہ کسان اپنا سارا سرمایہ و خزانہ آلات کشاورزی اور مواد وغیرہ پر دین کر دے اور زمین نہ خریدے ان چیزوں سے اسے نسبتاً زیادہ نفع حاصل ہوگا +



سکھ زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ وہ قرض لیتا جاتا ہے۔ اور اس قرض سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ جو شخص اپنی زمین بیچنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے زمین کی موجودہ گراں قیمت بہت اچھی ہے لیکن لیکن اس کسان کیلئے جو ساری عمر اراضی میں صرف کرنا چاہتا ہو۔ یہ چیزیں محض قرض لینے کی محرک ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جن ملکوں میں زراعت کا نظام اچھا نہیں۔ اور مزدور کافی ہتیا نہیں ہو سکتے۔ وہاں زمین کی قیمت گراں نہیں رہ سکتی۔ اور یہ قرین قیاس ہے۔ کہ اگر روپیہ لگانے کے لئے کوئی نئی راہ آئی۔ جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ تو کج پنجاب میں جو غیر اقتصادی نرخ نظر آ رہے ہیں۔ وہ نہیں رہینگے۔ جنگ کا ایک اثر تو یہ ہوا ہے۔ کہ سرکاری ہنڈیوں کا سود بڑھ گیا۔ اور اس میں اور اس آمدنی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ جو ایسی زمین سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا نقد لگان دیا گیا۔ اس کا ایک اور اثر یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ریلوے کمپنیوں کے برطانی حصہ دار حصوں کو اس نرخ پر بیچیں جنہیں یہاں کے سرمایہ دار خریدیں۔ اس قسم کے رجحانات سے صوبہ کو غالباً فائدہ پہنچے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ اس صوبہ کی دولت میں سرعت سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اور از بسکہ زمین کے سوا اس دولت کو اور کہیں لگانے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اس لئے غیر اطمینان بخش صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ پورے وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آیا صنعت و حرفت کی ترقی کا دور زمین کی قیمت میں کمی کر دیگا۔ یا اس کے اضافہ کو روک دیگا۔ صوبہ کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اور

لے متذکرہ بالا بحث کے سلسلہ میں جب ذیل اقتباس جو ۱۱۱۱ء و ۱۱۱۲ء کی مالگنداری کی رپورٹ سے متعلق ہے۔ نہایت دلچسپ ہے۔ جائیداد زمین کر کے قرض لینے میں جو اضافہ ہوا ہے۔ وہ کس حد تک اضافہ قیمت زمین کی وجہ سے ہے۔ اور کس حد تک زراعتی آبادی کے معارف میں اضافہ اس کا باعث ہے۔ آیا یہ روپیہ ضروریات میں صرف ہوا ہے یا اس باب میں۔ یہ تمام ایسے سوالات ہیں۔ جن کا کوئی قطعی جواب دینا بہت دشوار ہے۔ کیونکہ اقتصادی اثر معاشرتی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تمام اسباب ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تو کسی حد و وثوق سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ زرعی زمین کی قیمت میں اضافہ نے مالک اراضی اور کسان کی سکہ بڑھا دی ہے۔ اور وہ ضروریات زندگی اور اسباب تحسین کی بڑھی ہوئی قیمتیں ادا کرنے کے لئے روپیہ فراہم کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کا بیشتر حصہ ایسی ہنڈیاں جن سے سود حاصل ہو سکے۔ نہیں خریدیگا۔ بلکہ اگر اُسے نفع بھی ہو۔ جب بھی وہ اُسے خریدنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ مسلمان ریلوے یا دوسرے صنعتی کارخانوں کے حصے خریدنے میں بھی پس و پیش کرتے ہیں۔ اُن میں اکثر ایسے ہیں جو تجارت سے ہی محترز ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک وہ منافع جو زمین سے حاصل ہوتا ہے۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انہیں تو صرف اس امر سے سروکار ہے۔ کہ انہیں مذہباً اراضی خریدنے کی اجازت ہے۔ اور اس پر وہ جو روپیہ لگائیں گے۔ وہ محفوظ رہیگا۔ اس طرح گویا مسلمانوں کو ایک قوت اراضی کی خرید پر آمادہ کر رہی ہے۔ اگرچہ وہ وسیع رقبہ کے مالک ہیں۔ لیکن یہ چیز انہیں مزید رقبہ پر قبضہ کرنے کی خواہش سے باز نہیں رکھ سکتی۔ زراعت ایک ایسی صنعت ہے۔ جو مسلمانوں کو پسند ہے۔ کیونکہ اس پر کوئی مذہبی پابندی عاید نہیں۔ اس امر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کہ اُن کے اس جذبہ نے قیمت زمین پر کس قدر اثر ڈالا ہے۔



# نوائے باب

## اضافہ قیمت زمین کے اثرات

جب حالات واسباب ایسے ہوں۔ کہ اقتصادی قوتیں پورا پورا اثر ڈال سکیں تو یہ معلوم کرنا بہت آسان ہے۔ کہ ان قوتوں کا میلان کس طرف ہے۔ لیکن جب رجحانات رسم و رواج تعصبات یا جہالت سے متاثر ہوں۔ تو یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ کہ حقیقی زندگی میں اقتصادی قوتوں سے کیا نتائج رونما ہونگے۔ ابھی تک پنجاب کی تنظیم اقتصادی اصولوں پر نہیں کی گئی لیکن آہستہ آہستہ یہ صوبہ اس منزل کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اضافہ قیمت زمین سے جو اقتصادی نتائج رونما ہوئے ہیں۔ ان پر روشنی ڈالنے کے انجمن ہائے امداد باہمی کے انسپکٹروں کے پاس کیا سوالات کی ایک فہرست بھی گئی تھی۔ یہ سب کے سب گریجویٹ تھے۔ اور تقریباً سب اقتصادیات کے گریجویٹ تھے۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی۔ کہ وہ محض حقائق معلوم کریں۔ اور انہیں اپنی رائے سے بالکل الگ منگ رکھیں۔ دونوں کو آپس میں گڈ ٹڈ نہ ہونے دیں۔ ہاں جب وہ حقائق بیان کر چکیں۔ تو ہر سوال کے متعلق اپنی رائے بھی ظاہر کریں۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی تھی۔ کہ جب وہ انجمن امداد باہمی کا معائنہ کرنے کیلئے دورہ کی عرض سے نکلیں۔ تو ساتھ ساتھ ان سوالات کے متعلق بھی تحقیقات کرتے جائیں۔ چنانچہ یہ باب انہیں سوالات اور اُن کے جوابات کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔

پہلے سوال کا مفہوم یہ تھا کہ اضافہ قیمت زمین کے متعلق جتنی اطلاعات فراہم ہو سکیں۔ فراہم کیا جائیں۔ چونکہ یہ معلوم کرنا آسان نہیں تھا۔ کہ آیا ایک ہی قطعہ زمین چند سالوں کے بعد دوبارہ فروخت نہیں کر دیا گیا۔ اس لئے صرف استدعا کہنے پر اکتفا کیا گیا۔ کہ صوبہ بھر کی زمین کی قیمت

میں اضافہ ہو گیا ہے۔ بہر حال یہ اضافہ قیمت صوبہ کے مختلف حصوں میں یکساں نہیں بڑے  
 بڑے شہروں کے قرب و جوار میں جو زمینیں واقع ہیں۔ انکی قیمت میں زیادہ اضافہ ہوا ہے  
 جن زمینوں کی فصل سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے۔ یا جن کی آبپاشی کا معقول انتظام ہے انکی  
 قیمت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن انسپیکٹر اس اضافہ قیمت کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ پیداوار  
 کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ کہ مان خوشحال ہو گئے ہیں۔ اور ان کے پاس بہت سارے پیسے ہیں۔  
 اور زمین کے سوا کوئی دوسری صنعت نہیں جس پر وہ روپیہ لگا سکیں چنانچہ لائل پور کی نو آبادی  
 میں مربع (جو تقریباً ۲۷ ایکڑ ہوتے ہیں) ۱۹۱۷ء میں بحساب ۲۰۰۰ روپیہ فی مربع فروخت  
 ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں ان کی قیمت ۶۰۰۰ روپیہ تھی۔ ۱۹۱۷ء میں ۸۰۰۰ روپیہ ۱۹۱۸ء  
 میں ۱۰۰۰۰ روپیہ ۱۹۱۹ء ۱۶۰۰۰ روپیہ اور ۱۹۲۰ء میں ۲۲۰۰۰ روپیہ یہ قیمتوں کا اوسط نہیں  
 بلکہ صحیح مثالیں ہیں۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کے پاس کس قدر روپیہ ہے۔  
 اور جو لوگ صاحب زر ہیں۔ وہ اراضی کو زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کر کے خریدنے پر آمادہ  
 ہیں۔ گورداسپور میں بعض قطعات اراضی دوبارہ فروخت کئے گئے۔ انکی قیمت فروخت کے  
 متعلق حسب ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں۔

رقبہ	پہلی مرتبہ قیمت فروخت	دوسری مرتبہ قیمت فروخت	دو سو دو بھادریائی وقفہ
۲۱/۴ ایکڑ	۱۰۰۰	۱۷۰۰۰	۱۲ سال
۳	۲۴۰	۳۵۰	۵ سال
۷	۹۰۰	۱۳۴۰	۵ سال
۳۱/۴	۱۰۰۰	۱۵۷۵	۵ سال
۲	۱۰۰	۲۵۰	۶ سال

ایک انسپیکٹر لکھتا ہے۔ کہ سکھوں کے زمانہ حکومت میں زمین کو ایک بار گراں سمجھا جاتا  
 تھا۔ میرے (انسپیکٹر کے) اپنے گاؤں میں یہ روایت مشہور ہے۔ کہ سکھوں کے زمانہ میں ایک  
 شخص گلی کوچوں میں اس قدر باندھا آواز سے گانا پھرتا تھا کہ اس کی آواز پر وہ نٹیں عورتوں کے کانوں  
 تک پہنچتی تھیں۔ چنانچہ نے فیہ لکھا۔ کہ سزا کے طور پر اسے سبکداس ایکڑ زمین دے دی جائے

تاکہ وہ اُس کی کاشت کرے اور مالگنداری بھی ادا کرے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی اسپیکٹر نے یہ نہیں لکھا۔ کہ قیمت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ یا پیداوار اس قدر کم ہوتی ہے۔ کہ جو روپیہ لگایا جاتا ہے۔ اُس سے اچھی خاصی آمدنی نہیں ہوتی۔

دوسرے سوال کا مطلب یہ تھا۔ کہ لوگ اضافہ قیمت زمین کی کیا وجہ بتاتے ہیں۔ جو جوابات موصول ہوئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عوام اضافہ قیمت زمین کو حسب ذیل اسباب میں کسی نہ کسی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

(۱) پیداوار کی قیمت میں اضافہ۔

(۲) دولت میں اضافہ۔

(۳) ذرائع ریل و رسائل میں ترقی۔

(۴) نہروں سے آبپاشی کے انتظام میں ترقی۔ اور مزید ترقی کی توقع۔

(۵) آبادی میں اضافہ۔

(۶) قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے کسان اپنے کام میں زیادہ محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اور اس طرح زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں۔

(۷) لوگ بہ نسبت سابق روپیہ صرف کرنے پر زیادہ آمادہ ہیں۔ اور وہ روپیہ جمع کرنے یا زلیور بنوانے کی بجائے روپیہ کو زراعت میں لگانا پسند کرتے ہیں۔

(۸) ملکوں انتقال راضی کی وجہ سے ماہو کاروں کو زمین پر قبضہ کرنے میں آسانیاں نہیں رہیں۔ لیکن وہ جس زمین پر قبضہ کر سکتے ہیں اُسکی قیمت خرید زیادہ ادا کرتے ہیں۔

(۹) آسٹریلیا۔ امریکہ اور دوسرے اجنبی ممالک میں جو پختابی ہیں۔ وہ برابر دلوں سے پوچھ بیچ ہے ہیں۔ اور یہ روپیہ قیمت زمین کا خیال کئے بغیر زمین پر لگایا جا رہا ہے۔

(۱۰) زمین میں اصلاح ترقی پر ہوئی ہے۔ اور اُسے زیادہ زرخیز بنا دیا گیا ہے۔

(۱۱) وارث کا جو دستور لے کر ہے۔ اُس کی وجہ سے زمین خاندان کے افراد میں تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ اکی مانگ زیادہ ہو گئی ہے اور مانگ نے قیمت بھی بڑھا دی ہے۔

(۱۲) روپیہ علی الخصوص کاغذی نوٹوں کی قدر کم ہو گئی ہے۔

علم خیال کے مطابق پر اضافہ قیمت زمین کے اسباب یہ ہیں۔ پیداوار کی قیمت میں اضافہ دولت میں اضافہ۔ اور یہ امر کہ کانوں کو روپیہ لگانے کے لئے زراعت سے زیادہ کوئی موزوں صنعت نظر نہیں آتی۔ یہ ماننا پر مبنی ہے کہ بحیثیت مجموعی یہ جوابات معقول ہیں۔ اگرچہ جوابات اور نہ بہت حیرت انگیز ہیں۔

اس سلسلہ میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ مسلمانوں کو سود لینے پر اعتراض ہے زمین کی قیمت پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ کہ جتنے روپے میں زمین خریدی گئی ہے اگر اس کا سود لیا جائے تو زمین کی آمدنی سے زیادہ ہوگی۔ لیکن جہاں سود لینا ہی خارج از بحث ہو تو زمین سے جتنا آمدنی حاصل ہوگی۔ اُسے غنیمت سمجھا جائیگا۔

تیسرا سوال یہ تھا۔ کہ آیا اضافہ قیمت زمین سے زمین کی اصلاح و ترقی پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

(خوشگوار یا ناخوشگوار)

جن رقبوں کی آبپاشی نہروں یا کنوؤں سے ہوتی ہے۔ وہاں تو اضافہ قیمت زمین کی وجہ سے اصلاح و ترقی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ کیونکہ عام خیال یہ ہے۔ کہ زمین کی ترقی کا انحصار بہت حد تک پانی کی بہر سانی پر ہے۔ بہر حال اس امر کی جانب عام رجحان ضرور ہے کہ زیادہ کھاد استعمال کیجائے۔ اضافہ قیمت زمین سے زیادہ اضافہ قیمت پیداوار کسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر رکھا ہے کہ وہ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کرے جن علاقوں کا دار و مدار بارش پر ہے۔ یعنی جہاں زمینیں بارانی ہیں۔ وہاں زمین کی اچھی خامی اصلاح و ترقی کیلئے کوشش کی جا رہی ہے۔ زمینوں کو ہموار کیا جاتا ہے۔ کھاد کا استعمال زیادہ عام ہو رہا ہے۔ ویران زمینوں میں بل چلایا جا رہا ہے۔ اور نئے کنوئیں کھودے جا رہے ہیں۔ گودا سپور کے ادبیات میں تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ پانچ سال کے عرصہ میں کنوؤں کی تعداد ۳۳ سے ۴۰ ہو گئی ہے، باوجودیکہ اس عرصہ میں کنوئیں کی تعمیر کے مصارف بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

اس سے یہ واضح نظر آتا ہے۔ کہ کسان زمین کی اصلاح و ترقی میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور جہاں کہیں کسی شخص نے زمین کی زیادہ قیمت ادا کی ہے۔ اس کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ اس نے

زمین کی خرید پر جو روپیہ صرف کیا ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر سکے۔ وہ اپنی صنعت کو بہ نسبت سابق زیادہ تجارتی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی بڑی وجہ اضافہ قیمت پیداوار ہے۔ اضافہ قیمت زمین سے زمین کی اصلاح و ترقی پر نسبتاً کم اثر پڑتا ہے۔ انجمن ہائے امداد باہمی کی کوششوں کی وجہ سے بھی ایسے بیج اور عمدہ آلات کشاورزی کی مانگ زیادہ ہو رہی ہے۔ قدرتی تحقیقات زیادہ تر انہی لوگوں میں کی گئی تھی۔ جو انجمن ہائے امداد باہمی میں شریک ہو چکے ہیں۔ اور ان کے متعلق کسی قدر اعتماد و ثوق کیا جاتا تھا کہ جاسکتا ہے۔ کہ اصلاح زمین اور زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے مسائل پر زیادہ توجہ مرکب کیا جا رہی ہے۔ لیکن اس امر سے لوگوں کی بیخبری کہ کس چیز کی کاشت منفعیت بخش ہو سکتی ہے۔ ترقی میں سدا رہا ہو رہی ہے جیسا کہ مشرقیہ زمین نے لکھا ہے۔ نظری طور پر تو یہ توقع کرنا چاہئے کہ سالہ کے بڑھ جانے سے اُن مالکان اراضی کے اصلاح و ترقی کی جانب توجہ کرنا آسان ہو جائیگا۔ جن میں کافی ہمت اور حوصلہ موجود ہے لیکن عملی طور پر اس کی شہادت نہیں ملتی۔

چوتھا سوال یہ تھا۔ کہ آیا اضافہ قیمت زمین کا کوئی اثر لگان پر بھی پڑا ہے۔ جہاں بٹانی کے طریقہ سے لگان ادا کی جاتی ہے۔ لگان کے تناسب میں چنداں فرق واقع نہیں ہوا۔ لیکن جن مقامات پر لگان نقد ادا کیا جاتا ہے۔ وہاں اس میں گزشتہ پانچ سال کے اندر نہایت سرعت سے ترقی ہو گئی ہے۔

گورداسپور کے علاقہ میں بارانی زمینوں کا نقد لگان دو روپیہ فی ایکڑ سے آٹھ روپیہ فی ایکڑ ہو گیا ہے۔ لیکن بارانی اور چاہی زمینوں کا لگان آٹھ روپیہ فی ایکڑ سے بڑھ کر سولہ روپیہ فی ایکڑ ہو گیا ہے۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ کے علاقہ میں ایک مربع لگان ۱۹۱۲ء میں ۲۰۰ روپیہ تھا لیکن ۱۹۲۰ء میں ۸۰۰ روپیہ ہو گیا۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ لاہور میں گزشتہ چند سال کے اندر نقد لگان چوگنا پانچ گنا ہو گیا ہے۔ جالندھر میں نقد لگان دس سال کے عرصہ میں گونا گونا ہو گیا ہے۔

نقد لگان میں اس نمایاں اضافہ کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ قیمت پیداوار کا بلا واسطہ اثر پڑا ہے۔

اور کچھ یہ کہ جو مزارعین زیادہ زمین کی کاشت کرتے ہیں۔ اُن میں مہابت کا حریفانہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور لگان بالواسطہ متاثر ہوا ہے۔ جن مہابت پر مزارعین کی قوت ہے۔ وہاں نقد لگان میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس قسم کی بھی کوئی شہادت نہیں مٹی۔ کہ اضافہ قیمت پیداوار سے قطع نظر کر کے محض اضافہ قیمت زمین کے باعث لگان بڑھ گیا ہے۔

یہ امر واضح اور نمایاں نظر آتا ہے کہ لگان میں اُسی سرعت کیساتھ اضافہ ہوا ہے جس سرعت سے زمین کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ دوسری جانب بندوبست کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لگان میں نسبتاً کم اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً امرتسر کے اندر جو تغیرات گذشتہ دو صدیوں کی درمیانی مدت یعنی بیس سال کے عرصے میں رونما ہوئے ہیں۔ اُن کے متعلق ذیل میں اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔

تحصیل	اضافہ قیمت زمین	اضافہ نقد لگان
ترنٹارن	۱۱۴ فی صدی	۶۶ فی صدی
امرتسر	۷۳ فی صدی	۳۹ فی صدی
اجنالہ	۷ فی صدی	۲۵ فی صدی

اس عرصے میں پہلے تو آبادی میں متواتر مہم اضافہ ہوتا رہا پھر لیگ کی وجہ زوال رونما ہوا۔ ۱۸۸۱ء سے ۱۹۰۱ء تک اس میں گیارہ فی صدی اضافہ ہوا۔ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک مزید ۳ فی صدی اضافہ ہوا۔ اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۱ء تک آبادی میں ۱۴ فی صدی کمی واقع ہو گئی۔ رقبہ مزروعہ بھی کسی قدر کم ہو گیا کیونکہ ترنٹارن میں دو فی صدی اور امرتسر میں ایک فی صدی زمین پر کھڑکی تہ جم گئی تھی۔ لاہور کے بندوبست کی رپورٹوں سے حسب ذیل تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔

۱۔ یہ اطلاعات اس تحقیقات سے حاصل نہیں کی گئیں۔ لیکن جن امور کو ہر جگہ کلیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اُن سے بالکل مطابق ہیں +



شخصیل	اضافہ قیمت زمین	اضافہ نقد لگان
لاہور	تقریباً دس گنا ہو گیا۔	۱۳۱ فی صدی
چونیاں	تقریباً گھٹا۔	۵۳ فی صدی
قصور	سیکھنے سے زیادہ	۳۲ فی صدی

گورنمنٹ نے جائیداد کے بندوبست کی رپورٹ پر جو تبصرہ کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ دو بندوبستوں کی درمیانی مدت میں قیمت پیداوار پچاس فی صدی بڑھ گئی۔ اور زمین کی قیمت فروخت میں ۴۰۰ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ اور لگان ۲۰ فی صدی بڑھ گیا۔ تحصیل گوہر انوالہ میں بندوبست کے جو مختلف طبقے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان سے ان تغیرات کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ جو ۱۸۹۲ء سے ۱۹۱۱ء تک رونا ہوئے ہیں۔

حلقہ	قیمت زمین	نقد لگان میں اضافہ	چکوٹہ لگان میں اضافہ
چرکاری	۴۸ روپے ۵۸ پے	چابی زمین میں ۵۳ فی صدی	چابی زمین میں ۳۲ فی صدی
		بارانی زمین میں ۴۷ فی صدی	بارانی زمین میں ۶۶ فی صدی
بنگہ	۱۲ روپے ۲۰ پے	چابی زمین میں ۳۱ فی صدی	چابی زمین میں ۲۲ فی صدی
		بارانی زمین میں ۴۷ فی صدی	بارانی زمین میں ۴۲ فی صدی
بار	۱۱ روپے ۲۸ پے	چابی میں ۶ فی صدی	چابی میں ۰۰ فی صدی
		بارانی میں ۱۷ فی صدی	بارانی میں ۰۰ فی صدی

متذکرہ بالا اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ لگان میں بہت کمی واقع ہوئی ہے گویا زمین پر سربہ لگان والے کو جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں تخفیف ہر گئی ہے۔

اس سلسلہ میں اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے مزید اراضی کی قیمت میں جقدر اضافہ ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں نقد لگان میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمیندار اس امر پر زور دے رہے ہیں۔ کہ لگان بصورت جنس (ٹیلی) کو زیادہ دیا جائے۔ دوسری جانب مزارعین نقد لگان کو ترجیح دینے کے حق میں ہیں۔ لہذا مزارعین کی کمزوری کی وجہ سے

تقد لگان ادا کرنے کا دستور کم ہو رہا ہے۔

پانچواں سوال یہ تھا۔ کہ آیا اضافہ قیمت زمین نے لگان کے سوا اجارہ داری پر دوسری حیثیات سے بھی اثر ڈالا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے اجارہ داری کو ترقی ہوئی ہے۔ ایک کے سوا تمام جوابات اس امر پر متفق ہیں۔ کہ مزاحمت کی تعداد زیادہ ہو رہی ہے۔ سب سے بڑا تغیر یہ ہے۔ کہ گاؤں میں جو لوگ کمین (شاگرد پیشہ) کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب مزارعین کو زمین کی کاشت کر رہے ہیں اس کی وجہ اضافہ قیمت پیداوار ہے جو زراعت کو زیادہ منفعت بخش صنعت بنا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ اراضی کی خرید کے بارہ میں مقابلہ اور مسابقت تک نوبت پہنچی ہے۔ اور اس کی وجہ سے زمیندار مزارعین سے (مزدوری) اور ملازمت کے بارہ میں (زیادہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ لائل پور کی نوآبادی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں کے زمیندار زیادہ منفعت حاصل کرنے کے خیال سے بیخشاہش کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ کہ جو زمین انہوں نے مزارعین کو دے رکھی تھی۔ وہ ان سے لے لیں۔ اور اس میں خود کاشت کرنا شروع کر دیں قیمت زمین کی گرانی کا صرف یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ مزارعین زمیندار نہیں بن سکتے۔ اجارہ دار کی بحث میں یہ معلوم ہو گا۔ کہ زمین کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کے باعث اجارہ داری میں تو اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن قیمت زمین کی گرانی کے سبب اس رجحان کا اس طرح رد عمل نہیں ہونے پاتا۔ کہ مزارعین اراضی خرید لیں (زراعت کی منفعت میں جو عظیم اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے مزارعین زیادہ زمین کی کاشت کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ اور زمیندار لگان پر زمین مینے پر آمادہ ہیں۔

چھٹا سوال یہ تھا۔ کہ کیا اضافہ قیمت زمین سے فصل پر بھی کوئی اثر پڑا ہے۔ اس بارہ میں تمام جوابات متفق ہیں۔ کہ اب منفعت بخش فصل کے انتخاب پر زیادہ توجہ کی جا رہی ہے۔ زراعت کے طریقوں کی اصلاح ہو رہی ہے۔ لیکن اضافہ قیمت زمین سے زیادہ اضافہ قیمت پیداوار اس کا باعث ہو گیا ہے۔ یہ امر واضح و نمایاں نظر آتا ہے۔ کہ قیمت زمین کی وجہ سے اثر نہیں ہوا۔ کہ لوگ فصل کی کاشت کرنے کے بجائے درخت علی الخصوص ثمر دار درخت لگائیں۔ اور ان سے روپیہ حاصل کرنیکی کوشش کریں۔

ساتواں سوال یہ تھا۔ کہ آیا اضافہ قیمت زمین سے ایسی اجناس کی کاشت کی جانب توجہ کم ہو گئی ہے جو مویشی کے چارہ کے کام آتی ہیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ ایسی اجناس کا رقبہ محدود ہو گیا ہے۔ اور صرف اس قدر کاشت

کی جاتی ہے جو مویشی کی ضروریات کیلئے کافی ہو۔ لیکن اس امر کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ کہ چارہ مویشی کیلئے کافی ہو۔ یہ باور کرنے کی کوئی چیز نہیں کہ اضافہ قیمت زمین کی وجہ سے اس کا رقبہ محدود ہو گیا ہے۔

مزارعین زمینداروں کی نسبت چارہ کی کاشت کی جانب زیادہ مائل ہیں۔ علی الخصوص جہاں جہاں بٹائی کے قاعدہ کے مطابق زمیندار چارہ کی فصل میں بہت تھوڑا حصہ لیتے ہیں۔

آٹھواں سوال یہ تھا۔ کہ آیا گزشتہ دس سال کے اندر چند زمین فروخت ہوئی ہے وہ گلوں کے پرانے باشندوں کے ہاتھ بچی گئی ہے یا بیرونی آدمیوں کے ہاتھ۔ زیادہ تعلق تو ایسے واقعات کی ہے جن میں زمین قدیم باشندگان دیہہ کے ہاتھ فروخت کی گئی ہے خاص طور پر چھوٹے چھوٹے قطعہ اراضی کی ہر جگہ یہ کیفیت ہے اگر ایک بڑا قطعہ اراضی قابل فروخت ہو۔ تو باہر کے لوگ بھی خرید لیتے ہیں۔

باقی تین سوال یہ تھے۔

(۱) کیا تم اضافہ قیمت زمین اور اضافہ مصارف پیداوار کا مقابلہ کر سکتے ہو۔

(۲) کیا اضافہ قیمت زمین کا مقابلہ قیمت پیداوار سے کر سکتے ہو۔

(۳) کیا اضافہ قیمت زمین کا مقابلہ دیہاتی مزدوروں کے حق خدمت سے کیا جاسکتا ہے۔

اس تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ اضافہ قیمت اضافہ مصارف زراعت اضافہ قیمت پیداوار اور مزدوروں کے حق خدمت سے زیادہ ہے۔ لیکن جزئیات میں اچھا خاصہ اختلاف ہے حالانکہ زمین قیمت میں کمی ہو گئی ہے۔ بیلوں اور زمینوں اور پھکڑوں کی قیمت گنتی سے بھی زیادہ ہو گئی ہے قیمت پیداوار تقریباً دو گنی ہو گئی۔ اور معاوضہ محنت چھ گنا ہو گیا ہے۔

لہذا یہ میں بیلوں، چرسوں، کھاد، ہل اور پھکڑوں کی قیمت ۲۰ سال کے اندر گنتی ہو گئی ہے قیمت پیداوار دو گنی ہو گئی ہے۔ اور مزدوری چو گنی ہو گئی۔ لیکن قیمت زمین کا اضافہ سب سے زیادہ ہوا ہے یعنی وہ چھ گنی سے آٹھ گنی ہو گئی ہے حصار سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ ان میں بھی اسی قسم کے اضافہ شمار دیئے گئے ہیں۔

گودا سپور سے ایک رپورٹ موصول ہوئی ہے۔ جو نہایت احتیاط سے لکھی گئی ہے۔ اس میں امور مندرجہ بالا سے اتفاق کیا گیا ہے۔ لیکن اضافہ قیمت زمین بہت کم ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عرصہ میں وہاں زمین کی قیمت دو گنی بھی نہیں ہوئی۔

راولپنڈی سے بھی اسی نوع کا ایک جواب موصول ہوا ہے۔ وہاں قیمت زمین دگنی ہو گئی ہے۔  
مصارف زراعت دگنے سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں قیمت پیداوار چو گنی ہو گئی ہے۔ (خاص طور پر آلو کی  
قیمت) اگر تمام رپوٹوں کو بحیثیت مجموعی لیا جائے۔ تو اضافہ کی ترتیب حسب تفصیل ذیل ہوگی۔

- ۱۔ قیمت زمین۔
- ۲۔ معاوضہ محنت۔
- ۳۔ قیمت پیداوار۔
- ۴۔ مصارف زراعت۔

اگر یہ صحیح ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ چھوٹے چھوٹے خود کاشت زمیندار اور مزارعین پہلے سے زیادہ  
آمدنی حاصل کر رہے ہیں۔ اور مزدور کی بھی ایسی کیفیت ہے۔ بڑے بڑے زمیندار جنہوں نے زمین مزارعین کو دے  
رکھی ہے، اور جو لوگ بصورت جنس لیتے ہیں۔ وہ بھی خوشحال ہیں۔ گویا بحیثیت مجموعی معاوضہ محنت اچھوٹے  
مصارف زراعت میں اضافہ کے باوجود زراعت بہ نسبت سابق زیادہ منفعت بخش صنعت ہے۔

لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قیمت زمین کی گرانی اہم ترین چیز نہیں۔ بلکہ وہ چیز جس کا اثر سب سے زیادہ  
ہے یہ ہے۔ کہ اب پیداوار کی قیمت بہت ملتی ہے۔ اس چیز کی وجہ سے زیادہ محنت کا دلولہ پیدا ہو رہا ہے۔ اور  
کسان زراعت میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اضافہ قیمت زمین سے زراعت کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اور دوسری  
جانب حق خدمت اور مصارف زراعت کے اضافہ نے قیمت زمین کو بڑھانے سے نہیں روکا۔ دلولہ آخرالذکر  
نتیجہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے۔ کہ قیمت زمین کی گرانی کو تاہم اندیش زمین لاءل میں یہ خواہش پیدا کر نیک باعث ہوتی ہے  
کہ وہ اپنی اراضی فروخت کریں، دوسری جانب زیادہ محتاط اور دور اندیش لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک  
چھوٹا سا قطعہ زمین فروخت کر کے اراضی کے بڑے حصہ کے مسلح کریں۔ اس صوبہ میں دولوں طرف سحان  
پایا جاتا ہے۔ لیکن ہماری تحقیقات کا مقصد یہ تھا۔ کہ اضافہ قیمت کی وجہ سے اگر طریق زراعت پر کوئی اثر پڑا  
ہے۔ تو اسے معلوم کریں۔

# دسوال باب

دیہاتی ساکھ کا بیجا استعمال اور قانون انتقال ارضی

## ۱) دیہاتی ساکھ کا بیجا استعمال

اگر سالہ ۱۹۱۵ء سے پہلی تین چار صدیوں کی تاریخ پنجاب کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ہمیں بیرونی حملوں اور بغاوتوں اور قحط کے واقعات کا ایک مسلسل پیہم سلسلہ نظر آئے گا۔ کبھی کبھی بیرونی حملہ ایک ایسی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا جسے مستقل حکومت تو نہیں۔ لیکن اس کے لگ بھگ سمجھا جاسکتا ہے کبھی وہ محض غارتگروں کے ایک لشکر کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اُس کی نیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ صدیوں تک ملک عدم استقلال اور برہمی کی حالت میں رہتا تھا۔ بعد اس زمانہ میں اقتصادی ترقی ناممکن ہو جاتی تھی۔ ایسے حالات میں صنعت و فخر کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ سرمایہ کسی ایسی چیز میں نہیں لگایا جاسکتا۔ جو حملہ آور کی حرص کو اپنی جانب متوجہ کرے۔ اور کوئی شخص یہ ظاہر نہیں کرتا تھا۔ کہ وہ کسی قدر منقولہ جائیداد کا بھی مالک ہے۔ بادشاہ کے درباری خواہ اپنی دولت کے کیسے ہی دلفریب مظاہرے کیوں نہ کریں۔ جو ایک سلیج کی توجہ کو اپنی جانب منعطف کر لیں۔ لیکن عوام کی یہ کیفیت تھی۔ کہ وہ جس قدر روپیہ جمع کرتے تھے۔ اُسے خریدیں لگا ہوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ حاکم مطلق العنان اور متلون المزاج ہوا کرتے تھے۔ حکومت کے مقابلے میں عوام کے حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ زمین جس طرح اب لوگوں کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ اُس وقت نہیں سمجھی جاتی تھی

اور تو اور سکھوں کے زمانہ میں بھی حجب کہ ہمارا جہ رنجیت سنگھ نے ایک قسم کا متقل نظم حکومت قائم کیا۔ کارداروں کو یہ اختیار حاصل تھا۔ کہ جو شخص تھوڑی مالگداری ادا کرے۔ اُسے زمین سے پیدخل کر کے اس شخص کو زمین کا قبضہ دیدیں۔ جو زیادہ مالگداری ادا کر سکتا ہو۔ جب کوئی شخص حاکم کے دربار میں قرب حاصل کرتا تھا۔ تو اُس کو زمین عطا کی جاتی تھی۔ لیکن زمین عطا کرتے وقت اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ کہ آیا اس پر کوئی شخص قابض ہے۔ یا نہیں۔ اگر دوسرے لوگ اس زمین کی کاشت کرتے ہوں۔ تو حاکم کے منفعہ نظر کو یہ اختیار حاصل تھا۔ کہ اُن سے لگان لینے پر اکتفا کرے۔ اور انہیں مزارع کی حیثیت سے زمین میں کاشت کرنے دے۔ یا انہیں بے دخل کر کے اُن کی بجائے اپنے آدمی مقرر کر دے۔ اس بحث میں یہ چیز چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ کہ آیا اس وقت حقوق مالکانہ کو جنہیں حکومت کے اختیارات کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا۔ موجود تھے۔ یا نہیں۔ پروفیسر کیلے لکھتا ہے۔ کہ اراضی دراصل اُن لوگوں کی ملکیت ہے۔ جنہوں نے یا جن کے آباد اجداد نے انہیں پاک اور صاف کر کے قابلِ زراعت بنایا۔ لیکن گردشِ تقدیر سے بیرونی حملوں اور ملکی جنگوں کے موقع پر ان مالکوں کو حقوق مالکانہ سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اور اُن کی حیثیت محض مزارع کی رہ جاتی تھی۔ پھر جب حملہ آوروں یا نقل مکان کرنیوالوں کا کوئی سیلاب آتا۔ تو ان فتنہدوں کو بھی اپنے حقوق مالکانہ سے دستبردار ہو جانا پڑتا تھا۔ اور اُن کی حیثیت محض اعلیٰ درجہ کے مزارعین کی رہ جاتی تھی۔ پرانے راجاؤں اور سرداروں کو جو نئے فتنہ کی اطاعت قبول کرتے تھے۔ محض حکمتِ عملی کے خیال سے انہیں زمینوں کا مالک رہنے دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ اس شرط پر کہ ان کے مزارعین پر جو محصول لگایا جائیگا۔ وہ اُسے جمع کر کے سرکاری خزانہ میں داخل کر دیں گے۔ اور ایک حصہ خود رکھ لیں گے۔ جن زمینداروں کو محصول فراہم کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ یا جو سرکاری ملازمین فراہمی حاصل کے کام پر مامور ہوتے تھے۔

وہ اکثر اُس تمام زمین کو جس کی مالگذاری وہ فراہم کرتے تھے۔ اپنی پرائیویٹ جائیداد بنا لیتے تھے۔ سرکش قبائل کے سردار اس شورش اور فساد کے زمانہ سے فائدہ اٹھا کر خود زمین کے مالک بن جاتے تھے۔

اس نتیجہ اور اسی قسم کے دوسرے نتائج سے جن پر دوسرے اہل قلم پہنچے ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں کسی کو کوئی ایسا حق حاصل نہیں تھا۔ جس میں کوئی دھڑا شخص بین میکہ نہ نکال سکے۔ اور یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی (خاص علاقوں سے قطع نظر کر کے) زمین پر ساکھ کی بنیاد استوار نہیں کی جاسکتی۔ اس قسم کی مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ کہ زمین کی ملکیت کوئی قابل فخر چیز نہیں۔ بلکہ وبال جان بھی جاتی تھی۔ مالگذاری اس قدر طلب کی جاتی تھی۔ کہ کسان کھیتوں کو چھوڑ کر صوبہ کے دوسرے حصوں میں چلے جاتے تھے۔ وہ دوکانداروں یا دوسرے سرمایہ داروں کے پاس زمین فروخت نہیں کرتے تھے بلکہ ایسے یونہی چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے۔ جو لوگ مالگذاری ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کسی قیمتی اور قابل انتقال جنس کا مالک نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن کا خیال تھا۔ کہ انہیں اس شرط پر زمین کی کاشت کافی طور حاصل ہے۔ کہ وہ حکومت کا مطالبہ پورا کرتے ہیں۔

مغرب کی جانب سے پنجاب پر جو پے در پے حملے ہوئے۔ اُن سے پہلے اُس سرزمین کے حالات کچھ ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ صدیوں تک پنجاب کی اراضی کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ کہ اس کی وجہ سے ساکھ قائم ہو سکے۔

اس سرزمین کی یہی غیر مستقل حالت و ملت جمع کرنے کی راہ میں مانع ثابت ہوئی۔ کیونکہ کفایت شعار بننے اور روپیہ پس انداز کرنے کے لئے امن و امان اور حفاظت جان و مال کی ضرورت ہے۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ جس لطف و مسرت کے حصول کی خاطر وہ اپنی خواہشوں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اُن کا حصول غیر یقینی ہے۔ تو خواہشوں کی قربانی

۱۵۔ انڈین اکٹاکس "ٹیسٹ" ۱۹۵۶ء۔ اس سے توصات ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں زمین پر مالکان حقوق کا دعوے اُٹا دینا شوری نہیں۔ بلکہ خطرناک تھا۔ اور زمین حکومت کے سوا کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی تھی

اور ایشار کے جذبہ کو عمومیت اور ہر لغزیزی چال نہیں ہو سکتی۔ ہر زمانہ میں یہی کیفیت رہی ہے۔ کہ اگر زراعت ترقی نہ کرے۔ تو سرمایہ جمع کرنے کی کوئی اُمید نہیں ہو سکتی۔ اتنا چھل زائد تو ہوتا ہی نہیں تھا۔ جس سے کچھ نہیں انداز کیا جاسکے اور اگر قرض مل بھی سکے۔ تو اُس کے ادا کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔

اس طرح گویا اگلے زمانہ کے سود خواروں کے پاس اول تو سرمایہ ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر اُن کے پاس روپیہ ہوتا۔ تو وہ کسی کو کچھ روپیہ بطور قرض دے بھی دیتے۔ جب بھی اُسے چھل کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ آج زمینداروں کی جو ساکھ ہے۔ اُس کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت بھی لین دین ہوا کرتا تھا۔ ساکھ کا وجود بھی تھا سود بھی لیا جاتا تھا۔ کیونکہ ان چیزوں کے متعلق ہندوؤں کے دھرم شاستریں جو قوانین موجود ہیں۔ اُن سے یہ باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ لیکن آج قرض جس قدر سہل الحصول ہے۔ اُس وقت نہیں تھا۔ اُس زمانہ میں لوگ زیادہ قرض نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ

(ا) اتنا روپیہ جمع نہیں تھا۔ کہ اُسے قرض کے طور پر دیا جاسکے۔

(ب) اتنا حاصل زائد نہیں تھا۔ جس سے قرض ادا کیا جاسکے۔

(ج) عملی طور پر قرض کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(د) ناوہند مقروض سے روپیہ وصول کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

انگریزوں کی آمد کے ساتھ قانون کا لفاظی ہوا ضبط و نظم قائم کیا گیا۔ محاصل کا ایک منصفانہ نظام کیا گیا۔ جو سہل اور عام فہم اصولوں پر مبنی تھا۔ جائیداد کے متعلق لوگوں کے پرائیویٹ حقوق تسلیم کر لئے گئے۔ اور وہ حقوق ایسے تھے۔ جنہیں حکومت نے بھی تسلیم

۱۔ انگریزوں کی عملداری سے پہلے پنجاب صرف چند لاکھ روپیہ کی اشیاء برآمد ہوتی تھی۔ مثلاً ۱۰۰۰۰۰ میں برآمد شدہ اشیاء کی قیمت ۲ لاکھ ڈالر تھی۔ یہ ایک ایسی رقم ہے جو دیہات کے مجموعی قرض سے کم نہیں رہتا۔ یہ پہلے یہ صوبہ انہی ضروریات سے زیادہ اجناس پیدا ہی نہیں کرتا تھا۔ اور کرتا بھی تھا۔ تو بہت کم۔ لیکن اب اس کی زائد افراتے پیداوار بہت بڑھ گئی۔



کر لیا۔ یہ حقوق باقاعدہ ضبط و تحریک میں لائے گئے۔ مزید برآں مقامی اور نسلی دستور کے مطابق حقوق کے انتقال کی آسانیاں ہم پہنچائی گئیں۔ اور سب سے زیادہ اہم یہ چیز تھی کہ اس امر کی متوازن کوشش کی جاتی رہی کہ لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر کرنے کے لئے جس قدر مساعی کی جاتی ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس طرح گویا ساکھ کے تمام لوازم جو ایک حکومت ہدیا کر سکتی ہے۔ ہنسیا کر بیٹھے گئے۔ لیکن بدبختی سے حکومت کے نظم و نسق میں تو تبدیلیاں ہو گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ عوام میں اقتصادی احساس بیدار نہیں ہوا۔ جلد مٹ جانے والی سلطنتوں اور ریاستوں کے قیام کی وجہ سے ایسے عادات و فضائل اور رسموں نے جڑ پکڑ لی تھی۔ جو مادی ترقی کے بالکل برعکس تھیں۔ چنانچہ گزشتہ ستر سال کا تجربہ بھی کلی تغیر پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوا۔ ہمارا رجحیت سنگھ کی سرکردگی میں سکھوں کی حکومت کی ترقی ایک فوجی واقعہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ اقتصادی حالات سدھرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس عہد کے ملکی نظم و نسق کا ذکر سر لیبیل گرن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ بیچارے کسان سے جس قدر روپیہ وصول کیا جاسکتا تھا۔ وصول کر لیا جاتا تھا۔ اس پر تشدد کرتے وقت صرف اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ کہ اقتدار تشدد نہ کیا جائے۔ کہ وہ سرکشی پر آمادہ ہو جائے۔ یا مایوس اور بدل شکستہ ہو کر اراضی کو چھوڑ کر چلا جائے۔ سکھ محصل جو مالگنداری وصول کیا کرتے تھے۔ جو سولے کے انٹے دینے والی مرغی کو ہلاک تو نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اس کے پر اکھیر بیٹے تھے۔ حکومت بہت سی مالگنداری کے علاوہ خام پیداوار کا نصف بھی وصول کر لیا کرتی تھی۔ اور اگر بیچارے کسان کے ذمہ کچھ روپیہ رہ جاتا تھا۔ تو اسے وصول کرنے کے لئے فوج کی ایک رجمنٹ بھیج دی جاتی تھی۔ زمین تو بہت سی بڑی تھی۔ لیکن اتنے کاشتکار نہیں ملتے تھے۔ جو یہ بوجھ اٹھانے میں شریک ہو جائیں۔ حکومت یا شاہی محصلین جس قدر لے سکتے تھے۔ لے لیتے تھے۔ اور بیچارے کسان کے پاس کچھ باقی نہ بچتا تھا۔ اس طرح ریاست اور کاشتکار کا معاملہ براہ راست تھا۔ یہ نہیں تھا۔ کہ ان میں ایک شست اور کابل الوجود زمیندار واسطہ کا کام دے۔ اگر ایسا کوئی زمیندار حاصل بھی۔ تو حکومت کاشتکار سے جس قدر وصول

کر لیتی تھی۔ اُس کے بعد وہ اُس سے کچھ نہیں لے سکتا تھا۔ ان حالات و سبب کے ماتحت زمین کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ انتقال اراضی سے عملی طور پر وہ بے خبر تھے۔ اگر کوئی شخص زمین کے عوض زمین زمین بھی رکھ لیتا۔ تو اُس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ زمین کی فوری اُس کی منفعتوں سے زیادہ تھیں۔ اور پھر اس امر کا یقین نہیں تھا۔ کہ زمین کی وجہ سے سیکھ محفوظ رہے گی۔

۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی موت واقع ہوئی۔ اور اس سے دس سال کے بعد پنجاب کا الحاق برٹش انڈیا سے ہو گا۔ اس دس سالوں کے اندر و فی منافشات کی وجہ سے ملکی نظم و نسق برباد ہو گیا۔ اور بغاوت برپا ہوئی۔ جو سکھوں کی دوسری جنگ پر ختم ہوئی۔ اسلئے پھر جو دور آیا۔ وہ قحطی سرگرمیوں کا زمانہ تھا۔ لیکن اس ترقی میں غدر و فساد و شورش سے روڑا اٹکایا۔ اور آئینہ دس سال کے عرصہ میں صوبہ کو خراب موسم کے ایک دور میں سے گذرنا پڑا۔ جس کا آغاز ۱۸۶۹ء کے قحط سے ہوا تھا۔ اس صوبہ کے افسر زیادہ تر آگرہ اور اودھ سے لائے جاتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ مطالبہ مالگذاری کے متعلق جو خیالات لاتے تھے۔ وہ ایک ایسے علاقہ کے لئے جہاں بارش کی حالت اُن کے وطن مالوف کی نسبت بہت غراب تھی۔ کس طرح موزوں نہیں ہو سکتے تھے۔ ابتدا میں جو بند و بست مختصر سہویمینہ پر کیا گیا۔ اس کی رو سے سکھوں کے زمانہ کے مطالبہ مالگذاری میں تخفیف کر دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس امر نے کہ مالگذاری کی وصولی میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور پھر مالگذاری لفٹا دا کی جاتی ہے۔ کسان کو بہت فائدہ پہنچا۔ پہلے تو زمیندار مالگذاری کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اگر وہ دوسروں کو اپنی ذمہ داری میں شریک ہونے پر آمادہ کر لیتے تھے۔ تو بوجھ بٹ جاتا تھا۔ مزارعین مالگذاری کی ادائیگی میں اُن کی اعانت کرتے تھے۔ اور اس کے سوائے کوئی مزید محصول زمیندار کو آواٹے نہیں کرتے تھے۔ الحاق کے فوری خارج یہ ہوئے۔ کہ امن و سکون قانون ہو گیا۔ مزارع کے حقوق محفوظ ہو گئے۔ ایک معتدل رقم بطور مالگذاری طلب کی گئی۔ تجارت کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ صوبہ نہایت تیزی سے خوشحالی اور آسودگی حاصل کرتا چلا گیا۔ اور زراعت پیشہ طبقہ نے اپنے آپ کو ایک ایسی قیمتی جائیداد کا مالک پایا۔ جس سے وہ اس سے پیشتر بے خبر تھا۔



کرنا چاہتے تھے۔ حکم دیا گیا۔ کہ یا تو وہ اپنا حصہ ساری زراعت پیشہ جماعت کے پاس بیچیں یا کسی ایسے فرد کے پاس فروخت کریں۔ جو اُن کا سا بھی ہو۔ اور باہمی رضامندی سے معقول قیمت مقرر کریں۔ اگر وہ مقرر نہ کر سکیں۔ تو ایک نسر مالک زاری اور تین اسپیسر ملکر قیمت زمین کی تعیین کریں گے۔ اس کے بعد یعنی ۱۸۵۸ء میں ڈگری کے سلسلہ میں زرعی زمین کی فروخت کے لئے کمشنر سے اجازت کرنی پڑتی تھی۔ ۱۸۵۹ء میں آبائی جائیداد کے سلسلہ میں یہ ضروری قرار دیا گیا۔ کہ جو ڈیشل کمشنر سے اجازت حاصل کی جائے۔ بعد میں فروخت اراضی کی درخواستیں فنانشل کمشنر کے پاس پیش ہونے لگیں۔ ۱۸۵۸ء کے بعد یہ تدارک پایا۔ کہ کوئی شخص منظوری حاصل کئے بغیر اپنا کوئی حق جو اسے زمین پر حاصل ہے۔ قرض کے بغیر نہیں دے سکتا۔ ۱۸۵۹ء میں پہلی دفعہ جو ضابطہ دیوانی مرتب کیا گیا تھا۔ اس کی رو سے دیوانی عدالتوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا۔ کہ وہ ڈگری کے اجراء کے سلسلہ میں زرعی جائیداد قرق کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ ضابطہ ۱۸۵۶ء سے پہلے پنجاب میں نافذ نہیں ہوا۔ مزید برآں تدریجی اور زرعی جائیداد کی فروخت کے متعلق جو دفعات تھیں۔ اُن میں بعض صوبوں میں ترمیم بھی کی جاسکتی تھی۔ اور ان صوبوں میں پنجاب بھی شامل تھا۔

احاق پنجاب سے پیشتر مشترکہ ملکیت زمین کا طریقہ ایک قوی عامل تھا۔ جس کی وجہ سے باہر کے لوگ زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور آبائی جائیداد کا انتقال لوگوں کے جذبات کے اس قدر مخالف واقع ہوا تھا۔ کہ آسانی سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ اگرچہ اس نوع کے انتقال اراضی کے واقعات شاذ و نادر ہوتے رہے لیکن یہ عوام زندگی کے دائرہ سے باہر بھی جاتی تھی۔ چنانچہ اس قسم کے انتقال کی مثالیں دنیا میں بہت مشکل ہوتی ہیں۔ جب سر ایڈورڈ مینکلن ملتان کے ہتھم بندوبست تھے۔ تو انہوں نے اس قسم کی مثالیں جمع کی تھیں۔ لیکن اُن سے یہ واضح طور پر معلوم نہیں ہوا۔ کہ کس چیز کا انتقال عمل میں لایا گیا۔ کیونکہ اس امر سے سب باخبر ہیں۔ کہ سکھ کارداروں کو اس امر میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔ کہ اگر کوئی کاشتکار زیادہ لگان ادا کرنے پر آمادہ

ہو جائے۔ تو کسی کاشتکار کو بیدخل کر کے اُس کی بجائے اُسے مزدور بنا دیا جائیگا۔ پس  
سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ حکومت وقت کے مقابلہ میں بھی حقوق انتقال حاصل تھے۔

ہندوستانی فرمانرواؤں کے عہد حکومت میں مودوثی اراستی کو ادا کئے قرض کیلئے جبراً  
فروخت کر نیکارواج نہیں تھا۔ ہندوؤں کے دھرم مناسٹر کی حقیقی اسپرٹ اس امر کے بالکل  
مخالفت ہے کہ ایک فرد واحد آبائی جائیداد کا مالک قرار پائے۔ اور پنجاب کے مسلمان بھی پہلے  
بارہ میں رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ جو درحقیقت انہوں نے اپنے ہندو آباؤ اجداد سے  
لیا ہے۔ ڈگری کی ادائیگی کیلئے زمین کے فروخت کی نام سے ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء تک  
لوگ بخیر تھے۔ اور پھر اس پر قانون اور رواج کی وجہ سے بہت سی پابندیاں عائد ہیں۔  
اسلئے اس کے تناسب میں اضافہ نہیں ہوا۔

پنجاب میں انگریزوں کی عملداری ہوئی۔ تو کئی نئی باتیں معرض وجود میں آئیں۔ پہلے زمین  
کو ایک وجہ سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ مقصد حکومت کے تباہ کن مطالبہ انگذاری کو پورا کرتا تھا۔ لیکن  
اب زمین ایک قیمتی جائیداد بن گئی۔ ذرائع رسل و رسائل میں اصلاح دہشتی ہوئی تو زائد پیداوار  
کی فروخت کیلئے منڈیاں فراہم ہو گئیں۔ فصل کی کثرت اور فراوانی کو تقریباً ایک مصیبت سمجھا جاتا  
تھا۔ کیونکہ زائد پیداوار فروخت نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اب یہی چیز اضافہ دولت کا ذریعہ  
بن گئی۔ قوانین کے نفاذ اور امن و امان قائم ہونے کیلئے تمام حفاظت جان و مال کے متعلق اطمینان  
حاصل ہونے کی وجہ سے زمین حصول قرض کی ضمانت بن گئی۔ ساتھ ساتھ ہی جوں جوں تجارت بڑھتی  
تھی۔ روپیہ پس انداز کیا جانے لگا۔ اور دولت میں بھی اضافہ ہونا گیا۔ اگلے زمانہ میں ساموکار کئی  
دُجہ کے باعث بڑی بڑی زمینیں قرض نہیں دیا کرتے تھے۔ اول تو ان کے پاس قرض دینے کے  
لئے روپیہ نہیں ہوتا تھا۔ پھر وہ اُسے جبراً وصول نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے۔ کہ کسان  
کے پاس آنا حاصل زائد نہیں۔ جس سے وہ روپیہ ادا کر کے غلہ اسوقت کسی کام کا نہ تھا جب  
تک اُسکی فروخت کے متعلق پورا یقین نہ ہو جاوے۔ اور جب تک ہمیشہ سڑکوں اور پھر ریلوے  
کی وجہ سے دودھلاز کی منڈیوں کیساتھ تعلق قائم نہیں ہوا۔ کبھی کسی کو غلہ کی فروخت کا یقین نہیں  
ہوتا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں امرتسر کے سوداگران غلہ تقریباً تباہ ہو گئے چونکہ ملک میں عام شورش برپا تھی



دن کی رعیت کمیشن کی رپورٹ میں یہ الزام تو بالکل غیر اہم قرار پایا گیا ہے کہ کسان شاہی بیاہ پر بہت روپیہ صرف کر دیتے ہیں۔ مسٹر کیٹنگز۔ مسٹر مختار برن اور مشرودت نے اس کمیشن کے بیانات کی تصدیق کی ہے۔ پچھلے زمانہ میں زمینداروں کو صرف اس لئے بہت کم قرض نہیں ملا کرتا تھا۔ کہ وہ جو ضمانت پیش کر سکتا تھا۔ وہ چنداں قابل قدر نہیں تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ حکمران کی مرضی کے سوا کوئی قانون نہیں تھا۔ جس کی مدد سے روپیہ وصول کیا جاسکے۔ الحاق پنجاب سے پیشتر یہ ناممکن تھا۔ کہ کوئی زمیندار جساروپیہ چاہے قرض لے سکے۔ الحاق کے بعد بھی یہ ساہوکار پر اس طریق پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب کوئی ساہوکار زرعی ہائداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تو لوگوں کا ایک جھوم جمع ہو کر اظہار ناراضی کے ایسے وسائل اختیار کرتا تھا۔ جن کا مطلب سمجھنے میں غلطی نہیں ہو سکتی

سالہا سال کے بعد بخیری اقرار نامہ یا ڈگری کی وجہ سے کہیں یہ اطمینان ہوا۔ کہ حق منتقلہ کا احترام ملحوظ رکھا جائیگا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ساہوکار کو زمین کی نہیں۔ بلکہ فصل کی ضرورت تھی۔ اس کے نزدیک کاشتکار کے بغیر زمین کسی کام کی نہیں تھی۔ اور جب تک زمین عام تھی۔ اور مزارعین کی قلت ہوا کرتی ہے۔ زمین کے حقوق ملکیت کوئی قدر قیمت نہیں رکھتے تھے۔ اس کی توضیح دو امور سے ہوتی ہے۔ ابتدائی سالوں میں جس قدر زمین فروخت کی گئی۔ وہ تمام فروغ زمین تھی۔ یہ کوشش نہیں کی گئی۔ کہ ویران زمین کو خرید کر آئندہ اس کی اصلاح و ترقی کی جانب توجہ کی جائے۔ مزید برآں ساہوکاروں نے کبھی اس امر پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ کہ وہ مالکان لڑھکی بن جائیں۔ یا موروثی اراضی کو خریدیں۔ کیونکہ مالکانہ حقوق سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دیہاتی ساکھ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے آخر الذکر امر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ موروثی کاشتکار اپنے حقوق منتقل نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے باوجود صرف اسکی ساکھ ہی قائم نہیں۔ بلکہ عام مشاہدے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ چھوٹے چھوٹے زمینداروں سے جکے درمیان وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ اور جنکے حق اشتغال ارضی پر استعد پابندیاں عائد نہیں۔ اکثر زیادہ آسودہ حال ہوتا ہے۔ احساس قدر بندوں میں بھی مبتلا نہیں ہوتا۔

ہر ایک قانون اشتغال اراضی کو ایک خاص طبقہ کے حقوق کا محافظ سمجھ کر اس اظہار ناراضی کرتے ہیں۔ جیسا کہ آئینہ پرکھی



اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کسان کے مقروض ہونے کا سبب بڑا سبب یہ ہے۔  
 کہ گاؤں کے سود خوار پیداوار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۸۴۸ء سے پہلے اتنی زائد پیداوار نہیں ہوتی  
 تھی۔ کہ وہ اس پر قبضہ کر سکیں۔ لیکن برطانی حکام نے مالگڈاری کو جو پوری پیداوار زائد پر مشتمل  
 ہوتی تھی۔ نظری طور پر نصف اور عملی حیثیت سے چوتھا ہی کر دیا۔ اس طرح کسان کے پاس کچھ حاصل  
 زائد باقی بچ گیا۔ جسے وہ فروخت کر سکتا تھا۔ اسی حاصل زائد کی وجہ سے زمین قابل فروخت ہو گئی۔  
 بہت سی دیسی ریاستوں میں مالگڈاری پیداوار زائد کا بیشتر حصہ ہوتی ہے۔ اور اکثر حالات میں  
 تو انتہا اراضی بھی مفقود ہے۔ وہاں زمیندار کا حق فروخت اراضی کوئی معنی نہیں رکھتا  
 ۱۸۴۹ء سے پہلے رہن زمین کی کوئی قدر قیمت نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے لئے حقوق کی تسہیل  
 ضروری ہے۔ برطانی عملداری کے قائم ہونے ہی بنگال کے طریقہ پر زمین رہن کی جاتی تھی۔ ۱۸۵۸ء  
 تک ۱۴ لاکھ ایکڑ زمین قرض کے بوجہ تلے دی تھی جس میں دس لاکھ ایکڑ نوچھ سال کے اندر رہن  
 ہوئی تھی۔ اس طرح گویا الحاق کے بعد جس قدر جائیداد پر قرض لیا گیا۔ وہ بہت تھوڑی تھی (یہ یاد  
 رکھنا چاہئے۔ کہ علاقہ ماورائے ستلج کے الحاق سے پہلے وہ علاقہ جو ستلج سے مغرب کی سمت واقع  
 تھا۔ برطانی عملداری میں آچکا تھا۔ پارکا علاقہ ستلج ۱۸۵۹ء میں انگریزی عملداری میں آیا۔  
 اور غدر کے بعد دہلی کے علاقہ کو صوبجات متحدہ سے الگ کر کے پنجاب میں شامل کر دیا گیا)  
 ۱۸۵۸ء میں جو تحقیقات کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورداسپور ۵۶۵۰ اراضی ساہوکاروں

(بقایا صفحہ گذشتہ) وہ اس ستر تحقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں ساہوکار کسان کی زمین پر قبضہ نہیں کیا کرتے تھے  
 بلکہ اس کے برعکس کو دائرہ تعریف میں لے آیا کرتے تھے۔

۱۷ اگرچہ اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ انگریزوں کی عملداری سے پہلے بھی زمین کے حقوق مالکانہ بوجہ تلے  
 دیے رہتے تھے۔ تاہم یہ امر پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اس زمانہ میں رہن کے واقعات شاذ و نادر ہی  
 ہوتے تھے۔

۱۸ اس کے متعلق زمانہ ماقبل کی شہادتیں فراہم کرنا آسان نہیں۔ جب تک کوئی عجیب صورت حال تو بہر معاف  
 نہ تھی۔ اس پر تبصرہ و تنقید نہیں کی جائے گی۔ لیکن ۱۸۵۸ء تک کسان کی زندگی کے تغیرات میں ساہوکار بھی حصہ  
 لیتا تھا۔ اور ان سے محض جلب منفعت ہی نہیں کرتا تھا۔



کے پاس رہن کی گئی۔ لیکن جو اراضی ان کے ہاتھ فروخت کی گئی۔ اس کا تناسب، ۳ فیصدی تھا۔ چونکہ جس قدر قبضہ فروخت کیا جاتا تھا۔ وہ رہن شدہ رقبہ سے نصف ہوتا تھا۔ اس لئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساہوکار ملکیت کی ذمہ داریاں اٹھائے بغیر محض زمین کی پیداوار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ ۸۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ زمین کو خریدنے سے ساہوکار کو صرف یہ فائدہ ہوتا تھا۔ کہ وہ زمیندار پر قبضہ کر لیتا تھا۔ لیکن زمین کو بطور رہن لیکر وہ زمین کے ساتھ تختی اور فرماں پذیر مالک زمین پر بھی قبضہ کر لیتا تھا۔ جو مزارع کی حیثیت سے اُس کے لئے کام کرتا تھا۔ مزید براں اس پر بار بار اظہار رائے کیا گیا۔ کہ جن علاقوں میں زمین کی رہن کے واقعات ہوتے تھے۔ وہ نہایت آسودہ حال اور دولت مند اضلاع دے۔ اور رہن شدہ جائداد بہت زرخیز ہوتی تھی۔ دوسری جانب وہ زمینیں جو فروخت کی جاتی تھیں وہ ایسے اضلاع میں ہوتی تھیں جن کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اور ان زمینوں کو اکثر اوقات کسان ہی خرید کرتے تھے۔ جن لوگوں نے ابتدا میں بندوبست کی رپورٹیں مرتب کیں۔ وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے ہیں کہ کسان وہی اراضی فروخت کرتے ہیں۔ جو نسبتاً کم قیمت ہیں۔ اور اچھی زمینوں پر انہیں حق دعویٰ ہے۔ لیکن سرکاری طور پر یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے۔ کہ جب زمین پر مرتہن کا ایک مرتبہ قبضہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ اُس پر قرض اور سود کا برابر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ نا آئندہ راہن یا اس کا جانشین قرض کے بوجھ تلے اس طرح دب جاتا ہے۔ کہ اُس سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اور ساہوکار اگر رسمی طور پر نہ سہی تو حقیقت زمین کا مالک بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ پنجاب کا کسان ایک نئی قسم کے قرض سے دوچار ہو رہا ہے۔ اور دوسرے ملکوں کے کسانوں کی طرح وہ بھی تباہی کے خطرہ میں مبتلا ہے۔ سرکاری تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جو روپیہ قرض لیا جاتا ہے۔ اُس میں سے ۹۴ فیصدی ایسا ہوتا ہے۔ جس کے قرض لینے سے پیداوار کو ترقی دینا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کی رپورٹ میں لکھا ہے۔ کہ لوگ ابھی تک قرض پر لئے ہوئے روپیہ سے پیداوار بڑھا۔ نہ کام لینا نہیں جانتے۔ وہ اکثر محض فردی ضروریات پورا کرنے یا ہنگامی مطالبات کی ادائیگی کے لئے روپیہ قرض لیتے ہیں۔ اور سٹاک کی رپورٹ میں مذکور ہے۔ کہ اب زمین کو رہن کر کے روپیہ قرض لینے میں زیادہ آسانیاں ہو رہی ہیں

اُس وقت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انتقال اراضی کو روکنے کے لئے قانون وضع کرنا اقتصادی اصولوں کے خلاف ہوگا۔ لیکن اس دعوے کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔ لیکن ماہرین اقتصادیات خود کاشت زمینداروں کی بے دخلی اور ایسے سرمایہ داروں کے قبضہ کو جو مزارعین سے زمین کی کاشت کراتے ہیں۔ چنداں اہم چیز نہیں سمجھتے۔ فرض دو دھاری تلوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پروفیسر جارج کا یہ قول پنجاب کے حالات پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے۔ یہ اکثر کہا گیا ہے کہ قرض زمیندار کو اسی طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جس طرح اُس شخص کو جسے پچاسی دی گئی ہو۔ رسی کا پھندا اپنے قابو میں رکھتا ہے مقررہ یارہن صرف سود خواروں کے لئے منفعت بخش چیز ہے۔ دیئے ڈینیوب کے ممالک اور الجیریا اور روس میں جہاں جاہل اور کوتاہ اندیش کو اسکا شکایتایا جاتا ہے۔ اس سے جس قدر نقصان ہوتا ہے۔ اُس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور ہم اس امر میں پروفیسر جارج سے متفق ہیں کہ اس چیز سے جس قدر زمینداروں کو نقصان ہوا ہے۔ اُس کا مقابلہ ان زمینداروں سے کیا جائے جو اس کی بدولت دولت مند ہو گئے ہیں۔ تو اس کی تیسخ ضروری ہوگی۔ آگے چل کر پروفیسر مذکور لکھتا ہے۔ جتنی آسانی سے رہن کی بدولت قرض حاصل کیا جائے۔ اتنا ہی خطرناک ثابت ہوگی۔ اور چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی سود خواروں کے پنجے میں زیادہ گرفتار ہو جائیں گے۔ بدقسمتی سے اس وقت پنجاب کے کسانوں کو شکرے ڈربوش کے اس ابتلاہ کا پورا احساس نہیں ہوا تھا کہ ایسے شخص سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے جو با آسانی تمام قرض فراہم کرنے پر آمادہ ہو جائے مشر کیننگز نے بھی دکن کے کساد کے متعلق ایسی قسم کی داستان سنائی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ لوکان کو اپنی زمین کی ضمانت پر روپیہ قرض لیتے ہیں۔ ظاہر جس قدر آسانی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اُسے ہتھکڑے فریب کر دیتی ہے۔ اور وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ آخر ایک دن اُسے حساب چکانا بھی پڑیگا۔ مشروت نے اصناف قیمت کے متعلق جو رپورٹ لکھی ہے۔ اس میں بھی لکھتا ہے کہ ملک میں دولت

۱۔ پولیٹیکل اکاؤنسی۔ ص ۳۹۴

۲۔ ص ۳۹۴

۳۔ رول اکاؤنسی میں وی بی وکس ص ۳۹۴

کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے آج ایسے لوگ بہ نسبت سابق زیادہ ہیں۔ جو دہریہ قرض دے سکتے ہیں۔ ان میں کسان کم سے کم شرح سود پر قرض دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ زمین کی قیمت میں معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اور وہ اب اسکی ضمانت پر نسبتاً زیادہ قرض حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن کسان اپنی بڑھی ہوئی ساکھ سے کوئی فائدہ اٹھانے کی بجائے قرض لیتا ہے اور اسے احمقانہ اور عاقبت نااندیشانہ مقاصد پر مرن کر دیتا ہے۔ قرض میں اس قدر جنب کشش ہے۔ کہ وہ ادھار لے سہیں نہیں دے سکتا۔ اور نہ اسے اس چیز کے خطرات کا احساس ہے۔ علی الخصوص وہ کسان اس بارہ میں خاص طور پر پریش نظر آتے ہیں۔ جھکے قبضے میں چھوٹے چھوٹے قطعات راضی ہیں۔ ”وکن کی رعیت کی سی نہ شش ماہ میں جو رپوٹ لکھی جاتی تھی اس میں کسان کی کوتاہ اندیشی کے متعلق جب کما اس قدر چرچا ہے۔ یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ کہ کسان اپنی جہالت کے باعث کوتاہ بین اور غیر محتاط ہوتے ہیں۔ کہ موجودہ ضروریات پوری کر سکیں گے۔ آئندہ مدنی کو کم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اپنی حماقت سے وہ قرض لے لیتے ہیں۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانے۔ بلکہ اسے بیجا طریق پر صرف کر دیتے ہیں۔ ہماری عدالتوں کی دہرائی کی وجہ سے قرض معمول کرنے میں جو سہولتیں ہو گئی ہیں۔ انکی وجہ سے ادنیٰ درجہ کے ساہوکاروں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو ادنیٰ درجہ کے مفلس زراعت پیشہ لوگوں سے بہت سا سود وصول کرتا ہے۔ قرض کے اضافہ کا ایک باعث یہ بھی ہے۔ کہ ساہوکار قانون کی اعانت و حماقت کے طفیل باسانی قرض وصول کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کسانوں کی ساکھ زیادہ ہو گئی ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار انہیں قرض دینے کے بارہ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ مسئلہ میں قحط کے اسباب کی تحقیقات کے متعلق جکمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ جو طبقے قرض کی بہترین ضمانت دے سکتے ہیں۔ وہی ساہوکاروں کے پھندے میں باسانی پھنستے ہیں۔ اس رپوٹ میں آگے چلکر یہ الفاظ آتے ہیں۔ ”قانون کا سخت اور مکمل نظام بھی مفلسی اور کسانوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہے۔“ ۱۹۰۱ء میں قحط کے متعلق جو رپوٹ شائع ہوئی تھی اس میں ممبئی کے متعلق لکھا۔ ”کہ کسان کو چونکہ اپنی اراضی کے انتقال کا حق حاصل ہے۔ اس لئے یہ چیز اس کے مقروض ہونیکا بہت بڑا سبب ثابت ہوئی ہے۔ ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جب کوتاہ اندیش کسانوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ غیر مشروط طریق پر ان تمام قیمتی حقوق کو جو اسے زمین پر ہیں۔ فروخت کر سکیں۔ تو وہ قرض میں بہت زیادہ مبتلا ہو جاتے ہیں۔“

اور ان کی جائیدادوں کے قبضہ سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح گویا کسانوں کے بتلائے قرض ہونیکا  
اصلی سبب یہ تھا۔ کہ پنجاب کے الحاق کے بعد انگریزی حکومت نے کسانوں کو حقوق عطا کئے۔ مالگداری میں  
استعداد تخفیف کر دی۔ کہ انہیں اچھا خاصا منافع پہنچے لگا۔ اور جیسا کہ مٹسٹر مٹن نے لکھا ہے کہ کسانوں  
نے اپنی روز افزوں بساکہ سے قدر تا قدر اٹھانا پنا یا۔ جس زمین میں زرعی پیداوار ہو سکتی تھی۔ اسکی قیمت  
میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس چیز نے تمام ساہوکاروں کو اپنی جانب منحطف کر لیا۔ انہیں اس بار بار میں  
جس قدر منافع ہوا۔ اس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے دوکانداروں میں بھی شوق پیدا ہوا۔ اور انہوں نے  
بڑے بڑے ساہوکاروں سے واپس قرض لیکر کسانوں کو قرضہ دینا شروع کیا۔ اس طرح لوگوں کی ضروریات خواہ کچھ  
بھی ہوں۔ ایسے قرض دینے والے موجود تھے۔ جو انہیں ذرا پورا کرتے تھے۔ صوبہ کی بڑھتی ہوئی دولت نے  
سرمایہ میں اضافہ پیدا کر دیا۔ اور چونکہ صنعت و حرفت کا کوئی کام ایسا نہیں تھا جس پر واپس لگایا جاسکے اسلئے  
زمین کو سرمایہ لگانے کا واحد محفوظ ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ ہم نے سرمایہ لگانے کا لفظ عمدہ استعمال کیا ہے۔  
یہ اچھی طرح واضح ہے۔ کہ صرف واپس قرض ملنا ہی قرضہ کے اس اضافہ کا باعث نہیں حقیقت یہ ہے۔  
کہ واپس قرض دینے والے اپنا واپس واپس لینا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی خود بستی تھی۔ کہ پیداوار انہیں  
مستقل حق حاصل ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ وہ اصل رقم واپس لینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کا مقصد  
یہ تھا۔ کہ مدد یہ کہ عرصہ میں دی جائے۔ سود خوار اس لئے روپیہ لگاتے تھے۔ کہ انہیں ایک سالانہ  
آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کبھی اس ملک الرمن پر زور نہیں دیتے تھے۔ سطور مندرجہ بالا سے  
یہ واضح ہے کہ انگریزوں کی عملداری نے گاؤں کے سود خواروں کے لئے نفع حاصل کرینکا میدان  
فراہم کر دیا۔ اس واقعہ سے پہلے سود خوار کے لئے اپنا کاروبار جاری رکھنے کا چندان موقعہ نہیں تھا۔  
اس کے پاس اتنا زر نقد کہاں تھا۔ کہ وہ اُسے قرض دے سکے۔ یا زمین پر لگا سکے۔ اُسے اس امر  
کے متعلق کوئی اطمینان نہیں تھا۔ کہ اس کی رقم اُسے واپس مل جائے گی۔ گویا ایک حد تک کہنا  
چاہئے۔ کہ سود خوار برطانوی حکومت کی مخلوق ہے۔ آر لینڈ میں جب زمیندار جو اپنی زمین سے

لے کسانوں کے قرض کے متعلق پر بابت ۱۸۹۶ء ص ۷۷

۱۷ ملاحظہ ہو امپیریل گزیٹ آف انڈیا کی جلد سوم ص ۷۷ کا یہ اقتباس (بقیہ صفحہ آئندہ)

غیر حاضر رہتے تھے۔ اپنی جائداد کو لگان حاصل کر نیکاف ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور مزارعین ان سب سے مبتلا تھے۔ کیونکہ ان کے حقوق معتین نہیں تھے۔ ان کی فصل بار بار تباہ ہو جاتی تھی۔ امریکہ کے سستے گہوں سے مقابلہ و پیش تھا۔ اس زمانہ میں سود خور کی سرگرمیوں کا میدان تنگ تھا لیکن جب مزارعین نے اپنے حقوق پہلے پہل معین کر لئے مناسب لگان تجویز کیا گیا۔ انتقال کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ اور بعد میں جب بیع ارغنی کے قوانین کے ماتحت ارغنی کا مالک قرار پایا تو اسے ایسے حقوق حاصل ہو گئے جنہیں وہ نرمی لینے کے لئے ضمانت کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے حقوق سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس ملک میں بکثرت مہاجرین پہنچے۔ پہلے میں یعنی قانون ارغنی کے نفاذ سے پیشتر (جسے آر لینڈ کے مزارعین کو وہی حقوق عطا کئے گئے جو پنجاب کے مزارعین کو حاصل ہیں۔ یعنی تقریباً وہی حقوق جو موروثی مزارع کئے ہیں) آر لینڈ میں یہودیوں کی مجموعی تعداد ۵۲۴ تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ قانون بیع ارغنی کے نفاذ کے بعد ان کی تعداد ۵۱ ہو گئی۔ اور مہاجرین کی تعداد بارہ سال کے عرصہ میں گنی ہو گئی۔

اب پنجاب کی طرف توجہ کیجئے۔ یہاں آپ کو قابل ترویج شہادتوں سے معلوم ہو گا۔ کہ زراعت پیشہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اسے جیسے ملک کی حالت عمومی بیان کر دی گئی ہے۔ عام طور پر ہندوستان کی زراعت ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ زمین کی کاشت کیلئے جس قدر زر پیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار چھٹی چھٹی رقم میں فراہم کرتے ہیں۔ اور یہ زر پیہ قرض لینے والے الگ بھی تجارتی معاملات میں پوری پوری بھروسہ نہیں رکھتے۔ ہندوستان کے کان بھی دنیا کے اکثر ممالک کے کسان کی طرح قرض سے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ آیا ہندوستانی کسان دوسرے ملک کے کسان سے زیادہ مقروض ہے۔ بحث کا محتاج ہے۔ لیکن آئیے کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں کسان بہت زیادہ مقروض ہے۔ زراعت کی خصوصیت گذشتہ نصف صدی میں پیدا ہوئی ہے۔ ایک جانب تو زمین جو کسان کی تنہا ضمانت ہے۔ برطانیہ و دیگر حکومتیں بہت بیش قیمت ہو گئی ہے۔ اس کے اُکے قلعہ میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس پر غیر ضروری قرض کا بوجھ ڈالے۔ دوسری جانب اس اضافہ قیمت سے قرض کے سود پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ساہوکار باطل کسان کی تجارتی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور چونکہ کسانوں میں قرض حاصل کرنے کیلئے حریفانہ مسابقت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لئے شرح سود اتنا بڑھتا ہے کہ زراعت کا رو بہ روی حیثیت سے ناممکن ہو جاتی ہے۔ ایک جانب بیع ساکھ کر۔ دوسری جانب بیہوشی کی قدر بڑھ گئی۔ اور سطح ہندوستانی ہندوستان سے ہٹ کر۔

طبقہ کی خوشحالی نے تجارت پیشہ لوگوں کی تعداد کثیر کو روپیہ قرض دینے کی جانب مائل کر دیا۔ مہاجروں اور ساہوکاروں کی تعداد (ان کے متعلقین سمیت) مشملہ کی مردم شماری کے مطابق ۵۲۲۶۳۵ تھی۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ تعداد ۱۹۳۸۹۰ ہو گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دو سال کے عرصے میں زراعت پیشہ لوگوں کی ایک جماعت بھی عالم وجود میں آ گئی ہے۔ جو اپنے بہسائیوں کو قرض دیکر اپنی آمدنی کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن انکا شمار ساہوکاروں کے طبقہ میں نہیں ہوتا۔ محکمہ انکم ٹیکس کی آمدنی کے اعداد و شمار کسی قدر اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال کے اندر روپیہ قرض لینے کے طریقہ میں کس سرعت سے اضافہ ہوا ہے۔ سالانہ رپورٹ میں مذکور ہے۔ کہ کس قدر لوگوں سے انکم ٹیکس لیا گیا۔ اور انکم ٹیکس کی رقم کتنی تھی۔ حساب لگانے سے باسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ ٹیکس کتنی آمدنی کا ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا زیادہ مشکل ہے۔ کہ یہ آمدنی کس قدر سرمایہ سے حاصل ہوئی ہے۔ شرح سود مختلف ہے یعنی ۱۰ فیصد سے ۲۰ فیصدی لیکن چونکہ مہاجروں کو صرف سو فی صدی حاصل نہیں ہوتا اس لئے یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جس قدر سود لگایا جاتا ہے ہمیشہ او انہیں کیا جانا۔ بلکہ کچھ روپیہ مقدمہ بازی پر صرف ہوتا ہے۔ اور کس قدر روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے اس لئے یہ سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ منافع حالص (دو آمدنی جس پر ٹیکس لیا گیا ہے) اس اصل سے تقریباً ۱۲ فیصدی ہوتا ہے جو بطور قرض دیا جاتا ہے۔

ذیل کے نقشہ میں ایک ہزار روپے سے کم آمدنی محسوب نہیں کی گئی

سال کتنے لوگوں پر ٹیکس لگایا گیا ٹیکس کتنی آمدنی ٹیکس سرمایہ جس سے آمدنی ہوئی

۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء	۰۰	۲ لاکھ ۸۰ ہزار روپے	ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپے	۱۲ کروڑ
۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء	۸۴۰۰	۴ لاکھ	ایک کروڑ ۱۵ لاکھ	۱۳ کروڑ
۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء	۱۰۳۰۰	۴ لاکھ ۲۸ ہزار	ایک کروڑ ۸۰ لاکھ	۱۵ کروڑ
۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء	۱۲۵۰۰	۵ لاکھ ۱۳ ہزار	۲ کروڑ ۱۳ لاکھ	۱۷ کروڑ
۱۹۱۳ء و ۱۹۱۴ء	۱۵۰۳۵	۷ لاکھ ۲۲ ہزار	۳ کروڑ ۵۰ لاکھ	۲۸ کروڑ

لے اعداد و شمار ہن کے ہاں سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر ساہوکاروں کے پاس آمدنی کے دوسرے وسائل بھی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ جو محض تابو کجھ باتے ہیں۔ روپیہ بھی قرض دیتے ہیں۔

چند سال ہوئے۔ کہ پانسو روپیہ اور ہزار روپیہ سالانہ آمدنی پر بھی ٹیکس لگایا جانے لگا۔ اسلئے ان ہاجنوں کی تعداد معلوم کرنا آسان ہے۔ جن کی آمدنی پانسو روپیہ اور ایک ہزار روپیہ سالانہ کے درمیان ہے۔ ان پر ایسے ہاجنوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ جن کی آمدنی پانسو روپیہ سالانہ سے بھی کم ہے۔ اس طرح گویا صوبہ بھر کے ساہوکاروں کی تعداد چالیس ہزار ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ ہر کنبہ کے ارکان کا اوسط ۷۵ افراد ہے۔ اس لئے ہاجنوں اور ان کے متعلقین کی مجموعی تعداد ۱۹۳۸۹۰ ہوئی۔ یہی تعداد گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ میں مذکور ہے۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ساہوکاروں کی تعداد اور اس سرمایہ میں جو قرض دیا جاتا ہے۔ کس قدر سرعت سے اضافہ ہوا۔ ساہوکاری کے پیشہ کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے انکم ٹیکس کی آمدنی کے اعداد سے پھر رجوع کرنا چاہئے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء میں ۲۰۶۹۰ سے ٹیکس لیا گیا۔ ان میں سے کم از کم ۱۵۰۰۰ ہاجن اور ساہوکار تھے۔ اور باقی ۲۵۰۰۰ دوسرے پیشوں کے لوگ انکم ٹیکس کی مجموعی مالیت تیس لاکھ ستر ہزار تھی۔ اس میں سات لاکھ چالیس ہزار روپیہ ساہوکاروں سے لیا گیا۔ جس آمدنی پر ٹیکس لگایا گیا۔ اس کی مجموعی مالیت سات کروڑ پچاس لاکھ تھی۔ اس میں سے تین کروڑ پچاس لاکھ محض ساہوکاروں کی آمدنی تھی۔ چونکہ جتنے لوگ روپیہ قرض مینے پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (یعنی ساہوکار اور ان کے متعلق) انہی تعداد مجموعی آبادی کا ایک فیصدی ہے۔ حالانکہ دوسری تہذیبوں پر زندگی بسر کرنے والے ۱۵۰۰ فی صدی ہیں۔ سرکاری ملازمین ۲۷۰۰ فی صدی مختلف پیشہ ۲۹۰۰ فی صدی اور کارخانوں وغیرہ کے ملازمین ۲۰۰۰۰ فی صدی اس لئے یہ ظاہر ہے۔ کہ ساہوکار کی آمدنی کا اوسط تمام پیشوں کی آمدنی کے اوسط سے زیادہ ہے۔

۱۸۷۷ء و ۱۸۷۸ء میں جن لوگوں پر ٹیکس لگایا گیا۔ ان کی مجموعی تعداد ۲۴۷۹۲ تھی۔ لیکن ان میں سے ۲۸۰۰۰ ایسے تھے۔ جن کی آمدنی ۱۰۰۰ سے کم تھی۔ اور ۶۰۰۰ کی آمدنی ایک ہزار سے زیادہ۔



صحیح خالص آمدنی کے متعلق تو یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن جو اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔ ان سے ایک سرسری سا تخمینہ کیا جاسکتا ہے۔ جس زمانہ میں ابھی ۵۰۰ سے ہزار روپے تک کی سالانہ آمدنی پر انکم ٹیکس لگایا گیا تھا۔ پانسو سے ہزار روپے تک آمدنی رکھنے والے ساہوکاروں کی مجموعی آمدنی ایک ہزار سے زیادہ آمدنی رکھنے والے ساہوکاروں کی آمدنی کا تناسب ۱۵ اور ۳۸ تھا۔

اس طرح گویا پانسو روپیہ سے زیادہ آمدنی رکھنے والے ساہوکاروں کی مجموعی آمدنی پانچ کروڑ روپے کے قریب ہے۔ اور اگر اس آمدنی کو بھی محسوب کر لیا جائے۔ جس پر انکم ٹیکس نہیں لگایا گیا۔ تو مجموعی آمدنی پانچ کروڑ سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ تارتھ ویسٹرن ریلوے کی آمدنی بابت ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء کے سال کے دو چوتھ لاکھ روپیہ تھی۔ اور آپاشی کی خالص آمدنی بابت سال مذکور دو کروڑ ۶ لاکھ ہے۔ ان اعداد سے مقابلہ کیجئے۔ تو آپ پر واضح ہو جویا بنگا۔ کہ اس صوبہ میں ساہوکاری کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ ساہوکاروں میں تمام تاجروں سے زیادہ ٹیکس ادا کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ کمپنیوں کے علاوہ تمام صناعات میں سے (جو نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں) صرف ۵۷۵ ایسے ہیں۔ جو ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ان کے انکم ٹیکس کی مجموعی مالیت ۴۳۰۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ بیرسٹروں اور پیلیڈروں وغیرہ میں سے ۱۰۷۳ ٹیکس دیتے ہیں۔ اور ان کے ٹیکس کی مالیت ۸۶۲۵۱ روپے سے زیادہ نہیں۔ ٹیکس ۲۸ لاکھ آمدنی پر لیا جاتا ہے۔ دوسرے پیشہ کے لوگوں میں ۱۹۵ ٹیکس دیتے ہیں انکا ٹیکس مجموعی حیثیت سے ۲۲۴۰۰ ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا اعداد شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوبہ پر کس حد تک ساہوکار کا تسلط ہے۔ ساہوکار متمول ترین طبقہ ہے۔ اسکا منافع غالباً تمام لوگوں کے مجموعی منافع سے زیادہ ہوتا ہے۔ پیشہ ور لوگ قابل التفات نہیں۔ اہل صنعت و حرفت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں بلکہ تجارت کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے۔ پنجاب میں ساہوکاروں کا جو تسلط ہے۔ اس کی مثال کسی صوبہ میں نہیں ملتی۔ پنجاب سمیت سارے ہندوستان میں ساہوکاروں کا تناسب ۶۷:۳۱ ہے۔ اور پنجاب میں ۱۵:۸۵ اگرچہ پنجاب کے آبادی ہندوستان کی مجموعی آبادی کا گیارہویں حصہ ہے۔ لیکن برٹش انڈیا میں جتنے ساہوکار



آباد ہیں۔ اُن میں سے ایک چوتھائی پنجاب میں موجود ہیں۔ اور یہیں کام کرتے ہیں۔  
 دوسرے مسائل کی جانب توجہ کرنے سے پیشتر یہ واضح کر دینا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک  
 انگریز اس صوبہ میں نہیں آئے تھے "شاہ" یا ساہوکار واحد ذریعہ تھے۔ جن سے زراعت پیشہ  
 لوگ مصیبت کے زمانہ میں مدد حاصل کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص جبراً اپنے مطالبات منوانے  
 کی صلاحیت رکھتا تھا۔ تو یہ وہی شخص ہو سکتا تھا۔ جو لوگوں کو روپیہ قرض دیتا تھا۔ لوگ  
 اُس کے بارِ امان تلے اس قدر بے ہوئے تھے۔ کہ زرِ نقادی کے متعلق یہ سمجھایا جاتا تھا۔ کہ وہ  
 ایک مشترکہ مقصد پورا کر رہا ہے۔ لیکن جب قحط وغیرہ کے قسم کی کوئی مصیبت آپڑتی تھی۔  
 تو وہ لوگوں کو اُن کے اثرات سے بچا نہیں سکتا تھا۔ قحط کی وجہ سے لوگ فلتے کرتے تھے  
 اور فلتے کرتے کرتے مر جاتے تھے۔ گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ گاؤں دیوان اور تباہ ہو جاتے  
 تھے۔ لیکن وہ مقروض نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنے مویشی اور گھر کا سارا سامان ساہوکاروں کے  
 ہاتھ فروخت کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح اُن کی ساری ساکھ کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ زمین  
 اُس زمانہ میں ناقابل فروخت تھی۔ بعض اوقات قیمتیں اس طرح گھٹتی بڑھتی تھیں۔ کہ آجکل  
 اُن کی مثال نہیں ملتی۔ ایسے زمانہ میں ساہوکار کو نقصان کا بہت خطرہ ہوتا تھا۔ اس وقت  
 دودراز ممالک کی منڈیوں سے تعلقات قائم نہیں تھے۔ تجارت پر آمد ناقابل عمل تھی۔ اسلئے  
 ساہوکار کو خطرہ رہتا تھا۔ کہ اگر مقامی منڈی میں غلہ کی بھرمار ہو گئی۔ تو وہ جتنا غلہ خریدے گا۔  
 سب کا سب ناکارہ ثابت ہو گا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ۱۸۵۷ء میں غلہ کی حیثیت کے یکبارگی گر  
 جانے کی وجہ سے دوکاندار تباہ ہو گئے۔ انہوں نے کسانوں کی بجائے مالگذاری سرکاری خزانہ  
 میں داخل کر کے اُن سے رقم مالگذاری کے عوض غلہ لے لیا تھا۔ اور چونکہ ذرائع رسل و رائل

۱۹۱۱ء میں صحیح اعداد یہ تھے۔ ساہوکار اور ہاجن تمام برطانوی ہند میں ۸۰۳۵۶۰ تھے۔ تمام پنجاب میں انکی  
 تعداد ۱۳۸۹۰ تھی۔ اس طرح پنجاب کے سوا ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اُن کی تعداد  
 ۶۰۹۶۶۰ ہوئی۔ ان اعداد میں محققین بھی شامل ہیں۔ اس لئے محض ہاجنوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے  
 ان اعداد کو پانچ پر تقسیم کر دینا چاہئے۔

اور وسائل حمل و نقل نہایت ابتدائی حالت میں تھے۔ اس لئے کئی دوسرے خطرات بھی تھے۔ ایسے حالات میں صرف بہت زیادہ شرح سود ہی نقصان پورا کر سکتی تھی۔ اور ان حالات میں اس نوع کی شرح سود بھی غیر معقول بھی نہیں تھی۔

کسان کو جو اسباب روپیہ قرض لینے پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے۔ کہ مالگنداری ایک معین تاریخ کو طلب کی جاتی ہے۔ دوسری وجہ غالباً بیماریوں کی وجہ سے مویشی کی ہلاکت ہے۔ میٹر تھارن یرن نے تحقیقات سے معلوم کیا ہے۔ کہ ۱۲ فی صدی قرض مالگنداری ادا کرنے کے لئے لیا گیا تھا۔ اور ۱۱ فی صدی مویشی خریدنے کے لئے انجمن مانے امداد باہمی پنجاب کی گذشتہ رپورٹ میں یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ جو روپیہ کسانوں کو دیا جاتا ہے۔ اس میں ۱۲ فی صدی مالگنداری کے لئے ہوتا ہے۔ اور ۱۱ فی صدی مویشی خریدنے کے لئے بیل امر حیرت انگیز ہے۔ کہ ان دو مختلف تحقیقاتوں کے زمانہ میں اکیس سال کا فرق ہے۔ لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

پنجاب کی تاریخ مال میں ان ہر دو اسباب کا ذکر کر کے ان پر بحث کی گئی ہے حکومت کو ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے۔ کہ وہ نہایت آسانی سے مالگنداری جمع کر لیتی ہے۔ ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء کی رپورٹ میں فنانشل کمشنر نے اس خیال کی مخالفت کی ہے۔ کہ انتقال اراضی کا باعث مالگنداری کا مطالبہ ہے۔ ان کا بیان ہے۔ کہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں زمین سرکاری مالگنداری کے لئے فروخت کر دی جاتی ہے۔ لیکن پنجاب میں ہم نے اس قسم کی سخت کارروائی نہیں کی۔ ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء میں لفٹنٹ گورنر نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ پنجاب کے بعض اضلاع میں حکومت کے مطالبہ دوبارہ مالگنداری کی سختی شاید لوگوں کو متلائے قرض کر دے۔ لیکن ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء میں یوں اظہار رائے کیا گیا تھا۔ کہ مالگنداری کے نظام میں اس قدر لچک موجود ہے۔ اور اسے اس حد تک مناسب حال بنایا جاسکتا ہے۔ کہ جب ضرورت پڑے عوام کی اعانت کی جائے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ کوشش کی گئی۔ کہ اس نظام کو ایسا بنایا جائے۔ کہ اسے زیادہ لچکدار اور فصل کی مختلف حالتوں کے مناسب بنایا جائے حکومت پنجاب نے کبھی اس مسئلہ کی دشواریوں سے پہلو تہی کرنے کی کوشش نہیں کی یہ صاف

صاف بیان کیا گیا کہ یہ چیز مالگذاری میں شامل نہیں۔ کہ موبی مصائب کا خیال کئے بغیر نہایت سختی سے مالگذاری کا مطالبہ کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مطالبہ مالگذاری کے بارہ میں سختی اودھ اور آگرے سے مستعد لی گئی تھی۔ کیونکہ پنجاب کے اکثر سرکاری عہدہ دار آگرہ اور اودھ سے آئے تھے۔ انہوں نے مطالبہ مالگذاری میں اس کا جو مفہوم سمجھ رکھا تھا۔ اس لئے صوبہ کے لئے موزوں نہیں تھا۔ ساہا سال کے بعد کہیں کلکٹروں کو یہ اختیار دیا گیا۔ کہ وہ اپنے حکم سے مالگذاری ادا کرنے کے لئے بہت سا روپیہ قرض لیا جاتا ہے۔ قرض کی یہ وجہ نہیں۔ کہ مالگذاری کا مطالبہ زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۶ء میں مالگذاری ۱۵ لاکھ آنے پائی ہو گئی۔ ۱۸۹۸ء و ۱۸۹۹ء میں مالگذاری ایک روپیہ دو آنے تھی۔ اور اب ایک روپیہ آٹھ آنے پائی ہے۔ ان پچاس سالوں کے عرصہ میں وہ رقبہ جس کی آبپاشی کا انتظام کیا گیا۔ ۴۴ فیصدی ہو گیا ہے۔ اور اس رقبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جسکی آبپاشی نہیں کی گئی ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۹ء میں مالگذاری بحساب ایک روپیہ چودہ آنے ایک پائی فی کس تھی۔ اور اب دو روپیہ چار آنے فی کس ہے۔

مقروض ہونے کی دوسری وجہ مویشی کی ہلاکت ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ بعض اوقات مویشی کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً ۱۸۷۵ء و ۱۸۷۶ء میں مویشی کی ہلاکت نے ہولناک موت اختیار کر لی تھی۔ بعض ضلع میں سے نصف مویشی ہلاک ہو گئے۔ بعض میں ۱/۲۔ چنانچہ رپورٹ میں لکھا ہے۔ اس دفعہ مویشی کا اتلاف نہایت تباہی خیز تھا۔ اس سے لوگوں کے زرو مال اور آرام و آسائش پر بہت اثر پڑا۔ صرف ایک ضلع میں تقریباً ایک کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا۔ جو گویا ضلع کے رقبہ مزروعہ کی قیمت فروخت کا ۱/۲ ہوتا ہے۔ یہ واضح ہے۔ کہ ایسی مصیبت کی وجہ سے بہت قرض لیا گیا، ہوگا۔ اور جب کسان ایک مرتبہ کسی سود غار کے غنچے میں آجاتا ہے۔ تو پھر نہیں نکلتا۔ سرکاری طور پر اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ مویشی کی موت سے ہر سال ندی سرماہ کا کثیر نقصان ہوتا ہے۔ اسے باسانی قرض لینے کے بڑے بڑے اسباب میں سے شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح گویا پنجاب کے کسانوں کے مقروض ہونے کے حب ذیل اسباب ہیں۔  
(۱) انگریزی عملداری کی وجہ سے ملک کی جو حالت ہو گئی ہے۔ اُس نے کسان کی ساکھ بڑھا دی ہے۔

(۲) چالاک سود خوار کسان سے ساکھ کا بھی استعمال کراتے ہیں۔ اُسے قرض لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تاکہ وہ پیداوار پر قبضہ کر لے۔

(۳) ۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء کے قحط و غیرہ کی وجہ سے مویشی ہلاک ہو گئے۔ کسانوں کو قرضہ لینا پڑا اور اس طرح وہ ساہوکاروں کے پیچھے میں پھنس گئے۔

(۴) مالگداری کی تحصیل کے بارہ میں حکومت کی سختی بھی کسان کے مقروض ہونے کی ذمہ دار ہے۔ مالگداری کی سختی اس لئے زیادہ ہو گئی ہے۔ کہ سود خوار نہایت چالاک سے ساری پیداوار پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور کسان مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ مالگداری ادا کرنے کے لئے مزید روپیہ قرض لے۔

(۵) قانون دیوانی کا نظام ایسا ہے۔ کہ وہ جاہل کسان کے مقابلہ میں چالاک ساہوکار کے حق میں ہوتا ہے۔

ان اسباب میں سے جو چیز کسان کے نقطہ نگاہ سے سب سے زیادہ اہم ہے وہ مویشی کی ہلاکت ہے۔ اور اس کی ذمہ داری لوگوں کے مذہبی عقائد پر عائد ہوتی ہے۔ مویشی کی بعض بیماریاں ایسی ہیں۔ جن کا علاج از روئے عقائد مذہبی نہیں کیا جاسکتا جب ۱۸۵۷ء میں انگلستان کے مویشیوں کے انڈر پلیگ پھیل گئی۔ تو کونسل نے حکم دیا کہ جتنے مویشی مبتلائے مرض ہو گئے ہیں۔ انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اور پھر چارٹ

لہ قحط کے کیش کی رپورٹ بابت ۱۸۵۷ء سخت قانونی نظام جس میں مڑے مڑنے کی صلاحیت نہ ہو زیادہ دو تھنڈ اور مویشی ارمقہ بازوں کے ہاتھ میں ایک حربہ دے دیتا ہے۔ جس سے انہیں فاقہ زدہ کسانوں پر دباؤ ڈال کر زیادہ تباہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ایک نفاذ کی نظر میں قرض کی ایک اور وجہ یہ ہے۔ کہ بارش کے زیر معین ہو جیسے باعث فصل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہی تیسرے سبب کا ایک پہلو سمجھنا چاہئے۔

گہری قبر کھود کر انہیں دفن کر دیا جائے۔ تاہم ان امراضِ مویشی بہت حد تک اسی وجہ سے نافذ کیا گیا تھا۔ مجلسِ زراعت ابھی تک اس امر پر مصر ہے۔ کہ ایسے موقع پر مویشی کو ہلاک کر دیا جائے لیکن اب مویشی کے مالکوں کو معاوضہ بھی ملتا ہے۔ اس قسم کی کارروائیوں سے انگلستان اپنے مویشی کو جس حد تک محفوظ رکھتا ہے۔ اس حد تک ہندوؤں اور سکھوں سے انہی حفاظت ناممکن ہے۔ اور جب وہ لوگ حفاظتِ مویشی کے ان طریقوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی بجائے کوئی دوسرا موزوں طریقہ دریافت نہیں کر سکتے۔ اس نقصان سے بچنا مشکل ہے۔

عام طور پر یہ قرض کیا جاتا ہے۔ کہ قرض لینے کی وجہ افلاس ہے۔ لیکن اس مفروضہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ قرض کی وجہ ساکھ ہے۔ اور ساکھ خوشحالی کا نتیجہ ہے۔ افلاس سے پیدا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی قرض دینے والا نہ ہو۔ تو قرض لینے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ اور جب قرض لینے کی کوئی جگہ نہ ہو۔ تو کوئی قرض نہیں لیگا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ کسان فصولِ خرچ اور کوتاہ اندیش ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ جب قرض لینے کے لئے بہت سہولتیں ہوتا ہوں تو خرچ کو ترقی ہوگی۔ باقی یہی قرض لینے کے بارے میں کہنا کی بے احتیاطی اور کوتاہ اندیشی تو یہ بھی قرض دینے والی کی بے احتیاطی کا ایک نسخہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ چھوٹے چھوٹے خود کاشت زمیندار اکثر اوقات قرض لیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اتنا روپیہ پس انداز نہیں کر سکتے۔ کہ غیر متوقع مصائب کے موقع پر صرف کر سکیں لیکن تحریکِ ملا باہمی پنجاب کی تاریخ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کو اپنا قرض بڑھانے اور ساہوکار سے روپیہ لینے کی ضرورت نہیں۔ قرض کے ایک مناسب نظام کے ماتحت وہ اپنی تمام معمولی ضروریات پورا کرنے کے کافی روپیہ پس انداز کر لیا کریں گے۔ تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ کسانوں کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے سرمایہ کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ بلکہ انہی ضرورت کے متعلق چند اندازہ کیا گیا ہے۔ وہ اس سے بھی کم ہے۔ تجربہ سے بھی اس

سہ توں پہلی میں لوگ توبہ باب ۳ کی آیت اس کو سود لینے کے خلاف سمجھتے تھے۔ تھوڑا سا راجس کا بیان دلچسپ ہے۔ کہ قرونِ وسطیٰ میں سود خوری سے پیرازی کی وجہ سے کسانوں میں کفایتِ شاری اور دراندیشی بڑھ گئی تھی۔ اس پیری جلد میں ہی یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ وہ باقی قرض کا مناسب زمینداروں میں مقول رہا ہے۔ یہ اقتباس راجس کی کتاب کی جلد چہارم باب دوم سے لیا گیا ہے +

دعویٰ کی تائید میں شہادت ملی ہے۔ کہ خود کاشت زمینداروں کی ضروریات کا جو اندازہ کیا گیا ہے انہیں ان سے بدرجہا کم قرض کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جو روپیہ وہ زمین کی ضمانت پر قرض لیتے ہیں۔ جو زمین کی پیداوار بڑھاتے پرشانہ نامہ ہی صرف کیا جاتا ہے بلکہ وہ سرفائدہ معیار پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ افلاس اور کوتاہ اندیشی ایسی چیزیں ہیں جو کسان کو قرض میں مبتلا کر دیں۔ پنجاب میں جو تحقیقات کی گئی ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مزارعین موروثی کاشتکاروں کی نسبت کم مبتلائے قرض ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں پر موروثی کاشتکاروں کی نسبت زیادہ قرض ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے زمینداران سے بھی زیادہ قرض کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر جب لوگ اتنے نادان ہوں کہ قرض پر روپیہ لیکر اسے مناسب طور پر صرف نہ کر سکیں تو ساکھ کا نتیجہ قرض ہوتا ہے۔ اور جوں جوں ساکھ بڑھتی جاتی ہے۔ قرض بھی بڑھتا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک بے احتیاطی سے قرض دینے والوں اور بے احتیاطی سے قرض لینے والوں کو روکا نہ جائے۔ اور جو لوگ برابر قرض لئے جاتے ہیں۔ انہیں اپنی صنعت کے کاروباری پہلو سے بھی واقف نہ کیا جائے۔ ممکن ہے اس خیال کو عام طور پر قبول نہ کیا جائے۔ اس لئے ہم دوسرے طریقہ فن کی رائے پیش کر دیتے ہیں۔ جو اس مسئلہ پر تبصرو کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ مسٹر آؤنٹری نے تجویز میں جو تحقیقات کی ہے۔ اُسے پیش نظر رکھ کر انہوں نے اس پر اپنے نظریہ کی پُر زور تردید کی ہے کہ جس زمین پر کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے زمینداروں کا قبضہ ہو۔ وہ یقیناً رہن کے بوجھ تلے دبی ہوگی۔ لیکن یہاں یہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ جن چھوٹے چھوٹے مالکان زمین کی اراضی رہن ہے ان کا تناسب اُس وقت تک بڑھتا چلا جاتا ہے تا آنکہ ۷۳ ایکڑ سے ۶۲ ایکڑ زمین رکھنے والے زمینداروں تک پہنچ جاتا ہے جن میں سے ۴۰ فیصدی کی زمین رہن ہے۔ اور پھر ۴۴ سے ۷۳ ایکڑ تک زمین رکھنے والے زمینداروں کی رہن شدہ زمینوں کا تناسب بہت کم ہو جاتا ہے۔

لے بارانی علاقوں میں قرض کا اوسط ۶۰ روپیہ ہے چاروی زمینوں کے علاقہ میں ۸۰ سے ۹۰ روپیہ تک اور نہری علاقوں میں ۱۲۰ سے ۱۵۰ روپیہ تک بھی رقمیں بیلوں کی قیمت کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

لے مد کے مایات اور نظم و نسق کی رپورٹ بابت ملاحظہ۔

لے لیڈ اینڈ لیبر (تجیم سے منق) صفحہ ۵۷۔

اب ہندوستان کی طرف توجہ کیجئے۔ میں ۱۸۷۹ء میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا اس کے ساتھ ہی ساکھ بڑھی۔ اور یہی دو چیزیں کسانوں کے مقروض ہونے کا خاص سبب قرار دی جاتی ہیں۔ مٹرتھار برلن کا بیان ہے کہ زمین دار قرض نہیں لیا کرتا تھا۔ اور اگر قرض بھی لیتا تھا۔ تو اسی قدر جتنا آئندہ فصل میں اس کا حصہ ہوتا تھا۔ لیکن اس کی یہ نقش کشی کسی خاص خوبی کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ اُس کی وجہ پختی تھی کہ اس وقت اُس کی ساکھ قائم نہیں ہوئی تھی۔ اب وہ اپنی ساری جائیداد کی مالیت جتنا قرض لینے سے دریغ نہیں کرتا۔ مزید تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ انہیں دیہات میں اراضی کا انتقال زیادہ ہوتا ہے۔ جن میں قرض لینے کے متعلق خاص سہولتیں مہیا ہیں۔ مثلاً شہروں کے قریب وجوار میں جو گھاؤں ہیں۔ یا جن دیہات کے پاس ساہوکاروں کے مرکز ہیں۔ وہاں زیادہ قرض لیا جاتا ہے۔ اور جہاں قرض قرض کی جانب راغب کرنے والی چیزیں کم ہیں۔ وہاں اس قدر قرض نہیں لیا جاتا۔ مزید براں ضمانت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ساہوکار کے لئے روپیہ قرض دینے کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اسے کہیں نہ کہیں اپنا سرمایہ ضرور استعمال کرنا ہے۔ وہ دیہات جہاں اچھی فصل کے متعلق لوگوں کو پوری طرح یقین و وثوق ہے وہ بھی اُن دیہات سے کم مصیبت زدہ نہیں۔ جن کی پیداوار کم اور غیر متعین ہو۔ کیونکہ ساہوکار تو ایسے لوگوں کو ہی قرض دینا پسند کرتا ہے۔ جس کی حالت اچھی ہو۔ اور کم پیداوار والی زمین یا ایسی زمین پر جس کی پیداوار کی مقدار کے متعلق اُسے پورا پورا یقین ہو۔ نہایت ضروری حالات کے ماتحت ہی روپیہ لگاتا ہے وہ تو یہی چاہتے ہیں۔ کہ زمین پر حقدار روپیہ صرف کریں۔ اُسے انہیں باقاعدہ

۱۸ ایس سی اے نے ایگریکلچر انڈیکس "ارزاعت پر زمین پر" ٹی ہوپ کا قول نقل کیا ہے  
 سٹلے کسانوں کے قرض کے متعلق رپورٹ بابت ۱۸۹۶ء ص ۱۱  
 سٹلے ایضاً ص ۱۲

اچھی خاصی آمدنی ہوتی رہے۔ ۱۹۰۱ء میں قحط کی تحقیقات کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے یہ لکھا تھا کہ از بس کہ کسان کو اپنی اراضی کے انتقال کے بارے میں آزاد سی حاصل ہے۔ اس لئے وہ قرض کے دام میں زیادہ گرفتار ہو گیا ہے اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ جاہل اور کوتاہ اندیش کسانوں کو اراضی پر جو بیش قیمت حقوق حاصل ہیں۔ جب وہ انہیں کسی روک کے بغیر فروخت کر سکتے ہیں۔ تو قرض کے بارگراں تلے دبے چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کی جائیداد رفتہ رفتہ اُن کے قبضہ سے نکلتی جاتی ہے۔ اسی طرح مسرودت نے اضافہ قیمت زمین کے متعلق جو یادگار رپورٹ شخیر کی ہے۔ اس میں وہ رقم طراز ہیں کہ ملک میں روپیہ کی افراط کے باعث اب ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ جو روپیہ قرض دے سکتے ہیں۔ اور وہ کسان کو کم سے کم شرح سود پر روپیہ قرض دینے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ نہ رخ اس اضافہ ہونے کے باعث سارے ہندوستان میں زمین کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ اور آج پچیس سال پہلے زمین کی پرکشان کو جب قرض مل سکتا تھا۔ اب زمین کی بدولت اُسے اس سے بدرجہا زیادہ قرض مل سکتا ہے۔ لیکن کسان کا رجحان طبیعت اس امر کی جانب ہے۔ کہ وہ اپنی بڑھی ہوئی ساکھ کو احمقانہ اور کوتاہ اندیشانہ مقاصد میں صرف کر دے۔ وہ قرض کے خطرات سے بے خبر ہے۔ اور قرض لینے میں اُسے جو کشش نظر آتی ہے۔ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا یہ کلیہ خاص طور سے اُن کسانوں پر منطبق ہوتا ہے۔ جن کے قبضہ میں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی ہیں۔

اگر ضرورت پڑے۔ تو ہم مغربی ممالک کی مثالیں پیش کر کے یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ جب ساکھ بڑھتی ہے۔ تو قرض لینے کے رجحان میں بھی ترقی ہو



جاتی ہے۔ لیکن اب اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صوبہ کی زمین اور پیداوار کی قیمت میں جو عظیم اضافہ ہوا ہے۔ اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ ساہوکاروں کی تعداد اور ان کے سرمایہ میں جس قدر تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اُس کا بھی ہم پوری طرح ذکر چکے ہیں۔ اگر یہ نکتہ ملحوظ نظر رہے کہ روپیہ قرض لینے سے پہلے نہیں۔ بلکہ بعد میں صرف کیا جاتا ہے۔ تو یہ سمجھ لینا آسان ہوگا۔ کہ کسانوں کی کوتاہ اندیشی کا باعث بہت حد تک یہ چیز ہے۔ کہ انہیں قرض لینے میں بہت آسانیاں حاصل ہو گئی ہیں۔ حقیقت کہ کسانوں کے پاس قیمتی زمین ہے۔ جسے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے بہت جاذب توجہ ثابت ہوئی۔ جن کے قبضہ میں روپیہ تھا۔ جس سے وہ اراضی خرید سکتے تھے۔ اور اس طرح اراضی کی فروخت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

اس نقص کی وسعت کے متعلق صحیح اعداد و شمار پیش کرنا مشکل ہے۔ ۱۸۷۷ء سے ۱۸۷۸ء تک زمین کی فروخت کا اوسط ۸۸۰۰۰ ایکڑ سالانہ تھا۔ اس کے بعد پانچ سال تک فروخت شدہ رقبہ کا اوسط ۹۳۰۰۰ - ۱۴۰۰۰ - ۱۳۱۰۰۰ اور ۱۳۸۰۰۰ ایکڑ سالانہ رہا۔ پہلے رہن شدہ زمینوں کا رقبہ ۱۳۳۰۰۰ ایکڑ سالانہ تھا۔ لیکن بعد کے پانچ سالوں میں ۲۱۲۰۰۰ - ۲۹۴۰۰۰ - ۵۹۰۰۰ اور ۵۵۴۰۰۰ ایکڑ سالانہ رہا۔ جہاں تک مجموعی رقبہ کا تعلق ہے۔ یہ اعداد بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مزدور رقبہ تخمیناً اس رقبہ کا نصف ہے۔ لیکن دوسری جانب ان سے اس نقص میں کمی بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ۱۸۷۷ء میں قیمت فروخت تقریباً دس روپیہ فی مزدور ایکڑ تھی۔ ۱۸۹۳ء میں یہ بڑھ کر ۵۹ روپیہ ہو گئی۔ اسی طرح رہن کی رقم بھی اس عرصہ میں ۱۰ روپیہ سے ۴۴ روپیہ ہو گئی۔ ۱۸۷۳ء کے درمیان عرصہ میں قیمت فروخت ۹ لاکھ ایک کروڑ ہو گئی۔ اسی طرح رقم رہن ۱۱ لاکھ سے ایک کروڑ ۶ لاکھ ہو گئی۔ ۱۸۷۳ء اور ۱۹۰۱ء میں ۴۰۰۰ ایکڑ رجن میں ۲۳۵۰۰۰ مزدور تھے، ایک کروڑ ۸۲ لاکھ روپیہ کے عوض فروخت کئے گئے۔ ان اعداد سے بخوبی معلوم ہوتا ہے

کہ قابل زراعت زمینوں کا انتقال نہایت سرعت سے ہو رہا تھا۔ اور اس کام کی بھی کافی شہادت موجود ہے۔ کہ ان میں اکثر اراضی ساہوکاروں کے طبقہ کے قبضہ میں چلی گئی اس سلسلہ میں یہ دلیل کبھی نہیں پیش کی گئی۔ کہ نئے مالکان اراضی نے بذات خود کاشتکاری کرنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ اس لئے بحیثیت مجموعی یہ کہنا چاہئے کہ بالآخر انہیں بھی کاشتکاری حاصل کرنے کے لئے زراعت پیشہ طبقہ کی جانب ہی رجوع کرنا پڑا۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں۔ اس طرح گویا ان کو بیدخل کر نیکی کوشش نہیں کی گئی زمین سے اُنکا تعلق تو رہا لیکن پہلے تو مالک اراضی تھی لب صرف مزارعہ گئے

## قانون انتقال اراضی

جب یہ حالت ہو گئی۔ تو مناسب معلوم ہوا۔ کہ اس کا کوئی علاج تجویز کیا جائے۔ یہ تسلیم کر لیا گیا۔ کہ انگریزوں نے نہایت نیک نیتی سے جو نظام رائج کیا تھا۔ وہی بہت حد تک اس نقص کا سرچشمہ تھا۔ زمین کی منفعت میں حکومت کا جو مالکانہ حصہ تھا۔ اس میں انگریزوں نے اسلئے تخفیف کر دی۔ کہ زمین سے متعلق رکھنے والی جماعتوں کو فائدہ پہنچے۔ لیکن ہوا یہ کہ حکومت کے اشیاء کے ثمرات سے ساہوکاروں نے فائدہ اٹھایا۔ حکومت خود بہت حد تک اس خرابی کی ذمہ دار تھی۔ اور اب اسی کا خرض تھا۔ کہ اس کا کوئی علاج تلاش کر لے۔ اس بارے کے والٹر نے صحیح کہا تھا۔ کہ بے عملی علاج کا صحیح بدلہ نہیں۔ اگر بے عملی اختیار کی گئی۔ تو اس کے منہ یہ ہونگے کہ ہم ذمہ دار ہی سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر محض اس خرابی کو کم کرنے یا اس کا علاج کرنے کی تدبیر اختیار کی جائیں۔ تو وہ حالات کی اہمیت کے مقابلہ میں ناکافی ہونگی۔ یہ ضروری ہے۔ کہ اس نقص کو روک دیا جائے۔ یہ فرض نہیں کر لینا چاہئے۔ کہ انتقال زمین کے حق پر پابندیاں عائد کر نیک فیصلہ تمام متعلقہ مسائل چھوڑ سکے بغیر کر لیا گیا۔ بلکہ جیسا کہ مالگندسی کی سالانہ رورڈ او سے بخوبی معلوم ہوتا ہے پچیس سال تک اس مسئلہ پر مسلسل و متواتر غور کیا جاتا رہا۔ لیکن یہ محسوس کیا گیا تھا۔ کہ ایک ایسے حق پر پابندیاں عائد کرنا آسان کام نہیں۔ جو حکومت نے خود اپنی

مرضی سے باضابطہ طور پر کسانوں کو عطا کیا ہے۔ پرانے زمانے کے کسان کو پورا پورا مالک اراضی تسلیم کر لیا گیا۔ جسے ایک زمیندار کے تمام حقوق و مراعات حاصل تھیں اور اسے اپنے حقوق مالکانہ ضائع کرنے سے روکنے کی خواہش سے یہ مدعا نہیں تھا۔ کہ کوئی ایسی حرکت کی جائے جسے لوگ کسان کی حیثیت مالکانہ کے لئے مفرت کساں تصور کریں۔ چنانچہ اس نقص کی اصلاح کے لئے جو تجاویز ذہن میں آئیں۔ دو کم و بیش حسب ذیل ہیں۔

(۱) مالگنداری کے مطالعہ اور اس کی وصولی کے متعلق اس قدر آسانیاں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں۔ کہ مالگنداری کرنے کے لئے کسانوں کو روپیہ قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ چنانچہ اسے اس وقت کے بعد عملی جامہ پہنایا گیا۔

(۲) زمیندار کو قرض لینے کیلئے جو ضمانت دینا پڑتی ہے۔ اسے محدود کر دیا جائے یا رقم قرض کی وصولی میں جو آسانیاں ہیں۔ انہیں نہ رہنے دیا جائے۔ تاکہ قرض لینے میں کمی ہو جائے۔

(۳) زرعتی قرضوں کے طریق کو وسعت دی جاسکتی ہے بہر حال یہ ظاہر ہے۔ کہ زرعتی قرضے کبھی ساہوکار کی جگہ نہیں لے سکتے۔

(۴) غیر منصفانہ معاہدوں کے پورا کرنے سے انکار کیا جاسکتا ہے۔

(۵) یہ شرط عائد کی جاسکتی ہے کہ قرض کی جن رقوم پر دیون نے قبضہ نہ کیا ہو۔ ان کی ذمہ داری اس کی پیداوار اور زمین پر عائد نہیں ہوتی۔

(۶) رہن و بیع کے اختیارات کو محدود کیا جاسکتا ہے عنوانات اور بالامیں ع

۵۔ اور ۶ تو نمبر ۲ کی شقیں ہیں۔ ع ۷ و ۸ میں جو علاج تحریر کئے گئے ہیں۔ وہ نا

کافی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہوا۔ کہ نمبر ۴۔ ۵۔ ۶ میں جو تجویزیں کی گئی ہیں

انہی پر توجہ مرکوز کر دی جائے۔

غیر منصفانہ معاہدوں کی تعمیل سے انکار کا سوال تو ایک حد تک اس طرح حل ہو گیا۔ کہ ضابطہ دیوانی میں ترمیم کر دی گئی۔ اور کسی قدر قانون قرضہ جات ساہوکار

نے جس کا نفاذ ابھی پچھلے دنوں میں ہوا ہے۔ اسے حل کر دیا۔ قانون انتقال زمین میں تو صرف اس قدر اعلان کر دیا گیا۔ کہ ایسا رہن جسے مشروط طور پر بیع میں تبدیل کیا جاسکتا ہوتا جائز ہے۔ \*

اسی طرح زمین اور اس کی پیداوار سے غیر حامل شدہ لوگوں کی ذمہ داری اس طرح کم دی گئی دیوانی ڈگریوں کے سلسلہ میں جنگاؤں کے ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۲۰ میں ہے۔ ایسی زمینوں کو قرقی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اب صرف وہ تجاویز رہ گئیں جنگا تعلق زمین کی رہن و بیع پر پابندیاں عائد کرنیکا تھا۔ اور یہ قانون انتقال اراضی میں آگئی ہیں۔ یہاں یہ امر غیر ضروری ہے کہ اس موقع پر جو اعتراضات وارد کئے گئے تھے۔ اور جنہیں اب تجربہ نے بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ عرض بحث لائے جانے اس وقت یہ محسوس کیا گیا تھا۔ کہ خواہ انتقال زمین کو ممنوع قرار دیا جائے۔ اُسے کلی طور پر رد کا نہیں جاسکتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ اُمید ظاہر کی گئی تھی۔ کہ اُن کی تعداد میں بہت کمی واقع ہو جائے گی۔ اور وقت نے اس اُمید کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔

۸ جون ۱۹۱۱ء کو قانون انتقال اراضی پنجاب کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ یہ سالہا سال کی تدقیق و تحقیق کا نتیجہ تھا۔ اور جب اس مسودہ کو قانون میں تبدیل کیا گیا۔ تو اس وقت اس کے خطرناک ہونے کے متعلق اکثر پیشینگویاں کی گئی تھیں لکٹنٹ گورنر پنجاب سر میکورمک نے زمانہ گذشتہ کے اکثر افسران مال کی اپنی رائے کی تائید میں پیش کیں۔ انہوں نے ۔۔۔۔۔ شکایت کی کہ یہ قانون حکومت پنجاب کے اقدام کا نتیجہ نہیں۔ حکومت نے جو انتہائی سفارشات کی تھیں۔ یہ قانون اُن سے آگے بڑھ گیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں نے محض اس لئے اس قانون کی مخالفت نہیں۔ کیونکہ سرے افسروں کے بہترین تجربات اس قانون کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔ اس وقت تک یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس قانون کے نفاذ سے ہر قسم کی غرابیاں معرض وجود میں

آجائیں گی۔ زمین کی قیمت بہت گھٹ جائے گی۔ قانون کی وفات کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ ساہوکاروں کا کام کاج ناممکن العمل ہو جائیگا۔ اور قرض لینے والے تکلیف محسوس کریں گے۔ لیکن درحقیقت یہ تمام مایوسانہ پیشینگوئیاں بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ قانون کے نفاذ پر لوگ بالکل خاموش رہے۔ جوش و خروش کے بجائے ایک افسردگی اور درد محسوس ہوتا تھا۔ کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔ اور یہ نیا قانون صوبہ کی روزمرہ کی زندگی میں داخل ہو گیا۔ اس کی بڑی بڑی وفات سیدھی سادی ہیں۔ ڈگری کے اجرائے کیلئے زرعی زمین کو فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح زرعی قبائل کے افراد غیر زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ زمین فروخت نہیں کر سکتے۔ ہاں خاص خاص حالات میں اس قسم کی منظوری حاصل کی جاسکتی ہے۔ بنگال کی طرح کارہن جس میں بیع مشروط ہوتی ہے۔ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں غیر زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ زمین رہن نہیں رکھ سکتے۔ ہاں اس قسم کارہن جائز ہے جس میں شرط ہو کہ زمین خود بخود کسان کے قبضہ میں آجائے۔ اس غرض کیلئے تاکہ قانون سے بچنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ یہ قرار دیا گیا۔ کہ زمین کو پانچ سال سے زیادہ عرصہ کے لئے اجارہ پر نہ دیا جائے۔ اس قانون سے ساکھ میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوئی۔ قانون کے منظور ہونے سے پہلے پانچ سال تک مزدور زمین کی قیمت اوسطاً ۷ روپیہ فی ایکڑ تھی۔ آئندہ پانچ سال میں یہ کم ہو کر ۷ روپیہ ایکڑ رہ گئی۔ لیکن ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء میں ۹ روپیہ فی ایکڑ ہو گئی۔ اس کے بعد اس میں متواتر اضافہ ہوتا رہا۔ اور اب دو سو روپیہ فی ایکڑ سے زیادہ ہے ہم صرف مزدور زمین کی قیمت کو لیں۔ تو قانون کے منظور ہونے سے پہلے پانچ سال کے عرصہ میں جو رقبہ فروخت ہوا۔ وہ ۱۴۲۰۰۰ ایکڑ تھا۔ آئندہ پانچ سال یعنی ۱۹۰۱ء و ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء تک یہ ۱۳۵۰۰۰ ایکڑ رہ گیا۔ اس کے بعد کے پانچ سال یعنی ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء

سے ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء میں اس میں مزید کمی ہوئی۔ یعنی ۱۲۱ ایکڑ زمین فروخت ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد اس میں متواتر و پیہم اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء تک فروخت شدہ رقبہ کا اوسط ۱۴۰ ایکڑ تھا۔ اس اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نہری نوآبادیوں میں بہت زمین فروخت کرتی رہی ہے۔ اس سے یہ معنی نہیں کہ کسانوں میں زمین فروخت کرنے کا جذبہ زیادہ پیدا ہو گیا ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت پیشہ قبائل اب اسے نو زمین پر قبضہ کر رہے ہیں۔

## فروخت شدہ رقبہ اوسط

چشما چشما چشما

وہ رقبہ جو زراعت پیشہ لوگوں نے بیچا۔ جو زراعت پیشہ لوگوں نے خریدا۔ نفع یا نقص

۱۰۰۰	۱۲۹۰۰۰	۱۵۰۰۰	۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء
۲۸۰۰۰	۱۷۸۰۰۰	۱۷۰۰۰	۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء
۳۴۰۰۰	۲۱۷۰۰۰	۱۸۸۰۰۰	۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء
۴۲۰۰۰	۲۰۳۰۰۰	۱۸۳۰۰۰	۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء
۴۵۰۰۰	۱۹۱۰۰۰	۱۷۴۰۰۰	۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء

دیے اعداد و شمار صوبہ کے موجودہ رقبہ کے متعلق ہیں۔ قانون

کے منظور ہوئے سے پہلے کے متعلق جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں۔

ان میں وہ رقبہ بھی ہے۔ جو اب پنجاب میں شامل ہے،

رہن کے متعلق جو اعداد و شمار فراہم ہوئے ہیں۔

وہ بھی حیرت انگیز ہیں۔ قانون کے منظور ہونے سے پہلے کے

پانچ سال میں پنجاب کے رقبہ میں سے جس قدر رقبہ مزدور ہر سال رہن کیا جاتا تھا۔ اس کا اوسط  
 ۳۳۹۰۰۰ ایکڑ تھا۔ آئندہ پانچ سالوں کے عرصہ میں سالانہ اوسط ۸۰۰۰۰ اور ۱۱۲۰۰۰ اور ۲۲۶۰۰۰  
 رہن لیکن یہ اعداد و شمار گمراہ کن ہیں۔ قانون کے نتائج ذیل کے نقشہ میں زیادہ صحت اور وضاحت  
 سے بیان کئے گئے ہیں (ان اعداد میں غیر مزدور رقبہ دونوں شامل ہیں)

وہ قبضہ جو زراعت پیشہ قبائل نے  
 جو زمینیں قبائلی قبائل کے پاس  
 نے رہن رکھا پھیل کر لیا رہن رکھا گیا

۱۶۲۰۰۰	۱۷۸۰۰۰	۱۹۰۰۰	۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء
۲۱۹۰۰۰	۲۹۶۰۰۰	۲۴۰۰۰۰	۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء
۲۳۸۰۰۰	۲۷۰۰۰۰	۲۶۴۰۰۰	۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء
۲۲۰۰۰۰	۱۹۹۰۰۰	۲۴۶۰۰۰	۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۶ء
۲۶۷۵۰۰	۲۴۸۰۰۰	۲۸۴۵۰۰	۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء

ان اعداد و شمار سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت پیشہ قبائل جب قدر زمینیں رہن کر رہے  
 ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ زمینوں پر وہ خود قبضہ کر رہے ہیں۔ یہ ان کے پاس زمینیں رکھی جا رہی ہیں۔ رقم  
 رہن کا اوسط سالہ ۱۹۰۰ء اور سالہ ۱۹۰۱ء میں ۶۷ روپیہ فی مزدور ایکڑ تھا۔ سالہ ۱۹۱۶ء میں ۱۰۷ روپیہ فی  
 ایکڑ ہو گیا اور سالہ ۱۹۲۰ء میں ۱۶۲ روپیہ فی ایکڑ۔ وہ رہن شدہ رقبہ جس کی پیداوار سٹے و سٹے  
 لوگ فسخ حاصل کر رہے ہیں۔ اس میں کمی ہو رہی ہے۔ سالہ ۱۹۱۶ء میں یہ رقبہ ۳۲۸۷۰۰ ایکڑ  
 تھا۔ سالہ ۱۹۱۶ء میں ۳۲۵۰۰۰ رہ گیا۔ اور سالہ ۱۹۲۰ء میں ۳۱۱۷۰۰ رہ گیا۔  
 جو رقبہ زراعت پیشہ قبائل کے قبضہ زراعت پیشہ قبائل کے قبضہ میں ہے۔ اور رہن کر دیا گیا  
 ہے۔ اس میں یقیناً زیادہ کمی ہوئی ہوگی۔ رہن شدہ مزدور رقبہ اور مجموعی مزدور رقبہ میں  
 جو تناسب ہے۔ اس میں کمی واقع ہوئی۔ چنانچہ رہن شدہ مزدور رقبہ مجموعی مزدور رقبہ کا  
 ۱۲۳ فیصدی تھا۔ اس عرصہ میں ۱۰۰ فیصدی رہ گیا۔ مختلف اضلاع کے اعداد و شمار  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علاقے دوسروں کے محتاج تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ترقی کا قدم  
 بڑھایا جائے لیکن جو اضلاع پہلے زیادہ آزاد تھے۔ وہ تنزل کر رہے ہیں۔

## مجموعی رقبہ مزدور اور زمین شدہ رقبہ کا تناسب فی صدی

۱۹۱۹-۲۰ء	۱۹۱۶-۱۷ء	۱۹۰۰ء	ضلع
۲۱ و ۲	۲۰ و ۹	۱۵ - ۵	گورداسپور
۱۳ و ۶	۱۳ و ۵	۲۵ و ۱	سیالکوٹ
۹ و ۷	۱۰ و ۱	۱۷ و ۷	لہناں
۱۶ و ۵	۱۶ و ۳	۱۷ و ۰	امرتسر
۱۱ و ۵	۱۲ و ۴	۱۶ و	جرات
۱۱ و ۵	۱۲ و ۹	۱۶ و ۲	کانگرہ
۱۱ و ۵	۱۲ و ۳	۱۰ و ۰	رہنک
۹ و ۳	۷ و ۱	۱۰ و ۰	گوجرانوالہ
۶ و ۶	۷ و ۷	۹ و ۰	جہلم
۸ و ۴	۸ و ۴	۷ و ۰	کرناٹ
۵ و ۸	۸ و ۰	۵ و ۶	حصار
۱۰ و ۱	۱۰ و ۴	۳ و ۲	جھنگ

مختلف اضلاع میں اس عجیب و غریب اختلاف کی یہ توجہ یہ ہو سکتی ہے کہ برطانوی حکومت نے ابتدائی زمانہ میں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ساہوکار سب سے زیادہ خوشحال علاقوں میں زیادہ زرگری سے اپنا کاروبار پھیلاتے تھے۔ کہ ان کی خوشحالی ساہوکاروں کیلئے کشش کا باعث تھی۔ جب قانون انتقال اراضی منظور ہوا۔ تو اس خوشحالی کی بدلت زراعت پیشہ لوگوں نے پہلی حیثیت پھر حاصل کر لی۔ جو علاقہ زیادہ افلاس زدہ تھے۔ وہاں زمین کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ فصل کم ہوتی تھی۔ اس لئے ساہوکاروں نے بھی اس وقت تک مستعدی ظاہر نہیں کی۔ جب تک

۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء کے تناسب میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ شیخوپورہ کا ضلع علیحدہ کر دیا گیا۔ وہاں پہلے تناسب اودھ تھا۔



ہر گاہ قیمتوں میں اضافہ نہیں ہو گیا۔ اور انہیں اطمینان نہیں ہو گیا۔ کہ ہمارا روپیہ محفوظ رہے گا۔  
 رہنک بھصار۔ کرنال پرانی قسمت دہلی سے تعلق رکھتے تھے جہاں بیج کی شرط کے ساتھ زمین بہن کر  
 دینا عام بات تھی۔ ان علاقوں میں جو اضافہ ہوا۔ اسکی وجہ شاید یہ ہے۔ کہ جب قانون منظور ہوا تو اس  
 قسم کی تمام بہن شدہ زمینوں سے بیج کی شرط اڑ گئی۔ اب صرف اسکی پیداوار سے نفع کیا جاسکتا تھا  
 کسی دوسرے کو اس پر حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

اب ہمیں دو اعتراضات پر بحث کرنا ہے۔ جو عام طور پر اس قانون پر وارد کئے جاتے ہیں۔ ایک  
 تو یہ کہ یہ قانون خاص طور پر ہندوؤں کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ ہے۔ کہ یہ قانون اپنا حقیقی شمار  
 پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے مفلس زراعت پیشہ ساہوکاروں کے جم اور کرم  
 پر چھوڑ دیا ہے۔ جو نہایت سرعت سے ان کی زمینیں خرید رہے ہیں۔ اور انہیں مالک اراضی کے  
 بجائے محض مزارع بنا دیے ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب تو آسان ہے۔ اس قانون کی رو سے  
 بعض زراعت پیشہ لوگوں کے نفاذ کی حفاظت ہوتی ہے۔ ان میں ایک تہائی ہندو ہیں۔ اور  
 ان ہندوؤں کی تعداد صوبہ کے غیر زراعت پیشہ ہندوؤں کی مجموعی تعداد سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اس  
 اعتراض کی بنیاد حقیقت اس امر پر ہے۔ کہ ساہوکاروں اور دوکانداروں کا گروہ جو بہت زیادہ  
 کفایت شمار ہوتے ہیں۔ اسی صوبہ کے اکثر حصوں میں ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ اس طرح گویا اس  
 قانون کی رو سے صرف انہی کو زمین پر قبضہ کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ لیکن اس قانون کا مقصد  
 درحقیقت یہ ہے۔ کہ بعض طبقوں کو اپنی آبائی جاہداد و فوخت کرنے سے روکا جائے۔ اس طرح گویا  
 یہ قانون قدیم ہندو قوانین پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہنا معقولیت پر مبنی نہیں۔ کہ محض مذہبی اختلاف  
 کی بنا پر اس قانون کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ مزید برآں اس قسم کے قوانین دوسرے ممالک میں بھی  
 موجود ہیں۔ جن سے اس قسم کے قوانین کا حل مقصود ہے۔ حالانکہ ان ممالک میں ہندو آباد نہیں۔  
 امریکہ کے قانون شکنی میں بھی عام طور پر چاس ایکڑ کے ایک خاص رقبہ کا انتقال ممنوع قرار دیا گیا ہے

۱۔ بلجیم میں ایسی لارضی کے بیشتر حصہ کار بہن کرنا ممنوع ہے۔ جواز دئے کم و بیش درانت پر ہی ہے۔ معلوم ہوا  
 ہے کہ مصر میں قانونیڈن لائس بنا پر اخذ کیا گیا کہ پنجاب میں قانون انتقال کو کامیابی ہوئی تھی۔

جسے کنبہ کے ضرورت فراہم کرنے کے لئے ابدی سمجھا جاتا ہے۔ انگلستان میں سچ سے چار پانچ سو سال پیشہ تقریباً اس قسم کی تبدیلیاں معرض وجود میں آئی تھیں۔ جو آج پنجاب میں نظر آ رہی ہیں۔ زرعی کفایت شعاری کی وہ پرانی رسم میں سے کسان کی ذاتی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ مٹی جاتی تھیں۔ سرمایہ دار گروہ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ کامیاب تاجر اور قانون دان زمین پر قبضہ کر کے دیہات کے شرفاء کو مٹا رہے تھے۔ جمع الارض کا مرض بہت بڑھ گیا تھا۔ جائداد کی وراثت ٹھہرنے کے متعلق جو کوششیں کی گئیں۔ ان کی نراحت ہوئی۔ لیکن حالات و اسباب نے خیالات میں تبدیلی کر دی۔ زمین کو کنبہ تک محدود رکھنے کا ایک طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس طرح اب انگلستان کی زیادہ تر جائیدادیں اصل مالکوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور موروثی جائیدادوں پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ وہ قانون امتعال اراضی کی پابندیوں سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی ایسے قوانین موجود ہیں۔ جو سکونت کے اصولوں پر مشتمل ہیں۔

اب پھر ہندوستان کی طرف لوٹے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جب انگریزوں نے اس ملک کی عنان انتظام ہاتھ میں لی۔ تو انہوں نے دیکھا۔ کہ کسان حکومت کو جو مالگداری کرتے ہیں۔ وہ عملی طور پر پورے لگان جتنی ہوتی ہے۔ اس طرح انہیں زمین پر قبضہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مالگداری ادا نہیں کرتے تو حکومت بلا تامل انہیں بے دخل کر کے کسی دوسرے کو زمین کا مالک بنا دیتی ہے۔ اس طرح گویا کسان کو زمین پر کوئی حق حاصل نہیں۔ جسے منتقل کر سکے۔ اس وقت تو یہ سوال ہی خارج از بحث تھا۔ کہ کیا ایک تاجر زمین خرید سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اس وقت زمین قابل بیع و اشترا نہیں تھی۔ اگر انگریزی حکومت بھی مالگداری کا پرانا تناسب قائم رکھتی۔ تو زمین کی بیع اس حد تک کبھی نہ پہنچتی۔ کہ اس کی جانب توجہ کرنیکی ضرورت محسوس ہوتی۔ اس طرح یہ حقیقت کہ اس صوبہ میں جو لوگ زمین خریدنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہندو ہیں۔ اور مالکان اراضی ہند بھی ہیں۔ مسلمان بھی اور سکھ بھی محض تاریخ کا ایک اتفاقی واقعہ ہے۔ مصر میں بھی فائینڈن لائٹا خذ ہے جس کی رسم سے اس قبہ کو قطعی طور پر خرید وخت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے لیکن مصر میں جو لوگ زمین خرید سکتے ہیں۔ وہ ہندو نہیں۔ بلکہ

مسلمان اور عیسائی ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ قانون اپنا حقیقی منشا پر کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب ہندو و مسود خواروں کی جگہ زراعت پیشہ ساہوکاروں نے لے لی ہے جسے اپنے قبیلہ کے افراد یا دوسرے زراعت پیشہ قبائل سے جس قدر زمین وہ چاہے خریدنے میں آزادی حاصل ہے۔ بہت حد تک یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس قانون کا ہرگز ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ انتقال اراضی کو کلینٹہ روک دیا جائے۔ انتقال اراضی کے اختیارات اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ اگرچہ رسم درواج نے انتقال اراضی کو محدود کر رکھا تھا۔ پھر بھی یہ اختیارات خطرناک سمجھے گئے۔ اور یہ مناسب سمجھا گیا کہ اختیارات پر اس حد تک پابندیاں عائد کی جائیں کہ خطرات سے نقصان کا احتمال نہ رہے۔ یہ کبھی خیال نہیں کیا گیا کہ ہر قسم کا انتقال قابل اعتراض ہے۔ جب ایک زراعت پیشہ شخص جس کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ زمین موجود ہے۔ اس کے ایک حصہ کو کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ جس کے پاس کم زمین موجود ہے۔ یا ایک زمیندار زمین کی اصلاح و ترقی کی خاطر روپیہ حاصل کرنے کے لئے اپنی زمین کا ایک حصہ فروخت کر دیتا ہے۔ تو اکثر حالات میں یہ سودا منفعیت بخش ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی خوشحال زراعت پیشہ شخص پر جو اپنے اند و ختہ کو ایسے کاروبار میں لگانا ہے۔ جو اس کے طریق زندگی کے عین مطابق واقع ہوا ہے۔ یا کسی غیر اقتصادی قطعہ اراضی کے مالک پر جو آسٹریلیا یا کناڈا جا کر روپیہ پس انداز کرتا ہے۔ اور چند کھیت خرید لیتا ہے۔ تاکہ اس کی زمین ضروریات زندگی کے لئے کافی ثابت ہو۔ کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پنجاب میں زمین پر لگاؤں کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ اور گاؤں کے رسم درواج نے کبھی اس بات کی کہ بعض افراد اپنی آبائی جائداد کو آزادانہ فروخت کر دیں۔ موجودہ قانون حق شفع و حقیقت نام ہے اس کو شمش کا جو اس رسم کو قانونی صورت دینے کے لئے کی گئی ہے۔ اگر ایک شخص زمین بیچنا چاہے۔ تو سب سے پہلے اس کی جماعت کے دوسرے

افراد کو خریدنے کا حق ہے۔ دوکانداروں اور تاجروں کو اس قسم کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یہ حق فاقیت اس قدر پرانا ہے۔ کہ اس میں جائے کلام نہیں ہو سکتی لیکن یہ کہنا بالکل بیا خیال ہے۔ کہ یہ حق صرف اسی جگہ ہو سکتا ہے۔ جہاں قیمت خرید سا ہو کاری سے متاثر نہیں ہوئی۔ بہر حال دوسرے اعتراض میں اس حد تک صداقت موجود ہے۔ کہ اگر یہ معلوم ہو جائے۔ کہ زراعت پیشہ سا ہو کاروں کا ایک گروہ پیدا ہو رہا ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کی مقبوضہ اراضی کو بیع پیمانہ پر خرید کر انہیں محض مالک اراضی کی بجائے مزارع بنارہا ہے۔ تو پھر یہ مناسب ہو گا۔ کہ مزید قانونی تدابیر پر غور کر کے اس کی روک تھام کی جائے لیکن ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا۔ کہ یہ چیز نمایاں طور پر معرض وجود میں آرہی ہے۔ ابھی تک اس امر کے متعلق صحیح اطلاعات فراہم نہیں ہوئیں۔ کہ مالکان اراضی کی بیویوں کو کس حد تک خرید رہے ہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ عملی طور پر ایسا ہو رہا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نہیں۔ کہ اس سے نقصان پہنچے گا۔ اس وقت ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ جن کی زندگی کا دار و مدار زراعت پر ہے۔ اور موجودہ طریق زراعت سب کے لئے ایک دن کا کام بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ اکثر زمینیں اتنی چھوٹی ہیں۔ کہ وہ ایک کنبہ کی آسائش کا سامان بھی فراہم نہیں کر سکتیں۔ اور اگر یہ زائد از ضرورت کسان دوسری صنعتوں کی طرف توجہ کریں۔ تو اس سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں بھی اسی نوع کے مصائب برروئے کار آسکتے ہیں۔ جیسے انگلستان کے اندر حلقہ بندی کے زمانہ میں برسرکار آئے تھے۔ لیکن آخر کار حلقہ بندی سے زراعت اور ملک کو بہت فائدہ ہوا۔ بہر حال یہ تو محض خیال آرائی ہے۔ بحث سے صرف یہ امر تعلق رکھتا ہے۔ کہ جس ملک میں ذرائع معاش موروثی ہیں۔ زمین کا غیر زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ میں یہ چلا جانا بہ نسبت اس کے زیادہ قابل اعتراض ہے۔ کہ زراعت پیشہ لوگ بہت سی زمین پر متصرف ہو جائیں

پنجاب میں جو تجربہ ہوا۔ اُس سے یہ بات بخوبی عیاں ہے۔ کہ بائبل کے چند نئے مالکان اراضی کے جو تجارت پیشہ یا ضائع جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خود زمین کی کاشت نہیں کرتے۔ وہ زمین کی اصلاح و ترقی پر روپیہ صرف نہیں کرتے۔ زراعت کی ترقی میں اپنی عقل و دانش سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ صرف اس امر پر قناعت کر لیتے ہیں۔ کہ انہیں زیادہ لگان حاصل ہو جائے۔

آئر لینڈ کے حالات پنجاب سے مشابہ و متماثل واقع ہوئے ہیں۔ نیولین سے جولڈائیاں ہوئیں۔ اُن کے بعد زندگی پیداوار کی قیمت بہت بڑھ گئی۔ آئر لینڈ کے کسانوں نے اُن سے پورا نفع حاصل کیا۔ آبادی نیز می سے بڑھتی گئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ زمین پر بھی دباؤ پڑنا چلا گیا۔ لوگ زیادہ تر اولوں پر زندگی بسر کرنے لگے۔ اور گھریلو فرو کردیا کرتے تھے۔ تقریباً سترہ بیس آدمی کی فصل پر آفت آئی۔ اور اسکے بعد ہی شدید قحط رونما ہو گیا۔ زمینداروں اور مزارعین کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ قلاش ہو گئے۔ چونکہ زمین خریدنے کا موقعہ تھا۔ اسلئے ڈبلن کے بہت سے کاروباری اشخاص کی توجہ اس طرف منعطف ہو گئی۔ حالانکہ انہیں زراعت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس طرح مالکان اراضی کی ایک نئی جماعت معرض وجود میں آگئی۔ جنہیں محض اُس لگان سے دلچسپی تھی۔ جو وہ زمین سے حاصل کر سکتے تھے۔ پرانی زراعت پیشہ جماعت نے اپنی آبائی زمین پر نہایت مضبوطی سے جس کا احساس اس صوبہ میں اچھی طرح کیا جاسکتا۔ قابض رہے۔ نئے مالکان اراضی اراضی نے جب قدر روپیہ لگایا تھا۔ وہ اس کافی منافع چاہتے تھے۔ مزارعین نے وعدہ تو کر لیا لیکن یہ رقم ادا کر کے ایک بعد چالیس سال تک زمین کے متعلق جو شواہد یا پیش آئیں۔ اُن کا سہم بھی دافعہ تھا۔

لے مزارعین کہتے ہیں۔ کہ ملتان میں غیر زراعت پیشہ مالکان اراضی نے زراعت پیشہ مالکان اراضی کی نسبت زمین پر زیادہ مڑایا گیا ہے۔ مگر طور پر جب بہانہ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ فلاں چیزیں پیر لگانے سے فائدہ ہو گا تو وہ پیسہ لگانے میں پیچھے نہیں کرتا۔ وہ زمیندار کی نسبت زمین کی اصلاح پر زیادہ روپیہ لگاتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان قسم کا روپیہ بہت کم ہے۔

سرتی ہوپ نے سٹارڈ میں کونسل کے اندر کس کے کسوں کی حالت واضح طور پر بیان کر دی تھی انہوں نے فرمایا تھا کہ ریڈیٹل توشیں کیجا سکتی ہے۔ کہ زمین کو انہی لوگوں کے قبضہ میں ہونا چاہئے جو اپنی عقلمندی محنت اور سرمایہ کی وجہ سے بہترین منفعت اٹھا سکتے ہیں۔ اگر زمین پر ایک ایسی جماعت کا قبضہ ہو جو جماعت ناقابل تدریس اور محنت کی کمی کبھی اٹھاتے باشندوں پر فرض کا ایسا بار گراں چھو جائیں جسے کبھی ادا نہ کیا جا سکے اور اس طرح اپنی محنت پر کمادہ کرنیوالی چیزوں اور کے نتائج میں بھی لینے سے محروم کریں۔ تو اس کا صرف یہی علاج ہے۔ کہ ان لوگوں کو بے دخل کر کے اور دیوالیہ بنا کر سوسائٹی کی حالت کو تدریجی طور پر بہتر بنایا جائے۔ ایسے اصول یورپ میں بالکل صحیح ہیں لیکن انہیں شرقی زندگی پر منطبق کرنے کیلئے پیچیدہ احتیاط کی ضرورت ہے جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمین جا رہی ہے وہ محض اسلئے اس پر قبضہ کرنے کے خواہشمند نہیں کہ اپنی دانشمندی ہمت اور سرمایہ سے اسے ترقی دیں۔ ان میں سے اکثر تو اپنے سرمایہ کو زرعی تجربات میں نہیں لگانا چاہتے۔ جو مقابلتا غیر منفعت بخش ہیں۔ وہ اس چیز کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہ کسان تو زمین کی کاشت میں برابر ملگے اور وہ اس سے جس قدر نفع حاصل کریں حاصل کریں۔ اس طرح کسان زمین کے دباؤ سے غیر مورد فی کاشتکار بن جاتا ہے۔ جس سے مارڈی فرمخواہ زیادہ سے زیادہ لگان وصول کرتا ہے۔ اور اس کا خون چوس لیتا ہے۔

اتفاقیات کی بحث میں سیاسی شکایات کا ذکر مناسب نہیں لیکن یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ قانون انتقال اراضی کو ایک چھوٹا سا گروہ جو بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ تاریخ اس گروہ کے خیالات کی توثیق نہیں۔ اس کا اپنا قدم ہرم شاستر بھی اس کی تائید نہیں کرتا جس مقام پر ہندو دھرم شاستر کے مطابق عمل کیا جاتا ہو۔ وہاں آبائی جائیداد کو ایک فرد واحد کے فروخت کرنے سے محفوظ رکھنے کیلئے کوئی قانون نافذ کرنے کی ضرورت نہیں جب پنجاب میں زمین سستی تھی۔

لے ملاحظہ ہو لے کی کتاب۔ اگر ہی پھول انڈینس "دکن کے زراعت پیشہ لوگوں کے لئے جو ریلیف ایکٹ نافذ کیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پیشہ درمہا جن روپیہ فرض لینے کے بارے میں زیادہ محتاط ہو گئے۔ اور کسانوں کی یہ کیفیت تھی۔ کہ جب ان سے زمین کی ضمانت طلب کی جاتی تھی تو وہ روپیہ فرض لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان باب کی وجہ سے غیر ضروری قرضوں میں بہت کمی ہو گئی۔

تو غیر زراعت پیشہ ہندو نے اسے نہیں خرید ۱۹۲۱ء سے پہلے اس کے پاس حقوق و امتیازات کے حصول کے لئے کافی موقع تھا۔ لیکن وہ اس امر کو ترجیح دیتا تھا کہ اسے حقوق حاصل ہوں۔ وہ مرتبہ کے حقوق ہوں۔ مالکانہ حقوق نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خرید زمین کا جذبہ بالکل نیلا ہے۔ یہ جذبہ اس وقت قوی ہو رہا تھا۔ جب قانون انتقال اراضی نے انتقال پر پابندیاں عاید کر دیں۔ اس موضوع پر بحث کی جائے۔ تو یہ خیال کیا جائیگا کہ اس قسم کی پابندیاں دوسرے مقامات میں موجود نہیں تھیں۔ ان کی حیثیت استثنائی کی نہیں۔ بلکہ کلیہ کی تھی۔ یہ پابندیاں ہندو کو دہرم شاستر اور پنجاب کے رواج میں موجود تھیں۔ باقی رہا یہ امر کہ آیا اقتصادی ترقی کی غرض سے اس قسم کے قانون کا قیام ضروری ہے۔ تو اس بات کا انحصار بہت حد تک اس امر پر ہے کہ آیا جن لوگوں کو خرید زمین سے محروم رکھا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں کی نسبت جو بحالت موجودہ زمین کے مالک ہیں۔ زراعت کی اصلاح کیلئے زیادہ سرگرمی اور ترقی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ابھی تو اس قسم کا کوئی رجحان نظر نہیں آتا۔ اور بات ہے کہ ان کے قبضے میں اچھا خاصہ رقبہ زمین موجود ہے۔ غائبہ پر یہ بھی کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی تسبیح کے متعلق کوئی معقول دلیل نہیں دی گئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ انہی فائدہ کے ہندو اس قانون کے قیام کو ناپسند کرتے ہیں اور یہ جذبہ پنجاب تک ہی محدود نہیں۔ ہندوئیل کمونڈ کے قانون انتقال اراضی (مجوزہ ۱۹۳۴ء) اور ممبئی کے قانون مجوزہ ۱۹۳۷ء کی بھی اسی طرح مخالفت کی گئی۔ اور وہ میں اس مسئلہ کیلئے ۱۹۳۷ء میں سٹڈی ٹیسٹ ایکٹ نافذ کیا گیا۔

•

۱۔ مثال کے طور پر ایک حالت ملاحظہ ہو جہاں زمین کی ملکیت حقوق نے پابندیاں کر رکھی ہیں۔ اولاد کو والدین کی جائیداد کے بعض حصوں کی وراثت کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ ایک اکوٹاؤ فرزند اپنے آبائی جائیداد کا نصف حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ اولاد ہو تو برابر کا حصہ ملتا ہے۔ اس طرح بعض وارثوں کے لئے زمین کا جو حصہ مقرر ہوتا ہے اسے زمین نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بھی ذکر کر دینا مناسب ہوتا ہے کہ انگلستان کے اندر انتقال اراضی میں جو دشواریاں ہیں، انکی وجہ سے انتقال اراضی اکثر پیشتر نہیں ہو سکتا، رعایہ میں تو ایسی شرایاں تھیں جسے انتقال اراضی کا قانون زیادہ ہو گیا ہے



# گیارہواں باب

## گیہوں کی قیمت

گیہوں کی قیمت کا مسئلہ پنجاب میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس جنس کی کھیت گذشتہ سالوں میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب گیارہواں عوام کی سب سے بڑی خوراک بن گیا ہے۔ شہروں میں تقریباً ہر شخص پورے سال تک گیارہواں کھاتا ہے۔ اس سے زیادہ سستے اناج مثلاً باجرہ اور چری وغیرہ زوہ زوال نظر آتے ہیں۔ چونکہ گوشت اور دوسری غذاؤں کے استعمال کے خلاف مذہبی جذبات موجود ہیں۔ اس لئے لوگ اسی ایک چیز کے محتاج ہو گئے ہیں۔ اور چونکہ پنجاب بندگاہوں سے دور واقع ہوا ہے۔ اس لئے لوگوں کو صرف اس قدر اناج سے اپنی احتیاج پوری کرنا پڑتی ہے جو اس صوبہ اودھ اور اگرہ کے ہمسایہ صوبہ میں پیدا ہو جس ملک میں لوگوں کی غذائیں مختلف ہوں۔ وہاں یہ ممکن ہے کہ اگر ایک جنس کی قیمت میں اضافہ ہو تو اس کا استعمال کم کر دیا جائے۔ اور کوئی دوسری جنس زیادہ استعمال میں لائی جائے۔ لیکن جہاں غذا کا دائرہ صرف چند اجناس تک محدود ہو۔ وہاں ان کی قیمت میں اختلاف ہر گھر کے لئے اپنے اندر لچپی پنہاں رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیارہواں کی قیمت کا ذکر ہر شخص کی زبان پر ہے۔ ہر شخص اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ اخبارات میں اس کا ذکر شائع ہوتا ہے۔ اور سیاسی لوگ گیارہواں کی قیمت کا بہانہ بنا کر حکومت پر حملے کرتے ہیں ہر شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ کہ گیارہواں اس قدر گراں ہے۔ اس کی قیمت کم کرنے کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ اور کب اس کی قیمت میں کمی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ موضوع آسان نہیں۔ اس میں کئی عناصر قابل غور ہیں جن لوگوں نے اس مسئلہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بغیر جو علاج تجویز کئے ہیں۔ وہ محض بیسودہی



نہیں۔ بلکہ ابھکا استعمال خطرناک بھی ہے۔ اس قسم کی جاہلانہ محنتیں کی ایک مثال یہ خیال کی جاتی ہے۔ کہ گہیوں کی گرانی کا سبب شرح مالگزاری ہے۔ اس وقت اس صوبہ میں مالگزاری کا اوسط فی ایکڑ ایک سو پندرہ روپے پائی ہے۔ اور ایک ایکڑ میں اوسطاً دس من سے کم گہیوں نہیں پیدا ہوتا۔ گویا مالگزاری  $\frac{1}{2}$  آنہ فی من ہے چونکہ کسی شخص کو  $\frac{1}{2}$  آنہ فی من میں قلیل رقم کا خیال نہیں آ سکتا۔ اس پر صاف ظاہر ہے۔ کہ مالگزاری گہیوں کی گرانی کے اسباب میں سے نہیں۔ اگر کوئی شخص اس پر شبہ کرے۔ تو اسے اس امر پر غور کرنے کی دعوت دینا چاہئے۔ کہ صوبہ کی نصف مین مزارعین کے قبضہ میں ہے۔ جو مالگزاری ادا نہیں کرتے۔ بلکہ مالکان اراضی کو لگان دیتے ہیں جو مالگزاری سے بدرجہا زیادہ ہے۔ گہیوں اور چاول لاکھوں کروڑوں انسانوں کی خوراک کے سب سے بڑے ذرائع ہیں۔ وہ ایک خصوصیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چاول کی کمیت تمام تر اسی ملک میں ہوتی ہے جہاں یہ پیدا ہوتا ہے۔ بہت کم چاول دنیا کے دوسرے ممالک میں بھیجا جاتا ہے لیکن گہیوں سے بڑی خوراک ہے جو باہر بھیجی جاتی ہے دوسری جنسوں کی نسبت زیادہ گہیوں بین الاقوامی تجارت کیلئے بھیجا جاتا ہے اگرچہ دنیا کی پیداوار میں سے نصف سے زیادہ گہیوں یورپ میں پیدا ہوتا ہے تاہم فرانس، جرمنی، اطالیہ اور سلطنت متحدہ میں بہت گہیوں کی درآمد ہوتی ہے۔ اور اسی مانگ کی بنا پر گہیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے جو گہیوں کاشت کرنے والے کو ملتی ہے جنگ سے پہلے روس، ریاتہلے متحدہ بہت مقدار میں گہیوں پیدا کرتے تھے۔ اسٹریا، ہنگری اور ہندوستان اس بارے میں ان سے بہت پیچھے تھے۔ گہیوں کی درآمد کر نیوالے ملکوں میں ہندوستان کا درجہ پانچواں تھا۔ اور سلطنت متحدہ میں سب سے زیادہ گہیوں کی درآمد ہوتی تھی۔ گویا ہندوستان میں گہیوں کے نرخ کا انحصار انگلستان کی مانگ پر ہے۔ اس جنس کی بڑی منڈی لوہ پاول ہے یعنی لوہ پاول کا نرخ دنیا بھر کے لئے گہیوں کا نرخ مقرر کرتا ہے۔ دوسرے مقامات میں گہیوں کا نرخ ہو گا جو لوہ پاول میں ہو گا۔ صرف اس میں سے وہاں تک گہیوں پہنچانے کے مصارف منہا کر لئے جائینگے۔ علم موسموں میں جب تجارت پر پابندیاں نہیں ہوتیں۔ پنجاب میں گہیوں کے نرخ کا دار و مدار لوہ پاول کی قیمت پر ہوتا ہے۔ اگر یہاں سے گہیوں خرید کر جہازوں پر سوار کر کے لوہ پاول بھیجا جائے۔ اور اس سے نفع حاصل کیا جاسکے۔ تو گہیوں لوہ پاول بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن جب گہیوں بھیجنے میں نفع حاصل

نہ لو سکے تو یہاں سے اٹھتے تان بیجا نہیں جاتا۔ اس امر پر زور دینا ضروری ہے کہ گہیوں ایک ایسی جنس ہے جسے بین الاقوامی تجارت میں اہمیت حاصل ہے کیونکہ بعض لوگ ایسے نسلج کو بھی جو پنجاب سے باہر کے حالات کے ثمرات ہیں مقامی اسباب کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جب تجارت پر پابندیاں عاید کر دی جاتی ہیں۔ گو گہیوں کی قیمت کا انحصار مقامی اسباب پر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب یہاں قیمت بہت گراں ہو یا لو پول میں قیمت استعمار نزل ہو جائے کہ یہاں سے گہیوں باہر بھیج کر فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے۔ جب بھی قیمت کا فار و مدار مقامی اسباب پر ہوتا ہے لیکن ان مواقع کے سوا گہیوں کے نرخ کا انحصار دنیا کے نرخ پر ہے۔ اور اس کا دار و مدار تمام دنیا کی پیداوار اور تمام دنیا کی مانگ پر ہے۔ اس طرح گویا گہیوں کی قیمت کے مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ دنیا کے اقتصادی حالات پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے۔

یہ امر کہ گہیوں بین الاقوامی تجارت کی ایک اہم جنس ہے۔ صرف اس حقیقت کا شرمندہ احمقانہ نہیں۔ کہ گہیوں کو خوراک کی حیثیت سے قبولِ علم حاصل ہے۔ کئی دوسری اجناس ایسی ہیں جنہیں گہیوں سے بھی زیادہ خوراک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مثلاً دودھ ایک بہت ہرلے خوراک ہے لیکن بین الاقوامی تجارت کی چیز نہیں۔ گہیوں میں بعض ایسی خصوصیات موجود ہیں کہ اس کا خریدنا اور فروخت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ یہ جلد فراہم نہیں ہوتا۔ اور جب اسے رکھے ہوئے کسی مہینے گزر جاتے ہیں۔ تو کھایا جاتا ہے۔ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی لیجا یا

لے لائیں۔ میں گہیوں کا نرخ سالہ پانچ روپے فی من ہو تو یہ گویا کراچی میں ۶ روپیہ ۲ آسے ۸ پائی کے برابر ہو۔ کراچی سے اٹھتے تان تک کا کرایہ جنگ عظیم سے پہلے تقریباً ۲ روپیہ فی من تھا۔ جنگ کے زمانہ میں کرایہ بگھا ہو گیا لیکن اب اس میں کمی ہو رہی ہے۔ اگر کرایہ کی شرح مستقل زمانہ ماقبل جنگ کے کرایہ سے دگنی ہو جائے۔ تو لاکھوں سے گہیوں سالہ پانچ روپیہ فی من کے حساب سے خرید کر بھیجا جائیگا۔ اور اٹھتے تان میں چھ روپیہ دس آن فی من کے حساب سے پہنچے گا۔ (جب کہ روپیہ کی قیمت ایک شلنگ اور چار پنس ہو) کرایہ کم ہو۔ تو ساری دنیا میں گہیوں کی قیمت ایک سی ہو جائیگی۔ اسکل کرایہ زیادہ ہے۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمانہ ماقبل جنگ کی نسبت گہیوں کی برآمدی طرح محدود ہوتی جائیگی جس طرح محصول برآمد محدود ہوتا تھا۔

جاسکتا ہے۔ اور اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کا ذخیرہ بکاسانی رکھا جاسکتا ہے۔ اور اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ اسے قموں اور دجوں میں تقسیم کیا جاسکتا۔ اور اسے فروخت کرنے کے لئے صرف اُس کی رقم بتا دینا کافی ہے۔ مثلاً کراچی میں جعفر گہیوں موجود ہے۔ وہ لورپول میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ نہ اُسے کراچی سے لورپول میں منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئے گی نہ خریدار کو اس کا نمونہ بھیجنے کی ضرورت ہوگی۔ گہیوں کا نرخ دنیا کے ہر ملک میں تقریباً وہی ہوتا ہے جعفر لورپول میں۔ اُسکی یہ خوبی تمام بازی یا رٹا کے لئے آسانیاں ہم پہنچا دیتی ہے اگر کسی تاجر کا گودام گہیوں سے بھرا ہوا ہے۔ تو وہ اُسے ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ بیچ سکتا ہے۔ اور خریدار اُسے کسی دوسرے شخص کے پاس اُسی حالت میں فروخت کر سکتا ہے۔ اور اُسے اور دو سو سے خریدار کو اس کے خریدار کو اس کے مکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اب ہم اہل مضع کے قریب پہنچ گئے ہیں، پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے۔ گہیوں کی قیمت کا سوال کوئی نیا نہیں۔ انگلستان میں آٹھ سو سال سے گہیوں کی تجارت میں پہلے تو بادشاہ اور پھر پارلیمنٹ دخل دیتی رہی ہے۔ اس عرصہ میں اس کے نرخ کو قابو میں رکھنے کے لئے کئی طریقے اختیار کئے گئے۔ اور اس طرح بہت سا تجربہ حاصل ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت اس مسئلہ کو چھڑنا پسند نہیں کرتی۔ گہیوں تنہا ایسی فصل نہیں جسے کان پیدا کر سکتا ہے۔ اور کان اُس وقت تک اس جنس کی کاشت نہیں کریگا۔ جب تک وہ اس سے نفع حاصل نہ کر سکے۔ شاہ ولیم چارلس کے انگلستان میں آنے سے چار سو سال کے بعد انگلستان کی حکومت نے گہیوں کی تجارت کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی تاکہ عالم کو گہیوں سے پیٹا پالتے ہیں۔ فائدہ پہنچایا جائے۔ اس وقت اُسے معلوم ہوا۔ کہ اس سوال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ یعنی گہیوں کا انزاں ہونا ہی ضروری نہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ گہیوں کثیر تعداد میں ہو۔ یہ ایسا سبق ہے۔ کہ اخبارات کے اکثر مضمون نگاروں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ گہیوں کی انزانی سے اُس صورت میں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ وہ بہت غلطی مقدار میں موجود ہو۔ گہیوں پر برسر اوقات کرنیوالوں کو خوش کرنے کی کوشش انگریزی حکومت چار سو سال تک کرتی رہی لیکن اس کے بعد اس نے کانوں کی حوصلہ افزائی کے بجانب توجہ کی یعنی انہیں گہیوں کی مرید کاشت پر آمادہ کرتی رہی۔ اُس نے عموماً کر لیا کہ گہیوں کی کاشت کرنیوالوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ گذشتہ

تین یا چار سو سال کے عرصے میں حکومت گیہوں کا نرخ اس حد تک گراں رکھنے کی کوشش میں مصروف ہے جس سے کسانوں کو اپنی محنت کا معاوضہ مل جائے۔ اور وہ ایسے بیش از بیش پیدا کریں۔

جب گیہوں کی برآمد میں مداخلت کی گئی۔ اور اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ کسان کو پہلے گیہوں کی جس قدر قیمت مل جاتی تھی۔ اُس میں کمی واقع ہو گئی۔ تو اس نے گیہوں کی کاشت ترک کر کے دوسری چیزوں کی پیداوار کی جانب توجہ کی۔ جن سے زیادہ قیمت وصول ہو سکتی ہے اور پھر اُن لوگوں کی مداخلت کا بھی اندیشہ نہیں رہا۔ جو محض اِس گروہ کا خیال رکھتے ہیں جس میں گیہوں صرف ہوتا ہے۔ انگلستان کے کسان نے تو بہت حد تک گیہوں کی کاشت ترک کر دی۔ اور اپنی زمین کو بھیڑوں کے چرے کے لئے چراگاہ کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اتفاق یہ ہوا۔ کہ بھیڑوں سے گیہوں کی نسبت زیادہ فائدہ ہوا۔ اور جب مویشی کی غور و پرداخت کے متعلق نئے انکشافات ہوئے۔ تو چراگاہوں کو 'دودھ'، 'مکھن'، اور مویشی کی پرورش کی دوسری اشیاء کے لئے وقف کر دیا گیا۔ جنگِ عظیم کے زمانہ میں جب ہر شخص فراہمیِ خوراک کے لئے متفکر تھا۔ انگلستان میں پانچ فی صدی سے دس فی صدی قبہ گیہوں کی کاشت ہوتی تھی۔ اِس لئے کسان کو قیمتی اور منفعت بخش چراگاہوں میں لوگوں کی خوراک کے لئے گیہوں کی کاشت پر آمادہ کرنے کے لئے خاص تدابیر اختیار کی گئیں۔

ان حقائق کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں جب کہ گیہوں کے نرخ کا مسئلہ سب کے لئے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ لوگوں کو ایسے طریقے اختیار کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ جو مدیوں کے تجربے سے بے سود بلکہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔ جو لوگ مقامی اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں۔ اُن شواہد کو جمع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ جو گزشتہ زمانہ کی تاریخ نے جمع کر دیے ہیں انہیں ان شواہد میں اپنی مجوزہ حکمتِ عملی کی تائید اور ترویج کا سامان ملے گا۔ یورپ میں

علیٰ المحموس انگلستان میں ان سودوں کے پرانے ریکارڈ محفوظ ہیں۔ جو آج سے صدیوں پیشتر کئے جا چکے ہیں۔ اس طرح یہ امر بہت آسان ہے۔ کہ تاریخی دستاویزوں کی مدد سے لیڈروں کے بیان کے کذب و صداقت کا امتحان کیا جائے۔

یہاں تک تو ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ کہ گیہوں کی بحث کے سلسلے میں دنیا کے حالات کا وسیع مطالعہ ضروری ہے۔ گیہوں بین الاقوامی تجارت کا ایسا اہم غلہ ہے۔ کہ اس کی قیمت کا انحصار دنیا کی تجارت کے اسباب و عوامل پر ہے اور چونکہ اس میں اس قسم کی خوبیاں موجود ہیں۔ کہ اس کی قیمت بتا کر اسے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ خواہ کسی شخص کے پاس کتنا ہی گیہوں کیوں موجود نہ ہو۔ وہ ان پر پتی پنچائنتوں کے مطالعہ سے جو ولایت سے آتے ہیں۔ اور جن میں یورپوں کی منڈی کے نرخ دیئے جاتے ہیں۔ گیہوں کی قیمت معلوم کر سکتا ہے۔ یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ حکومت ابتدا سے گیہوں کی تجارت اور اس کے نرخوں کو منظم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ پہلے وہ عوام کے مطالعہ کے خیال سے ایسا کرتی رہی۔ پھر اُس نے کسان کی قیمت بڑھانا شروع کی۔ تاکہ وہ اُس اہم جنس کی کاشت کرتا رہے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ گزشتہ صدی کے وسط میں انگلستان نے اندج کے قوانین منسوخ کر دیئے گئے۔ لیکن فرانس میں ۱۸۷۵ء میں بھی گیہوں پر محصول درآمد لگایا گیا۔ جس میں اُس کے بعد بارہ اضافہ ہوا۔ جنگ سے پہلے آخری مرتبہ ۱۸۹۷ء میں یہ محصول بڑھایا گیا تھا۔ وہاں یہ مقصد پیش نظر تھا۔ کہ کسان کو معقول قیمت گندم اور معقول منافع کے حصول کا یقین دلا دیا جائے۔ تاکہ گیہوں کی کاشت ہوتی رہے۔

پنجاب میں ابھی تک گیہوں کا نرخ قائم رکھنے کے لئے کسی کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہاں کے زمیندار اپنی زمین کے ایک بہت بڑے حصے میں گیہوں کی کاشت کرنے پر خود ہی ضرورت سے زیادہ آمادہ

تھے۔ موجودہ حالات کو سمجھنے کے لئے ان ابتدائی سالوں پر نظر ڈالنا مفید ہوگا۔ جب پنجاب کے گیارہویں پر دنیا کی منڈیوں کے نرخ کا اثر نہیں پڑا تھا یہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ جہاں تجارت پر پابندیاں عائد نہ ہوں۔ وہاں نرخوں کا انحصار مقامی اسباب و حالات پر ہوتا ہے۔ اس طرح جہاں اندج کو منڈی تک پہنچانے میں آسانی نہ ہو وہاں بھی نرخ مقامی ہوگا۔ اور مختلف مقامات کا نرخ ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ جب تک پنجاب ریلوے کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ یہاں کے نرخوں کا دار و مدار مقامی فصل پر ہوا کرتا تھا مثلاً ٹیڑھ اٹھیل خاں پر ریلوے کی تعمیر کا اثر بہت دیر کے بعد پڑا۔ وہاں گیارہویں ۱۸۶۲ء میں روپیہ کا بائیس سیر تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ابھی فصل ہوئی۔ نرخ زیادہ اڑاں ہو گیا۔ اور گیارہویں پچاس سیر فی روپیہ ملنے لگا۔ ۱۸۶۹ء میں فصل اچھی نہیں ہوئی۔ اس لئے گیارہویں کی قیمت ۱۲ سیر فی روپیہ ہو گئی۔ جس سال اچھی فصل ہو یہ ضروری ہے۔ کہ غلہ کی فراوانی ہو جائے۔ اور غلہ فروخت نہ ہو سکے تقریباً ۱۸۵۸ء میں امرتسر کے اندر ہی ہوا۔ دہلیوں نے زمینداروں سے گیارہویں نرخ پر خرید لیا لیکن گیارہویں کی فراہمی مانگ سے زیادہ تھی۔ اسلئے قیمتیں بہت کم ہو گئیں۔ اونٹے تباہ ہو گئے نہیں کوئی خریدار نہیں ملتا تھا اور گیارہویں گو دواں میں پڑا سرتا تھا۔ جس زمانہ میں رائج رسل و رسائل ناقص تھے۔ فصل کی فراوانی ہمیشہ کان کیلئے حرجت اور برکت کا باعث نہیں تھی۔ تقریباً ۱۸۵۷ء کا ذکر ہے۔ کہ کان کو اچھے سالوں میں فی روپیہ چالیس سیر یا پچاس سیر گیارہویں فروخت کرنا پڑتا تھا۔ بحیثیت مجموعی یہ کہنا چاہئے۔ کہ شہروں میں اس وقت گیارہویں کے نرخ کا واسطہ ۲۰ سیر سے ۲۵ سیر فی روپیہ تھا۔ اب بھی بعض لوگ ایسے موجود ہیں جن کی خواہش ہے۔ کہ گیارہویں کا یہی نرخ ہو جائے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس مقصد کیلئے کوئی کارروائی کرنا چاہئے۔ وہ ان تخیلات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ۱۸۵۷ء سے آج تک رونما ہوتے ہیں۔ وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں۔ کہ ریشا لگائے والوں کے سوا خدا کی قیمت میں تبدیلیاں کسی شخص کے لئے مفید نہیں۔ ریلوے تعمیر سے یہ معلوم کرنا یقیناً بہت دشوار ہوگا۔ کہ گیارہویں کب خریدنا چاہئے۔ اور کتنی دیر تک اس کا ذخیرہ رکھنا چاہئے۔ قیمتوں میں موسم کے اعتبار سے بہت اختلاف رہتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جون میں گیارہویں کا نرخ سولہ سیر فی روپیہ ہو۔ اور جنوری میں ۹ سیر۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی کے اندر یہی قیمتیں تھیں۔ اسی سال کا ذکر ہے۔ کہ سرتسہ میں ماہ جون ۱۱ سیر نرخ تھا۔ اور جنوری میں ۶ سیر۔

نرخ کے ان اختلافات کی یہ وجہ تھی کہ محل و نقل کیلئے مناسب آسانیاں میسر نہیں تھیں۔ ہر علاقہ میں جو گہیوں صرف ہوتا تھا۔ وہ وہیں کی پیداوار ہوا کرتا تھا۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ اناج لے جانے کی ضرورت اُسی وقت پیش آئی تھی جب نرخ میں بہت بڑا فرق ہو۔ ہر ضلع کا نرخ مختلف تھا۔ ہر مہینہ نرخ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک سال زمیندار کے پاس اتنا غلہ نہ ہو کہ اس کے بیچنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور دوسرے سال اچھی فصل ہونے کے باعث منڈی میں اناج ہی اناج نظر آئے۔ اور وہ غلہ بیچ نہ سکے۔ ایسے زمانہ میں مقامی منڈی کی ضرورت سے زیادہ گہیوں پیدا کرنے کیلئے کوئی چیز محرک نہیں تھی۔ کسان اسی چیز کی کاشت کرتا ہے۔ جسے وہ فروخت کر سکے۔ اگر وہ فروخت نہ کر سکے تو وہ کاشت بھی نہیں کریگا۔ یعنی اگر اُسے یقین نہ ہو جائے کہ اُسے زائد از ضرورت پیداوار کی فروخت کیلئے کوئی منڈی مل جائیگی۔ تو اُسے کیا پڑی ہے۔ کہ زراعت کو وسعت دے۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ کیونکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ تجارت برآمد مفقود ہو تو ہر سال زائد از ضرورت غلہ پیدا نہیں کیا جائیگا۔ تقریباً ۱۸۵۰ء میں پنجاب کے جن قسٹدر حصہ میں گہیوں کی کاشت ہوتی تھی۔ وہ ۵۴۴۰۰۰۰ ایکڑ یا تمام مزدعہ رقبہ کا ۳۱ فیصدی تھا۔ لیکن صرف چند لاکھ روپیہ کا گہیوں باہر بھیجا گیا۔ اُس وقت ریلوے نہیں تھی۔ نہریں کم تھیں۔ صرف دو آبہ باری اور مغربی جہنا کی نہریں چلتی تھیں۔ نہر سرسند کا ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۵ء میں شروع ہوئی اور اس کی وجہ سے اس رقبہ میں اضافہ ہو گیا۔ جس میں گہیوں کی کاشت ہوتی تھی۔ ۱۸۹۵ء و ۱۸۹۶ء تک وہ رقبہ جس پر گہیوں کی کاشت ہوتی تھی۔ ۶۲۶۰۰۰۰ ایکڑ ہو گیا۔ اس میں سے نصف سے زیادہ یا ۳۲ لاکھ ایکڑ کی آبپاشی ہوتی تھی۔ اور تیس لاکھ ایکڑ رقبہ کی آبپاشی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ یہ رقبہ تمام رقبہ کا ۳۲ فیصدی تھا۔ آبپاشی کی توسیع کی وجہ سے مجموعی پیداوار بڑھ کر ۲۳ فیصدی ہو گئی۔ گویا اندازہ چار کروڑ تیس لاکھ من کی بجائے پانچ کروڑ تیس لاکھ من پیداوار ہونے لگی۔ اس میں سے تقریباً ۱۱ لاکھ من یا ۱۱ سے کم باہر بھیجا گیا۔

۱۹۱۶ء سے سو بہ میں عجیب غریب تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ سال پنجاب کی تاریخ میں کلی تخییر کا سال سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اسی سال میں پستی اور افلاس کی جگہ ترقی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس سال



کا بڑا واقعہ نہر چناب کا افتتاح۔ اور لائل پور کا آباد ہونا تھا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت میں بہت ترقی ہو گئی۔ اور اسکے ساتھ ہی دولت بھی بڑھ گئی۔ اور عام معیار زندگی بھی نمایاں طور پر بلند ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوبہ کے اندر گہیوں کا صرف دیاوہ ہونے لگا۔ اس سے کم درجہ کے غلوں کا بازار سرد پڑ گیا۔ یہ تبدیلی شہروں میں خاص طور پر ہوئی۔

نہر چناب کے بعد دوسری بڑی نہروں کی تعمیر کی۔ اور جس رقبہ میں گہیوں کی کاشت ہوتی تھی۔ وہ بڑھ گیا۔ نو سال تک یعنی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۱ء تک گہیوں کا رقبہ ۹۰ لاکھ ایکڑ سے زیادہ تھا۔ ان سالوں میں پنجاب کا رقبہ وہی تھا۔ جمناج ہے۔ دہلی اور صوبہ سرحد اس سے الگ ہو چکے تھے۔ اس لئے اگر اس رقبہ کو بیا جلتے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ منہ کی نسبت گہیوں کی فصل دو گنی ہو گئی ہے۔ مجموعی پیداوار اندازاً ۸ کروڑ دس لاکھ من تھی۔ حالانکہ منہ میں ۴ کروڑ تیس لاکھ من پیداوار تھی۔ اور منہ میں پانچ کروڑ تیس لاکھ من۔ یہ اضافہ آبادی کے اضافہ سے بہت زیادہ ہے۔ منہ میں آبادی تقریباً ایک کروڑ ۶۲ لاکھ پچاس ہزار تھی۔ اور اب دو کروڑ ہے۔ یہ اعداد و شمار توجہ کے محتاج ہیں۔ کیونکہ صوبہ میں گہیوں کی اس قدر پیداوار ہوتی ہے جو لوگوں کی ضروریات سے زیادہ ہے۔ اگر منہ کی نسبت فی کس صرف گندم بھی بڑھ گیا ہو جب بھی نکتہ بین جس قدر اضافہ پیداوار کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں۔ حقیقی اضافہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ یہی زاید و ضرورت پیداوار ہے جس پر تجارت برآمد کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور اسی میں تجارت و درآمد اور تجارت پیشہ جماعتوں کی دولت میں اضافہ کا راز پنہاں ہے۔ جسے پنجاب کی گذشتہ تاریخ کی نمایاں خصوصیت سمجھنا چاہیے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۸۹۹ء تک یعنی نہر چناب کے افتتاح سے پیشتر گہیوں کی برآمد کا اوسط ۴۸۰۰۰ ٹن سالانہ تھا۔ جنگ سے پہلے تین سال کے عرصہ میں ۱۲۴۹۰۰۰ یا تقریباً پانچ گنا اوسط تھا۔ آئندہ چھ سالوں کا اوسط ۵۰۰۰۰ ٹن تھا۔ برآمد شدہ گہیوں کی قیمت اس عرصہ میں ایک کروڑ ۴۸ لاکھ سے ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ ہو گئی۔ اس صوبہ میں تجارت جس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ اسے واضح کر دیکھئے۔ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ گذشتہ نو سال کے عرصہ میں پنجاب برآمد شدہ گہیوں کے عوض میں غیر ملکی پیداوار سے اتنی کروڑ روپیہ سے زیادہ وصول کر چکا ہے۔ اس کثیر رقم کا کچھ عرصہ تو مصروفیات کی صورت میں محصول



ہوا۔ کچھ سونے اور چاندی کی صورت میں اور کچھ دوسری اجناس کی صورت میں تجارت  
بمبادیہ تجارت مدامدوں سے تجارت پیشہ پیشہ گروہوں نے منافع حاصل کیا۔ بلکہ صورت  
وگر انہیں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان حقائق کا ان لوگوں کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔ جو گہوں  
کی تجارت پر پابندیاں عائد کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ گہوں کی گرانی کی کفایت اکثر شہر کے باشندے  
کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی لوگ ہیں۔ جو زیادہ قیمت کی وجہ سے نفع حاصل کر رہے ہیں۔ اگر گہوں کی برآمد  
کو مستقلاً ممنوع قرار دیا جائے۔ تو اکثر تجارتی ادارے تباہ ہو جائیں گے اور شہروں کی معاشی و اقتصادی ترقی  
یہ نکتہ اس قابل ہے کہ اس پر زیادہ زور دیا جائے۔ کیونکہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ گہوں کے نرخ  
کی گرانی سے صرف زیندار فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ کسانوں کو جو زیادہ قیمتیں ملتی ہیں۔ ان کے مقابلہ  
میں مصارف وغیرہ کے سلسلہ میں بیوں آلات کشادہ می اور دوسری ضروری اشیاء کی بھی گراں قیمتیں  
اما کرنی پڑتی ہیں۔ ایک کمیشن ایجنٹ یا آرٹھی اسٹے کا کرتا ہے۔ کہ اُسے فی صدی مناسبت کمیشن ملتا ہے۔  
اور جوں جوں قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اُس کا کمیشن بھی بڑھتا جاتا ہے۔ ہر شخص اس امر سے باخبر ہے کہ  
گذشتہ سالوں میں تجارت پیشہ لوگ خوشحال ہو گئے ہیں لیکن جو لوگ گہوں کی قیمت گھٹانے کے خواہشمند ہیں  
وہ شاید ہی اس کا ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا جواب طلبہ ال یہ ہے۔ کہ جب قدر گہوں برآمد کیا جاتا ہے۔ اُسے نکال کر باقی جن گہوں  
صوبہ میں رہ جاتا ہے بحیثیت مجموعی اسکی کاشت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یا کچھ صوبہ میں جب قدر گہوں  
صرف ہوتا ہے۔ اسکی مجموعی مقدار میں تجارت بامد کی وجہ سے کوئی کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس کے سوال  
کے جواب میں صحیح اعداد و شمار تو نہیں پیش کئے جاسکتے۔ کیونکہ تجارت برآمد کے اعداد و شمار میں  
وہی ریاستوں کا گہوں بھی شامل ہے۔ حالانکہ پیداوار کے اعداد صرف پنجاب سے متعلق ہیں۔ مزید  
برآں صوبہ سرحد کے اعداد کو ریلوے اعداد سے الگ کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن کوئی شہادت ایسی  
نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ صوبہ کے اندر جب قدر گہوں صرف ہوتا ہے۔ اُس کی مقدار میں کمی  
جو رہی ہے۔ بلکہ ہر شخص جسے آج سے بیس سال پہلے کے حالات یاد ہیں۔ یہ گواہی دے گا کہ

اے سرچیز میں نے اپنے مقالہ نمونہ دنیا کے گہوں میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں گہوں کا صرف زمانہ ایک اندازہ فیصدی ہے

گیہوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت تک ہم نے یہی ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے۔ کہ صوبہ کی موجودہ خوشحالی کی وجہ بہت حد تک یہ ہے۔ کہ گندم کی زراعت زیادہ وسیع ہو گئی ہے۔ جس سے برآمد بھی کی جاتی ہے۔ اور یہ چیز خوردیوے اور ہزاروں کی تعمیر کی مرہون منت ہے۔ ریلوے کی تعمیر کا یہ اثر پڑا ہے۔ کہ نرخ مستقل ہو گئے ہیں۔ مختلف مقامات کی قیمتوں میں خدائ اختلاف نہیں اور سال کے مختلف حصوں میں نرخ تبدیل نہیں ہوتے رہتے۔ ہر سال کے نرخوں میں بھی نسبتاً کم اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی گیہوں کے نرخوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جب تک صوبہ کے طول و عرض میں ریلوے کا سلسلہ اچھی طرح قائم نہیں ہوا تھا۔ نرخوں کا دار و مدار مقامی حالات پر تھا۔ کسان اُسی قدر قیمت حاصل کر سکتا ہے جتنی اسے قریب ترین منڈی میں مل جاتی تھی۔ اور جب قریب ترین منڈی میں اس کی تمام پیداوار بک نہیں سکتی تھی۔ تو زیادہ ضرورت جس پرٹی سڑا کرتی تھی ان حالات میں کسان کو کوئی چیز اس امر پر آمادہ کرنے والی نہیں تھی۔ کہ وہ زیادہ وسیع رقبہ میں کاشت کرے۔ کسان اسی قدر جس کی کاشت کرتا ہے۔ جس قدر وہ فروخت کر سکے۔ ریلوے کی تعمیر کا یہ اثر ہوا کہ دنیا بھر کی منڈیوں کے درمیانے پنجاب پر کھل گئے۔ اُسے اپنی پیداوار کی پوری یا اور نہیں تو نسبتاً بہتر قیمت ملنے لگی۔ اس طرح کسان کی بہت بڑھ گئی۔ اور وہ زیادہ رقبہ میں زراعت کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مزید رقبہ میں آبادی کی نسبت زیادہ سرعت سے اضافہ ہوا۔ پہلے کی نسبت فی کس پیداوار کا اوسط بڑھ گیا۔ اور اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کرنا ممکن ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک غلط اندیشہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو اشیائے خورد و نوش کی تجارت پر بحث کرتے وقت بعض اوقات پیدا ہو جا یا کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کا خیال یہ ہے۔ کہ جو گیہوں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کو محروم کیا جاتا ہے۔ اگر یہ گیہوں باہر نہ بھیجا جاتا۔ تو لوگوں کے صرف میں آتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ تجارت برآمد سے اس قدر گیہوں باہر چلا جاتا ہے۔ کہ لوگوں کے کھانے کیلئے کم باقی رہ جاتا ہے۔ یہاں تک بھی کہا گیا ہے۔ کہ کسان گیہوں کو بیرونی خریداروں کے ہاتھ فروخت کر کے پنجاب کے شہروں کی آبادی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص اس حقیقت سے باخبر ہے۔ کہ کسان اپنی پیداوار بنے یا گاؤں کے تاجر غلہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ اُسے اس کی قیمت مل جاتی ہے۔ اور اسکے بعد اسے بھی اس امر سے اسکا

کوئی تعلق نہیں رہتا کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ وہ اسے بیرونی خریدار کے پاس ہرگز نہیں فروخت کرتا۔ گاٹل کا بنیا اسے قریب ترین منڈی کے بڑے بڑے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اس کے بعد اسے بھی اس سے سروکار نہیں رہتا۔ کہ یہ غلہ کہاں جاتا ہے۔ منڈی کا تاجر ایک کاروباری شخص ہے۔ وہ اسے اُن لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ جو اسے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں۔ اسے بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ کہ آخر اس گیلہوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ گیلہوں فروخت کیلئے ہے۔ اور فروخت کر دیا جاتا ہے۔ جو شخص چاہے خریدے۔ اس میں اس بات کا کوئی امتیاز نہیں۔ کہ گیلہوں اس صوبہ میں صرف ہو۔ یا قریب کے صوبوں میں۔ اور یا یورپ میں۔ اگر کسی شخص کو شکایت ہے۔ کہ پنجاب سے گیلہں باہر بھیجا جا رہا ہے۔ تو اسے اس بات کی آزادی حاصل ہے۔ کہ یہ گیلہوں خرید کر تجارت برآمد کر دے۔ یا جات میں شخص آڑے ہے۔ بحالت موجودہ گیلہوں کی قیمت اس قدر زیادہ ہو گئی ہے۔ کہ اس سے اکثر اشخاص متبرائے مصیبت ہو رہے ہیں۔ اور یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے۔ تو لوگ قسائی نقائص کا علاج سیاسیات میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ یہ جانتا چاہتے ہیں۔ کہ قیمت کی زیادتی کے اسباب کیا ہیں۔ اور اس قیمت کو معقول حد تک گھٹانے کیلئے کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس سلسلے میں جو کچھ لکھ چکے ہیں۔ اگر اسے ذہن میں محفوظ رکھا جائے۔ تو ان مسائل کا جواب دینے کی سعی ممکن ہے۔ گیلہوں کے نرخ میں اضافہ ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے تمام اشیاء کے نرخ میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر لاکھوں انسان غلہ کی پیدائش کی بجائے تباہی و بربادی میں سالہا سال مصروف رہیں۔ تو یہ مزدی ہے۔ کہ اشیاء کی قیمت اس وقت تک بڑھتی چلی جائے تا آنکہ اشیاء کی پیدائش مزدیات پوری کرنے کیلئے کافی نہ ہو۔ مزید برآں جیسا کسی ملک کی کرنسی میں مداخلت کی جائے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو۔ کہ سونے یا چاندی کے سکوں کی جگہ کاغذ کے نوٹ لے لیں جنہاں طور پر جب کہ مجموعی طور پر کرنسی بہت چڑھ جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ جنگ کے زمانہ میں تمام ملکوں میں سونے کے سکوں کا ملین

نہ رہا۔ چنانچہ قیمت کا حساب زبرد کاغذی سے ہونے لگا۔ ہندوستان میں بھی چاندی کے روپوں کی بہت مانگ ہو گئی۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے تھے اور کچھ یہ سبب تھا کہ فلسطین، مشرقی افریقہ اور دوسرے مقامات کی فوجوں میں اس کی ضرورت تھی۔ جنگ سے پہلے ٹیکسال میں جب قدر روپیہ تیار ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کا اوسط ہر سال مختلف ہوا کرتا تھا۔ تاہم ۱۹۱۳ء و ۱۹۱۴ء تک پانچ سال کے حصہ میں سات کروڑ چالیس لاکھ روپے سالانہ تیار ہوتے تھے۔ پیندہ دو سالوں کے اندر یعنی ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء میں ٹیکسال کے تیار شدہ روپوں کی تعداد کم ہو کر ایک کروڑ اسی لاکھ رہ گئی۔ اور ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء میں صرف ایک کروڑ چالیس لاکھ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب نوٹوں کا بھنا نا آسان نہیں تھا۔ اور حکومت اس امر پر مجبور ہو رہی تھی کہ نوٹوں کو کیسی دوسری صورت میں تبدیل ہونے کے ناقابل بنا دیا جائے۔ ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء میں جس قدر دنیا روپیہ تیار ہوا۔ وہ مجموعی طور پر ۲۹ کروڑ اسی لاکھ تھا۔ ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء میں ۲۲ کروڑ پچاس لاکھ۔ اور ۱۹۱۸ء و ۱۹۱۹ء میں پچاس کروڑ و س لاکھ کی عظیم رقم تک جا پہنچا۔ اس تاریخ سے نوٹوں کو بھنانے میں کوئی وقت نہ رہی۔ روپے کے علاوہ جنگ کے زمانہ میں ہیشمار کرنسی نوٹ غیر متوقع طور پر تیار کئے گئے۔ ان کے اثرات کی دوست کا اندازہ اس سیدھے سادھے بیان سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء کے نوٹ چلائے گئے اور ۱۹۱۹ء میں ایک ارب ۵۳ کروڑ کے۔

اگر ہم سونے کی قیمتوں کا نرخ قائم کرنیکی اساس و بنیاد قرار دیں۔ تو یہ اغلب ہے کہ قیمتیں کم ہو جائیں گی۔ لیکن اسکے لئے بھی کئی سال چاہئے۔ جنگ کے زمانہ میں گیموں کی برآمد ایک ایک ضبط و نظام کے ماتحت آگئی تھی۔ اس لئے نرخوں کے اضافہ کے اثرات کو لوگوں نے پوری طرح محسوس نہیں کیا۔ چنانچہ جس قدر گیموں باہر بھیجا گیا۔ وہ مجموعی پیداوار کا ۲ فیصدی تھا۔ اور یہ یقیناً بہت کم مقدار ہے۔ مزید برآں لائل پور میں تجارت برآمد کے لئے گیموں کی خرید۔ نہ تھی۔ نہ ہی من مقرر کی گئی تھی۔ اس لئے یقیناً موجودہ نرخ کی وجہ تجارت برآمد نہیں ہو سکتی۔ ہر قسمی سے سال گوشہ (۱۹۱۲ء) کی فصل خراب اچھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ سستے غلوں کا نرخ معمول کی نسبت آگے کرنی کی تبدیلی کے اثرات کا مسئلہ ایسا پیچیدہ ہے کہ یہاں اس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ صرف یہ مضمون ہے کہ کئی مہینوں میں نرخ بڑھ

بڑھ گیا۔ اس لئے اکثر لوگ گہوں کھانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر ایک اور قیمتی کا اضافہ ہوا۔  
 یعنی سنگلہ کی فصل اچھ خراب ہوئی۔ ہندوستان کے تمام حصوں میں جہاں جہاں گہوں پیدا ہوتا تھا۔  
 اسکی پیداوار اوسط سے کم تھی۔ سارے ہندوستان کی پیداوار میں کچیس فیصدی کی کمی ہو گئی۔ پنجاب کے  
 متعلق اندازہ کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں گہوں کی فصل معمول سے چالیس فیصدی کم تھی۔ صرف اس صورت میں  
 معمول کی نسبت گہوں کی پیداوار چار کروڑ من کم ہوئی۔ اور آج دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ ان کی  
 سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ گزشتہ زوری میں بمقام لائل پور۔ آٹے کی من نرخ تھا جو تک  
 اس میں اضافہ ہوا۔ اور یہ۔ نہ آٹے ہو گیا۔ اس کے بعد پھر زوری اضافہ ہوا جہاں تک فصل کا تعلق  
 تھا۔ اس اضافہ کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اور تجارت برآمد بھی اس کا باعث نہیں ہو سکتی تھی۔  
 کیونکہ برآمد کی نہایت سختی سے حد بندی کر دی گئی تھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کا سبب بڑا سبب جو  
 یا سٹ تھا۔ گہوں میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اور یہ یقین تھا۔ کہ اس کا سارا ذخیرہ جلد فروخت ہو جائیگا۔  
 گہوں کی آئندہ فصل میں ابھی کئی مہینے باقی تھے۔ اور باہر سے گہوں منگلنے کی بھی کوئی  
 امید نہیں تھی۔ گہوں کے تاجروں کے لئے یہ اچھا موقع تھا چنانچہ ان میں سے اکثر  
 نے سٹ بازی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گزشتہ میں گہوں کا نرخ۔ آٹے کی من ہو گیا۔  
 اور ستمبر میں۔ سہ ماہ کے بعد اس کی قیمت گر رہی ہے۔

گہوں کے نرخ میں اس کمی اور بیشی کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اس  
 لئے یہاں یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اندرونی حالات پر تجارت برآمد کس حد تک  
 اثر انداز ہو سکتی ہے۔

چونکہ سرکاری تخمینوں کی ترتیب میں بہت احتیاط برتی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بتانا  
 آسان نہیں کہ پنجاب کی مجموعی پیداوار میں سے کتنا حصہ باہر بھیجا جاتا ہے لیکن سرسری تخمینہ کی بنا  
 پر بول سکتے ہیں کہ صوبہ کی پیداوار کا ۱۶ فیصدی برودنی مقامات میں صرف ہوتا ہے۔  
 زراعت کے ڈائریکٹر کا تخمینہ ہے۔ کہ گہوں اور گہوں کے آٹے کی پیداوار کا ۱۶ فیصدی  
 ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ تناسب ضرور خام پیداوار کی بنا پر ہے بعض لوگ اسے خطرہ سمجھتے ہیں  
 اور ان کی خواہش ہے کہ گہوں کا صوبہ سے باہر بھیجنا ممنوع قرار دیا جائے۔ یہ لوگ اس امر کی سمجھ

سکتے۔ کہ زائد از ضرورت پیداوار سے کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر گہیوں کی برآمد ممنوع قرار دی گئی۔ تو ہر شخص کیلئے کافی غلہ ہو گا۔ نرخ کم ہو جائیگا۔ اور ہر شخص خوش نظر آئیگا لیکن اگر اسے احمد آباد یا ممبئی کے کپڑے چرپاں کیا جائے تو واضح ہو جائیگا۔ کہ یہ محض ایک منطقی معاملہ ہے۔ یہاں یہ دلیل پیش کرنا چاہیے۔ کہ ممبئی میں اکثر لوگ ایسے ہیں۔ جو کپڑا خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور تقریباً تنگ پھرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ممبئی سے لاکھوں روپے کا کپڑا باہر بھیجا جاتا ہے۔ اسے کپڑے کی برآمد کو ممنوع قرار دی جائے۔ تو کپڑے کی قیمت میں کمی واقع ہو جائیگی۔ بلکہ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا۔ کہ کارخانے اتنا کپڑا تیار نہیں کریں گے۔ جسے نفع پر نہ بیچ سکیں گے۔ اور اس طرح پہلے کی نسبت کم کپڑا تیار ہو گا۔ گہیوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر تجارت برآمد ممنوع قرار دی جائے تو گہیوں کی کاشت کم ہو جائیگی زمیندار کپاس اور دوسری اجناس کی جانب توجہ کریں گے جن میں حکومت کی مداخلت کی اُمید کم ہو۔ اب بھی اگر گہیوں کی قیمت کم کر دی جائے اور دوسری اجناس کی قیمت میں کوئی تخفیف نہ کی جائے۔ یا مصارف پیداوار میں کمی نہ ہو۔ تو زمیندار ایسی جنس کی کاشت پر اپنی توجہ صرف کریں گے۔ جس سے زیادہ منفعت حاصل ہو سکے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ تجارت برآمد قحط سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ ایک ایسا محرک ہے۔ جس کی وجہ سے صوبہ کی ضروریات سے زیادہ گہیوں پیدا کیا جاتا ہے۔ اور ہر سال صوبہ کے پاس زائد از ضرورت غلہ ہوتا ہے۔ اس زائد از ضرورت غلہ کا اندازہ حسب تفصیل بالا ۱۶ فی صدی اور ۲۸ فی صدی کیا گیا ہے۔ اگر فصل اچھی نہ ہوئی۔ تو برآمد بھی کم ہو گئی۔ اگر فصل معمول سے ۱۶ فی صدی کم ہے۔ جب بھی لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی غلہ ہو گا۔ معمولی طور پر ہر سال جو زائد از ضرورت غلہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ایسے اوقات میں جب اشیائے خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے۔ سپر کا کام دیتا ہے۔ اگر صوبہ میں اسی قدر گہیوں پیدا ہو۔ جو یہاں کی مقامی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہو۔ اور کسی سال فصل اچھی نہ ہو





تاقم کی جائیں۔ جن کی وجہ سے مصارف تقسیم میں بہت بچت ہو جائیگی۔ اور ان مجالس کے ارکان کیلئے کم سے کم نغول پر اشیائے خورد و نوش کی خرید ممکن ہو جائیگی۔ فرض کر لیجئے کہ امداد باہمی کی کوئی انجمن جون ۱۹۳۱ء میں اشیائے خورد و نوش خرید لیتی ہے۔ تو یقیناً اُس کے تمام ارکان اُس نقصان سے محفوظ رہیں گے۔ جو جولائی اگست اور بہترین نغول کے زیادہ ہونیکے سبب پیش آتے ہیں۔

بہر حال ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو اپنی مدد آپ کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ بلکہ حکومت کو اس امر پر توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ کہ وہ ملک کی تجارت میں جو باقاعدہ چل رہی ہیں۔ مداخلت کرے۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ اگر حکومت نے تجارت برآمد کی ممانعت کر دی۔ تو حالات تبدیل ہو جائیں گے۔ اور آج جو لوگ اجناس کی گرانی کے سبب تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ انہیں فائز ہوگا۔ تجارت برآمد کی ممانعت ایک مجتہد اساطیق ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ صورتِ باہ و برباد ہو جائیگا۔ جب ذرائع رسل و رسائل میں آسانیاں موجود نہیں ہوں گی۔ یا حمل و نقل کے طریقوں میں نقائص ہوں گے۔ تو عملی طور پر تجارت برآمد کا وجود نہیں رہتا۔ اسیلئے کبھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ مقامی ضروریات سے زیادہ گیہوں کی کاشت کی جائے۔ اُس زمانہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا تھا۔ کہ ہر سال زائد از ضرورت غلہ موجود ہو۔ ۱۸۷۱ء و ۱۸۷۲ء میں صرف چار لاکھ روپیہ کا گیہوں باہر بھیجا جائے۔ اور جب تک رسل و رسائل کی وجہ سے زمینداروں کا تعلق بڑی بڑی منڈیوں سے نہیں ہو گیا۔ وراثت کو اتنی توسیع نہیں دی گئی۔ کہ نفع کے متعلق یقین ہو جانا ہے اب بڑی بڑی نہروں کی تعمیر سے یہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ ہر سال فصل ہوا کریگی۔ اور آہستہ آہستہ یہ ضرورت نہ رہی۔ کہ غلہ کا ذخیرہ رکھا جائے۔ لیکن جو لوگ اس امر پر زور دیتے ہیں۔ کہ حکومت کی جانب سے غلہ کا بہت بڑا ذخیرہ رکھا جائے۔ تاکہ جب غلہ کی قلت ہو۔ تو قیمتیں زیادہ نہ ہو جائیں۔ وہ اسے ٹھنڈل جلاتے ہیں۔ کبھی اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ کہ ایک سال میں جس قدر غلہ صرف ہوتا ہے حکومت اُسے خرید کر روک لے۔ اس کی قیمت تیس کروڑ روپیہ ہوگی۔ اور اس سے جب قدر سود نقصان ہوگا۔ اُس کی مالیت ایک کروڑ اسی لاکھ روپیہ سالانہ ہوگی۔ کیونکہ حکومت کو اس کی قیمت قرض لے کر ادا کرنا پڑیگی۔



اگر تجارت برآمد کو ممنوع قرار دیا گیا۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ملک پھر مہرپانے زمانے کی طرح افلاس و نکبت اور قحط کی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیگا۔ کوئی ایسی چیز نہیں رہیگی۔ جو لوگوں کو نائد از ضرورت غلہ پیدا کر نیکی محرک ہو۔ اگر عارضی طور پر گہیوں کو ممنوع قرار دیا جائے۔ تو یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عارضی طور پر تو جنگ بھی گوارا کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اگر قیمتیں کم کر نیلی غرض سے اسے مستقل حکمت عملی بنایا جائے۔ تو اس سے سراسر نقصان ہے۔ اگر ہندوستان سے غلہ کی برآمد ممنوع قرار دی جائے۔ تو پنجاب کے لوگ پھر بھی قیمتوں کی گمرانی سے نجات ماہل نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ غلہ کیاب ہو جائیگا۔ کیونکہ دوسرے صوبوں میں مانگ بڑھ جائیگی۔ اسی طرح ایسی صورت میں جبکہ پنجاب میں ہمسایہ صوبوں سے غلہ آ رہا ہو۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ صرف پنجاب سے غلہ کی برآمد ممنوع قرار دی جائے۔ جو لوگ تجارت میں مداخلت کا مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ وہ ایک اور بات بھی مقبول ہو جاتے ہیں کہ اگر مصنوعی طریقوں سے قیمتوں کو کم کر نیکی کوشش کی جائے۔ تو غلہ کا صرف بڑھ جائیگا۔ اور چونکہ اس امانت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اسلئے اس انتہائی حکم کے اثرات کا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس صوبہ اور دوسری ممالک کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسان ایسی صورت میں کسی اور جنس کی کاشت کی جانب توجہ کر یگا۔ جس میں لوگوں کے غل شور مچانے پر حکومت وقت کی مداخلت کا امکان کم ہو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ جب ایک موسم کی پیداوار مقامی ضروریات پورا کرنے کیلئے کافی نہ ہو۔ تو قیمتیں بڑھتے بڑھتے اس حد تک جا پہنچیں گی۔ کہ تجارت میں کوئی فائدہ نہیں رہیگا جب برآمد اس طرح بند ہوگئی۔ تو آئندہ قیمتوں میں جو کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ اس کے اسباب مقامی ہونگے۔ اس سال اگست سے بہت پہلے گہیوں کا نرخ اس قدر گراں ہو گیا۔ کہ تجارت برآمد بالکل غیر منفعت بخش رہ گئی۔ اس لئے اگست اور ستمبر میں نرخوں میں جو اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ تجارت برآمد دنیا کی منڈیوں کا نرخ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر فصل ربیع اچھی ہو جائے تو قیمتیں کم ہوتی ہوئی اس حد تک پہنچ جائیگی۔ کہ برآمد میں نفع ہوگا۔ بحالت موجودہ تو یہی قرین قیاس ہے۔ کہ مقامی نرخ دنیا کی منڈیوں کے نرخ کے اثرات سے آزاد ہے۔

ایک اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ کبھی غلہ میں معمولی سی بھی قلت ہو جائے۔ تو زرخوں میں اضافہ  
 اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو اس قلت سے نسبت نہیں رکھتا۔ اسی طرح غلہ کی طلب سے اگر اُسکی برد  
 تصور ہی بھی زیادہ ہو۔ تو قیمتیں اس قدر کم ہو جاتی ہیں۔ کہ زائد از ضرورت غلہ سے اُن کا کوئی  
 تناسب نہیں ہوتا۔ جب تجارت برآمد پر محصول لگانے کی تجویز پیش کی جائے۔ تو ان باتوں کا خیال  
 رکھنا چاہیے۔ پنجاب کے مصائب کی حقیقی وجہ یہ ہے۔ کہ زائد از ضرورت پیداوار مقامی مانگ  
 سے کہی قدر ہی زیادہ ہے۔ اور اسکا صحیح علاج یہ ہے۔ کہ پیداوار کو اس قدر ترقی دی جائے  
 کہ قلت غلہ کے زمانہ میں کافی غلہ موجود ہے۔ چونکہ ہر معمولی سال میں مقامی مانگ پوری ہو جاتی  
 ہے۔ اسلئے پیداوار میں جس قدر اضافہ ہوگا۔ وہ اُسی غلہ میں اضافہ کرے گا۔ جو برآمد کیا جا سکتا  
 ہے۔ اور جیسا ہم کہہ چکے ہیں۔ قحط کے زمانہ میں یہی غلہ کام آ سکتا ہے۔ پیداوار میں اضافہ کہنے کے  
 بہترین وسائل یہ ہیں۔ کہ موجودہ رقبہ میں جو زراعت ہوتی ہے۔ اُسے ترقی دی جائے۔ مزید بہتر  
 تعمیر کر کے رقبہ مزید بڑھ کر وسیع کیا جائے۔ پنجاب کے لوگ اگر اس بات پر زور دیں۔ کہ محکمہ  
 زراعت کو ترقی دی جائے تو مزید نہروں کی تعمیر میں انکا حصہ بہت اہم ہوگا۔

باقی یہی یہ تجویز کہ جو گیہوں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس پر محصول برآمد لگایا جائے۔ تو یہ بات ظاہر  
 ظاہر نہیں۔ کہ آیا محصول لگانے چاہتے ہیں۔ جو اس ملک سے برآمد کیا جاتا۔ یا محض اسی  
 گیہوں پر محصول لگانا مقصود ہے۔ جو اس صوبہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔ اگر صرف اُسی گیہوں  
 پر محصول لگایا جائے۔ جو اس صوبہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔ تو جب کبھی ہندوستان کے کسی دوسرے  
 حصہ میں اچھی فصل نہ ہوئی۔ پنجاب کے گیہوں کی مانگ بڑھ جاوے گی۔ اور اس صوبہ میں بھی گیہوں کا  
 نرخ گرے گا۔ جیسا کہ آج بھی صوبجات متحدہ میں یہ شکایت عام ہے۔ کہ پنجاب میں گیہوں  
 کی مانگ بڑھ جائیگی۔ جب سے وہاں بھی گیہوں کی قیمت بڑھ گئی۔ گیا اگر اس قسم کا محصول برآمد لگا  
 دیا گیا۔ تو ہندوستان کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ کے مفاد کی خاطر قربانی کرنی پڑے گی۔ پھر یہ امر مشتبہ  
 ہے۔ کہ آیا لوگوں کی اچھی خاصی تعداد اس تجویز کی حمایت بھی کریگی۔ یا نہیں۔ جو گیہوں بیرونی ممالک  
 میں بھیجا جاتا ہے۔ اس پر محصول برآمد لگانا اُن لوگوں کے نزدیک جو تجربہ کی روشنی میں اس کے اثرات  
 لے کر تجویز لگے گا تو فن

و نتائج پر غور نہیں کرتے۔ نرخوں کی گرانی کا مناسب علاج ہوگا۔ لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ کہ ایام قدیم میں انگلستان نے بھی تجارت برآمد پر پابندیاں عائد کرنیکی کوشش کی تھی۔ ابتدا میں اسکا مقصد یہ تھا۔ کہ عوام کے فائدہ کی خاطر نرخ گھٹایا جائے۔ لیکن آخر کار اس طریقہ سے زراعت کو ترقی دینا۔ اور نرخوں کو اس حد تک بڑھانا مطمح نظر نہ بن گیا۔ جس سے کسان کو فائدہ پہنچ سکے۔ ہم کسی قدر مقام پر بیان کر چکے ہیں۔ کہ حکومت کا مقصد زراعت کی حوصلہ افزائی کرنا اور اُسے ترقی دینا ہے۔ اُس کی کمی یا کسان کی دشمنی کبھی اسکا مقصد خاطر نہیں ہو سکتا۔

اگر تجارت برآمد پر محصول لگایا گیا۔ تو اُسکا مقصد یہ ہوگا۔ کہ برآمد کو اس حد تک محدود کر دیا جائے کہ غلہ کی قیمتیں باشندگان شہر کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ اگر قیمتیں اس قدر کم ہوں۔ کہ باہر غلہ بھیجنے والوں کے منافع میں تخفیف کر کے باشندگان شہر کے منشا کے مطابق ہو سکتی ہو۔ تو اس طرح حقیقی مقصد مل نہ ہوگا۔ قیمتیں اس قدر گراں ضرور ہو جائیگی۔ کہ برآمد پر تخفیف کی جائے۔ اس کے متعلق ہم کہ چکے ہیں۔ کہ گہیوں کی تجارت میں آزادی ہونی چاہیے۔ گہیوں فروخت کیلتے ہیں۔ اور ہر شخص اسے خرید سکتا ہے۔ فرض کیجئے۔ کہ اگر قیمتیں کم کر دی جائیں۔ تو گہیوں کے صرف میں اضافہ ہو جائیگا۔ کیونکہ ایسے لوگ ہی اسے خریدیں گے۔ جو اب اسے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن یہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لوگ صوبہ سے باہر ہوں۔ اور اُن کی وجہ سے مانگ اس قدر بڑھ جائے۔ کہ پنجاب کے شہروں میں بسنے والے غریب لوگوں کیلئے خریدنا ویسا ہی مشکل ہو جائے۔ جیسا بحالت موجودہ ہے۔ یہی دلیل ہر ملک میں ہر جنس اور ہر کپڑے بلکہ تمدن جدید کی ہر چیز کے متعلق پیش کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ گہیوں پر محصول برآمد لگانے کے متعلق جو دلائل دیئے جاتے ہیں۔ وہ تمام اشیائے خوردنی اور اکثر دوسری اشیاء پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ گہیوں اشیاء خورد و نوش میں اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ اس نوع کی ضروریات زندگی میں سے نہیں۔ کہ وہ اگر لوگوں کو نہ مل سکیں۔ تو انکی موت واقع ہو جائے۔ لاکھوں کروڑوں انسان گہیوں کے بجائے چاول کھاتے ہیں۔ مزید برآں اگرچہ یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کہ لوگ کافی مقدار میں گہیوں حاصل کر سکیں اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر گہیوں کا صرف بڑھ گیا۔ تو اس سے کوئی اقتصادی فائدہ حاصل ہو سیکے گا۔ یورپ کے لوگوں کی خوراک ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اکثر لوگوں میں اتنی طاقت نہیں۔ کہ اچھا گہیوں کھا

سکیں۔ مثال کے طور پر اطالیہ کے لوگوں کو۔ لیجئے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا گیہوں جو میسہ دھوئے کھاتے، چھاپے۔ فروخت کر دیتے ہیں۔ اور اپنا گزارہ ادنیٰ درجہ کے گیہوں سے کرتے ہیں۔ فرانس اور جرمنی میں مفلس لوگوں میں اتنی طاقت نہیں۔ کہ بڑی مقدار میں گیہوں کھا سکیں۔ چنانچہ وہ آلودہ میٹا شیار خود دینی پر گزارہ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دلیل کہ حکومت کو اس معاملہ میں مداخلت کرنا چاہیئے۔ تاکہ لوگ زیادہ گیہوں کھا سکیں۔ بہت بڑی ہے۔ دنیا کی منڈیوں میں گیہوں کی قیمت وقتاً فوقتاً کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے اگر گیہوں باہر بھیجا گیا۔ تو اس کا محصول بھی مختلف ہوگا۔ اور اگر برآمد کو کلیثہ روکنا مقصود ہوگا۔ تو ضروری ہے۔ کہ محصول بہت زیادہ ہو۔ اگر مستقل طور پر برآمد ممنوع قرار دی جائے۔ تو جب اچھی فصل ہوگی قیمتیں گر جائیں گی۔ اور یقیناً مصارف پیداوار میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور یہ خطرہ یقین کی حد تک پہنچ جائیگا۔ کہ زراعت میں نفع نہیں رہیگا۔ جب زراعت میں نفع نہ ہو۔ تو کسان رقبہ زراعت میں تخفیف کر دیں گے۔ اور جس چیز میں انہیں زیادہ نفع ہوگا۔ اس کی کاشت کریں گے۔ اس طرح پھر گیہوں کم ہو جائیگا۔ اور مفلس لوگ پھر گیہوں حاصل نہیں کر سکیں گے۔

یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو لوگ محصول برآمد کے اس قدر حامی ہیں۔ وہ اس کا کوئی ایسا انتظام کریں۔ کہ کسی قدر برآمد بھی ہوتی رہے۔ اور قیمتیں بھی کم رہیں۔ اس راہ میں ایک بڑی دشواری محصول کی تعین ہوگی۔ یا یہ کہ گیہوں کا کسی قدر نرخ مقرر کیا جائے۔ جس سے وہ

لے ملاحظہ ہو "سر جیمس وین" کا مقالہ "دینا کا گیہو" یہ واضح رہے۔ کہ اگرچہ گیہوں معتدل آب و ہوا کے علاقوں میں مقبول عام جنس خوردنی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن فرع انسان کی اکثریت دوسری اجناس مثلاً چاول۔ جئی۔ اجا۔ وغیرہ استعمال کرتی ہے۔ ایسی میں بھی جب کہ وہ "گیہوں" خریدنے کے لئے کافی روپیہ رکھتے ہیں۔ وہ نہیں خریدتے۔ مزید برآں اکثر لوگ کھانیاں اونچی یہ حالت ہے۔ کہ جب گیہوں بہت زیادہ گراں ہوتا ہے۔ تو وہ اس کے بجائے دوسری اجناس استعمال کرتے ہیں۔ جس کے تجربات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جب کساؤ بخیریتین ہو جاتا ہے۔ کہ گیہوں کی کاشت منفعیت بخش ہے۔ تو وہ نہایت سرعت سے گیہوں کا رقبہ بڑھا لیتے ہیں۔ اور وہ یقیناً لایہ کرینگے۔

بڑھنے نہ پائے۔ محصول اس طرح مقرر کیا جائیگا۔ کہ وہ ہر ضلع بلکہ ضلع کے ہر شیش کے لئے مناسب ہو۔ بہر حال اصل مقصد یہ ہوگا۔ کہ تجارت برآمد میں تخفیف کر دی جائے۔ اور قیمتیں کم رکھی جائیں۔

چونکہ تجارت درآمد تجارت برآمد کی بدولت قائم ہے۔ اس لئے اگر گہیوں کی برآمد پر تخفیف کر دی گئی۔ تو اس کا تو یہ نتیجہ ہوگا۔ نوکر و روپیہ میں سے جواب تجارت برآمد کی بدولت اس صوبہ میں آتا ہے۔ اچھے خاصے حصہ کو نقصان ہو جائیگا۔ اور تجارت درآمد کو جسکی صورت میں و کر و روپیہ پنجاب میں آیا ہے۔ نقصان پہنچے گا۔ اس طرح نہ صرف کسانوں کی آمدنی کم ہو جائیگی۔ بلکہ تجارت پیشہ جماعتوں کو نقصان پہنچے گا۔ کسانوں کو جو قیمت ملتی ہے۔ اس میں کمی ہوئی۔ تو یوں سمجھیے۔ کہ ان کی آمدنی کم ہو گئی۔ اس کا لازم نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ انہیں مالگذاری ادا کرنے کے لئے زیادہ پیداوار فروخت کرنا پڑے گی۔

پرانے زمانہ میں جب کہ مالگذاری تقریباً ۴۷۱۱ ایکڑ ہوا کرتی ہے۔ یہ قسم ۲۶ سیر کیوں کی قیمت تھی۔ اب مالگذاری تقریباً ۲۵۰۰۰ آنے ہے۔ جو دس سیر کی قیمت ہے۔ کیونکہ آج کل گہیوں کا نرخ چھ روپیہ من ہے۔ اس طرح تجارت برآمد پر محصول لگائیے کسان کے لئے گویا مالگذاری بھی بڑھ گئی۔ اور اس سے اُسے دوگنا نقصان ہوگا۔ ایک ایکڑ زمین میں دس من گہیوں پیدا ہوتا ہے۔ اگر محصول کی وجہ سے گہیوں کا نرخ چھ روپے من کی بجائے چار روپے من ہو جاتا۔ تو اُسے بیس روپیہ کا نقصان ہوگا۔ اگر یہ فرض کیا جائے۔ کہ وہ اپنی پیداوار کا ۱۲ حصہ فروخت کرتا ہے۔ جب بھی چھ روپے فی ایکڑ نقصان ہے۔ چونکہ صوبہ میں گہیوں کی پیداوار ۸۰ کروڑ من کے قریب ہے۔ اس لئے کسان کو ہر سال کئی کروڑ روپے کا نقصان ہوگا۔ اس تجویز کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہم گاؤں کے رہنے والوں کو غیر موزوں طریقہ پر اس لئے تنویری قیمت دے رہے ہیں۔ تاکہ شہر کے باشندے جن کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ اور جو زیادہ روپیہ کمانے کی قابلیت پیدا کر نیکی کوشش نہیں کرتے۔ فائدہ حاصل کریں۔ اس قسم کی حکمت عملی کا نتیجہ صوبہ کے

کے لئے تباہی خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تو یہ ہے۔ کہ قوم کی آمدنی کیونکر بڑھائی جاوے۔ ہر شخص کی اعانت کے لئے ایسے کونے طریقے اختیار کئے جائیں۔ تاکہ وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکے۔ تاکہ عام طور پر معیار زندگی بلند ہو جائے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ نہیں۔ کہ قوم کی آمدنی کیونکر کم کی جائے۔ لوگوں کو زیادہ روپیہ کمانے سے کیونکر روکا جائے اور افلاس میں اضافہ کس طرح کیا جائے۔ جنگ کے تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جب حکومت نے بعض خاص اجناس کی قیمتوں کو اپنے قابو اور اختیار میں رکھنا چاہا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ملک کی مجموعی آمدنی میں تخفیف ہو گئی پر فیسر ہیگو اپنی کتاب اکناکسس آف ولیف کے باب ۹ پیرا ۷ میں کہتے ہیں۔

”یہ امر بدیہی ہے“ کہ جب حکومت کی حکمت عملی یہ ہو جائے۔ کہ جب کسی صنعت میں اشیا کی رسد اور طلب کے حالات و اسباب کی وجہ سے خاص نفع حاصل کرنے کا موقع ملے۔ تو قیمتیں کم کر دی جائیں۔ تو اس کا اثر یہ ہوگا۔ کہ وہ صفت دوسری صفتوں کے مقابلہ میں مقہور و مردود سمجھی جائیں گی۔ مثلاً اگر حکومت کسانوں کو ممانعت کر دے۔ کہ جب دنیا کے مختلف حصوں میں اچھی فصل نہ ہونے کے باعث انہیں زیادہ قیمتیں لینے کا موقعہ ہاتھ آئے۔ تو وہ زیادہ قیمت نہ لیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ لوگ زراعت پر روپیہ لگانے سے رُک جائیں گے۔ کیونکہ اس امر کے منتظر رہتے ہیں۔ کہ کب خراب فصل ہونے کے باعث انہیں زیادہ قیمت حاصل کرنے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ وہ اس امر کا انتظار نہیں کرتے۔ کہ کب غلہ غلہ کی فراوانی ہوئی۔ اور ہمیں قیمت ملے۔

اس امر کے متعلق کچھ کہنا غیر ضروری ہے۔ کہ آبادی کی اکثریت کو محض اس لئے مبتلائے آفت کرنا کہ اکثریت کو فائدہ پہنچے۔ کسانوں کو ۱۶ کروڑ روپیہ سالانہ سے محروم کرنا تاکہ وہ لوگ جنہیں چادر دیکھ کر پاؤ پھیلانا اور اپنے ذرائع آمدنی کے مطابق غذا کھانا نہیں آتا۔ جیسا کہ دوسرے ممالک میں انسان کرتے ہیں۔ سستا گیہوں سے۔ کس قدر بددیانتی پر مبنی ہے۔ لیکن یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوسرے ملکوں کی حکمت عملی یہ ہے۔ کہ نرخ گراں رہیں۔ تاکہ لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ اور وہ گیہوں کی کاشت کرتے رہیں۔ ایسے صوبہ میں جس کی لیمبلیٹھ کو نسل کے ممبروں کی اکثریت زمبسنداروں پر مشتمل ہے۔ جو خود گیہوں پیدا کرتے ہیں۔ یہ امر بہت قرین قیاس ہے۔ کہ جب ان لوگوں کو بخرہ ہو جائے گا۔ کہ ایسے معاملات میں حکومت کی مداخلت کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ تو یہ ممبر ایسی تدابیر اختیار کرنے پر زور دینگے۔ جن سے کسانوں کو فائدہ پہنچے۔ مثلاً یہ کوشش کریں گے۔ کہ جب گیہوں ارزاں ہو۔ تو تجارت برآمد کو بڑھایا جائے۔

ایک اور ملاح یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ سٹا یا قمار بازی کو روک دیا جائے۔ کیوں کہ کسی متک شاکی وجہ سے ہی جولائی ستمبر ۱۹۲۱ء میں گیہوں کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اس راہ میں بھی جب سے بڑی دشواری ہے۔ کہ سٹا کو روکنے کے لئے کیا طریقہ تلاش کیا جائے۔ صوبہ میں دیسی ریاستوں کے علاقے بھی ہیں۔ اس لئے جو لوگ تانڈن سے بچنا چاہیں۔ تھوٹا سا سفر کر کے کسی ریاست میں جا کر شاکیل سکتے ہیں۔ اور تانڈن سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ میں یہ تجویز بھی قبول عام حاصل کر سکتی ہے۔ کہ بڑے بڑے تاجروں کے کالو بار میں دخل دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی متبادل انتظام کے بغیر ان لوگوں کو اپنے مفید کام سے روکا گیا۔ تو اس سے اہم نقصانات پہنچنا لازمی ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی شخص ایسا بھی ہونا چاہئے۔ جو گیہوں کا ذخیرہ رکھے۔ تاکہ نرخوں میں حد سے بڑھی ہوئی کمی بیشی نہ ہو۔ اور ساتھ ہی غلہ حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع سے بھی اس کے تعلقات ہوں۔ ان لوگوں کے خلاف جو جذبات پائے جاتے ہیں۔ اسی قسم کے جذبات نفرت انگلستان میں یہی اس طبقہ کے لوگوں کے خلاف پیدا ہو گئے تھے۔ ایک زمانہ میں گرانی کے زمانہ میں فروخت کرنے کیلئے غلہ کا



ذخیرہ سکھنا جرم قرار دیا گیا تھا۔ اور یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہر شخص کو مناسب نفع پر قناعت کرنا چاہیے جو شخص غلام اس لئے خرید لیتا تھا۔ تاکہ جب غلام گراں ہو۔ تو اسے فروخت کر کے نفع اٹھائے۔ اسے مستوجب سزا سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے تاجروں کا کاروبار اور سٹالا لازم و ملزوم چیزیں ہیں لیکن یہ امر مشتبہ ہے۔ کہ آیا اسے کو قانون کی مدد سے قطعی طور پر مٹا دیا جاسکتا ہے۔ یا نہیں۔

تمام مصائب کا حقیقی اور مستقل علاج یہی ہے۔ کہ زراعت اور دوسری صنعتوں پر زیادہ سرمایہ لگایا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے۔ کہ صوبہ میں جس قدر سرمایہ ہے۔ سب متواتر مسلسل منفعت بخش کاروبار پر لگایا جاتا ہے۔ تو سب کے روزگار کا سامان ہو سکتا ہے۔ اس طرح صوبہ کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ اور پیش از پیش لوگ معقول سامان معاش مہیا کر سکیں گے۔ اور زیادہ روپیہ کما کر نرخ کی گرانی سے عہدہ برا ہو سکیں گے۔ گیہوں کے نرخ کی گرانی سے جو کالیف پیش آرہی ہیں۔ ان کا بہترین علاج یہ ہے۔ کہ سڑیہ کی بڑی بڑی قوم منفعت بخش کاروبار پر لگائی جائیں۔

## ضمیمہ

ذیل میں گیہوں کی مجموعی پیداوار اور تجارت برآمد کا نقشہ دیا گیا ہے جو ریلوے اور جہازوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس میں گیہوں کا آٹا بھی شامل ہے جسے گیہوں کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے یہ نقشہ پنجاب کیمتسن ہے۔ لیکن ایس دیسی ریاستیں بھی شامل ہیں یہ مقدار کا حساب ٹن سے کیا گیا ہے

سنہ	مجموعی پیداوار	مجموعی خالص برآمد و برآمد کے ساتھ برآمد	وہ گیہوں جو کراچی جانا صوبے کی پٹی کے سوائے ہے جو سب کا کس ایک دوسرے حصوں کی مقدار کے لئے بحال کیا جاتا ہے گیہوں بھیجا جاتا ہے
۱۹۰۰ء	۲۴۲۳۰۹۴	۲۴۲۵۸۲۶	۲۴۲۵۸۰۶ (۱۶)
۱۹۰۱ء	۱۸۳۲۸۰۴	۱۸۳۵۲۵۸۹۴	۱۸۳۲۴۳۶۳ (۳۳)
۱۹۰۲ء	۲۳۰۲۹۲۶	۲۳۰۸۰۱۱۹۴۲	۲۳۰۴۶۶۰ (۳۵)

(۲) ۵۶۹۴۱	(۳۷) ۱۱۳۶۴۴۷	(۳۹) ۱۵۱۹۳۳۸۸	۳۰۶۳۰۳۰	۱۹۰۳-۴
(۶) ۱۷۱۷۸۴	(۲۲) ۶۱۱۴۹۳	(۲۸) ۷۸۳۲۷۷	۲۸۳۴۷۰	۱۹۰۴-۵
(۹) ۳۳۹۲۹۳	(۲۴) ۸۲۶۰۰۶	(۳۳) ۱۱۶۵۲۹۹	۳۴۹۸۸۹۵	۱۹۰۵-۶
(۱۵) ۳۳۸۸۲۲	(۳۱) ۸۲۶۱۰۱	(۴۴) ۱۱۶۴۹۳۳	۲۶۸۱۲۸۵	۱۹۰۶-۷
(۶) ۱۴۱۰۲۷	(۷) ۱۷۱۷۹۴	(۱۳) ۳۱۲۰۶۶	۲۴۸۲۱۴۶	۱۹۰۷-۸
(۲) ۸۳۰۷۰	(۲۴) ۸۰۱۴۴۴	(۲۶) ۸۰۴۵۱۴	۳۳۵۰۸۸۷	۱۹۰۸-۹
(۳) ۹۷۱۰۰	(۲۲) ۸۰۱۳۰۰	(۱۷) ۹۷۸۴۰۰	۳۶۰۷۷۷۲	۱۹۰۹-۱۰
(۲) ۸۷۳۰۸	(۲۳) ۸۴۵۰۸۵	(۲۵) ۹۳۲۳۶۳	۳۷۰۹۴۸۵	۱۹۱۰-۱۱
(۳) ۱۲۲۹۸۲	(۲۸) ۱۰۵۶۶۴۲	(۳۱) ۱۱۷۹۶۲۴	۳۸۳۰۴۵۳	۱۹۱۱-۱۲
(۶) ۱۹۲۲۵۶	(۲۳) ۷۵۶۲۷۳	(۲۹) ۹۴۵۸۲۹	۴۲۴۲۳۷۵	۱۹۱۲-۱۳
(۹) ۲۸۷۸۱۹	(۲۳) ۷۲۰۰۷۰	(۳۲) ۱۰۷۸۸۹	۳۱۸۸۵۳۷	۱۹۱۳-۱۴
(۶) ۲۲۳۸۸۷	(۱۳) ۶۷۷۲۰۸	(۱۹) ۷۰۱۰۹۵	۳۷۲۵۰۰۰	۱۹۱۴-۱۵
(۷) ۱۸۳۷۶۶	(۲۸) ۶۹۴۸۸۰	(۳۵) ۸۷۸۶۴۶	۲۴۸۱۲۹۶	۱۹۱۵-۱۶
(۵) ۱۳۶۴۵۱	(۲۹) ۸۶۰۱۱۹	(۳۲) ۹۹۶۶۶۰	۲۹۳۷۶۱۲	۱۹۱۶-۱۷
(۹) ۳۱۶۵۱۱	(۱۰) ۳۳۱۴۹۰	(۱۹) ۶۴۸۰۰۱	۳۴۲۵۵۰۰	۱۹۱۷-۱۸
(۱۲) ۳۵۰۳۴۱	(۳) ۸۱۱۱۳	(۱۵) ۴۳۴۴۷۴	۲۸۹۳۳۷۸	۱۹۱۸-۱۹
(۱۴) ۵۲۶۷۰۰۰	(۱۱) ۴۳۶۰۷۵	(۲۵) ۹۳۵۷۷۵	۳۸۸۴۳۷۲	۱۹۱۹-۲۰
"	"	"	۳۳۰۱۳۸۸	۱۹۲۰-۲۱
(۷) ۲۰۱۸۰۶	(۲۱) ۶۵۸۶۶۳	(۲۸) ۸۶۰۵۴۷۰	۳۰۷۸۳۲۰	اوسط

میں سال

لے لٹ: جو اصل خطوط و تصانی میں ہیں وہ دوسرے کالم کے تناسب فی صدی سے محقق ہیں۔

متذکرہ بالا بیان مٹری پانچ ٹن سنڈائی سی ریس ڈائرکٹر ذراعت پنجاب نے مرتب کیا۔ اور ان کی اجازت سے نقل کیا گیا ہے۔

# بارھواں باب

## صنعت و حرفت کی ترقی کا میدان

گذشتہ ابواب میں ہم بار بار دوسرے ممالک کے دیہاتی حالات کا ذکر کرتے رہے ہیں جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان سے ایسے قیمتی اور قابل قدر بات سیکھیں جو مقامی مسائل پر بھی چہان ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں بنیادی اصول یہ پیش کیا گیا ہے کہ زراعت سب سے بڑی اور اہم صنعت اور لوگوں کی دولت اور سود و بہبود کا سب سے بڑا عنصر ہے۔ اور اسے ہمیشہ یہی حیثیت حاصل رہے گی۔ لیکن پنجاب کو صرف زراعت ہی وہ تمام نامدے پہنچانے کے لئے کافی نہیں جو اس کے قدرتی ذرائع کو ترقی دینے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی دوسری معاون صنعتوں کی مدد کے محتاج ہیں جن کی بدولت وہ معقول طریق پر اسباب معاش فراہم کر لیتے ہیں پنجاب کے دیہات میں جو صنعتیں موجود ہیں انہیں مختلف قبائل یا ذاتوں کے لوگ کرتے ہیں۔ انہیں زراعت پیشہ لوگ اپنے اوقات فرصت میں انجام نہیں دیتے۔ بعض حلقوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ دیہات کی ان صنعتوں کو فروغ حاصل ہو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کسانوں کیلئے کام نکل آئے۔ بلکہ اس خواہش کا سرچشمہ محبت وطن کا جذبہ ہے۔ کیونکہ اس پیشوں کا ازیر و فروغ صوبہ کی عزت و قابریں اضافہ کا باعث ہو گا۔ اس سلسلہ میں اہرین اقتصادیات کا زاویہ نگاہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان قدیم صنعتوں کی حوصلہ افزائی صرف اس حد تک کی جائے کہ دیہاتی کارکنوں کو اس قدر آمدنی ہو جائے جو دوسرے ذرائع سے نہ ہوتی ہو۔ یا جب تک زیادہ آمدنی حاصل کرنے کا کوئی طریقہ معلوم کیا جائے۔ وہ ان صنعتوں کو مستحکم حاصل کرتے ہیں۔ ان صنعتوں میں سب سے بڑا نقص ہے کہ ان میں سرمایہ لگانے کا موقع

بہت کم ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگا کر ہی دولت حاصل کر سکتے اور اپنی آمدنی بڑھا سکتے ہیں۔ مزید برآں جو اشخاص انفرادی طور پر آزادانہ محنت کرتے ہیں۔ انہیں وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو کسی فن میں مہارت خصوصی حاصل کرنے یا جماعت کی شیرازہ بندی کے مصروف کار ہونے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ دیہات کے ارباب ذمہ کو زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ اور محنت کا معاوضہ کم ملے گا۔

جو لوگ آزادانہ انفرادی طور پر کام کرتے ہیں۔ وہ اُسی وقت تک اسباب معیشت فراہم کر سکتے ہیں جب تک کارخانہ سے گاوٹ تک کے مصارف عمل و نقل اور اخراجات تقسیم زیادہ ہیں۔ لیکن جب ان مصارف میں کمی واقع ہو گئی۔ تو انہیں شیار تیار کرنے کی بجائے محض اُن کی مرمت پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ لیکن اُن کی حیثیت مستقل طور پر قائم رہے گی۔

بہر حال ایک قبیل التعداد گردہ کی رائے یہ ہے۔ کہ حصوں دولت کے لئے عملی حیثیت سے زراعت کو نظر انداز کر دیا جائے اور لوگ کارخانوں میں بیع چمانہ پر اشیاء تیار کر نیکی جانب توجہ کریں۔ تاکہ یہاں کی بنی ہوئی اشیاء کی تجارت برآمد کو وسعت دی جائے۔ لیکن اس مقصد تک پونچنے کے ذرائع استعداہم ہیں۔ کہ جو لوگ اس طریق کار کے اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی بیرونی اعانت کے بغیر اس راہ میں روپیہ صرف کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ ایک بڑا گروہ جو نسبتاً زیادہ اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ محسوس کرتا ہے۔ کہ خام اجناس کا بیشتر حصہ زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ خام اجناس کا معائنہ غور سے کیا جائے۔ اور اس قسم کے تجربات بھی کئے جائیں جن سے معلوم ہو سکے کہ ان میں کونسی جنس ایسی ہے جس سے اس صوبہ میں فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن جب ان تجربات کے اخراجات کا سوال اُٹتا ہے۔ تو پھر وہی تامل اور پس پشیمانی پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ کہ وہ صنعتی ترقی میں شریک ہو۔ بلکہ صنعتی ترقی کے لئے جو قدم اٹھایا جائے۔ اُن سے اعانت بھی کرنے۔ یہ مطالبہ درحقیقت نتیجہ ہے۔ اس عام خیال کا جو لوگوں کے ذہن میں جا پان کے حالات کے متعلق موجود ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے

لے ملک کی صنعتوں کو ایک کے اندر دوسروں کی ترقی کے لئے ایک ایک کی ترقی دینا چاہیے۔ لیکن اسکی صنعتیں چند شہروں تک محدود ہیں مثلاً خیاباد کے شہر میں یا مشدائے پشونیا تمام ریاستوں زیادہ صنعتی ساز و سامان موجود ہے۔ لہذا ہوا ریل وغیرہ۔

کہ جاپان میں صنعت و حرفت کو بہت وسعت حاصل ہوئی ہے۔ اور وہ ان کی وجہ سے ایک متمول ملک بن رہا ہے۔ اور اب یہ حکومت پنجاب کا فرض ہے کہ جس طرح جاپان نے صنعت و حرفت کے لئے مالی امداد دی ہے۔ اسی طرح یہ بھی امداد دے۔ تاکہ اس سے وہی نتائج پیدا ہوں جن سے جاپان کے لوگ منفعت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ملکہ و حقیقت، محتاج ہے۔ اس امر کا کہ اسکے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے۔ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر صنعتی کمیشن کی رپورٹ پر غور غرض کیا گیا ہے لیکن یہاں اس رپورٹ کے بیانات کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے۔ اس کتاب کا تعلق سب سے پہلے پنجاب سے ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو بیانات تمام ہندوستان کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔ شائد وہ ایک صوبہ پر جس کا محل وقوع اس قدر عجیب ہو۔ بلقی نہ ہو سکیں۔ اس صوبہ کی جغرافیائی حالت نے اسے جتنی محدود کر دیا ہے۔ اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ انگلستان یا جاپان کو اپنی بناوٹ کی وجہ سے جو فوائد حاصل ہیں۔ باؤسٹل ریل و سائل میں جو آسانیاں میسر ہیں۔ اور بالجمیع اور بالہند کو دیوڑوں یا نہروں کی وجہ سے جو سہولتیں فراہم ہیں۔ انہیں اس ملک کے لیڈر نے نہیں سمجھا۔ لوگ طفلانہ طریق پر اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ حکومت صنعتوں کو مالی امداد دے سکتی ہے۔ یا کسی دوسرے طریقے سے ان کی اعانت کر سکتی ہے۔ حالانکہ دوسرے ملکوں کے تجربات اور مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہی صنعتیں زندہ رہتی ہیں جو کسی مقامی قدرتی خصوصیت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ دوسرے ملک اس نوع کے بڑے بڑے کاموں کا اقدام کرنے پر باشندگان ملک کو آمادہ کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی اسی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور انہیں یقیناً اس راہ میں کس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن کسی ملک میں اس کرد و کاوش (جدوجہد) سے ایسے نتائج برآمد نہیں ہوئے جو ان صنعتوں کا مقابلہ کر سکیں جو خود بخود بااعانت غیرے کسی قدرتی خصوصیت کی بنا پر معرض وجود میں آگئی ہیں۔ اس صوبہ میں یہ ضرورت کہ زراعت کے علاوہ لوگوں کے لئے کوئی دوسرا کام بھی ہونا چاہئے۔ اس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ کہ اس مقصد کے حصول کے لئے جب قدر ذرائع و اسباب سے مدد لی جاسکتی ہے۔ ان پر غور کرنا اور انہیں استعمال میں لانا چاہئے۔ اگر اس کوشش کا نتیجہ جو عملہ افراط ہو۔ تو یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آغاز کار میں دشواری کا احساس عام طور پر کامیابی کے لئے مفید ہوتا ہے۔

اب حکومت کی اعانت کے سوال کو لیجئے۔ یورپ کے چھوٹے چھوٹے ممالک میں اسکے متعلق ایسی مثالیں ملتی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سر دیہ میں حکومت ملک کی صنعتوں کو ترغیب دینے کی

ہر ممکن کوشش کی۔ جن لوگوں نے صنعت و حرفت کی نئی شاخوں کی جانب توجہ کی۔ حکومت نے اُن سے نہایت فیاضانہ سلوک کیا۔ انہیں عمارتیں بنانے کے لئے زمینیں عطا کیں۔ انہیں محصول کے بغیر خام اجناس اور مشین منگوانے کی اجازت دی لیکن بائیں ہمدردیہ کی صنعت و حرفت نے ابھی تک کوئی قابل قدر ترقی نہیں کی۔ سرکاری کاغذوں میں جن کارخانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے اکثر چھوٹے چھوٹے ورکشاپ ہیں۔ اور بہت کم ایسے ہیں جو سال بھر میں ہی پچاس ہزار پونڈ سے زیادہ مالیت کی اشیاء تیار کرتے ہیں۔ ان کارخانوں میں جس قدر خام اجناس استعمال کی گئی ہیں۔ وہ بھی تقریباً سب کی سب سرودیہ میں ہی پیدا ہوئی ہیں۔

بلغاریہ میں ابھی تک صنعت و حرفت کے فساد اور دنیاؤسی طریقوں کا رواج ہے۔ خانگی دستکاری کی جگہ ابھی تک کارخانوں نے نہیں لی۔ حکومت کو یہ احساس ہمیشہ رہا ہے کہ صنعت و حرفت کے جدید طریقوں کو فروغ دینا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے کئی نیاں قوانین منظور کر کے صنعت و حرفت کا ذوق اور دلولہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پارچہ بانی کی صنعت کے سوا جو ملک کے اکثر حصوں میں خانگی دستکاری کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری صنعتوں کی رفتار ترقی بہت سست رہی ہے۔ ۱۹۰۹ء میں بلغاریہ کی حکومت نے ملکی صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے جو قوانین منظور کیا تھا۔ اُس کی اہم ترین دفعات حسب ذیل ہیں۔

۱) ایک صنعتی کونسل کا قیام جس کا فرض یہ ہوگا کہ وزیر صنعت و تجارت کو مراعات کی منظوری کے متعلق مشورہ دے۔

- ۲) ایسے کارخانوں کیلئے رجسٹرڈ فیمل امور کا خیال رکھتے ہیں۔ بعض مراعات کی منظوری دے۔
- ۳) جو مشینوں میں دس گھوڑوں کی طاقت سے کم طاقت استعمال نہیں کرتے۔
- ۴) جنہوں نے مشینوں پر ۱۲۰۰۰ ایر (یا تقریباً ۱۰۰۰ پونڈ) سے کم صرف نہیں کیا۔
- ۵) جسکے پاس گزشتہ چھ ماہ سے کم از کم دس کارکن کام کرتے ہیں۔
- ۶) یہ مراعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) پانی کی طاقت مفت دی جائے۔

(۲) جنینیں اس ملک میں تیار نہیں ہوتیں۔ وہ باہر سے درآمد کی جائیں۔ قوان پر محصول نہ لیا جائے۔  
(۳) خاص اجناس کی درآمد پر محصول نہ لیا جائے۔

(۴) کارخانوں کی عمارتوں کیلئے زمینیں مفت۔ دی جائیں۔  
مباریلوے کے کرایہ میں ۳۵ فیصدی کی تخفیف۔ کر دی جائے۔

(۵) سرکاری فائزر اور بلویہ و صنایع کے حکام کی ضروریات میں ایسی شیاؤں کو پیشی شیاؤں پر ترجیح دی جائیگی۔  
(۶) بعض علاقوں میں بعض صنعتوں کو ایک خاص مدت کیلئے جاری رکھنے کا خاص حق پیشی شیاؤں نے عطا کیا ہے۔  
ان کاروائیوں سے صنعتی کاموں کا دلہ بہت بڑھا دیا ہو کہیں جو اور اس کو فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کی تعداد  
۱۹۱۲ میں ۵۹ تھی جنہیں میں سے ۱۵۸ شیاؤں کو نو نوٹس مثلاً بیر، لکھل وغیرہ ہیا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر  
آٹے کے کارخانے تھے۔ ان صنعتوں میں حصہ لینے والوں کی تعداد ۵۹۰۰ تھی۔ چونکہ اس عہد میں دستکاری کو موثر بنایا  
ہو انسان کی جگہ مشین نے لے لی ہے اسلئے ان لوگوں کو نو نوٹس پیشی شیاؤں میں جگہ گزارہ دستکاری پر رکھا۔

یونان اور یورپین ترکی میں صنعت و حرفت کو چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان ممالک میں کوئلہ کے  
نہ ہونے کی وجہ سے بہت دشواری پیش آ رہی ہے۔ اطالیہ میں صنعت و حرفت نے ترقی تو کی لیکن  
اس پر جرمنی نے بھی سرمایہ لگایا۔ اور اسی کی نگرانی میں صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی۔ اس صوبہ  
میں جاپان کی مثال کو قابل تقلید سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ جاپان کے اقتصادی حالات کے متعلق بہت سی  
غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اسلئے جاپان کے حالات ہم کسی قدر تفصیل بیان کر دینا چاہتے ہیں۔

جاپان میں ڈیرہ کڑا کر ایکڑ کا رقبہ زرموعہ ہے جس پر ساٹھ پانچ کوڑا انسان بسر وقات کرتے ہیں۔ یا یوں کہتے  
کہ ایک کوڑا زرموعہ زمین کی چار آؤمیوں کی خوراک مہیا ہوتی ہے۔ پنجاب میں تین کوڑا کر رقبہ زرموعہ ہے جس پر کوڑا انسانوں  
کی بسر وقات ہوتی ہے۔ یعنی چار آدمی ایک ایکڑ کی بجائے چھ ایکڑ زمین سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے  
کہ اس صوبہ کے لوگوں کی ضروریات اور تجارت درآمد کے لئے کافی غلہ موجود ہے۔ یہاں کے لوگ اشیائے خوردنی پیدا کر کے  
اور انہیں دوسرے ملکوں کو بھیج کر سامان معیشت فراہم کر سکتے ہیں لیکن جاپان میں یہ ممکن نہیں۔





لنگ کے اندر صرف نہیں ہوتیں۔ بلکہ سمندر پار کی منڈیوں میں بھی جاتی ہیں۔ اس طرح مصنوعات کا بہت بڑا حصہ باہر بھیجا جاتا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں تجارت برآمد و تجارت درآمد کی مجموعی مالیت ۲۲ ارب ۴۲ کروڑ روپہ تھی۔ یا اعتبار آبادی ۴۸ میں فی کس۔ پنجاب میں ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک تین سال کی تجارت درآمد کا اوسط ۲۲ کروڑ ۲۷ لاکھ یا ۱۸ روپیہ فی کس تھا۔ چونکہ پنجاب خشکی سے گھرا ہوا ہے اور اپنا بخیر فیا نی محل وقوع کے اعتبار سے بھی بعض فوائد حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ اعداد و شمار قطعی طور پر یا اس انگریز ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں جاپان کی بیرونی تجارت درآمد برآمد کا اوسط فی کس ۲۳ روپیہ سے کم تھا۔ اور پنجاب کی تجارت کا اوسط ۲۵ روپیہ فی کس تھا۔ چونکہ پنجاب خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اور اپنا بخیر فیا نی محل وقوع کے اعتبار سے بھی بعض فوائد حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ اعداد و شمار قطعی طور پر یا اس انگریز ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں جاپان کی بیرونی تجارت درآمد و برآمد کا اوسط فی کس ۲۳ روپیہ سے کم تھا۔ اور پنجاب کی تجارت کا اوسط ۲۵ روپیہ فی کس تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ کارخانوں کی مصنوعات کی وجہ سے بہت بڑی غیر ملکی تجارت ہو سکے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے۔ کہ صرف ڈنمارک کی زرعی پیداوار متذکرہ بالا اعداد و شمار سے زیادہ ہے۔ ۱۹۱۷ء میں سائے جاپان کی برآمد کی با اعتبار تناسب آبادی اتنی بھی نہیں تھی۔ جتنی ڈنمارک کی کمھن کی برآمد کی مالیت ہے۔ یہیں جاپان کی حیرت انگیز ترقی کی تعریف و توصیف تو کرنا چاہئے۔ لیکن اس تناسب کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی برٹش انڈیا کی ترقی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ جو جاپان کی ترقی سے کم حیرت انگیز نہیں۔ ذیل کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ برٹش انڈیا کو جاپانی تجارت میں جواہر حثیت حاصل ہے۔ وہ جاپان کو برٹش انڈیا کی تجارت میں حاصل نہیں

۱۸۷۰ء میں عام طور پر ڈنمارک کے برابر ہوتا ہے۔ گویا جنگ سے پہلے اس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ تھی۔ نئی شرح مبادلہ کے حساب سے دو شلنگ ایک روپیہ کے برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے اب میں ایک روپیہ کے برابر ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جاپان کے اعداد میں روٹی کو دوہرہ محسوس کیا گیا ہے۔ ایک تہ تو عام روٹی کو برآمد میں محسوب کیا گیا ہے۔ اور پھر اس کو کپڑے کی صورت میں برآمد کے اندر محسوس کیا گیا ہے۔ اگر جاپان نے صرف یہی کیا ہے۔ کہ روٹی کو کپڑے کی صورت میں تبدیل کر کے اس کی قیمت بڑھا دی ہے۔ تو اس کی غیر ملکی تجارت کا اعتبار فی کس پنجاب کی غیر ملکی تجارت سے کم ہے۔

## اسباب تجارت کی مالیت

جتنی مالیت کی چیزیں برٹش  
سے جاپان میں گئی ہیں

جتنی مالیت کی چیزیں جاپان سے  
برٹش انڈیا میں آئی ہیں -

۴۱۰۰۰	۵۲۰۰۰	۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک ایک سال میں
۱۲۰۰۰۰	۱۰۴۰۰۰	۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک دو سال کے عرصہ کا اوسط
۴۷۵۰۰۰	۸۸۰۰۰۰	۱۸۶۷ء سے ۱۸۶۹ء تک
۵۵۸۰۰۰	۷۳۷۴۰۰	۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۲ء تک
۱۳۳۱۰۰۰	۲۹۸۰۰۰۰	۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۵ء تک
۱۸۴۵۰۰۰	۷۵۴۰۰۰۰	۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۶ء تک صرف ایک سال میں
۲۸۲۵۰۰۰	۱۳۲۲۰۰۰۰	۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۷ء تک
۳۲۱۴۰۰۰	۱۸۳۲۰۰۰۰	۱۸۷۷ء سے ۱۸۷۸ء تک

ایسے اعداد و شمار پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہندوستان سے خام اخیاس کی برآمد ہوتی اور جاپان سے مصنوعات باہر بھیجی جاتی ہیں لیکن اصل نکتہ یہ نہیں کہ کسی قسم کی اشیاء کی درآمد یا برآمد ہوتی ہے بلکہ وہ فوائد جو اس نوع کے مبادلہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اصل چیزیں ایک خیال تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں ایسی چیزیں کی درآمد ہوتی ہے جنہیں فوراً استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کے عوض ایسی چیزیں باہر بھیجتا ہے جنہیں قابل استعمال بنانے کے لئے ان پر بہت محنت صرف کرنیکی ضرورت ہے۔ یوں تو ہندوستان فائدہ میں رہا۔ لیکن دوسری جانب اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان عالم خباں کے بجائے مصنوعات باہر بھیجے تو

لے ملاحظہ ہو برٹش انڈیا کے اعداد و شمار جدول میں تجارتی اعداد و شمار کا حصہ ۱۹۱۹ء میں چین امریکہ کے سوائے دوسرے تمام ملکوں کے جاپان کی تجارت برآمد و ال پیر ہو گئی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جاپان میں پوری طرح یہ احساس پیدا نہیں کیا کہ وہ ان مواقع سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اُن سے اپنی جینت کو ان منڈیوں میں مستحکم کر سکتا ہے جو چین میں یورپ کی جنگ عظیم کے باعث اسے بار حاصل ہو گیا تھا۔ اسے بس ہی دھن لگی تھی کہ فوراً زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے اس لئے اُن سے اپنے معنی ساز و سامان کی جانب توجہ نہیں کی ملاحظہ ہو ملک منظم کے تجارتی سکرٹری کی رپورٹ جس کا اقتباس سوان بک جرنل بابت جون ۱۹۱۹ء میں دیا گیا ہے۔

اسے تمام نفع حاصل ہوگا جو سرمایہ محنت قابلیت اور تجارتی و کاروباری صرف کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس دلیل میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس ملک میں وہ چیزیں موجود ہیں جو صنعتوں کی کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔ اب بحالت موجودہ اُن سے وہ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا۔ جو ان حالت و اسباب میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ان مفروضات پر مختصر اغور و خوض کرنے پشیر یہ کہدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت کیلئے جو صد ابلند ہو رہی ہے۔ یہ اس گروہ نے بلند نہیں کی جو پشہر پائنت سے مختلف صنعتوں میں مصروف ہے۔ کیونکہ اس گروہ کو کہیں سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ معاشرتی درجہ کے اعتبار سے بہت پست تصور کیا جاتا ہے۔ اس گروہ کو اپنے طریق صنعت کی اصلاح و ترقی کرنے اور اپنے سود و بہبود کی خاطر زیادہ صنعت کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ صوبہ میں کہیں بھی ان کاریگر و کی کوئی بڑی جماعت ایسی موجود نہیں۔ جو بے روزگار ہو۔ اور جو کسی نئی صنعت کو ذریعہ معاش بنانا چاہتے ہوں۔ صنعت و حرفت کی یہ آواز اس لئے بلند نہیں کی جارہی کہ ہمیں نئے نئے خیالات سے فائدہ اٹھانے یا نئی ایجادات کے بروئے کار لانے کا موقع میسر نہیں۔ اور نہ اس کا باعث یہ ہے کہ اہل ملک میں صنعتی قابلیت حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس کی ابتداء زمانہ جدید کے نفاذ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں، حکومت کی اس خواہش سے ہوئی۔ کہ لوگ کلیتہً موسمی ہواؤں کے محتاج ہونے کی وجہ سے جن خطرات میں مبتلا ہیں۔ انہیں کم کرنا چاہئے موسمی ہواؤں کی کیفیت بھی یکساں نہیں رہی۔ ان میں ہمیشہ اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ ان میں کی بیشی ہوتی سیکی چنانچہ اس تغیر و اضطراب نے یہ واضح کر دیا ہے۔ کہ جب تک لوگوں کیلئے کوئی دوسرا مشغلہ تلاش نہ کیا جاسکے گا۔ میں ہی لکھا تھا، صوبہ کا شدید مصیبتوں بار بار ہونا دو چار ہونا ناگزیر ہے۔ اس سے یہ فائدہ مقصود تھا کہ آبادی کا وہ حصہ جس کے لئے زراعت میں گنجائش نہیں بھیتی باڑی کی بجائے صنعت و حرفت یا اس قسم کے کسی دوسرے کام میں مصروف ہو کر اپنے گذارے کا سامان مہیا کر لے گا۔ کیشن مذکور کی رائے یہ متلکج اسی وقت رونما ہو سکتے ہیں۔

لے بعض لوگ جو کارخانوں کی قیام پر زور دیتے ہیں یہ بھول جایا کرتے ہیں کہ خام اجناس بھی سرمایہ محنت اور ہمت صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ان یہ معصوم ہے کہ خام اجناس کو مختلف مرحلوں میں سے گذار کر مصنوعات کی قیمت دینے کے لئے زیادہ سرمایہ و قابلیت اور زیادہ ہمت کی ضرورت ہے۔

جب صنعتی کاموں میں سرمایہ لگانے کی پیش از پیش خواہش پیدا ہو جائے اور یہ خواہش اس صحت میں پیدا ہو سکتی ہے جب لوگوں کا اس امر کا یقین ہو جائے کہ صنعت و حرفت میں روپیہ لگانے سے معقول فائدہ حاصل ہوگا۔ کمیشن نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا۔ کہ اگر حکومت نے اس کی ذمہ داری لے لی۔ یا براہ راست صنعتوں کے لئے مالی مدد دی تو اس راہ میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی۔ لیکن ساتھ ہی اس امر پر زور دیا تھا۔ کہ حکومت کو جہاں تک ہو سکے صنعت و حرفت کی ترقی میں اعانت کرنا چاہیئے۔

۱۸۸۰ء سے حالات میں بہت نمایاں تبدیلی ظاہر ہوئی ہے۔ اس وقت محض اخلاص کی بنا پر صنعت و حرفت کے قیام کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اور حکومت نے محض اس خواہش کے ماتحت صنعت و حرفت سے دلچسپی ظاہر کی تھی۔ کہ لوگ اس حد تک زراعت کے محتاج نہ رہیں۔ اس وقت دولت نے نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی ہے۔ نئی نہریں تعمیر کی گئی ہیں۔ ریلوے کو وسعت دی گئی ہے۔ تعلیم پھیل گئی ہے۔ اور اب جو صنعت و حرفت کی حمایت میں صدا بلند کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ ہے۔ کہ کچھ تو لوگوں کے پاس خاصی قدر میں روپیہ ہو گیا ہو جسے وہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں۔ اور کچھ نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جس کا بیشتر حصہ زراعت پیشہ لوگوں کے فرزندوں پر مشتمل ہے۔ منفعت بخش مشغلہ کی تلاش میں سرگرداں اب صنعت و حرفت کی حمایت کا باعث افلاس نہیں۔ بلکہ دولت کی فراوانی اور ایک ایسے گردہ کا وجود ہے۔ جو اپنی خاندانی روایات کے اعتبار سے.... صنعت و حرفت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ دولت بڑھانے کا قابل تعریف دلولہ لے کر صنعت و حرفت کے میدان میں بڑھنا چاہتے ہیں۔ ۴

یہ امر تو سب پر ملاحظہ رہے۔ کہ گذشتہ پچاس سال کے اندر پنجاب میں دولت بڑھ گئی ہے۔ بڑی بڑی نہروں کی وجہ سے مزروعہ قبیہ میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اور پیداوار میں اس سے بھی کہیں اضافہ ہوا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں صوبہ کو نائدار ضرورت غلہ کے عوض صرف ۴ لاکھ روپیہ ملے تھے۔ اور ۱۹۱۳ء میں اسے ۴۸ کروڑ ۸ لاکھ روپیہ ملے۔ اور ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء میں ۴۸ کروڑ ۷۲ لاکھ روپے ملتے آئے۔ گویا تین سال کے اندر تجارت برآمدات گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ اور تجارت درآمد میں چار گنا

اضافہ ہوا ہے۔ انکم ٹیکس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تجارت پیشہ اور کاروباری  
اشخاص کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ ساہوکاروں اور مہاجنوں کی تعداد  
۱۸۱۸ء سے ۱۹۱۱ء تک چوگنی ہو گئی ہے۔ اور ان کی آمدنی جس پر انکم ٹیکس  
لیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ ۲۵ سال میں دوگنی ہو چکی ہے۔ جس قدر حزانہ رسونا  
اور چاندی گزشتہ پچاس سال کے اندر ہندوستان میں لایا گیا۔ اس کی  
مجموعی تعداد سات ارب ستر کروڑ روپیہ ہے۔ بعد کے سالوں میں ۳۲ کروڑ  
سالانہ رہی ہے۔ نومبر اور دسمبر ۱۹۱۶ء میں یہاں ۱۳ کروڑ روپے صرف ہو گئے  
۱۹۱۶ء و ۱۹۱۸ء میں ۲۳ کروڑ روپے ٹکال میں ڈھالے گئے۔ اگست ۱۹۱۶ء  
اور مارچ ۱۹۱۸ء کے درمیان تو یہ کیفیت رہی ہے۔ کہ دُنیا میں جتنی چاندی  
پیدا ہوئی ہے۔ اس میں چالیس فیصدی ہندوستان میں لائی گئی۔ یہ اعداد  
وشمار ہر تمام ہندوستان کے متعلق ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کی تائید ہیں کہ اس  
کثیر دولت میں پنجاب کو اچھا خاصہ حصہ ملتا رہا ہے۔ ہم ذیل کے اعداد و شمار  
پیش کرتے ہیں +

### سہ سالہ مدت

کس قدر رسونا چاندی پنجاب کے اندر تین سال میں صرف ہوا

ایک ارب

۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۳ء

ایک ارب چھ کروڑ سترہ لاکھ روپیہ

۱۹۱۳ء و ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء

۱۲ ارب ایک کروڑ ۷۹ لاکھ روپیہ

۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۸ء و ۱۹۱۹ء

۱۱ اعداد و شمار کے صحیح معنی سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ اعداد

اس روپیہ کے متعلق ہیں۔ جو پنجاب کے اندر صرف ہوا۔ یعنی اس قدر کثیر و قوم

یہاں جمع ہیں۔ +

۱۸۹۰ء تا ۱۸۹۱ء میں جب ہر لوڑ چناب کا افتتاح ہوا تو پنجاب میں خوشحالی

کا ایک مستقل دور شروع ہو گیا۔ منی آرڈروں کے متعلق حسب ذیل اعداد و شمار

پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس امر کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔  
 پنجاب میں جقدر منی آرڈر تقسیم کئے گئے۔  
 جس قدر رقم منی آرڈر کی صورت میں پنجاب  
 سے باہر بھیجی گئی۔ وہ ان میں سے منہا کر دی  
 گئی ہے۔ اور یہ خالص آمدنی ہے۔

## اندرون ملک سے بیرون ملک سے

۱۴۳...	۲۱۳۸۰۰۰	۱۸۸۱ء و ۱۸۸۲ء
۱۵۷...	۲۳۸۰۰۰	۱۸۸۳ء و ۱۸۸۴ء
۳۴۰۰۰	۲۳۵۷۰۰۰	۱۸۹۰ء و ۱۸۹۱ء
۳۲۰۰۰	۳۱۲۸۰۰۰	۱۸۹۲ء و ۱۸۹۳ء
۲۵۲۸۰۰۰	۵۴۵۴۰۰۰	۱۹۰۰ء و ۱۹۰۱ء
۱۲۹۳۰۰۰	۵۹۵۹۰۰۰	۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء
۲۳۵۷۰۰۰	۹۲۰۵۰۰۰	۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء
۳۳۱۲۰۰۰	۱۱۸۰۱۰۰۰	۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء
۲۵۳۷۰۰۰	۱۴۵۴۳۰۰۰	۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء
۵۸۴۹۰۰۰	۲۳۵۸۲۰۰۰	۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس صوبہ کو  
 کس قدر خالص منافع ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پنجابیوں  
 نے غیر ممالک میں روپیہ کما کر اپنے گھروں کو بھیجا۔ اس کے اثرات کیا  
 ہیں۔ اس کے بعد اس دورانہ کار۔ افسانہ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ کہ پنجاب  
 میں دولت نہیں رہی۔ گذشتہ۔ دس سال کے عرصہ میں مالدیہ منی آرڈر

سے جو خالص منافع ہوا ہے۔ وہ چھ کروڑ روپیہ سے زیادہ ہے۔  
 ڈاک خانوں کے سیونگ بینکوں میں جو روپیہ محفوظ ہے۔  
 اس میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ او یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے  
 کے قابل ہے۔ کہ پنجاب میں اوسطاً جس قدر روپیہ بعد امانت  
 سیونگ بینک رکھوایا جاتا ہے۔ (۱۵۰ روپے) وہ تمام مہندستان  
 (شملت پنجاب) کے محفوظ روپیہ کے اوسط (۷۵ روپیہ) سے ڈگنا  
 ہے۔

رہن شدہ زمین پر اُس کے قرض دیا گیا ہے۔ اُس میں  
 جس سرعت سے اضافہ ہوا ہے۔ اور اراضی کی قیمت جس قدر بڑھ  
 گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پنجاب میں دولت  
 کی فراوانی ہے۔ جسے لوگ کسی کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں۔ قانون  
 انتقال اراضی کے خلاف بعض طبقوں نے جو غیظ و غضب ظاہر  
 کیا ہے۔ اُس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کے پاس بہت  
 سا روپیہ بیکار پڑا ہے۔ جسے کسی منفعت بخش کام میں لگانے کا  
 قدرتی جذبہ اُن کے قلب میں موجزن ہے۔ صنعت و حرفت کی ترقی  
 کے مطالبہ کا دوسرا اہم سبب یہ ہے۔ کہ صوبہ میں متوسط درجہ کی  
 ایک تیسلم یافتہ جماعت موجود ہے۔ جس میں حصول معاش کے  
 لئے باہمی سلبقت و مقابلہ کا سلسلہ جاری ہے۔ زراعت کے  
 علاوہ صوبہ میں صرف دو اہم ذرائع معاش ہیں۔ ایک تو ساہوکاری  
 دوسرے قانون۔ انکم ٹیکس کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوبہ  
 میں ۱۵۰۳۵ ساہوکار ایسے ہیں۔ جن کی آمدنی ٹیکس لگانے کے  
 قابل ہے۔ اور دوسرے ہمارے پیشہ اشخاص جن کی آمدنی اتنی ہے  
 ۳۹۰۳۱ ہیں۔ اور صرف ۱۵۷۵ اشخاص جو صنعت و حرفت میں معروف



ہیں۔ اُن میں رجسٹرڈ کمپنیاں بھی شامل ہیں، اتنی آمدنی رکھتے ہیں۔ کہ اس پر ٹیکس لگایا جائے۔ اب مختلف پیشوں کی جانب توجہ کیجئے۔ تو اُن میں صرف ۱۲۶۸ ایسے ہیں۔ جن کی آمدنی ٹیکس لگانے کے قابل ہے۔ ان میں سے ۱۵۵ کے سوا سب کے سب بیرسٹر۔ اٹارنی۔ اور پلیڈر وغیرہ ہیں۔ اس طرح سا ہو کاری اور قانون سب سے زیادہ منفعہ بخش پیشے ہیں۔ اور چونکہ قانون پیشہ لوگوں کی آمدنی کا اوسط زیادہ ہے۔ اس لئے نوجوانوں میں یہی پیشہ اختیار کرنے کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔ ۸۶۵ سالہ میں صوبہ کے اندر دصوبہ کی موجودہ حدود کے اعتبار سے چالیس پلیڈر اور بیرسٹر وغیرہ تھے۔ جن میں سے ۲۵ لاہور میں تھے۔ ۱۸۹۲ء تک انکی تعداد ۳۰ تک پہنچی اور اب ۱۲۰۰ سے تجاوز ہے۔ اگر انکم ٹیکس کے اعداد شمار کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو انکی خالص آمدنی کا اوسط ۲۲۰ روپیہ ماہانہ ہے، ایک درجہ یہ ہے کہ شہر میں ایک متوسط درجہ کی جماعت کی ایسی پیدا ہو گئی ہے۔ جس نے کالج کی تعلیم کا ذوق حاصل کر لیا ہے اس جماعت نے اس سرعت سے ترقی کر لی ہے! اور اس کے فرزندوں نے اس قدر تعلیم حاصل کر لی ہے کہ اب اُمیدوار وارانِ ملازمت کیلئے حصولِ ملازمت کے مواقع کم رہ گئے ہیں۔ شاید یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اچھی تنخواہ کی ملازمتوں کی مانگ انکی فراہمی سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ مقابل ذکر ہے کہ تقریباً ہر شعبہ میں تربیت یافتہ اور قابل اور متعدد لوگوں کا قحط ہے اس عجیب غریب حالت پر حکومت یونیورسٹی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بحث کی ہے اس کمیشن کو تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بنگال کالج کے غلبہ کا تناسب مجموعی آبادی سے تقریباً برطانیہ عظمیٰ کے برابر ہے مجموعی تعلیم یافتہ آبادی سے انکی تعداد دس گنا زیادہ ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ برطانیہ عظمیٰ سے دس گنا اشخاص بنگال کی یونیورسٹی

سے تعلیم کے مقابلہ کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ پروفیسر شل کا بیان ہے کہ امریکہ میں بھی جہاں تعلیم کو بہت اہمیت دیکاتی ہے۔ کسی پر نہیں سمجھا گیا کہ تعلیم لوگوں کو کاروبار میں مستعد اور قابل بنادیتی ہے۔ تعلیم سے کبھی کسی شخص نے وہ ہر ملندی حاصل نہیں کی جو فطری ذہانت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ میں اس کی وجہ سے کوئی نیا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ اور کوئی مفید محسوس کرنے کا نہیں آتی۔ جو اچھے مفاد پرورے کر سکے۔

کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ انکی اکثریت بھی آرٹس کی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ ایسے طلبہ کی تعداد بہت کم ہے جو کوئی پیشہ سیکھتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت بڑی تعداد میں تعلیم یافتہ نوجوان ملازمتیں تلاش کرتے پھر تھکتے ہیں لیکن انہیں کسی خاص پیشہ کی تعلیم حاصل نہیں ہوتی۔ اگرچہ سب لوگ اس کے بعض نتائج سے متفق نہیں ہو سکتے۔ لیکن کم از کم تعلیم کی اس صورت حال سے سب کو ہمدردی ہے! انگلستان نے ایسے نوجوانوں کو اقتصادی جدوجہد میں شریک ہو کر اپنا راستہ آپ پیدا کرنے کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ وہاں آرٹس کے نصاب کو عیش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ایک افلاس زدہ ملک میں عیش کی گنجائش نہیں ہو سکتی

اب ہم بعض ایسے اصول بیان کر نیکی کوشش کریں گے جنکی بنا پر صنعت و حرفت کو ترقی دیا جاسکتی ہے۔ اور نفع کی کافی امید ہو سکتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی ایسی چیز کا تیار کرنا مشکل نہیں جو آجکل دوسرے ممالک سے لائی جاتی ہے۔ یہ تو چاہیانے میں ثابت کر دیا ہے۔ کہ نقل کرنا بہت آسان ہے بشعاری تو یہ ہے کہ جو چیزیں تیار کی جاتیں۔ وہ اپنی قیمت اور اوصاف کے اعتبار سے ایسی ہوں کہ فوراً فروخت ہو جائیں۔ ہم نے ذیل میں تقسیم کی ہے اس کے مکمل ہونے کا ہمیں دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ لیکن کم از کم ان سے اتنا معلوم ہو جائیگا کہ کن اصولوں پر ترقی کرنا ممکن ہے۔

الف۔ قدیم (۱) موجودہ صنعتوں کی اصلاح و ترقی۔  
(۲) زرعی صنعتوں کی ترقی۔

ب۔ جدید (۱) نئی صنعتیں جن کی بنیاد زراعت پر ہو۔  
(۲) نئی صنعتیں جن کی بنیاد زراعت پر نہ ہو۔

ج۔ نامعلوم یعنی وہ صنعتیں جو کسی نئی ایجاد یا انکشاف کی وجہ معرض وجود میں آجائیں۔ اور جن سے صوبہ کے اندر فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۔ موجودہ صنعتوں کو ترقی دینے کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور وہ سب سے پہلے توجہ کی مستحق

۱۔ انگلستان کی تاریخ صنعت سے ہم تم کے بہت سے فوائد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کہ صدیوں کی مصیبتوں نے لوگوں میں عزم راسخ۔ کفایت شعاری کے جذبات پیدا کر دیئے۔ لوگوں میں ایک ایسا جذبہ خود پیدا ہوا جس کی بدولت انہوں نے دستکاریوں پر نفع حاصل کر لی۔ اور محنت سے کام کرنے لگے۔ تاکہ وہ پھر افلاس اور درد و مصیبت کی اس گہرائی میں نہ جاویں۔ جس سے وہ اپنی قومیت بازو کے بل ہوتے ہوئے تھے۔

ہیں۔ ان میں بڑی بڑی صنعتیں۔ پارچہ جاتی۔ رنگ سازی و باغی۔ لوہے اور کڑی کا کام شامل ہیں۔ انہیں حسب ذیل طریقوں سے بہت کچھ ترقی دی جاسکتی ہے :

(ا) کار یگوں کو اپنے فن کی تعلیم دیکانے تاکہ وہ اپنی فنی استعداد بڑھائیں ۔  
(ب) مزید سڑیہ صرف کیا جائے۔ جو جدید مشینوں آلات اور سامان اور مزید طاقت بہم پہنچانے میں لگایا جاوے ۔

(ج) دانشندانہ اقدام و ہمت کا عنصر بھی ضروری ہے۔ تاکہ کار یگوں سڑیہ کے استعمال سے زیادہ نفع حاصل کر سکیں ۔

اگر ان صنعتوں کو دیہات میں فروغ دیا گیا۔ تو اغلب ہے۔ کہ موجودہ اہل حرفہ کے طبقے سے کار یگو فراہم ہو جائینگے۔ اگر ان لوگوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح مقصود ہے۔ تو یہ ضروری ہے۔ کہ وہ زیادہ دولت پیدا کریں۔ اور یہ مقصد اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ سڑیہ اور طاقت دونوں نہایت دانشندانہ طریق پر حاصل کئے جائیں ۔

یہ امر قابل غور ہے۔ کہ ہندوستان جوں جوں صنعت و حرفت کی تنظیم میں ترقی کرتا جائے گا۔ پنجاب میں باہر سے آئے ہوئے لوہے سے جو چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ زوال پذیر ہوتی چلی جاتیں گی۔ کیونکہ خام جنس کی بجائے بنی بنائی چیزوں کی درآمد زیادہ ارزاں ہوگی۔ "ناہن شوگر غیر واقع ریاست ناہن کی مصنوعات کا مدار لوہے اور کوئلہ پر ہے۔ جو بنگال سے ریل گاڑی اونٹ پر لایا جاتا ہے۔ اور پھر صوبہ کے مختلف دیہات میں گاڑی اور اونٹ کے توسط سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ایسی مصنوعات کو اس جگہ جو لوہے اور کوئلے کی کانوں کے قریب ہو۔ تیار کرنا زیادہ ارزان ہے۔ اس کے بعد جہاں مصنوعات کی مانگ ہو۔ انہیں ریل گاڑی کے ذریعہ بھیجا جاسکتا ہے۔

۲۔ زراعتی صنعتوں کی ترقی ۔

زراعتی صنعتوں کی مثال۔ تیل نکالنا۔ آٹا پیسنا۔ کپاس سے روئی اور دھان سے چاول نکالنا۔ گنے کا رس نکالنا۔ ادنی کپڑے دھونے وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ خام اجناس ان مراحل سے گزرنے کے بعد کہیں استعمال کے قابل ہوتی ہیں۔ ابھی تک عام طور پر ان صنعتوں میں ناقص طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بہت حد تک یہ اغلب ہے۔ کہ ان صنعتوں کے لئے زراعت پیشہ طبقہ سے

کارکن بھی فراہم ہو جائیگے۔ جس طرح آجکل جو لوگ گنے کارس نکالتے ہیں۔ وہ زراعت پیشہ طبقہ کے افراد پرستی شتمل ہوتے ہیں۔ ان صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے بہترین طریق کار یہ ہے کہ بہتر مشینوں کو رولج دیا جائے۔ بیکار اجزا کو علیحدہ کر کے اجناس برآمد کو اس طرح پاک اور صاف کیا جاوے۔ کہ مقدار کے تناسب کے مقابلہ میں انکی قیمت بڑھ جائے ۴

۳۔ نئی صنعتیں جن کی بنیاد زراعت پر ہے۔

اس قسم کی صنعتوں سے نہایت اُمید افزا نتائج کی توقع ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ ان کی ترقی کے لئے اب بھی وسیع میدان موجود ہے۔ دوسرے یہ امکان تو ہمیشہ ہے۔ کہ صوبہ کی آب و ہوا اور زمین بھی ایسی دوسری اجناس کی کاشت کے لئے موزوں ثابت ہو۔ جو صنعتی حیثیت سے بہت قیمتی ہوں۔ اور جن کی کاشت بحالت موجودہ نہیں کی جاتی۔ مثلاً گنے کے علاوہ کسی دوسری عین کی کاشت کی جائے۔ جس سے شکر نکالی جاسکے۔

جو صنعتیں غزوہ و خوض اور تحقیق کی محتاج ہیں۔ ان میں ایک لیشم کے کیڑے پالنے کا پیشہ بھی ہے۔ یہ صنعت جاپان میں زراعت کے بعد سب سے بڑی صنعت ہے (گیہوں کے بھوسہ سے مختلف اشیاء بنائی جاتیں۔ وہاں کے پیال اور چمپکوں سے کافذ تیار کیا جائے۔ آلوں سے الکحل حاصل کی جائے۔ جو طاقت کا سرچشمہ ہے۔ پھلوں کو محفوظ رکھا اور سُوکھایا جائے۔ سبز لیں اور ترکاریوں کو سُوکھایا جائے۔ شہد کی مکھیاں پالی جائیں۔ اور شہد فراہم کیا جائے۔ ارزڈ کا تیل بھی نکالا جائے۔ اور اس سے کھاد کا کام بھی لیا جائے۔ مرغی خانے قائم کئے جائیں۔ بلکہ مکھن کے لئے ڈائریاں بھی قائم ہوں ۵

یہ تمام صنعتیں ایسی ہیں جنہیں زراعت پیشہ طبقہ کے لوگ اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کی رہنمائی دانشمندانہ طریق پر کی جائے ۶۔ وہ نئی صنعتیں جن کی بنیاد زراعت پر نہیں۔

ان میں ایک صنعت تو ایسی ہے۔ جو اس قسم کی صنعتوں وغیرہ زراعی اور زرعی صنعتوں کو آپس میں ملا دیتی ہے۔ اس صنعت میں جو خام عین استعمال ہوتی ہے۔ وہ زراعت سے حاصل نہیں کی جاتی۔ لیکن اس کی اشیائے ساختہ زراعت میں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ

صنعت جدید قسم کے آلات کشادہ زمی کی ساخت ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کی صنعتوں میں پٹرول اور اس سے بنائی ہوئی اشیاء سمیٹ بنانا، شیشہ بنانا، نمک کی کانیں کھودنا، نسئی کانوں سے مراد نہیں، لوہا، کانگریٹ، کوئلہ، میاںوالی، ریت سے سونا نکالنا، سندھ، اور وہ صنعتیں شامل ہیں جن میں جنگلوں کی پیداوار استعمال کی جاتی ہے، مثلاً تاپین نکالنا، لکڑی کے گودے سے کاغذ بنانا، مختلف جڑیاں، بوٹیاں جن سے دوائیاں بن سکیں شامل ہیں، چغور کرنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اس قسم میں وہ صنعتیں شامل ہیں جن کے لئے بہت حد تک کاریگروں کو خاص تسلیم دینی پڑے گی۔ وہ ذاتیں اور قبیلے جو آج کل صنعت و حرفت میں مصروف ہیں۔ ان صنعتوں میں انکامل و دخل نہیں ہو گا۔ اس کے لئے بہت کافی سرمایہ کی ضرورت پڑے گی۔ اور یہ بھی ضروری ہو گا کہ منتظمین بہت قابل ہوں۔ یہ نامعلوم صنعتوں کی مثال اس قسم کی مصنوعی کھادیں ہیں۔ جو نائٹروجن سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

صنعت و حرفت کی ترقی کے جس قدر ممکن اصول تھے ہم انہیں بیان کر چکے ہیں۔ اب ان مقامی مواقع پر بحث کرنا باقی رہ گیا ہے۔ جو صنعتوں کی ترقی کا دائرہ محدود کر دینگے۔ ان مواقع میں سب سے پہلے تو صوبہ کا جغرافیائی محل وقوع ہے۔ جس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ صوبہ کے محل وقوع کا اثر یہ ہو گا کہ یہاں کی منڈیوں اور بیرونی منڈیوں کے درمیان مقابلہ نہیں ہو سکے گا۔ مصنوعات کی برآمد نہیں کی جاسکے گی۔ اور صوبہ میں صرف مرمت کا کام ہوا کرے گا۔ صوبہ کی صنعتیں جس حد تک اثر پذیر ہو سکتی ہیں۔ اس کا انحصار بہت حد تک صوبہ کے اندرونی ذرائع و وسائل اور محل و نقل کی سہولتوں پر ہے۔ بحالت موجودہ لنکا شائر سے مصنوعات کے اہرے سر پہنچانے پر اس قدر مصارف نہیں آتے۔ جس قدر روپیہ امرتسر سے مصنوعات کے دیہات میں پہنچانے پر صرف ہوتا ہے۔ کسی تجارت پر آمدہ کو فرض کر لیجئے۔ کہ سوئی کپڑے کی تجارت برآمد میں ہی اگر رکاوٹیں پیش آئیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پنجاب کے کاریگر اپنے کاروبار لنکا شائر کی طرح قانون تکثیر حاصل کے مطابق پورا پورا نفع حاصل کر سکیں۔ پنجاب اپنے جغرافیائی محل وقوع

کے اعتبار سے الگ ٹھنگ ہے۔ اور تین طرف سیکڑوں میلوں تک ایسے اقطاع واقع ہیں جن میں بہت کم آبادی ہے۔ مزید برآں سمندر سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ اس لئے یہ اغلب نہیں کہ پنجاب اس پیمانہ پر صنعتوں کو ترقی دے سکے۔ جس وسیع پیمانہ پر جاپان نے صنعتوں کو ترقی دی ہے۔

صنعتی ترقی کی راہ میں دوسری رکاوٹ سرمایہ کی مقدار ہے۔ ہم یہ تو بیان کر چکے ہیں کہ صوبہ میں بہت کافی دولت موجود ہے۔ جسے لوگ کسی کاروبار پر لگانا چاہتے ہیں۔ اور اگر زمین شدہ زمینیں اپنے قبضہ میں کر لی جائیں۔ اور غیہ زراعت پیشہ لوگوں کے قبضہ میں جا بجا جو قطعاعات اراضی موجود ہیں۔ انہیں فروخت کر دیا جائے۔ اور جس قدر روپیہ ساہوکار لوگوں کو سود پر قرض دیتے ہیں۔ وہ امداد باہمی میں صرف کیا جائے۔ تو مزید دولت بھی ہتیا ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہیں کہ اگر امداد باہمی کی تحریک کو وسعت دی جائے۔ تو چالیس کروڑ روپیہ ایسا فراہم ہو سکتا ہے جسے صنعت و حرفت پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگرچہ ابتدائی ضروریات کے لئے کافی سرمایہ موجود ہے۔ تاہم اس امر کا یقین نہیں کہ لوگ اس سرمایہ کو صنعت و حرفت میں لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ابھی تک محض غیر ملکی سرمایہ کے استعمال سے ملک نے ترقی کی ہے۔ تمام ہندوستان میں سرمایہ مشترکہ کے اصول پر جو کمپنیاں قائم ہیں۔ ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء میں ان کا ادا شدہ سرمایہ تقریباً ایک ارب روپیہ تھا۔ پچھلے دنوں دولت کی جو فراوانی ہوئی۔ اس سے پیشتر چھ ارب روپیہ صرف

۱۹۱۵ء واقعہ پنجاب کے لئے بہت مفرح ہے۔ کہ پنجاب اور کراچی کی بندرگاہ کے درمیان پانچ سو میل لمبا علاقہ واقع ہے۔ جسکی آبادی گنجان نہیں۔ بندرگاہ اور ریلوے کے اخراجات کا بیشتر حصہ پنجاب کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر سندھ ایک آباد اور زرخیز صوبہ ہوتا۔ تو کراچی کا بندرگاہ پنجاب کے زیادہ مفید ثابت ہوتا۔ اور اس کے مفاد میں کم جتنے ہوتے۔ اس کی تقسیم حسب قاعدہ ذیل ہے۔ بنگلہ وغیرہ میں ۱۱ کروڑ روپیہ۔ تجارت میں ۷ کروڑ۔ ریلوے میں ۳ کروڑ۔ ملوں اور چھاپ خانوں میں ۵ کروڑ۔ چائے اور دوسرے پودے لگانے میں ۲ کروڑ۔ کانکنی اور پہاڑوں پر پتھر لگانے میں ۱ کروڑ۔ زمین اور عمارتوں میں ۳ کروڑ۔ شکر سازی میں ۱ کروڑ۔ پنجاب میں جو کمپنیاں صنعت و حرفت میں معروف ہیں۔ ان کا مجموعی ادا شدہ سرمایہ ۱۹۱۵ء میں ۱۱ لاکھ سے کم تھا۔ جاپان میں ۷۷ کروڑ صنعتی کمپنیوں کا ادا شدہ سرمایہ ۱۹۱۵ء میں ایک ارب ۷ کروڑ دس لاکھ ہیں۔ اور ایک ارب سات کروڑ روپیہ۔ یعنی صرف اٹھ سو

ریلوں اور نہروں پر لگایا گیا ہے۔ جس کا بیشتر حصہ بھی برطانیہ سے قرض لیا گیا تھا۔ بڑی بڑی صنعتوں میں مقصد سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا بیعچ اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان کے اردو و شمار کو ہی لیجئے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ سو فی کس کے کارخروں میں جو روپیہ لگا ہوا ہے۔ اس کا اوسط ۶۱۲ روپے فی کس ہے۔ ادنیٰ کارخانوں کا اوسط ۱۸۶۳ فی کس اور اعلیٰ درجہ کے ادنیٰ کارخانوں مثلاً دارالریال وغیرہ کا اوسط ۲۵۲۱ فی کس اور ریلوے کا اوسط ۸۳۰۰ روپیہ فی کس ہے۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ہندوستان کے لوگ جنگ عظیم سے پہلے حکومت کو روپیہ دینے میں بہت جھجک محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ریلوے نہروں کی تعمیر پر جو چھ ارب روپیہ صرف ہوا۔ وہ تقریباً سب کا سب انگلستان سے آیا تھا۔ آئندہ یہ اغلب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ ہندوستان برطانیہ سے پہلے کی طرح روپیہ قرض لے سکے گا۔ کیونکہ برطانیہ نے زمانہ جنگ میں نو ارب ساٹھ کروڑ پونڈ صرف کیا۔ اور اس کا قرضہ عامہ اس کی مجموعی دولت میں سے ۱۴ فی صدی ہے۔ انگلستان کے قریب وجوہیں زائد از ضرورت سرمایہ کے استعمال کے لئے کافی میدان موجود ہے۔ یہ اغلب ہے۔ کہ نئے عہد حکومت کے اندہ ہندوستان میں سرمایہ لگانا نسبتاً کم محفوظ خیال کیا جائے۔ اور دوسری جانب شرح مبادلہ کی گرانی کی وجہ سے حکومت کے لئے بھی غیر ممالک سے روپیہ قرض لینا کم منفعت بخش ہو گا۔ اس لئے یہ زیادہ تدبیریں قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کہ امور عامہ کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ وہ ہندوستان سے ہی فراہم کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے مستقبل قریب میں کافی روپیہ

بقیہ صفحہ کھچپلا۔ بشرطیکہ روپیہ اور دونوں درشلنگ کے برابر ہوں ۱۰ اگر وقت سے کمپنیوں کی برباد ہو گئی۔ میوکنامک جرنل کا بیان ہے۔ کہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء کمپنیاں بن گئی ہیں۔ جن کا مجموعی سرمایہ چار ارب بن دتقریباً چار ارب روپیہ ہے۔ کمپنیاں قائم کرنے والوں نے جاہل لوگوں میں جتنے ضرورت کئے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جن کمپنیوں کی بنیاد غیر مستحکم تھی۔ وہ تباہ ہو گئیں۔

کی ضرورت پڑے گی۔ ریلوے کی توسیع کی شدید ضرورت ہے۔ اور کئی مقامات پر آب پاشی کے لئے نہروں کی تعمیر ضروری ہے۔ دو آب سندھ ساگر کی نہر بیس لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کرے گی۔ اس کے مصارف تعمیر کا اندازہ ۹ کھڑ ۶۰ لاکھ روپیہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ جب اس کی تعمیر مکمل ہو جائے گی۔ اس کی آمدنی جبکہ مصارف کا دس فی صدی ہوگی۔ بھکر کے بند پر تقریباً ۱۴ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوگا۔ یہ ۳۹۵ فٹ بلند ہوگا۔ اور ایک کھرب ۱۲ ارب مگدب فٹ پر مشتمل ہوگا۔ اسوان کا بند ۳۶ ارب مگدب فٹ پر مشتمل ہے۔ بھکر کے بند سے دس فی صدی نفع ہوگا۔

اس طرح گویا صوبہ کی ترقی کا مدار اس امر پر ہے۔ کہ ہندوستان کے ارباب دولت آگے بڑھ کر روپیہ لگائیں۔ اپنا روپیہ امور عامہ کے لئے بطور قرض دیں۔ اور صنعتی امور پر بھی روپیہ لگائیں۔

صنعتی ترقی کی راہ میں ایک بہت رکاوٹ ہے۔ کہ ایسے تربیت یافتہ آدمیوں کی قلت ہے۔ جو نگرانی اور انتظام کے فرائض ادا کر سکیں۔ اور انہیں فرائض کو قابلیت سے انجام دینے پر صنعت و حرفت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ہندوستانی اور استعداد محض کسی عام کالج کا نصاب تسلیم پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ اگر کسی شخص میں یہ قوتیں موجود ہوں۔ تو کالج کا نصاب تعلیم انہیں بیدار کر سکتا ہے۔

لے آئریبل سٹریٹون نے پنجاب کونسل میں یہی کہا تھا۔ ملاحظہ ہو پنجاب گزٹ بابت تاریخ ۱۹۰۶ء حصہ پنجم صنعتی ۹۵-۹۶ وادی ستیج کی مجوزہ نہر سے جو رقبہ سیراب ہوگا۔ اس کا بیشتر حصہ برطانیہ پنجاب کی حدود سے باہر ہوگا۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے۔ کہ میاں تیزت کی وجہ سے جن کے اثر کا دائرہ بہت وسیع ہے صنعتوں پر سرمایہ دل کھول کر صرف نہیں کیا جاتا۔



تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ کارخانہ کا منتظم اسی کارخانہ کے اندر رہ کر بہترین طریق پر تربیت حاصل کر سکتا ہے اور یہ فن صنعت و حرفت کی فضا میں ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس بارہ میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ جب تک صنعتی اولائے قائم نہ ہو چکے ہوں۔ نوجوانوں کو ان کے انتظام و اہتمام کی تربیت دینا تقریباً ناممکن ہے۔ جاپان نے اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش اس طرح کی۔ کہ یورپ سے با استعداد اور قابل مہجر منگوائے۔ اور نوجوانوں کو یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کو بھیجا۔ یہاں بھی اسی قسم کی حکمت عملی کا اختیار کرنا ضروری معلوم ہو گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ محض نقل کرنے سے صنعت و حرفت میں سر بلندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایسی چیزوں کو بنانے کا طریقہ سیکھنا چند ان مفید نہیں۔ جنہیں پرانے صنعتی ادارے بہت بڑی مقدار میں اور نہایت وازاں قیمت پر تیار کرتی ہیں۔ یہاں تو طاقت عقل و دانش۔ سرمایہ اور ہمت کو انہیں چیزوں کی ساخت پر صرف کر دینا چاہئے۔ جنہیں تیار کرنے کے لئے صوبہ قدرتی طور پر بہت موزون و مناسب واقع ہوا ہے۔ جب ان مختلف عناصر کو متحد کر کے استعمال میں لانے کے متعلق پورا پورا تجربہ حاصل ہو جائے۔ تو اپنی سرگرمیوں کے لئے نیا میدان تلاش کر لینے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ جب تک انسانی جہالت تربیت و تعلیم کے مرحلہ سے نہ گذر چکی ہو۔ اور انسان کو تجربہ نہ ہوا ہو۔ اس وقت تک حفاظت کے مصنوعی طریقے اختیار کرنے کے سوائے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور صنعت و حرفت کی حفاظت کے لئے اس قسم کے طریقے اختیار کرنا ہمت اور حوصلہ کو پست اور ولولوں کو افسردہ کر دیتا ہے۔ عہد جدید کی صنعت و حرفت کی تو یہ کیفیت ہے کہ بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کی مخصوص فضا اور پرانی روایات ذہن کو ایک ایسے قالب میں ڈھال دیتی ہیں۔ جس کی بدولت حصول کامیابی کی صحیح راہ معلوم کرنے میں دقت نہیں ہوتی۔ مانچسٹر اور شیفلڈ میں جو خصوصیات اور صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ پنجاب میں قطعاً ناپید ہیں۔ وہاں ایک حوصلہ مند نوجوان جب دشواریوں سے دوچار ہوتا ہے۔ تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر پنجاب میں یہی دشواریاں پیش آئیں۔ تو زیادہ تر قیاس یہی ہے کہ ہمت پست ہو جائے۔ تکلیفوں اور دشواریوں کے متعلق دونو قوموں کا زاویہ نگاہ جدا گانہ ہے۔ اکثر

اگر یوں کا عقیدہ ہے۔ کہ جب ہم ایسی مشغلوں سے آشنا ہوں جن میں بتدریجی طور پر ترقی ہوتی جائے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ تو ہماری طاقت و قوت اور ذہنی استعداد میں اضافہ ہو جائیگا۔ ہندوستان میں محنت و مشقت کی زندگی کی ناگزیر دشواریوں اور جسمانی تکلیف اذیت کے متعلق لوگوں کے خیالات نہایت مبالغہ آمیز ہیں، مجبوری کو برا سمجھا جاتا ہے۔ ضبط و نظم کی قدر کم کی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ کارزار حیات میں جدوجہد کرنے کی قابلیت کم رکھتے ہیں۔ وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تباہی کو تقریباً دہشت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے کہ وہی لوگ زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وہی جو کشمکش حیات سے عہدہ برا ہوتے ہیں۔ بعض اشخاص کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اکثر اشخاص کا کامیاب ہوں۔ لہذا شائرمیں یہ جملہ زبان زد خاص و عام ہے۔ کہ صرف دو پیش آقا اور خادم کے درمیان حائل ہے۔ یعنی جو شخص آج آٹا ہے غالباً کسی کارخانہ کی مزدوری کا پرورش ہوتا ہے۔ اور اغلب ہے۔ کہ اس کا پوتا ناز و نعمت میں پرورش پانے کے باوجود پھر ایک مزدور کی حیثیت اختیار کرے۔ امریکہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ہر مشہور صنعتی ادارہ کی بنیاد کسی مستری۔ کلرک اور اسی طرح کے کسی ادنیٰ مزدور نے ڈالی تھی۔ اس لئے یہ خیال کہ کسی خاص ذات کے لوگ صنعت و حرفت اختیار کریں۔ سرمایہ بہم پہنچائیں۔ دماغ صرف کریں۔ اور بیچ ذاتوں کے مزدوروں کے لئے کام فراہم کریں۔ عملی حیثیت اختیار کرنے کے قابل نہیں۔ پنجاہ کی سب سے بڑی صنعت زراعت ہے۔ جب اس کی اصلاح اور اس کی امادی صنعتوں کی ترقی پر سرمایہ عقل و دانش اور بہت صرف کی جائے۔ تو یقیناً ذہنی تربیت کے لئے ایک اچھی نامی درس گاہ معرض وجود میں آجائے گی جس میں طلباء کو بہت محنت کرنی اور بہت سختیاں اٹھانی پڑیں گی۔ اور جن لوگوں کو قدرت سنے کاروباری جو ہر استعداد عطا کر رکھی ہے۔ وہ یقیناً ترقی کر کے صنعتی رہنما کا مرتبہ حاصل کر لیں گے۔ ابتدا میں

۱۔ تمام مجالس اہل اداروں کی بنیاد ضبط و نظم ہے۔ جب تک ضبط و نظم کی استعداد میں ترقی نہ ہو۔ صنعتی اداروں کا قیام ناممکن ہے۔

ایسے لوگ چند ہی ہونگے۔ لیکن ضرورت بھی تو صرف چند اشخاص کی ہے۔ ہندوستان میں جو صنعتیں موجود ہیں۔ ان میں ایسے رہنماؤں کی تعداد بہت کم ہے۔ جو کوئی نمایاں حیثیت رکھتے ہوں۔ بلکہ جو لوگ ان صنعتوں کے انتظام اور نگرانی میں مصروف ہیں۔ ان کی تعداد بھی چنداں زیادہ نہیں۔

ہندوستان کے تمام کارخانوں کے ملازمین ۳ فیصدی اشخاص نگرانی اور کلرکی پر مامور ہیں۔ ان میں یوروپین کا تناسب ۴ دہے۔ ۱ اور ہندوستانیوں کا ۶۷ دہے باقی رہے ۹۷ ان میں ۲۶ تربیت یافتہ کاریگر ہیں۔ اور باقی

روٹی کی صنعت میں ملازمین کا تناسب یہ ہے۔ ۱۹ یوروپین۔ ۴ ہندوستانی (اعلیٰ عہدوں پر) ۵ تربیت یافتہ کاریگر ۸۷ غیر تربیت یافتہ۔

روٹی کی صنعت میں ۴ یوروپین ہیں۔ ۱۰ ہندوستانی (ڈائریکٹر اور نگران) ۲ ہندوستانی (کلرک) اور ۵ تربیت یافتہ۔ ۲۹ غیر تربیت یافتہ کاریگر۔ اس فرق کے اسباب خاص ہیں ان صنعت میں جو مشینیں کام کرتی ہیں۔ وہ زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ مزید برآں ان کو کپڑے کی صورت میں تبدیل ہوتے تک کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ صحیح تناسب صنعت کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن تمام صنعتوں میں ایک بات دیکھی گئی ہے۔ کہ ان کے ڈائریکٹروں اور مہتمموں کی تعداد کم ہے۔

دوسری دشواری مزدوروں کی فراہمی ہے۔ صوبہ میں جس قدر تربیت یافتہ کارکن ہنروں اور ریلوں کی تعمیر کا کام کرتے ہیں۔ ان کا بیشتر بیرونی لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ زائد

۱۵ آفیسر ایڈز کی کتاب "انڈسٹری اینڈ ٹریڈ" سے اس امر کے متعلق بہت قیمتی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ کہ صنعتوں کو مختلف ممالک میں کسی حد تک ترقی ہوئی ہے۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے۔ کہ ایک بھی مثال نہیں مل سکتی جس سے یہ ثابت ہو کہ حکومت کی امانت اور صنعتوں کی حفاظت کی حکمت عملی سے کوئی مستقل کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ اور بات ہے کہ وقتی طور پر ان کے اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

۱۶ "لوکپن دھارپال" کے متعلق تفصیلات کی فراہمی کے لئے میں اس کارخانہ کے منیجر کا شرمندہ احساں ہوں۔ میں نے ان کارخانوں سے بھی تفصیل طلب کی جو ان کے منیجر ہندوستانی ہیں۔ لیکن انہوں نے ہم پہنچانے سے انکار کیا۔

از ضرورت مزد و راول تو ہوتے ہی نہیں۔ اور اگر ہوتے بھی ہیں تو بہت کم۔ یہ امد بات ہے۔ کہ ایسے مزدور کتنی تعداد میں موجود ہیں۔ جنہیں پورے سال کے لئے مزدوری نہیں ملتی۔ اس سے بھی زیادہ قابل غور یہ امر ہے۔ کہ صنعتوں کو تربیت یافتہ مزدوروں کی زیادہ ضرورت ہے اور جیسا کہ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ تربیت یافتہ مزدوروں کی تعداد کم ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ غیر تربیت یافتہ مزدوروں کی تربیت کی جائے لیکن یہ کام بہت دشوار ہے۔ اور اس پر بہت وقت صرف ہو گا۔ یہی وہ حل طلب مسئلہ ہے جسے جاپان بھی حل نہیں کر سکا۔ جاپان کے پاس مزدوروں کی کثرت ہے۔ اور انہیں اجرت بھی تھوڑی دینی پڑتی ہے۔ لیکن ان میں وہ اوصاف موجود نہیں۔ جس کا ہونا اعلیٰ درجہ کی مصنوعات تیار کرنے کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ یہ خواہش عام تھی۔ کہ صنعت و حرفت میں سرعت سے ترقی کی جائے۔ اسے جلد وسیع کیا جائے۔ اور کثیر تعداد میں اشیاء تیار کی جائیں۔ انہیں اس غرض کے لئے ایسے مزدوروں کو ملازم رکھنا پڑا۔ جو پوری طرح تربیت یافتہ نہیں تھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جو چیزیں تیار کی گئیں۔ ادنیٰ درجہ کی تھیں۔ اس طرح جاپانی مصنوعات بہت بدنام ہو گئیں۔ جاپان کے کارخانوں کے مزدوروں میں سے عورتوں کی تعداد ۵۵ فیصدی سے زیادہ ہے۔ لڑکوں کو جن کی عمر بارہ سال سے کم ہوتی ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت ہے۔ اور قانون کی رو سے کارخانہ والوں کو یہ بھی حق حاصل ہے۔ کہ وہ مزدوروں سے گیارہ بارہ گھنٹے روزانہ کام لیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جاپانی مزدوروں پر ایک غفلت کی حالت طاری رہتی ہے۔ انہیں اپنے کام میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ یکسوئی سے کام نہیں کر سکتے۔ انہیں بار بار سستانے کے لئے ٹھہر جانا پڑتا ہے۔ ہمیشہ ان کی نگہانی کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ وہ بدسلوکی سے کام بگاڑ نہ دیں۔ لیکن جاپان کی صنعت و حرفت کو جس خصوصیت کے باعث حیرت انگیز ترقی ترقی ہوئی ہے۔ وہ جاپانیوں کی نقالی ہے۔ انہیں مغربی طریقوں کی پوری پوری نقل و نقل کوٹنے کی کانوں میں عزتیں وہی کام کرتی ہیں جو مرد کرتے ہیں۔ کوٹنے کی کانوں میں عورتوں کی تناسب ۴۰ فیصدی ہے۔

کرنے میں بہت مہارت حاصل ہے۔ انگلیوں سے کام لینے کی مہارت اور جا بکدستی جو بعض صنعتوں میں بہت قدر و اہمیت رکھتی ہے۔ ایسی صنعتوں میں چنداں قابل قدر نہیں۔ جن میں بیشتر کام مشینوں سے کیا جاتا ہو۔

جاپان میں صنعت و حرفت کو جس تیزی سے ترقی ہوئی ہے۔ اس میں ایک اور وجہ سی بہت آسانیاں ہبیا ہو گئی ہیں۔ یعنی جاپان میں اجرت بہت کم دی جاتی ہے۔ زیادہ عرصہ تک کام کرایا جاتا ہے۔ بچوں سے بھی محنت لی جاتی ہے۔ مزدور رات کو بھی کام کرتے ہیں اور تو اور لڑکیاں بھی رات کو کارخانوں میں کام کرتی ہیں۔ لیکن اب مزدور سی پر جو بین الاقوامی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ جاپان پر ان کا بہت اثر ہو گا۔ یعنی جاپانی مصنوعات میں لہ کی کمی ہو جائیگی یا یہ حقیقت بہت دلچسپ ہے کہ جاپانی صناعتوں کی کامیابی کا انحصار دوسرے ملکوں کی صنعتی مشکلات (یعنی پڑتاووں وغیرہ) پر ہے۔ کیونکہ اس طرح مقابلہ میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور منڈیاں ان کے قبضہ میں آ جاتی ہیں۔ جاپان میں کئی ٹریڈ یونین نہیں۔ جو لوگ مزدوروں کو پڑتاو کر کے کی ترغیب دیتے ہیں۔ انہیں چھ ماہ سزا قید کا مستوجب سمجھا جاتا ہے۔

۱۹۲۷ء میں مملکت معظم کے نائب قونصل متینہ جاپان کی وہ رپورٹ جو اس نے جاپانی مزدوروں کے متعلق سپر قلم کی ہے (تجارتی رپورٹ کا نمبر ایت ۱۹۲۷ء) جاپان کی میرک بھی دیکھیے۔

۱۹۲۷ء میں مملکت معظم کے نائب قونصل متینہ جاپان کی وہ رپورٹ جو اس نے جاپانی مزدوروں کے متعلق سپر قلم کی ہے (تجارتی رپورٹ کا نمبر ایت ۱۹۲۷ء) جاپان کی میرک بھی دیکھیے۔

جاپان کے اقتصادی حالات کو بہت سے خطرات سے عبور ہیں۔ اس ملک کی غیر متوقع کامیابی کے متعلق بہت کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھری طرح محسوس نہیں کیا جاتا کہ یہ خوشحالی ان غیر معمولی حالات کا نتیجہ ہے۔ جو زلزلہ جگ میں جاپان کو اپنی عجیب حیثیت کے باعث میسر تھے۔ جاپانی قوم کے خیالات و جذبات میں کوئی ایسی قطعی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جسے حریف ملکوں میں خوف و خطر کی نظر سے دیکھا جائے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ جاپان بہت حد تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اسکی صنعتوں کو معقول ترقی ہوئی ہے۔ لیکن عین نقائص مثلاً مزدوروں میں اضطراب اور بہت زیادہ بلند معیار زندگی پیدا ہو گئے ہونگے ہیں جن سے جاپان پیشتر ازیں آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس پرستزادیہ کہ سنا کھینچنے وغیرہ کا سوا اس حد تک بڑھ گیا ہے جو ملکی ضروریات سے کوئی تناسب نہیں رکھتا۔ حصہ دار بہت غافل اور کوتاہ اندیش واقع ہوئے ہیں۔

امور متذکرہ بالا سے یہ ظاہر ہے کہ جاپان کی سی غلامانہ نقالی نہ تو یہاں ممکن ہے۔ اور نہ مناسب جب مزدور تھوڑی اجرت پر کافی تعداد میں فراہم ہو سکیں۔ اور ساتھ ہی ملک میں بسرعت تمام معمول حاصل کرنے کی خواہش موجود ہو۔ تو اس سے اکثر تقابض پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ پنجاب میں محنت اس قدر سستی بھی نہیں۔ اور نہ جاپان کی طرح اُس کا کثیر مقدار میں فراہم کرنا ممکن ہے۔ تربیت یافتہ مزدوروں کی قلت ہے۔ اور جاپان کی گزشتہ تاریخ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جب تک پوری طرح تربیت یافتہ مزدور کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اس وقت تک بڑی بڑی صنعتوں کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر بسرعت تمام قائم کرنا ناممکن ہے۔

ان حالات میں ہماری امیدوں کا صرف سہارا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ مزدوروں کی تربیت کی جائے۔ تو وہ زیادہ استعداد اور قابلیت حاصل کر سکیں۔ تاکہ اگر موجودہ صنعتی کام نسبتاً قلیل التعداد مزدوروں کی مدد سے کیا جاسکے۔ توجہ دید صنعتوں کے لئے کافی مزدور نہ رہیں۔ اس ملک میں اوسط درجہ کی اراضی بہت چھوٹی ہوتی ہے یعنی اگر ایک شخص کسی نوآبادی میں ۵۰ ایکڑ زمین حاصل کرے۔ تو اُسے یا تو مزدوروں سے کام لینے کی ضرورت پڑیگی۔ یا اراضی کا ایک حصہ کسی مزارع کو لگان پر دیدینا پڑیگا۔ دوسری جانب انگلستان میں ایک کسان اپنے کنبے سمیت ۵۰ ایکڑ زمین کی غور وپرداخت کر سکتا ہے۔ اور مزدوروں سے اجرت پر کام لینے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اس سے زیادہ وسیع اراضی پر کام کرنے والوں کا تناسب حسب ذیل ہے۔

۵۰ سے ۱۰۰ ایکڑ اراضی ۵۰ کام کرنے والے

۱۰۰ سے ۵۰ ایکڑ ۱۰ کام کرنے والے

۱۵ ملاحظہ انٹرنیشنل ریویو آف اکنامکس "بابت دسمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۶۶۱ مزید برآں زراعت کے مزدوروں امدان کی تنخواہوں کے متعلق رپورٹ بابت ۱۹۱۹ء بھی دیکھئے پنجاب میں زراعتی نظام ایسا کہ ہمیشہ زیادہ مزدوروں کی ضرورت پڑیگی۔

۱۵ انٹرنیشنل ریویو آف اگری اکنامکس نومبر اور دسمبر ۱۹۱۹ء۔

۱۵۰ سے ۲۰۶ تک اراضی ۷۵۵ کام کرنے والے

۳۰۰ سے زیادہ ۱۶ " "

گویا یہ ممکن ہے۔ کہ کسانوں کی تربیت اس طرح کی جائے۔ کہ وہ زیادہ وسیع اراضی کو سنبھال سکیں۔ اور پیداوار میں بھی کمی واقع نہ ہو۔ مدراس میں اس کے متعلق جو تخمینہ کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسان اوسطاً سال بھر میں ۱۲۰ دن کام کرتا ہے۔ انگلستان میں چالیس سال کے اندر جانوروں کی تعداد جن کی نگہبانی اوسط درجہ کا کسان کر سکتا ہے۔ اچھی خاصی بڑھ گئی ہے۔

۱۹۱۱ء

۱۸۷۱ء

۵۷۴

۳

مویشی کی تعداد فی کس

۱۷۵۲

۱۴۷۲

بھیڑیں

۵۹۵

۶۴۳

گھوڑے

گھوڑوں کی طاقت میں پچاس فی صدی کا اضافہ اس امر کی بہت بڑی وجہ ہے۔ کہ فی کس مقدار کارکردگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس طرح پہلی نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کسانوں کو اگر اپنی فنی استعداد اور قابلیت بڑھانے کے لئے عملی اصولوں پر تعلیم دی جائے۔ تو یہ امر ممکن ہو جائیگا کہ مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد زراعت سے آزاد ہو جائے۔ اور دوسری صنعتوں میں حصہ لے سکے۔ لیکن اس سلسلہ میں دو تین اہم اسباب و عوامل پر غور کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ نہروں کی تعمیر کی جو نئی اسکیمیں زیر غور ہیں۔ انہیں اگر عملی جامہ پہنایا جائے۔ تو ان بڑے بڑے قطعات اراضی کی آبپاشی کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ جو بحالت موجودہ غیر مزروعہ پڑے ہیں۔ اور اس طرح کسانوں کی مانگ بڑھ جائیگی۔

دوسرا امر یہ ہے۔ کہ گھی اور دودھ کی مانگ روز افزوں تر رہتی کر رہی ہے۔ اگر ان کی قیمتیں اسی طرح بڑھتی چلی گئیں۔ تو یہ اغلب ہے۔ کہ کمزور اور دودھ کی ڈیریاں کمزور

بھی ایک کامیاب صنعت سمجھی جائیگی۔ جب مویشیوں کی جانب رجحان ہوگا۔ اور دودھ کی فروخت کا پیشہ منفعت بخش ہو گیا۔ تو زرعی مزدوروں کی تعداد بڑھ جائیگی کیونکہ فی سو ایکڑ زمین کے لئے جتنے مزدوروں کی ضرورت ہے۔ زرعی صنعت کی اس خاص شاخ کے لئے اس سے دُگنے مزدوروں کا ہونا لازمی ہے۔

ان اسباب و عوامل کے باوجود یہ امر بدیہی ہے۔ کہ جو لوگ زراعت میں مصروف ہیں۔ اگر زیادہ محنت کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو دوسری صنعتوں کے لئے کثیر التعداد مزدور فراہم ہو سکتے ہیں۔ اور لوگ زیادہ محنت پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ جب انہیں اس امر کا یقین ہو جائے۔ کہ پوری آمدنی جو ان کے لئے بہت کافی ہوگی۔ انہی کی جیب میں جائیگی اور انہیں سود خواروں کے مطالبات کا بھی خطرہ نہیں رہے گا۔

مزدوروں کا شہروں سے فراہم کرنا بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہندوستان کے کسی بازار میں گھوم پھر رہا ہو۔ تو اسے یقیناً یہ محسوس ہوگا۔ کہ چھوٹی چھوٹی دوکانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں وقت اور محنت ضائع ہوتی ہے۔ انگلستان میں اب بڑے بڑے عظیم ذخائر اشیا عام ہیں۔ اور اگر ہندوستان میں بھی بعض باہمت لوگ شہروں میں بڑی بڑی دوکانیں کھولیں۔ جنہیں اقتصادی اصولوں پر چلایا جائے تو اغلب ہے کہ بہت سی محنت کی بچت ہو جائیگی۔ اور بہت سے کارکن مل جائیں گے۔ لیکن شہری مزدور ایسے کاموں کے لئے موزوں ثابت نہیں ہونگے جن میں جسمانی محنت و مشقت بھی صرف ہوتی ہے۔ اور بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح اس مسئلہ پر کسی زاویہ نگاہ سے نظر ڈالئے۔ یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محنت کا سوال اس ملک کی صنعتی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا۔ اور اس سے محدود کر دے گا۔

ایک اور اہم چیز جس کی وجہ سے صنعت و حرفت تیزی سے ترقی نہیں کر سکتی۔

۱۵۔ ایضاً انگلستان میں ایک ہزار ایکڑ کے اندر جو لوگ محنت کام کرتے ہیں ان کا تناسب حسب ذیل

ہے۔ مویشی اور بھیر میں پالنے اور دودھ دوہنے میں ۱۱۰ - ۲۹ ایک دو دھوہنے اور مویشی پالنے میں ۱۶ اور زیادہ زراعت میں ۲۶۔



کاروباری تجربہ کار ہونا ہے۔ لوگوں کو فنی تعلیم دی جائے۔ تو انہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ مختلف اشیاء کو کیونکر بنایا جاتا ہے۔ اور جب تربیت یافتہ مزدور کافی تعداد میں موجود ہونگے تو اشیاء بھی تیار کی جاسکیں گی۔ لیکن صنعت و حرفت کو منفعت بخش بنانے کے لئے اور چیزوں کی بھی ضرورت ہے۔

عہد جدید کی صنعتوں کی یہ کیفیت ہے کہ ہر صنعت میں خاص مہارت مال کرنا ضروری ہے۔ اور کامیابی کے بے شمار اسباب و عوامل کو جو بظاہر ہر مختلف نظر آتے ہیں۔ صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ عرصہ تک کسی صنعت کی علمی تعلیم حاصل کی جائے۔ انگلستان ہو یا پنجاب۔ دنیا کا کوئی ملک کیوں نہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے پاس سرمایہ ہو۔ اس میں کاروباری قابلیت یا ایک وسیع صنعت کا انتظام کرنے کی اہلیت بھی موجود ہو۔ گذشتہ صدی کے وسط تک یہ کیفیت تھی کہ اس ملک کی طرح انگلستان کے تاجر اور قانون دان زمین پر ہی اپنا روپیہ لگایا کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ متمول صناعتوں کے فرزندوں کو صنعتی ادارے ایسے لوگوں کے سپرد کرنے پڑے جن کی تعلیم معمولی تھی۔ لیکن کیریئر کے مالک تھے۔ کاروباری سمجھ اور صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ ملک کی صنعتی تاریخی میں برطانوی یونیورسٹیوں کا بہت کم حصہ ہے۔ صنعتوں کے قیام کے لئے ایسی قابلیت کی ضرورت ہے۔ جو صرف تجربہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ جاپان اب بہت نقصان اٹھا کر یہ تجربہ حاصل کر رہا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا قبل از وقت ہے۔ کہ آیا کبھی جاپان میں کاروباری قابلیت اور دوسری خصوصیات بھی پیدا ہونگی۔ جن کے بغیر مغربی ممالک کی منظم صنعتوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ برطانیہ عظمیٰ کی بڑی بڑی جہاز راں کمپنیوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریجی طور پر حاصل کی ہوئی مہارت اور تجربہ کیا اہمیت رکھتے ہیں۔

انہوں نے اس حد تک اپنے فن میں مہارت خاص حاصل کی ہے۔ کہ دوسرے ممالک ان سے کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور امریکہ جاپان جرمنی نے ناجائز امتیاز روار کھا اور مالی اعانت اور اسی قسم کے دوسرے طریقے استعمال کر کے اس حقیقت کا خاموش اعتراف

کر لیا ہے۔ برطانیہ عظمیٰ نے آزاد تجارت کی جو حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ برطانیہ کو اپنی قابلیت پر اعتماد ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے حرفیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ صنعت کے تحفظ کا سوال تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب اپنی کمزوری اور عدم قابلیت کا احساس ہو اور دوسروں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ صنعت و حرفت کا تحفظ نئی صنعتوں کے قیام میں آسانیاں بہم پہنچا دے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی اور قابلیت کا رو باری سمجھ اور ان تمام دوسرے اوصاف کی ضرورت ہی نہیں رہیگی۔ جن کا وجود صنعت و حرفت میں کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

کاروباری سمجھ اور تجربہ کا ایک جزو اعظم اشیاء کو منڈیوں میں فروخت کرنے کی قابلیت ہے۔ اس بدیہی حقیقت پر زور دینا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب تک مال کو منڈیوں میں پہنچا کر فروخت نہ کیا جائے۔ اُس کا تیار کرنا چنداں سود مند نہیں۔ لیکن عام طور پر اس امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ مصنوعات کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو فروخت کرنے کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔ لہذا شائر جیسے صنعتی مرکز میں بہت سے کارخانے موجود ہیں۔ جو سب کے سب اپنے ساز و سامان محنت۔ انتظام۔ خام اجناس مہیا کرنے کے ذرائع اور تجارت برآمد کی سہولتوں کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن وہاں بھی کسی کارخانہ کی کامیابی اور ناکامی کا مدار بہت حد تک اس امر پر ہے۔ کہ میجر مال کی فروخت کے لئے کوئی منڈی فراہم کر سکتا ہے۔ نہیں۔ یہ چیز سود مند نہیں۔ کہ جنس۔ صنعت اور سرمایہ کو ایسے کپڑے کی تیاری پر لگا دیا جائے۔ جن کی مانگ کافی نہیں۔ ایسی کمپنی کوئی ہی ہوگی۔ جو صرف اس خیال کی بنا پر کوئی کپڑا تیار کرے کہ آگے چل کر منڈی میں اس کی مانگ ہوگی۔ اسی طرح گویا سامان کی تیاری کا مدار منڈی پر ہے۔ جب ہم فنی زاویہ نگاہ سے پنجاب میں صنعتوں کے قیام پر بحث کرتے ہیں۔ تو مسئلہ کا یہ اہم پہلو ضرور نظر انداز ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ امر ظاہر بہت آسان معلوم ہوتا ہے۔ کہ سوت کا تنے کے کارخانے قائم کئے جائیں۔ جو خام روٹی کو

۱۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی دلچسپ تفصیل کے لئے مارشل کی کتاب انڈسٹری اینڈ ٹریڈ دیکھئے۔ علی الخصوص اس کا دوسرا حصہ کا چھٹا اور ساتواں باب۔

تلگے کی صورت میں تبدیل کر دیں۔ لیکن باہر کی دنیا کو پنجاب کے سوت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُسے خام روٹی چاہئے۔ پنجاب میں سوت کا تنے کی تجویز کو عملی حیثیت سے برروٹے کارلانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ کوئی بالکل نئی منڈی تلاش کی جائے۔

اگر ہم اس تجویز سے ایک قدم آگے بڑھائیں۔ اور کہیں۔ کہ روٹی سے جو سوت تیار ہو۔ اُس سے کپڑا بھی بنایا جائے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہمیں بمبئی اور جاپان کے کپڑے سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ اور کوئی شخص نظر نہیں آئیگا۔ جو بمبئی کے مقابلہ میں پنجاب کی صنعت بارسہ بانی کو محفوظ رکھنے کی حمایت کرے مال کو فروخت کرنے کی قابلیت میں اُسی وقت ترقی ہو سکتی ہے۔ کہ سرمایہ بکثرت موجود ہو۔ جس شخص کے پاس کثیر سرمایہ موجود ہے۔ اُسے کئی حیثیتوں سے اُس شخص پر فوقیت حاصل ہے جس کے پاس تھوڑا سا سرمایہ ہے۔ اس لئے جب نسبتاً تھوڑے سرمایہ سے ایک نئی صنعت شروع کی جائیگی۔ تو بمبئی جیسے صنعتی مرکز کے مقابلہ میں اُسے بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔ یہ اور بات ہے کہ دوسرے امور میں وہ اپنے حریفوں سے کم ہیں۔

یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حیثیتوں سے لوگوں کی خوراک بھی صوبہ کی صنعتوں کی توسیع پر اثر انداز ہوگی۔ اور انہیں محدود کر دیگی۔ اس امر کا احساس بہت کم ہو جاتا ہے۔ کہ خوراک کا مدار اتفاقی حالات و اسباب یا مقامی خصوصیات پر ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان میں خوراک مسئلہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس پر خالص اقتصادی اصولوں کے ماتحت آزادانہ بحث نہیں کی جاسکتی۔ یہ حقیقت ہے کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے باشندے دنیا بھر میں سب سے زیادہ گوشت خوار ہیں۔ لیکن اس کا باعث یہ نہیں۔ کہ انہیں غیر معمولی طور پر زیادہ بھوک لگتی ہے۔ یا ان ممالک میں اس قسم کی خوراک ضروری ہے۔ بلکہ اس کا باعث صرف یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی سب سے بڑی صنعت اون پیدا کرنا ہے۔ اور وہاں بھیڑ کا گوشت ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بھیڑ جو بھوکے رہنے یا کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مر گئی ہو۔ اس کی نسبت ایک زندہ بھیڑ وگنی قیمت رکھتی ہے۔ کیونکہ

زندہ بھیڑیں جو ایک خاص رقبہ میں چرسکتی ہیں۔ ان کی تعداد محدود ہوتی ہے۔ اور اون کی پیداوار میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بھیڑوں کے ذبح کرنے کا بھی کوئی باقاعدہ نظام ہو۔ اسی طرح بھیڑ کا گوشت بہت ارزاں خوراک ہے۔ بافراطیل سکتا ہے۔ اور بہت صرف ہوتا ہے۔ پرانے زمانہ میں جب کہ انگلستان کے لوگ شلیم کی قسم کی ترکاریوں اور ایسی اجناس سے جو آج کل موسم سرما کے اندر خوراک مہیا کرتی ہیں تیار کرتے تھے۔ یہ ناممکن تھا۔ کہ جاڑوں میں بھی مویشی زندہ رہ سکیں۔ آج کل مصنوعی طریقوں پر جو مختلف قسم کی گھاس پیدا کی جاتی ہے۔ اُس زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ ملک کے اندر جس قدر گھاس ملتی تھی۔ اُسے سکھا کر جمع کر لیا جاتا۔ اس کے علاوہ کچھ بھوسہ بھی فراہم کر لیا جاتا تھا۔ اور مویشیوں کے چارہ کا کام دیتا تھا۔ اس لئے کسان یا بڑے بڑے زمینداروں کے ایجنٹ ہر سال یہ حساب لگا لیا کرتے تھے۔ کہ چارہ کتنے مویشیوں کے لئے کافی ہے۔ ان کے اندازہ کے مطابق جس قدر بھیڑیں۔ بیل اور بچڑوں کے لئے چارہ کافی ہوتا تھا۔ انہیں رہنے دیا جاتا تھا۔ اور باقی کو ہلاک کر کے ان کے گوشت کو نمک لگا کر محفوظ رکھ لیا جاتا تھا۔ اور لوگ جاڑے میں اُس سے پیٹ بھرتے تھے۔ پھر بھی جاڑے میں مویشی بھوکے ہی مرتے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ انگلستان کی چراگاہوں میں دوسرے ممالک

سے دو سال عمر کی بھیڑ سے بہترین اون حاصل ہو سکتی ہے۔ اور انگلستان میں عام طور پر دشوار ہے۔ کہ دوسری رقبہ اون حاصل کرنے کے بعد اُسے گوشت کے لئے ذبح کر لیا جاتا ہے۔ بھیڑ کی عمر بھی پانچ یا سات سال ہوتی ہے۔ لیکن اگر انہیں ذبح نہ کیا جائے تو ایسی بھیڑوں کی تعداد نسبتاً کم ہوگی۔ جن کی عمر اتنی ہوتی ہے۔ کہ ان سے بہترین اون حاصل کی جائے اگر بھیڑوں کے ذبح کرنے کے فلاں کا سیاب شورش برپا کی جائے۔ جو یہ صنعت ہی محدود ہو جائے گی۔

۱۵ ملاحظہ ہو رولڈ راجرس کی کتاب ”ہسٹری آف انگری پکچر اینڈ پرائسز“ جلد اول صفحات ۱۶ و ۵۳-۱ اس غرض کے معالجوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو انگلستان اور ہندوستان میں تجارت شروع ہو گئی۔ چونکہ لوگ ابتدا سے مویشی کے چارہ کے لئے قدرتی گھاس کے محتاج رہے ہیں۔ اس لئے چراگاہوں کے مزدور زمین سے بھی زیادہ قیمتی ہو گئیں۔ رہا ستہائے متحدہ امریکہ کے بعض دیہات میں ابھی تک رواج ہے کہ سال بھر کے لئے گوشت کا ذخیرہ رکھنے کی غرض سے جاڑے میں مویشی کو ذبح کر لیا جاتا ہے ملاحظہ دوٹ ص ۱۶

کی نسبت گھاس کا ذخیرہ زیادہ پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ ملک کی آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے۔ چنانچہ انگریز ابتدا سے کثیر مقدار میں گوشت کھاتے رہے ہیں۔ اور اسی مقوی غذا کا اثر ہے کہ وہ قحط اور وبا کے بدترین اثرات سے محفوظ رہے ہیں۔ آب و ہوا کی اس خصوصیت سے ایک اور فائدہ ہوا ہے۔ اگرچہ سبزی خور لوگ جس قدر زمین کی پیداوار پر زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس سے آٹھ گنا زمین خالص گوشت خوروں کے لئے ضروری ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جب گوشت تھوڑی مقدار میں پیدا کیا جائے۔ اور زراعت کی ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھتا ہو۔ تو یہ اقتصادی حیثیت سے بہترین خوراک ہے۔ لیکن اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت یہ امر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ ایک ملک کا گوشت فراہم کرنے کے لئے اپنی زمین وقف کر دینا جدا گانہ چیز ہے۔ اور اس کا دوسری زرعی صنعتی کے ضمن میں ایک ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھنا الگ چیز ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ انگلستان میں گوشت لوگوں کے لئے ایک اچھی خوراک ہے۔ جو سستی بھی ہے۔ اور مقوی بھی۔ ہندوستان کے علاوہ تمام ممالک اس امر پر متفق ہیں۔ کہ زیادہ تر تک قائم رہنے والی قوت اور بہت کے لئے خالص سبزی کی بجائے کسی ایسی خوراک کی ضرورت ہے جس کی تھوڑی سی مقدار میں زیادہ غذائیت موجود ہو۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ فرانسی مزدور اس وقت انگریز مزدوروں جتنی محنت و مشقت نہیں کر سکے۔ جب تک انہیں انگریزوں جیسی ہی غذا نہ دی جائے۔ فرانس صنعت و حرفت میں بہت عرصہ تک دوسرے ملکوں سے پیچھے رہا اس کا سبب یہی تھا۔ کہ اس کے مزدوروں کو اچھی خوراک نہیں۔ جاپان میں بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ جاپانی موجودہ خوراک سے انگریزی کی طرح کام نہیں کر سکتے۔ وہاں انقلاب کے بعد گوشت کھانے کا رواج برابر پھیل رہا ہے۔ اور مذہبی تعصبات کم ہو گئے۔

۱۵ مارشل انڈسٹری اینڈ ٹریڈنگ کمپنی۔

۱۶ سرائے ڈی مال کتاب اگر پلچر آفسر ڈی وارنٹ کارور کی کتاب ہر آف رورل انکائس ۱۶۳۔

مغربی پنجاب میں بکریوں کی کثرت اس امر کی ایک بدیہی مثال ہے۔

۱۷ مارشل کی کتاب "انڈسٹری اینڈ ٹریڈ" صفحات ۱۱۵ و ۱۶۱۔

ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ کیفیت نہیں ہوئی۔ کہ مزدوری پیشہ طبقے بھی گوشت کھالیں۔ خوش قسمتی سے پنجاب کے لوگ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ مقوی غذا کے عادی ہیں۔ یہی ایک ایسا صوبہ ہے۔ جہاں گیکھوں کو خوراک کا ضروری جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس صوبہ کی اکثریت ہمیشہ نہ سہی۔ تو گا ہے گا ہے ضرور گوشت بھی کھاتی ہے۔ مسلمانوں کو ان صنعتوں میں بہت فائدہ رہیگا۔ جس میں زیادہ جمانی محنت کرنی پڑتی ہے۔

یہ سوال کہ کم غذائیت کی خوراک کہاں تک لوگوں کے جمود اور کاہلی کی ذمہ وار ہے اس بحث کے دائرہ سے باہر ہے۔ ہر شخص کام پر اسی قدر طاقت و قوت صرف کر سکتا ہے جسے وہ غذا سے حاصل کرتا ہے۔ گویا وہ جس قدر محنت صرف کر سکتا ہے۔ غذا اسکی اتہائی حد مقرر کر دیتی ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اگر مقوی غذا کھائی جائے۔ تو اس کی وجہ سے زیادہ کام ہوگا۔ اور اسی طرح بلند معیار کی زندگی بسر کرنے سے لازمی طور پر کوئی اقتصادمی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر زندگی کے بلند معیار کی بدولت منفعت بخش کاموں کے لئے زیادہ محنت صرف کی جاسکتی ہے۔ اور اس سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو ایسے معیار زندگی کا حصول پیش نظر ہونا چاہئے۔ اور اس کی خواہش کرنی چاہئے۔ لیکن اگر اچھی خوراک سے یہ فائدہ حاصل نہ ہو۔ تو یقیناً اس پر روپیہ صرف کرنا فضول ہے۔ مسلمان ہندوؤں سے زیادہ محنتی کاشتکار ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ سکھ جاٹ جو گوشت بھی کھاتے ہیں۔ اور نیز شراب بھی استعمال کرتے ہیں۔ اہیروں سے زیادہ محنتی ہوتے ہیں۔ جو سبزی خور ہیں اور شراب سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ مان یہ ضرور ہے کہ سکھ جاٹ جمانی اعتبار سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کی موجودہ خوراک اس قدر طاقت تو فراہم کر سکتی ہے۔ جو بحالت موجودہ استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن اگر لوگ آئندہ زیادہ محنت کرنا چاہیں۔ جو خوشحالی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ تو انہیں اپنی خوراک میں اصلاح کرنی پڑیگی۔

سلہ اکثر بنگالی کافی گوشت کھاتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی جمانی طاقت بڑھاتے ہیں۔

یہ بحث جو پنجاب میں صنعت و حرفت کی ترقی کے مواقع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت تک تشنہ رہیگی۔ جب تک طاقت کے مسئلہ پر کچھ نہ کچھ کہا جائے۔ دنیا کی بڑی بڑی صنعتیں کوئلے اور لوہے کے ذخائر کے ارد گرد واقع ہوئی ہیں۔ اسٹیم انجن کی ایجاد سے پہلے زیادہ گہری کانیں نہیں کھودی جاسکتی تھیں۔ کیونکہ لوگ زیر زمین کارخانوں کو پانی سے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ لیکن جب سے اسٹیم پمپ ایجاد ہوا ہے۔ یہ دشوار دور ہو گئی ہے اس سے پہلے کارخانے نہروں کے کنارے قائم ہوا کرتے تھے۔ اور انہیں چلانے کے لئے پانی سے طاقت حاصل کی جاتی تھی۔ جب اسٹیم انجن کی ایجاد ہوئی۔ اور کوئلے کی افراط کی وجہ سے ہم پانی کی طاقت کے محتاج نہ رہے۔ تو کارخانے انہی علاقوں میں قائم ہونے لگے۔ جہاں کوئلہ اور لوہا پایا جاتا تھا۔ اور چونکہ انگلستان میں کہیں یہ علاقے سمندر سے دور نہیں تھے۔ اس لئے انگلستان کی صنعتوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ فرانس میں کوئلے کے بڑے بڑے میدان طرف شمالی میں واقع ہیں۔ لوہے کا سب سے بڑا مرکز لورین ہے۔ اس کی وجہ سے فرانس کے کارخانے ملک کے شمال مشرق میں یعنی اُن بندرگاہوں اور شہروں کے قریب قائم ہوئے۔ جنہیں جہاز رانی کے قابل دریاؤں نے سمندر سے ملحق کر رکھا ہے۔ ان مختصر علاقوں کے سوا سارا فرانس بڑے بڑے صنعتی کارخانوں سے خالی ہے۔

جرمنی ۱۸۵۷ء تک انگلستان اور فرانس سے بھی زیادہ مفلس رہا۔ ۱۸۷۱ء میں اُس نے فرانس سے السا اور لورین کے صوبے چھین لئے۔ اس طرح لوہے کے میدان اُس کے قبضے میں آ گئے۔ کوئلہ جرمنی کے پاس تھا ہی اُس نے کوئلے اور لوہے سے بڑی بڑی صنعتیں قائم کر لیں۔ یہ مقولہ صحیح ہے۔ کہ جرمن سلطنت کی بنیاد خون اور تلوار پر نہیں۔ بلکہ لوہے اور کوئلے پر قائم ہے۔ بڑے بڑے کوئلے کے میدانوں سے فائدہ اٹھا کر فولاد کے کارخانے قائم کئے گئے۔ برقی اور کیمیائی صنعتیں عالم وجود میں آئیں۔ اور اسی طرح جرمنی براعظم یورپ کا سب سے بڑا صنعتی

۱۸۷۱ء ملاحظہ دہی اکنامک کانسی کونفر آف پیس۔ (صحیح کے اقتصادی نتائج) مصنف جے۔ ایم کینس باب چہارم۔

ملک سمجھا جانے لگا۔ عہد نامہ صلح کے مطابق الساس اور لورین کی آہنی کانیں فرانس کے قبضہ میں چنی گئیں۔ اور ساتھ ہی یہ شرط بھی کی گئی۔ کہ فرانس کو جرمنی کوئلہ بھی بہم پہنچائیگا اٹالیہ کے پاس کوئلہ نہیں چنانچہ وہاں دوسری جگہ سے جہازوں پر کوئلہ لایا جاتا ہے اور اٹالیہ اُن ملکوں کا دست نگر ہے جن کے پاس کوئلہ موجود ہے۔ اب اٹالیہ پانی کی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جاپان کے اندر کافی لوہا دوسری دھاتوں میں ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ مزید برآں اس کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ کوئلہ موجود ہے۔ اور وہ زائد از ضرورت کوئلہ دوسرے ملکوں میں بھیج دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی پانی کی طاقت بھی کافی ہے پنجاب میں لوہے کی کانیں نہیں ہاں لوہا دوسری دھاتوں میں ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ کوئلہ بھی ہے۔ لیکن اچھی قسم کا نہیں۔ اور صوبہ میں جس قدر کوئلہ استعمال ہوتا ہے۔ اُس کا بیشتر حصہ باہر سے لایا جاتا ہے۔ پنجاب میں کوئلہ مغرب میں پایا جاتا ہے۔ اور لوہا شمال میں۔ اس کے وسیع وسطی میدان میں نہ کوئلہ ہے۔ نہ لوہا۔ ہمالیہ میں بہت سی پانی کی طاقت موجود ہے۔ جس سے ابھی تک کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ لیکن یہ علاقہ بحالت موجودہ صنعت و حرفت کے مرکزوں سے بہت دور ہے۔ شاید اٹک کے تیل کے میدان جلد حالات تبدیل کر دیں بھکر کے بند کے سلسلہ میں جو ٹائیڈروالکٹرک اسکیم پیش نظر ہے۔ اُس سے یہ امید ہوتی ہے۔ کہ صوبہ کے شمال مشرق میں کافی طاقت فراہم ہو سکیگی۔ گویا کیفیت یہ ہے۔ کہ ابھی تک نہ تو کوئلہ ہے۔ اور نہ لوہا۔ جس سے صنعت و حرفت کے لئے طاقت فراہم کی جائے۔ البتہ یہ توقع ہے۔ کہ مستقبل قریب میں طاقت کی فراہمی آسانی ہوگی۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ پنجاب میں صنعت و حرفت کی ترقی کا میدان بہت تنگ ہے۔ ہم نے جن مختلف ضروری امور پر بحث سے ناظرین کتاب کو یہ یاد دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ پنجاب سمندر یا دریائے راستہ سے کوئلہ درآمد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جسے صنعتی امکانات پر بحث کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔



کی ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صوبہ کے اندر مستقبل قریب میں بڑے بڑے صنعتی کارخانے قائم کر لینا اغلب نہیں۔ اور اس غرض کے لئے صرف تعلیم یافتہ نوجوانوں اور سرمایہ کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض اور چیزیں بھی چاہئے۔ حکومت کارخانے کھول سکتی ہے۔ لیکن ایک وسیع صنعتی ادارہ یا مجلس قائم نہیں کر سکتی کیونکہ اس کی رفتار ترقی نہایت آہستہ ہوگی۔ حکومت اس سلسلہ میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ اس امر کی ضرورت پھر بھی باقی رہتی ہے کہ لوگ آگے بڑھیں۔ اور جرأت کر کے صنعت و حرفت پر سرمایہ لگائیں۔ حکومت ایسے کارخانے تو قائم کر سکتی ہے۔ جو دوسروں کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہوں۔ لیکن وہ کسی میں یہ خاص اوصاف اور خصوصیات پیدا نہیں کر سکتی۔ جو کامیاب کاروباری اشخاص کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ صنعت و حرفت کے مسئلہ پر بحث کی جائے گی۔ تو اس کا دائرہ صرف اس امر تک محدود رہیگا۔ کہ فنی حیثیت سے اُن کی کامیابی کے امکانات کیا کیا ہیں۔ اس لئے ہم نے انہیں اسباب و عوامل پر زور دیا ہے۔ جو اس دنیا میں کامیابی کے ضروری ہیں۔ جہاں ہر شخص ایک دوسرے سے گئے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جنگ نے یہ تمام ملکوں پر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ اگر عظیم مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوتا مقصود ہے۔ تو یہ ضروری ہے۔ کہ پیداوار میں بہت اضافہ ہو۔ اور یہ اضافہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ جس قدر اسباب و ذرائع فراہم ہو سکیں۔ اُن کا استعمال زیادہ سلیقہ اور قابلیت سے کیا جائے۔ اس لئے جو لوگ صنعت و حرفت سے حصول معاش کی پوری پوری قابلیت نہیں رکھتے۔ ان کے لئے معاش حاصل کرنے کا موقع زیادہ کم ہو جائیگا۔ کیونکہ صنعت و حرفت پر بین الاقوامی مقابلہ اور مسابقت نے بہت اثر ڈالا ہے۔ پنجاب کے لوگ کہیں سا لہا سال میں اس قدر تجربہ اور ہنرمندی حاصل کرتے کے قابل ہونگے۔ جن کا وجود بڑے بڑے صنعتی کارخانوں کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ لیکن صوبہ میں اب بھی سرمایہ ہنرمندی اور ہمت و حوصلہ کے استعمال کا کافی میدان موجود ہے۔

یعنی یہ چیزیں ان کاموں پر صرف کی جاسکتی ہیں۔ جن کے لئے یہ صوبہ موزوں واقع ہوا ہے۔ اور جنہیں ترقی دینے میں اُسے خاص سہولتیں حاصل ہیں۔ مثلاً کھالوں کی صنعت کے لئے یہاں کافی وسعت ہے۔ اسی طرح کئی اور صنعتیں بھی ہیں۔ جن کے لئے نسبتاً کم کوٹے اور کم تربیت یافتہ مزدوروں کی ضرورت ہے۔ ان میں اکثر زراعت کی امدادی صنعتوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ ان صنعتوں پر صوبہ کے ذرائع یعنی آدمی۔ عقل۔ سرمایہ اور ہمت صرف کرنے کی بدولت ان اوصاف کی تربیت اور نشوونما کا موقعہ ہاتھ آجائیگا۔ جو دوسری صنعتوں میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ اگر پنجاب ایک شاندار صنعتی مستقبل کا خواہشمند ہے۔ تو اس کی ابتدا نہایت چھوٹے پیمانہ پر ہونی چاہئے۔ اس کی بنیاد نہایت احتیاط سے رکھنا چاہئے۔ لوگوں کی صلاحیت اور قابلیت میں جوں جوں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یورپ نے چھ سو سال کے اندر صنعت و حرفت میں جو ترقی کی ہے۔ ہم اگر اس قدر ترقی حکومت کی مالی امداد کے بل پر ایک مختصر عرصہ میں کرنا چاہیں۔ تو اس کا نتیجہ ناکامی اور مایوسی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ایک اور اہم امر بھی طویل بحث کا محتاج ہے۔ بڑے بڑے محنتی کاموں بلکہ اکثر مصنوعات کے لئے ضروری ہے۔ کہ بہت سے لوگوں کے سرمایہ کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ لیکن انگلستان کی خوشحالی کی بنیاد اس طرح پڑی۔ کہ یا تو افراد نے تنہا کالو با شروع کیا۔ اور یا کسی کو اپنا سا جہی بنالیا۔ لیکن لمبیڈ کمپنیاں جن میں ذمہ داری بہت سی آدمیوں پر منقسم ہوتی ہے۔ اس وقت عالم وجود میں آئیں۔ جب کہ انگلستان کی معدنی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے زیادہ سرمایہ کی ضرورت پڑی۔ ایک

سالہ جن صنعتوں کے لئے کوٹے کی ضرورت نہیں۔ ان کی ایک مثال و باعث ہے۔ آپ کے علاوہ دوسری صنعتیں بھی ہیں۔ جن کی بنیاد علم کیما ہوگی۔ اور اس کے لئے یہ صوبہ غیر موزوں نہیں۔ ایک میں تیل دریافت ہوا ہے۔ اگر اس سے ایک ارزاں اور کثیر المقدار طاقت فراہم ہو جائے۔ تو پنجاب کے مستقبل میں کلی انقلاب رونما ہو جائیگا۔

شخص یا دو تین شرکائے کار میں نہ تو یہ حوصلہ تھا۔ کہ اپنا سرمایہ معرض خطر میں ڈال دیں۔ اور شاید کسی فرد واحد یا دو تین شرکا کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا۔ تجارت و صنعت و حرفت میں سرمایہ مشترک کے اصولوں پر کمپنیاں کھولنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حکومت نے مختلف تجارتوں کے لئے خاص مالکانہ حقوق اختیارات عطا کرنے کا حق اپنے لئے محفوظ کر لیا۔ سترھویں صدی میں سند یافتہ کمپنیوں کی بنیاد پڑی۔ جن کی مثال ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل سکتی ہے کچھ عرصہ تک تو یہ شاہی سند صرف ایسی کمپنیوں کو دی جاتی تھی۔ جن کا کام باعتبار وسعت یا نوعیت ایسا ہوتا تھا۔ کہ پرائیویٹ طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ پہلے یہ حق بادشاہ کو حاصل تھا۔ بعد میں پارلیمنٹ میں منتقل ہو گیا۔ اور صرف اسی کو یہ اختیار حاصل تھا کہ تجارت کے بارہ میں مالکانہ حقوق و اختیارات عطا کر سکے۔ اس کی مثال بنک آف انگلینڈ ہے۔ اسی قسم کی سند یافتہ کمپنی ایسے ممبروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جن کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی تھی۔ غیر محدود (لمیٹڈ) ذمہ داری کا خیال آہستہ آہستہ ترقی پذیر ہوا۔ اور کہیں بعد میں جا کر پارلیمنٹ نے اس کی منظوری عطا کی۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں جو قوانین منظور کئے گئے۔ اُن میں تو اس اصول پر کمپنیاں قائم کرنے کی اجازت محض خاص حالات میں دی گئی تھی۔ بلکہ ۱۸۵۶ء میں لمیٹڈ ذمہ داریوں کے لئے جو قانون منظور کیا گیا۔ اس کے دائرہ عمل سے بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔ اس قانون کو ۱۸۵۹ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ اس طرح گویا ۲۵ سال تک یہی بدستور تھا۔ کہ جن کمپنیوں کو شاہی سند عطا کی جاتی تھی۔ ان کی ذمہ داری غیر محدود ہو کر تھی۔ لیکن اس عرصہ میں بھی لوگوں نے انجمنوں کے اُن قواعد و ضوابط کے متعلق جن کا جاننا کامیابی کے لئے ضروری تھا۔ کافی علم حاصل نہیں کیا تھا۔ اس صوبہ میں امن و قانون کا دور دورہ ہوئے چند سال ہوئے ہیں۔ اور جب سے کہیں یہ ممکن ہوا ہے۔ کہ وسیع پیمانہ پر تجارتی اور صنعتی کام کئے جائیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ مختصر عرصہ اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کمپنیوں کے قوانین کے مقاصد اور ضرورت کے متعلق بہت ہی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ کمپنیوں کے

قیام میں روڑے اٹکائے۔ بلکہ ان کا مقصد تو ان اغراض کے لئے سہولتیں پیدا کرنا ہے۔ اس سے مقصود تو یہ ہے کہ کمپنیوں کا دستور ایسا ہو کہ حصہ دار ڈائریکٹروں سے محفوظ رہیں۔ اور ڈائریکٹروں پر حصہ دار کوئی الزام نہ لگا سکیں۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ قرضخواہوں اور دوسرے لوگوں میں باہمی اعتماد قائم ہو جائے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس قانون میں حساب رکھنے اور ان کی جانچ پڑتال کر کے شائع کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ بہت سے آدمیوں کے خلاف مقدمے چلانے میں جو دشواریاں پیش آتی تھیں۔ ان کا علاج یہ کیا گیا کہ ہر کمپنی کو ایک ایسی انجمن کی حیثیت دی گئی۔ جو قانوناً فرد واحد کا حکم رکھتی ہے وہ دوسروں پر مقدمہ چلا سکتی ہے۔ اس پر بھی مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ اور اُسے ضبط کیا جاسکتا ہے مزید برآں اس قانون نے تمام فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم کر دی ہے۔ کمپنیوں پر جو پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ وہ صرف انگلستان ہی نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے طویل تجربات کے نتائج ہیں۔ اس لئے اسے ادنیٰ ترین لازمی قیود سمجھنا چاہئے بد قسمتی سے اس زاویہ نگاہ کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا جاتا۔ جو لوگ کمپنیاں قائم کرتے ہیں۔ وہ ان شرطوں سے ناراض ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ انہیں اپنے کام میں مستقل اور پائدار کامیابی حاصل ہو۔ وہ بعض شرائط کی تنسیخ کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اور ان شرائط کی تنسیخ خاص طور پر ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ ان کی ذات سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ مشترک کے اصول پر جو کمپنیاں قائم کی جاتی ہیں۔ انہیں لوگوں کی نظروں میں چنداں اعتبار و وقعت حاصل نہیں۔ لوگوں کو بہت دیر میں کہیں جا کر اعتماد ہوتا ہے۔ اول تو صنعتی اداروں کی تعداد ہی قہور می ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ ناکامی کے واقعات بکثرت معرض وجود میں آتے رہتے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ دنیا بھر کے تجربے سے جن شرائط کی اہمیت اور ضرورت تسلیم کر لی گئی ہیں۔ انہیں پورا کرنے

پر زیادہ سختی سے زور دیا جائے۔ اس کے سوائے اعتماد حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ صوبہ کے ذرائع خوشحالی کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ مشترکہ کا طریقہ ہر دلعزیزی حاصل کرے۔ کیونکہ صوبہ میں ایسے سرمایہ دار خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ جن کے پاس صنعتی کاموں کو چلانے کے لئے کافی روپیہ موجود ہے۔ لیکن اگر مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کے متعلق لوگوں کو شک و شبہ ہے اور وہ ان میں اپنا روپیہ لگاتے ڈرتے ہیں۔ تو ان کے شکوک دور کرنے اور ہر دلعزیزی بننے کا طریقہ یہ ہے کہ دیانتداری سے محنت کر کے کمپنی کو کامیاب بنایا جائے۔ آج کل تو کیفیت یہ ہے کہ لوگ کمپنیوں کے متعلق تحقیق و تفتیش بھی کرتے ہیں۔ پھر بھی ایک قابل اعتبار کمپنی اور صریح جلسہ ادارہ میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ کہ کسی کمپنی سے محتاط اور دانشمندانہ طریق پر معاملہ کرنے کے لئے جن اطلاعات کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانون نے ان کی فراہمی کے لئے سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں۔ لیکن لوگ ان سہولتوں سے بھی قطعی طور پر فائدہ نہیں اٹھاتے۔ پھر جس کمپنی کے حصے خریدتے ہیں۔ اُس سے عملی طور پر اتنی بھی فائدہ بخشی نہیں لیتے کہ اُس کے عام جلسوں میں شریک ہو جایا کریں۔ بہت کم ایسے حصہ دار ہونگے۔ جو فرد حساب کو سمجھ سکتے ہوں۔ اس لئے بڑے صنعتی ادارے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہے۔ کہ لوگوں نے سرمایہ مشترکہ کے طریقہ کی نسبت جو طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ اس میں قطعی طور پر تبدیلی رونما ہو جائے۔

صوبہ بھر میں ۷۹ کمپنیاں ہیں۔ جن میں سے ۴۴ کا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں۔ ان کا سرمایہ ادا شدہ دو کروڑ ۷۷ لاکھ روپیہ ہے۔ ۶۵ کا انتظام ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کا ادا شدہ سرمایہ ۷۸ لاکھ ہے۔ صرف بیس کمپنیاں مصنوعات میں مصروف ہیں۔ جن کا ادا شدہ سرمایہ ۷۸ لاکھ ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کے اعتماد کی

رفتار ترقی کس قدر سست ہے۔

## سنہ کمپنیوں کی تعداد ادا شدہ سرمایہ

۳۹۶۰۰۰۰	۲۲	۱۸۸۹ء ۱۸۹۰ء
۴۷۸۰۰۰۰	۲۰	۱۸۹۴ء ۱۸۹۵ء
۷۴۱۰۰۰۰	۵۲	۱۸۹۹ء و ۱۹۰۰ء
۱۰۱۸۰۰۰۰	۵۹	۱۹۰۴ء و ۱۹۰۵ء
۱۷۲۰۶۰۰۰	۱۳۶	۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء
۱۴۹۷۰۰۰۰	۹۹	۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء
۳۲۵۱۴۰۰۰	۷۹	۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء

۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء میں کمپنیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اس وقت ۴۹ کمپنیاں موجود تھیں۔ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء کے ادا شدہ سرمایہ میں سے کم از کم ۸۸ لاکھ الاٹمنس بینک شملہ کا سرمایہ تھا۔ اس سال تمام انجمن ہائے امداد باہمی کا ادا شدہ سرمایہ ۶۶ لاکھ تھا۔ گذشتہ اوراق میں ہم نے جو بحث کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر صنعت و حرفت کو وسعت دی جائے۔ جب بھی موجودہ اقتصادی حالات سے فوری نجات کی توقع نہیں کرنا چاہئے۔ کامیابی کے لئے کئی اسباب و عوامل ضروری ہیں۔ حکومت خواہ کتنی ہی امداد کیوں نہ دے یا صنعت و حرفت کی حفاظت کا کیسا ہی سامان کیوں نہ مہیا کر دے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں۔ جسے حرکت دیتے ہی ہر چیز تیار ہو جائیگی۔ ہمیں اس سے توازن کار نہیں۔ کہ اگر حکومت کثیر روپیہ صرف کرے۔ تو بہت جلد تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس تبدیلی

سے مستقل طور پر فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ آخر کار پھر اُسے ضرورتاً مل  
 ہوگا۔ جاپان کی مثال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ترقی کے  
 تمام ضروری اسباب و عوامل ضروری اور مناسب مقدار  
 میں موجود نہ ہوں۔ تو صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے لئے  
 مصنوعی محرکات کا استعمال خطرناک ہے۔ جنگ عظیم کے  
 دوران میں جاپان کے صناعتوں کو صنعت و حرفت کی توسیع کے  
 لئے جو موقع مل گیا تھا۔ اس کی نظیر پوری صنعتی تاریخ میں نہیں ملتی لیکن  
 جاپان اس سے زیادہ فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔  
 ہر جگہ سے یہ شکائتیں آنے لگیں کہ پہلی مرتبہ جو مال بھیجا گیا۔  
 وہ تو مال کے نمونہ کے مطابق تھا۔ لیکن بعد میں جو مال بھیجا گیا۔  
 وہ اتنا اعلیٰ نہیں تھا۔ ہندوستان میں جن تاجروں نے جاپان کا  
 مال منگوا یا۔ انہیں شکایت رہی۔ کہ وہ جو خطوط لکھتے تھے۔ اُن کا جواب  
 نہیں ملتا تھا۔ اور جاپانیوں کا طریق عمل کاروباری اصولوں کے بالکل  
 مخالف تھا۔ اس لئے انہیں بے حد تکلیف ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔  
 کہ جاپانی تاجروں اور اُن کے مال کو ہندوستان میں ناقابل رشک شہرت  
 حاصل ہو گئی۔ جاپان کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگ کے زمانہ  
 میں جن چیزوں کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ اب اُن کی تجارت برآمد کم ہو  
 گئی ہے۔ اس کی کچھ تو یہ بھی وجہ تھی۔ کہ جاپان میں قیمتیں بڑھ گئی تھیں۔  
 لیکن بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ جن سلطنتوں کے مابین جنگ ہو رہی تھی۔ اُن میں  
 صلح ہو گئی تھی۔ جاپانی صنعت و حرفت کو غیر معمولی طور پر وسعت حاصل ہو  
 گئی۔ جو غیر مفید ثابت ہوئی۔ مثلاً ۱۹۱۹ء میں دماں ۲۷۰۰ کارخانے قائم ہوئے

ملاحظہ فرمائیے۔ ہندوستان میں برطانی تجارت کے حالات اور مستقبل کے متعلق رپورٹ بائیں ۱۹۱۹ء۔

جن پر ۵۲۲۰۰۰۰ میں لگائے گئے۔ لیکن بعد میں اقتصادی دباؤ شروع ہوا بازار سرد پڑ گیا۔ اور اکثر کارخانے تباہ ہو گئے۔ چونکہ کمپنیوں کے قیام میں اعتدال ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ اس لئے اس کا روعمل بھی شدید تھا۔ صرف جون ۱۹۲۰ء میں ۱۳۴ کمپنیوں کا دیوالہ نکل گیا۔ جنہیں سرمایہ مشترکہ کے اصول پر قائم کیا گیا تھا۔ جاپان کے صنعتی حالات کے متعلق صحیح اطلاعات فراہم کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ دوسرے ممالک میں اس کے متعلق بہت مبالغہ آمیز خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض اہل قلم جاپان اور برطانیہ کی صنعت و حرفت کا ذکر ساتھ ساتھ اور اس طرح کرتے ہیں۔ گویا دونوں ہم پلہ ہیں۔ اور ہندوستان کی حکومت پر زور دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی جاپان کی پیروی کرے۔ گویا ان کے نزدیک اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ جاپان نے صنعت و حرفت سے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ جاپان کی ترقی حیرت انگیز ہے۔ لیکن نہ تو وہ اور دوسرے ملک غلطیوں سے متبر ہیں۔ اور وہ اقتصادی قوانین سے سرتابی کر سکتے ہیں۔ پنجاب میں فائدہ حاصل کرنے کی بعض قدرتی خصوصیات موجود ہیں۔ اس لئے اس صوبہ میں خوشحالی کی لہر دوڑا دینے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ان خصوصیات کو مناسب طور پر ترقی دی جائے۔ لیکن جادو کی چھڑی سے وہ کام نہیں ہو سکتا جو مستقل و پیہم کوشش سے ممکن ہے۔ لیکن اس کوشش کا مقصد یہ ہونا چاہئے۔ کہ صوبہ میں جو اہلیت اور صلاحیت موجود ہے۔ اُسے بہترین طریق پر استعمال کیا جائے۔ دوسرے ملکوں کی غلامانہ نقالی کر کے ایسی صنعتوں کا قائم کرنا اس کا مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ جن کے لئے پنجاب موزوں نہیں ہے۔



# تیرھواں باب

## زراعت اور دوسری صنعتوں کا مقابلہ

یہ سوال کہ آیا کوئی ایسا بھی زمانہ گذرا ہے۔ جب کہ ہندوستان میں بڑی بڑی صنعتیں فروغ پر تھیں۔ ہمارے موضوع بحث سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہماری بحث کا تعلق ماضی سے نہیں۔ بلکہ مستقبل سے ہے۔ بعض اہل قلم ہندوستان کی گزشتہ خوشحالی کی داستان مومے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے اس دور اقبال کے متعلق کوئی قابل قدر شہادت موجود نہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر کیمل کو لیجے۔ جنہوں نے ہندوستان کے اس ہر دلعزیز عقیدہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ہندوستان کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا صنعتی ملک تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان کی جہاز رانی اور جہاز سازی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ خیال بھی ظاہر فرمایا ہے۔ کہ ہندوستان کو محض ایک ایسی سرزمین بنانا جو محض زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل ہو۔ گویا عوام کی ترقی کی تمام ساریں بند کر دینا ہے۔ لیکن حقیقت صرف اسی قدر معلوم ہوتی ہے۔ کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی سے پہلے جب کہ مغرب نے ترقی کی منزلیں طے نہیں کی تھیں۔ مغرب کی صنعتیں ہندوستان کی صنعتوں سے بہتر حالت میں نہیں تھیں۔ یہ قرین قیاس ہے۔ کہ اس وقت ہندوستانی

دستکاری گئی حیثیتوں سے یورپ والوں سے بہتر ہو۔ اگر لفظ (صنعت) کو انہوں معنوں میں استعمال کیا جائے۔ جن معنوں میں شہنشاہ اکبر یا ملک الزبجہ کے زمانہ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ تو یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ ہندوستان میں بڑی بڑی صنعتیں موجود تھیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے۔ کہ آج جن معنوں میں لکشاؤں اور مشینوں کے لکشاؤں کے لفظ "صنعت" کو استعمال کرتے ہیں۔ ان معنوں میں کوئی "صنعت" ہندوستان میں موجود تھی۔ تو یہ خیال اس حد تک ناقابل قیاس ہے۔ کہ اسے مسترد کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں۔ پُرانے زمانہ میں جتنا مال ہندوستان سال بھر میں باہر بھیجتا تھا۔ اتنا مال تو بحر اطلانگ سے گزرنے والے ایک جہاز پر لدا ہوتا ہے۔ یہی کیفیت جنگِ عظیم سے پہلے جاپان کی تھی۔ یعنی جنگِ عظیم سے پہلے جاپان کا سارا صنعتی ساز و سامان انگلستان یا امریکہ کے ایک شہر جتنا بھی نہیں تھا۔ جاپان ان معنوں میں صنعتی ملک نہیں۔ جن معنوں میں انگلستان بلکہ یوں کہیے۔ کہ بلجیم صنعتی ملک ہے۔ ہندوستان کی صنعت و حرفت نے سترھویں صدی کے انگریز سیاحوں کو حیران کر دیا۔ لیکن اس کی صنعت بلفا سٹ یا گلاسکو جیسی شہروں جیسی نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ بحث بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکلتا۔ جو ہمارے موجودہ مقصد کے لئے مفید ثابت ہو۔ کیونکہ اس وقت مستقبل کی خوشحالی کے متعلق صحیح اصول دریافت کرنا ہوا مقصد ہے۔ مغرب نے محض نئی علمی معلومات اور ایجادات کی بدولت ترقی کی۔ جس نے صدیوں کی کاخاتمہ کر دیا۔ اس طرح یورپ یا یوں کہیے۔ کہ شمالی مغربی یورپ کی قوموں نے دولت حاصل کی۔ اور آج بھی اس سرزمین کی سرگرمیوں میں یہی چیز نمایاں

۱۔ پنجاب میں کبھی ایسی صنعتیں نہیں تھیں۔ جیسی گذشتہ کئی صدیوں سے بیٹی میں موجود ہیں پنجاب اجتماعی تنظیم کی اہلیت موجود نہیں۔ بہت و اقام کا ترقی یافتہ جذبہ بھی مفقود ہے۔ غرض کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کے سامنے کسی صنعت کے حقیقی سالار کی حیثیت سے پیش کیا جائے

نظر آتی ہے۔ یہ علمی معلومات اور ایجادات ہندوستان تک دیر میں پہنچیں۔ وہ یہاں کے حالات کے لئے مناسب و موزوں نہیں تھیں۔ اور اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اس ملک کے لوگوں کی توجہ کا بیشتر حصہ فراہمی و دولت کے بجائے۔ دوسرے امور پر صرف ہوتا تھا۔ اس صوبہ میں ابھی تک ایجاد و اختراع کے مادہ نے کوئی زیادہ کامیابی حاصل نہیں کی۔ جو چیزیں اختراعی قابلیت کو ترقی دے سکتی ہیں۔ اُن کا وجود یہاں نہیں۔ ایسی چیزیں بھی موجود نہیں۔ جو باہمی مقابلہ و مسابقت کے جذبہ کی متحرک ہوں۔ اور تو اور اس سے بڑا متحرک یعنی فائقہ کشی کا خوف بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ اس بحث کے سلسلہ میں ان لوگوں کا نکتہ نگاہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ جن کی نگاہ مستقبل کی بجائے ماضی پر ہے اور سب سے زیادہ اہم خیال یہ ہے۔ کہ مصنوعات میں زراعت سے زیادہ دامانی اور اخلاقی اوصاف کی ضرورت ہے۔ اور زراعت میں جس قدر ترقی کی جا سکتی ہے وہ صنعت و حرفت میں ممکن نہیں۔ قصہ مختصر زراعت جب صنعت و حرفت کے مقابلہ میں آتی ہے۔ تو وہ کوئی ایسی چیز نہیں رہتی جسے جائز طور پر قابل فخر سمجھا جائے۔ لیکن جہاں صنعتی ترقی کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ضرور نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ کہ دنیا بھر میں زراعت سب سے زیادہ اہم صنعت ہے۔ اور ہمیشہ اس کی یہی حیثیت رہیگی۔ اسے انگلستان کی سب سے بڑی صنعت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر تمام دوسری صنعتوں کو ایک صنعت فرض کر کے زراعت سے مقابلہ کیا جائے۔ تو زراعت ان کے مقابلہ میں بہت حقیر نظر آتی ہے۔ جاپان میں یہ بہت اہم پیشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس ملک کی

لے آئین انکسٹریٹمنٹس ایکٹ ۱۹۱۱ء کے تحت انگلستان اور ڈیپارک کے صحیح حالات سے اس قدر مخالفت واقع ہو رہی ہے۔ کہ اگر اس سے بالکل متضاد رائے ظاہر کی جائے تو وہ زیادہ ترین صنعت ہوگی۔ جدید تر زراعت کے لئے صنعت و حرفت کی نسبت اسے تعلیم کی ضرورت

۶۰ فی صدی آبادی زراعت میں مصروف ہے۔ اکثر ممالک میں زراعت ہی لوگوں کا سب سے بڑا مشغلہ ہے۔ جزائر برطانیہ کے اکثر صوبوں اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں اسے سب سے صنعتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ امر باعث تعجب ہے کہ اس ملک کے تعلیم یافتہ اور متمول لوگ اس بات پر توجہ زور دیتے ہیں کہ حکومت صنعت و حرفت کی مالی اعانت کرے۔ لیکن زراعت میں حکومت کی مالی اعانت سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم نے اس کے بعض اسباب و وجوہ پر اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بحث کی ہے۔ لیکن صنعتوں کی حمایت و اعانت کے لئے جو صد ابلند کی جا رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ صنعت و حرفت کو زائد از ضرورت دولت کے لگانے کا منفعت بخش ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جس سے بہت نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ صنعت و حرفت کی حمایت کی تہ میں ہر جگہ یہی راز پنہاں ہے۔ اگر انگریز دوسرے ملکوں مثلاً جنوبی امریکہ۔ روس اور چین میں دلچسپی لیتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہی ہے۔ ایسے موقع تو بہت ہیں کہ روپیہ ۶ فی صدی نفع پر لگایا جائے۔ لیکن اتنے سے تسلی نہیں ہوتی۔ اس لئے بے قرار لگائے۔ دنیا پر لگی رہتی ہیں۔ کہ کہیں اس سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ اگر ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ زراعت سے صنعت و حرفت کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ تو وہ زراعت پر روپیہ لگائیں گے۔ لیکن انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ زراعت پر روپیہ لگانے سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ امر واضح نہیں کہ ان کا یہ مقصد کس بات پر مبنی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ زراعت سے بہت دولت کمائی نہیں جاسکتی لیکن ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ زراعت صنعت و حرفت کی نسبت بہت زیادہ لوگوں کے لئے معقول سامان معیشت پیدا کرتی ہے۔ صنعت و حرفت میں ان لوگوں کے لئے جن کا مدعا محض قیاس آرائی اور سٹڈ بازی ہے۔ یا ان لوگوں کے لئے جو خدا وادار ذات رکھتے ہیں۔ ایسے موقع ہیں۔ جن کا ذراعت میں کہیں

پتہ نہیں۔ بہت کم ایسے لوگ نظر آئینگے جو نہایت جلد اس قدر روپیہ کمائیں۔ جس سے لوگ متاثر ہوں چنانچہ پرنسپل مارشل اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: بعض غیر معمولی ذہانت کے لوگوں نے پیداوار بڑھا کر یا تجارت کر کے جو عظیم دولت حاصل کر لی اس سے تخیل بہت متاثر ہوتا ہے کہیں جب اس قسم کی دولت کو جمع کیا جاتا ہے۔ تو وہ اس سرمایہ کے تناسب سے بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ جو کاروبار کی مختلف شاخوں پر لگایا گیا ہے۔ سرمایہ جو فائدہ ہوا ہے۔ وہ اوسط درجہ کا تھا حالانکہ کاروبار میں نقصان کی وجہ سے سرمایہ کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ کہیں جو لوگ ناکام ہوتے ہیں۔ ان پر دنیا کی نظر نہیں پڑتی۔ اب پچانچو ہی بیچے۔ آپ کو یہاں نہروں کی تعمیر کا عظیم کام نظر آئے گا۔ جو ایک وسیع زرعی اصلاح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں سالانہ ۱۹۱۱ء کے اندر ۵ و ۱۳ فیصدی نفع خالص ہوا۔ سرمایہ ۲۳ کروڑ ۵۵ لاکھ تھا زیرین نہر چناب سے ۴۴ فیصدی منافع خالص ہوا۔ اور زیرین نہر جہلم سے ۲۰ فیصدی سے زیادہ یہ نفع تاریکھ ویٹرن ریلوے سے بھی زیادہ ہے کیونکہ وہ تقریباً ۸ فیصدی ہے۔ البتہ ریلوے لائن کے بعض خاص حصوں میں زیادہ نفع ہوا ہے۔ یہ مثالیں تو حکومت کی سرگرمیوں کے نتائج پر مشتمل ہیں۔ اور یقیناً اس سلسلہ میں یہ دلیل نہیں دی جائیگی کہ حکومت زمین کی منفعت بخش اصلاح یا ذرائع ریل و سائیکل کی سہولتیں بہم پہنچانے میں پرائیویٹ ارادوں کو شکست دے سکتی ہے۔ جب تک یہ دلیل نہ دی جائے۔ یہ فرض کر لینا بے جا نہیں۔ کہ اصلاح اور ترقی کے بعض ایسے منفعت بخش طریقے بھی ہیں جن سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ صنعت و حرفت میں سرمایہ لگا کر قبضہ نفع ہوتا ہے۔ وہ اوسطاً زیادہ نہیں۔ یہ اعداد بات ہے کہ کسی پیٹنٹ چیز یا ایجاد کی وجہ سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یا کوئی ایسا کاروبار شروع کیا گیا ہے۔ جس میں خطرات ہیں۔ اگر کوئی کارخانہ بہت اچھی مصنوعات

تیار کر رہا ہو۔ لیکن ان کی مصنوعات ایسی ہوں۔ جن کی نقالی کی جاسکتی ہو۔ تو یقیناً ان کی نقالی کی جائیگی۔ اور مقابلہ کا اثر یہ ہوگا۔ کہ منافع کم ہو جائے گا۔ اس طرح یوں کہنا چاہئے۔ کہ قدر تا فی صدی منافع کی مقدار اتنی ہی رہے گی۔ جسے دیکھ کر لوگوں کے منہ میں پانی نہ بھرائے۔ اور بہت زیادہ مقابلہ نہ شروع ہو جائے۔ اگر ایک باہمت نوجوان کو میسلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مقابلہ پر ایک اور کارخانہ کھول کر چلا سکتا ہے۔ اور اس سے بہت منافع بھی حاصل کر سکتا ہے۔ تو یقیناً وہ ایسا ضرور کریگا۔ کارخانہ کے مالکوں پر اس کا اندیشہ چھایا رہتا ہے۔ وہ اپنی حالت پر افسوس کرتے رہتے ہیں۔ کہ اے کاش ہم ہیں اتنی ہمت ہوتی۔ نئی مشین لگا کر نئے طریقے رائج کر کے ساقبت اور مقابلہ کی اس ددڑ سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ آج کل جب دنیا میں مقابلہ کی گرم بازاری ہے۔ صنعتی اراہوں کو نہایت اعلیٰ طریق پر منظم کیا گیا ہو۔ اگر صنعت و حرفت میں زراعت کی نسبت زیادہ نفع ہوتا۔ تو جو روپیہ آج کل زراعت میں لگایا جا رہا ہے۔ وہ یقیناً صنعت و حرفت میں لگایا جاتا۔ ان دونوں صنعتوں کے مزدوروں کی آمدنی کا موازنہ کرنا آسان نہیں۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ صنعت و حرفت میں پورا پورا نظم و ضبط ملحوظ رکھا جاتا ہو۔ اور زراعت کا شیرازہ انتظام کبھرا ہوا۔ لیکن پنجاب میں جہاں دونوں غیر منظم ہیں۔ یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ زراعت میں آمدنی کا اوسط صنعت و حرفت کی نسبت زیادہ ہے۔ اور جن ملکوں میں صنعت و حرفت اور زراعت دونوں کا انتظام بہت اعلیٰ ہے۔ مثلاً انگلستان کی صنعت و حرفت اور ڈنمارک کی زراعت تو وہاں بھی یہی قریب قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کہ زراعت

اسے یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ایسے کارخانوں کی تعداد کثیر ہے۔ جو ایسے کاموں میں مصروف ہیں۔ جن کی نقل و ہجرت آسانی کی جاسکتی ہے۔ اور پھر اس کا نفع سرمایہ پر ۶ فیصدی سے زیادہ ہے۔ اس پر یہ تو ایسی صنعتوں کا تصور مشکل ہے جن سے ساہوکاری کی نسبت زیادہ روپیہ حاصل ہو سکے۔

سے جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس کا اوسط نسبتاً زیادہ ہوا کرتا ہے۔ لیکن اگر انگلستان کی صنعت و حرفت کو جس کی تنظیم نہایت اعلیٰ طریقہ پر کی گئی ہے۔ اس کی ذرا عنت کے مقابلہ پر لائیے۔ جو زراعت کی نسبت غیر منظم حالت میں ہو۔ تو یہ کیفیت نظر نہیں آئیگی۔ جن صفتوں کی تنظیم اچھی ہوئی ہو۔ وہ یقیناً قابل ترین لوگوں کی استعداد سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ ان کے پاس سرمایہ کافی ہو۔ اور ان کی ضروریات پورا کرنے کیلئے ریننگ کا بھی خاص انتظام ہو گا۔ تاکہ انہیں مزید فائدے سے فائدہ اٹھانے کا موقع بھی مل سکے۔ ڈنمارک کے سوا اور کہیں زراعت کو کاروباری اصولوں پر منظم کرنے اور تسلیم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق ڈنمارک میں دنیا کے تمام ملکوں کی نسبت فی کس اوسط دولت زیادہ ہے۔

یہ تو ممکن نہیں کہ ہم فی کس اوسط پیداوار متعلق صحیح اعداد و شمار پیش کر کے اس سوال کو حل کر سکیں۔ لیکن انگلستان میں جنگ سے پہلے یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ زراعت میں سالانہ پیداوار کا اوسط فی کس ۹ پونڈ ہے۔ اور دوسری صنعتوں میں ۱۰۴ پونڈ بمبئی کاٹن ملز ایک اوسط درجہ کا منظم صنعتی ادارہ ہے۔ اسکی اوسط پیداوار فی کس ۱۱۱۰ ہے۔ سارے ہندوستان میں اوسط ۲۱۲ روپے ہے۔ لیکن ان اعداد میں خام اجناس کی قیمت

لے آگنا مک آف پر اگر ۱۹۵۱ء ملاحظہ ہو۔ اس ملک (انگلستان) میں زرعی پیداواری صنعتوں کا زیادہ نہیں۔ بلکہ کم صنعت ہوتی۔ صنعت و حرفت میں سرمایہ اور عنت حرف کو کے حصہ فائدہ ہو گا۔ اس کی نسبت زراعت کے موجودہ طریقوں اور آمد سے کشادہ دہی کی بدلت اسی قدر سرمایہ صرف کرنے سے کم فائدہ ہو گا۔

۱۲ "سٹیٹ پلاننگ انگری کلچر" ۱۲

۱۳ "پرنسپل آف رومل در کران انڈسٹری" (دیہاتی مزدور کی حیثیت صنعت و حرفت ہے) ۱۳



بھی شامل ہے۔ ہندوستان کی کوسٹ کی کانوں میں پیداوار کا اوسط ۱۵۰ فی کس ہے۔ چونکہ اون کا نرخ بہت گراں ہے۔ اس لئے اون کی پارچہ باقی میں اوسط ۲۳۰۰ ہے۔ ہندوستانی ریلوے کے ملازمین کی خام آمدنی کا اوسط ۱۸۰ ہے۔ کسانوں کے متعلق صحیح اعداد و شمار پیش کرنا ناممکن ہے۔ لیکن پنجاب کی سالانہ پیداوار کا اوسط ۳۵۰ اور ۵۰ کے درمیان سمجھنا چاہیے۔ لوگوں نے زراعت اور صنعت و حرفت میں محنت و مشقت کو جس قدر مزید دولت کا اندازہ کیا ہے۔ اگر اس کا کوئی اندازہ لگایا جاسکتا تو اغلباً زراعت کا پلہ ہی بھاری نظر آتا۔ اگر اس صوبہ کی زراعت بمبئی کی صنعت پارچہ باقی کی طرح منظم اور قابل لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی۔ تو اس امر کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہتا۔ کہ صنعت و حرفت اور زراعت میں سے کس کا پلہ بھاری رہے گا۔ ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے۔ کہ بمبئی کی مملوں میں ہر اوسط درجہ کا کارکن موجودہ حالات میں جس قدر کپڑا تیار کر سکتا ہے۔ کرتا ہے۔ اور اس صنعت میں نفع حاصل کرنے کے لئے جس قدر سرمایہ اور طاقت کی ضرورت ہے۔ اسے بھی صرف کیا جا رہا ہے۔ اور مزدور بھی زائد از ضرورت نہیں۔ لیکن پنجاب کی زراعت کی یہ حالت نہیں۔ یہاں مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے جس قدر طاقت صرف کی جاتی ہے۔ وہ ضرورت سے بہت کم ہے۔ اور سرمایہ بھی بہت کم لگایا جاتا ہے۔ اگر صوبہ میں طریق زراعت کا معیار ہی بلند کیا جاتا۔ تو پیداوار میں بہت اضافہ ہوتا۔ لیکن یہاں تو یہ کیفیت کہ آج زراعت کے لئے جو بہترین طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ وہ حقیقی منفعہ بخش طریقوں سے کوسوں دور ہیں۔

۱۵ پنجاب کے متعلق یہ بیان واقعی صحیح ہے۔ انگلستان کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔  
 ”سیٹ پپ فاسگری کچور“ ص ۲۰۰۔ ایک کھیت کی پیداوار دوسرے کھیت کی آمدنی سے  
 دوگنی ہوتی ہے۔ جو اسی ضلع میں واقع ہر تلب۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ باقی دوسرے ضلعوں میں



صنعت و حرفت اور ذراعت کو ترقی دینے سے جو اضافی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان پر بحث کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ جب ہم صنعت و حرفت پر بحث کرتے ہیں۔ تو ہم قیاس کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ انہی امور کا ذکر کرتے ہیں۔ جکا و جہد میں آنا قریب قیاس ہے۔ لیکن جب ذراعت ہمارا مرکز بحث ہوتی ہے۔ تو ہم فوراً عملی یقینات کی حد تک جا پہنچتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ پنجاب میں جس قدر کپاس پیدا ہوتی ہے۔ اسے صوبہ کے اندر کاٹا اور بننا نہیں جاسکتا۔ یہ تو ایک سیدھا سا سوال ہے۔ دوسری جگہوں میں جس طرح لوگ روئی کاٹتے اور اس سے کپڑا بناتے ہیں۔ ہمیں محض اس کی نقل کرنی پڑے گی۔ لیکن یہ یاد رہے۔ کہ کپڑا بننے کا طریقہ بتا دینا نسبتاً آسان ہے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ جس طرح دوسری جگہوں میں روئی کی صنعت کا کامیابی ہوئی ہے۔ پنجاب میں اسی طرح اس کی کامیابی کیونکر ممکن ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے۔ اُسے نہیں بھولنا چاہیے۔ اول الذکر کا تعلق محض صنعتی قابلیت سے ہے۔ لیکن آخر الذکر کا تصادفی نفع کے ٹیڑھے سوال سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی شخص

بقایا پھلا صفحہ: کہ ایک کھیت کا اعلیٰ انتظام کیا جاتا ہے۔ اُس پر کافی روپیہ لگایا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو یہ چیزیں معلوم نہیں جیسو کے دیوان نے ریاست مذکور کی اکنامک کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے جون سنہ ۱۹۲۰ء میں کہا تھا "ایک ایکو شکل میں چھٹی فصل ریاست کے اندر پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی قیمت تقریباً ۵ روپے ہے۔ اور تریس جس قدر فصل پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی قیمت ۲۰ روپے ہے۔ اگر ریاست سے ہی تعادل کیا جائے۔ جب بھی ایک پرچہ کی کاشت کے بہترین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو قدر فصل پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس فصل سے چھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جو معمولی طریقوں سے تیار کی جاتی ہے۔ مرن ذراعت سے جو نفع حاصل ہوتا ہے۔ وہ باسانی تعویلاً دنگا کیا جاسکتا ہے۔ خواہ لوگ نئے طریقے استعمال کریں۔ لیکن آنا ضروری ہے۔ کہ جس سے اپنا کام دشمنانہ طریق پر کرتے ہیں۔ اور اپنا سرمایہ حاصل کرنے میں سہولتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اگر ایک مزارع ایک بڑے قطعہ اراضی کو ادارہ پر لے سکے۔ جیسا کہ میانوالی میں ہوا ہے۔ تو اسی سالانہ پیداوار ایک ہزار روپیہ سے بارہ سو تک کی ترتیب بنتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔

یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ صوبہ کی موجودہ صنعتی کارخانوں مثلاً ہاتھ سے کپڑا بننے چمڑے کو بننے اور لوہے کا کام کرنے سے کسی شخص کو چنداں نفع ہو رہا ہے۔ پارچہ بانی کے کارخانے قائم کرنے کی جو کوشش کی گئی۔ ان میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ کسی صنعتی کارخانہ یا نظام کی نقل کر لینا تو بے شک آسان ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جن کاموں میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ وہ شاید ہی منفعت بخش ثابت ہوتے ہیں۔ ریلوے ورکشاپ کو اگر کامیابی ہوئی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس کی مصنوعات کی فروخت یقینی تھی۔ جلد میس فیکٹری کو اس لئے کامیابی ہوئی۔ کہ عملی حیثیت سے خام جنس اس کی اپنی ملکیت تھی۔ ان کے علاوہ جن کارخانوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کی کامیابی کا باعث یہ ہے۔ کہ وہ مقامی مانگ کو پورا کر سکتے ہیں۔ اور اب ان کے کسی حریف کی گنجائش نہیں رہی۔ ”دھاریوال دولن ملز“ اپنے مال کی خوبی کی وجہ سے زندہ ہے۔ اس کارخانہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ کہ اگر انتظام قابل لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ تو بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور ساتھ ہی اسکی امید بھی بندھ جاتی ہے۔ کہ صنعت و حرفت گمے اور میں بھی کامیابی ناممکن نہیں۔ لیکن اتنا ملحوظ رہے۔ کہ زراعت میں معقول کامیابی حاصل کرنے میں نسبتاً کم خطرات پیش آتے ہیں۔ مشرطنے کے امریکن (ہاروے) کیپاس سے جس قدر پیداوار ہوئی۔ اس کا اندازہ اس طرح کیا گیا ہے۔ کہ اتنے ہی رقبہ ایسی کیپاس کی کاشت سے جس قدر روپیہ حاصل ہوتا اُس سے ۹ لاکھ روپیہ زیادہ حاصل ہوا ہے۔ جوں جوں امریکن کیپاس مقبول ہوتی جائیگی۔ سالانہ نفع میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اب ایک اور قسم کی کیپاس کی کاشت کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ اور اس سے زیادہ بہتر نتائج کی توقع کی جاتی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ آجکل جس گہیوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

لکھ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں اس رقبہ کا اندازہ ۵ لاکھ ۲۵ ہزار ایکڑ کیپ  
کیا ہے۔

اس کی بجائے اگر نئی قسم کا گہیوں بویا جائے۔ تو پندرہ روپیہ فی ایکڑ کے حساب پیداوار میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور پھر خالص گہیوں بونے کی وجہ سے بہت زیادہ فائدہ ہونگے۔ صیغہ زراعت نے اس سلسلہ میں اب تک جو ترقی کی ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر اعلیٰ قسم کا خالص گہیوں بویا جائے زراعت کے بہتر طریقے اختیار کئے جائیں۔ اور بہتر قسم کے آلات کثاردزی کام میں لائے جائیں۔ تو موجودہ رقبہ مزارعہ کی پیداوار کی خام قیمت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ جن نہروں کی تعمیر فرغ ہو رہی ہے۔ اگر وہ بن گئیں۔ تو بیس لاکھ ایکڑ مزید رقبہ سیراب ہو جائے گا۔ اور پیداوار بڑھ جائیگی۔ ٹیوب ویلز اور اس قسم کی دوسری اصلاحات کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہو گا۔ زراعت کا جس قدر علم اس وقت حاصل ہو چکا ہے۔ اور جس قدر مزدور فراہم ہو سکتے ہیں۔ ان کی مدد سے یہ اغلب ہے کہ صوبہ کی خام پیداوار کی قیمت میں ایک ارب روپیہ کا اضافہ ہو جائے۔ مال اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت پڑیگی۔ سارے صوبہ میں زراعت کی تعلیم کو وسعت دینے کی دبر دست کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے۔ کہ امداد باہمی کی تحریک کو بہت جلد ترقی دی جائے۔ تاکہ تمام کسان کا روباری اصولوں پر اپنی تنظیم کریں۔ اگر ایسا ہو گیا۔ تو تجارت بہت وسیع ہو جائیگی۔ اور زراعت کی امدادی صنعتوں کو فروغ دینے کا دلولہ بھی پیدا ہو جائیگا۔ زراعت کے مستقبل کا نقشہ کھینچنے کے وقت ہمیں انہیں کامیابوں تک اپنا دائرہ نظر محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ جو اس وقت حاصل ہو چکی ہیں۔ بلکہ دستان میں زراعت کی تحقیق و تدقیق اپنی نہایت

۱۔ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں بمقام لائن پور پنجاب ۸ (الف) سے ۳۴ من فی ایکڑ پیداوار ہوئی تھی۔ پنجاب ۱۱ کا رقبہ ۵۰۰ ۳۷۷ تھا۔

۲۔ اس ایک ارب سے معیار زندگی بلند ہو جائیگا۔ ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں صوبہ کی تمام برآمد کی مجموعی قیمت ۴۴ لاکھ روپے تھی۔ لوگوں نے زراعت کے متعلق جو علم حاصل کر لیا ہے۔ اسے مناسب طریقہ پر استعمال کیا جائے تو صوبہ کی حالت بہتر ہو جائے گی۔

ابتدائی حالت میں ہے۔ موسم کے تغیرات اور مقامی حالات کے باعث حرقی میں رکاوٹ واقع ہو گئی ہے۔ اس صوبہ میں موسم کا تھون ایک ایسی چیز ہے۔ جن کے باعث پورے یقین اور وثوق سے کوئی مشورہ دینے کیلئے سالہا سال تک تجربات کرنا ضروری ہے۔ اس قسم کی علمی تحقیق کو نیا لے محدود ہے۔ چند ہیں۔ زمانہ گزشتہ کے متعلق معتبر اور مستند حالات بہت کم موجود ہیں۔ یونیورسٹی کے شعبہ سائنس نے ابھی اپنی ترقی نہیں کی۔ کہ علمی اور فنی تحقیق کرنے والوں کی اعانت کر سکے۔ اس لئے زمانہ گزشتہ میں ہم نے جقدر کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ اس کامیابی کے سامنے جو مستقل کے پردہ میں پنہاں ہے۔ بالکل بیچ ہے۔ ان امور کو ملحوظ رکھیے۔ تو یہی اغلب معلوم ہو گا۔ کہ جاپان کی غلامانہ پیروی کر کے یورپ کے نمونہ پر بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے کی بجائے ملک کی آئندہ خوشحالی اور فارغ البالی کا مدار زراعت اور متعدد صنعتوں پر ہے۔ جن سے زراعت کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یا جو زرعی پیداوار کی بدولت قائم ہیں۔ یقیناً کوئی شخص پنجاب میں ان مصیبتوں کو رونما ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا۔ جو انگلستان میں کارخانوں کی بدولت عالم وجود میں آئیں۔ یا جو جاپان اور بھٹی کے مزدور رقبہ میں موجود ہیں۔ کارخانوں کے قیام نے بعض ایسے دشوار مسئلے پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کا تعلق عمران اور حفظان صحت سے ہے۔ اور انگلستان میں بھی ابھی تک ان کا حل نہیں کیا جاسکا۔ صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والوں کی صحت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ مزاج میں چرچڑاپن آ جاتا ہے۔ شاید یہ چیزیں ناگزیر نہ

۱۔ ملاحظہ ہو۔ انڈین اکناکس منصفہ پروفیسر کپل۔ تیسرا ایڈیشن پیرا ۶۔ اس کے مطالعہ سے ہندوستانیوں کے خیالات کا اندازہ ہو جائے گا۔

ہوں۔ لیکن تقریباً دنیا میں ہر جگہ یہی کیفیت نظر آئی ہے۔ صنعتی کارخانوں نے لوگوں کی نگاہوں میں جو چکاند پیدا کر دی ہے۔ اس کا باعث صرف یہی ہے۔ کہ بعض سرمایہ داروں نے صنعت و حرفت سے بہت سی دولت کمائی ہے۔ تاہم صنعت و حرفت کی اوسط آمدنی تو انگلستان میں بھی بہت زیادہ نہیں۔ حالانکہ انگلستان کے صنایع دنیا میں بہترین سمجھے جاتے ہیں۔ پروفیسر مارشل نے ایک مقام پر صحیح لکھا ہے۔ کہ اگر ہم صنعتی کارخانوں کے مجموعی منافع کو اس سرمایہ پر تقسیم کریں۔ جو آج تک صنعت و حرفت پر لگایا جا چکا ہے۔ (ان میں وہ صنعتیں بھی شامل ہوں۔ جنہیں ناکامی ہوئی ہے۔ اور جن میں سرمایہ ضائع ہو گیا ہے) تو نفع کا اوسط بہت قلیل ہو گا۔ خوشحالی یا دولت جمع کرنے کے لئے کارخانوں کا وجود ضروری نہیں۔ اس کی ایک بہت بڑی مثال توڈنسارک ہے۔ اور دوسری مثال فرانس کا ایک بہت بڑا حصہ۔ پروفیسر مارشل فرانس کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ فرانس ایک بڑا صنعتی ملک ہے جس کے باشندے ایسے طریقے اختیار نہیں کرتے۔ جن کی بدولت وہ بہت بڑی تعداد میں مصنوعات تیار کر سکیں۔ فرانس کے لوگوں کو اقتصادی استحکام حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا رجحان کارخانوں کی جانب نہیں۔ فرانس کی دولت کارخانوں کی شرمندہ احسان نہیں بلکہ انفرادی کوششوں کی مرہون منت ہے۔ اس کی علت پرفرائیوں کا وہ ذوق خاص ہے۔ جو قدرت نے انہیں فنون لطیفہ میں عطا کیا ہے۔ اور اس کا اصلی باعث وہ مہارت ہے۔ جو اہل فرانس اعلیٰ درجہ کی صنعتوں میں رکھتے ہیں۔ لیکن انگلستان اس لئے متمول ہے۔ کہ وہ فنون میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔ اور اس کے کارخانوں میں بکثرت

لے انڈسٹری رینڈ ٹریڈ ریسٹ امل۔ باب ششم۔

مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ ہم نے یہاں جو دہلیں پیش کی ہیں۔ رائے عامدان کی مخالفت کرتی ہے۔ اور صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی کے لئے برابر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پھر بھی اس چیز کی ضرورت باقی رہے گی۔ کہ ساتھ ساتھ زراعت کو بھی ترقی دی جائے۔ کیونکہ جب شہروں کی آبادی کارخانوں کے قیام کی وجہ سے بڑھ جائے گی۔ تو زرعی پیداوار کی مانگ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ جو لوگ کارخانوں میں کام کریں گے۔ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اجناس خوردنی زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں گی۔ اور نئی صنعتوں کی وجہ سے جوں جوں لوگ دولت حاصل کرتے جائیں گے۔ ان کی ضرورتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔ پنجاب کا محل وقوع ہی ایسا ہے۔ کہ اس صوبہ کی آبادی کے لئے باہر سے اشیائے خورد و نوش منگوانا قریب قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ صرف اس صوبہ کی حکومت ہی صنعتی ترقی کے کاموں میں حصہ نہیں لے گی۔ بلکہ آئندہ یہ حکمت عملی تمام صوبوں میں اختیار کی جائے گی۔ اس لئے جب یہاں اشیائے خورد و نوش میں کمی واقع ہو گئی۔ تو اسے پورا کرنے کے لئے قرب و جوار کے علاقوں سے غلہ نہیں مل سکے گا۔ اور پنجاب سمندر سے اس قدر دور ہے۔ کہ سمندر پار کے ملکوں سے سالہا سال میں بھی غلہ منگوانے کا امکان نہیں۔ بہر حال صنعتی ترقی کی تحریک کا خواہ کچھ ہی اثر کیوں نہ ہو۔ زرعی طریقوں میں اصلاح اور پیداوار میں اضافہ نہایت ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے۔ کہ جب تک زراعت کو اس قدر ترقی نہ دی جائے۔ کہ زرعی پیداوار سے روز افزوں شہری آبادی کیلئے خوراک فراہم کی جائے اس وقت تک صنعتوں کو وسیع پیمانہ پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ان دونوں بڑے بڑے پیشوں یعنی زراعت اور صنعت و حرفت میں بظاہر جو اختلاف نظر آ رہا ہے۔ وہ غیر حقیقی

ہے۔ اگر ان میں سے ایک پر توجہ صرف کر دی گئی۔ اور دوسری کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تو یہ حکمت عملی کوتاہ نظری پر مبنی ہوگی۔

صنعتی کمیشن کی رپورٹ پر جو اختلافی نوٹ لکھا گیا تھا۔ اس میں کئی منطقی مغالطے پائے جاتے ہیں۔ ان میں اہم ترین منطقی مغالطہ یہ تھا۔ کہ ایک قوم کے سیاسی اعمال ہندوستان کے صنعتی زوال کا باعث نہیں۔ اور اس صنعتی زوال کی بدولت بار بار قحط رونما ہو رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ آبادی کا جتنا حصہ زراعت میں مصروف ہوگا۔ اشیائے خوردنی کی مقدار کا تناسب بھی اسی قدر ہوگا۔ اگر آبادی کا زیادہ حصہ زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ تو اشیائے خوردنی بھی اسی نسبت سے زیادہ ہونگی۔ اور آبادی کا جتنا حصہ صنعت و حرفت میں مشغول ہوگا۔ اشیائے خوردنی کی پیداوار میں اسی تناسب سے کمی واقع ہو جائے گی۔ اگر اصل زراعت اپنی ضروریات سے بہت زیادہ اشیائے خوردنی پیدا نہ کریں۔ تو اصل حرفہ کی کثرت نہیں ہو سکتی۔ اس امر کی شہادت کہیں نہیں ملتی۔ کہ ہندوستان نے بیرونی ممالک سے اشیائے خوردنوش منگوائی ہوں۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ملک کا انحصار اپنے ہی ذرائع پیداوار پر رہا ہوگا۔ اس لئے اگر کبھی ہندوستان میں صنعت و حرفت عروج پر رہی ہے۔ اور آبادی بیشتر حصہ صنعت و حرفت پر گزارہ کرتا رہا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کہ بارش ہونے کی وجہ سے جب غلہ میں کمی ہوئی ہوگی۔ تو صنعتی آبادی کی کثرت اشیائے خوردنوش کی قلت میں مدد و معاون ثابت ہوئی ہوگی۔ اس لئے جو لوگ یہ دلیل دیا کرتے ہیں۔ کہ عام طور پر ہر سال ہندوستان میں جس قدر پیداوار ہوتی ہے۔ وہ اپنی ضروریات کے لئے بھی کافی نہیں۔ انہیں چاہیئے۔ کہ صنعت و حرفت کو فروغ دینے پر زور نہ دیں۔ بلکہ زراعت کی سماعت کریں۔ کیونکہ صنعتوں کی ترقی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آبادی بڑھ جائیگی۔ اور اس کے لئے خوراک مہیا کرنے کی غرض سے یہ ضروری ہے۔ کہ

اجناس خوردنی زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں۔

لیکن صرف مزدوروں کی خرداک کا مسئلہ ہی غور و فکر کا محتاج نہیں۔ بلکہ اور مسائل بھی قابل غور ہیں۔ اگر صنعتوں کو قائم کرنا مقصود ہے۔ تو ان کیلئے خام اجناس کی بھی ضرورت ہوگی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ دیوے کے ندیہ وود دراز علاقوں سے اجناس خام لائی جائیں۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اس صوبہ کی صنعتوں کا انحصار انہی خام اجناس پر ہوگا۔ جو اسی صوبہ کے اندر پیدا ہونگی۔ گویا صوبہ کی زمین ہی صنعت و حرفت کا مدار علیہ ہوگی۔ اس زاویہ نگاہ سے مسئلہ پر نظر ڈالئے۔ تو صنعت و حرفت اور زراعت کے مابین جو اختلاف اور دوی دکھائی دیتی ہے۔ ناپید ہو جاتی ہے۔ اگر اس صوبہ میں صنعتیں قائم کرنا اور انہیں فروغ دینا مقصود ہے۔ تو اس کا انحصار اسی پیداوار پر ہوگا۔ جو اس صوبہ کی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اس امر کی بہت طویل تحقیقات کرنا چاہئے۔ کہ آیا اس صوبہ کی زمین ایسی خام اجناس پیدا کر سکتی ہے۔ جو صنعتوں میں کام آئیں۔ یہاں زراعت اور صنعت و حرفت کے موازنہ کا سوال ہی نہیں۔ بلکہ اصل سوال تو یہ ہے۔ کہ اکثر بڑے بڑے پیشے ایسے ہیں جن میں خوشحالی و امن کا ساتھ ہے۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ فروغ حاصل کرتے ہیں۔ اور زراعت پیشہ ان سب سے بیش پیش نظر آتی ہے۔

ہم اس کتاب کے ایک ابتدائی باب میں جغرافیائی محل وقوع کے متعلق جو کچھ کہہ چکے ہیں۔ اس کی روشنی میں آپ کو صاف نظر آئے گا۔ آئندہ ہمیں ایسی اشیاء کی تلاش و جستجو اپنی تحقیق و تدقیق صرف کرنا چاہیئے۔ جن کی پیداوار کے لئے یہ صوبہ بہترین طریقہ پر موزوں واقع ہوا ہے۔ یا جن کی پیداوار ذخیرہ ساری چیزوں کی پیداوار سے زیادہ مفید ہے۔ ایسے معاملات میں انسان کو لازماً جذبات کے اشارہ چشم و ابرو کی پیروی کرنے کے بجائے فطرت کے سامنے مرتسليم خم کرونا پڑتا ہے۔



اگر دوسرے لوگ سائنس اور اقتصادی قوانین پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہوں اور پنجابیوں کے دل و دماغ پر جذبات کی حکمرانی ہو۔ تو اس مقابلہ کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ کسی شرح کا محتاج نہیں۔ اب تو یہ واضح ہو چکا ہے کہ دیہاتی اقتصاد کا کابہ مطالعہ جس قدر زرعی خوشحالی کے لئے ضروری ہے۔ اسی قدر یہ چیز صنعتی ترقی کے شاندار دور کی بنیاد و محکم کرنے کیلئے بھی لازمی ہے۔ کسان کو ضرور ایسی تعلیم دینا چاہئے۔ جس کی بدولت وہ اپنے پیشہ کی وسعت اور فروغ کے تمام امکانات کو پوری طرح محسوس کرے۔ کیونکہ عظیم صنعتوں کا قیام بھی انہی امکانات کی ذیل میں آتا ہے۔ صوبہ کے ذی علم اور صاحب فہم لوگوں کو چاہئے۔ کہ وہ زراعت کو سیرعت تمام ترقی دینے کی کوشش کریں کیونکہ کارخانوں کے لئے زراعت سے ہی خام اجناس مہیا کی جاسکتی ہیں۔ پنجاب کی صلاحیت و استعداد اس کے حل مطلب مسائل اور خصوصیات کا مطالعہ نہایت امعان نظر سے کرنا چاہئے۔ اس کی تاریخ کا وہ حصہ جو اس کے موجودہ عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے منظر عام پر لے آنا چاہئے۔ اور اس سے آئندہ نہایتی کے لئے صحیح نتائج اخذ کرنے چاہئیں۔ حکومت نے صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جو حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔ اس سے اگر مستقل طور پر فائدہ اٹھانا مقصود ہے۔ تو اس کے لئے مناسب فضا پیدا کرنی چاہئے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا۔ تو آئندہ چل کر نقصانات نا کامیوں اور مایوسیوں کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لوگوں کی آرزو تو یہ ہے۔ کہ صنعت و حرفت میں نہایت تیزی سے ترقی کی جائے۔ تاکہ صدیوں سے بیرونی حملوں اور اندرونی خلفشار ہنگامہ کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے۔ اس کی تلافی ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا علم صحیح ہو اور استدلال مربوط۔ آئندہ ابواب میں ہم چند قابل لحاظ امور کے متعلق کچھ لکھیں گے۔

# چودھوال باب

## زمانہ جدید کی سلطنت میں امداد باہمی کا ذکر

شاید یہ ہندوستان کی بد قسمتی ہے۔ کہ انگلستان ایک صنعتی ملک واقع ہوا ہے۔ اور انگلستان کے صنعتی مرکزوں میں امداد باہمی کو بہت فروغ حاصل ہے۔ وہاں امداد باہمی کے اکثر ٹور قائم ہیں۔ جو لوگوں کے لئے خانگی ضروریات مہیا کرتے ہیں اس لئے جو برطانی افسر ہندوستان میں آئے۔ وہ اپنے ساتھ امداد باہمی کا تخیل بھی لیتے آئے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ انگلستان میں بھی گذشتہ صدی کے خاتمہ سے پیشتر لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دیہاتی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے امداد باہمی کی تحریک اکیسرا غظم کا حکم رکھتی ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ اس تحریک کا ابتدائی کام انگریز کارکنوں کے ہاتھوں انجام پایا۔ انہوں نے اس راہ میں بہت سے تجربات کئے۔ ان بھی ہوئیں اور آخر کار کامیابی بھی حاصل کی۔ اور یہ خیال بھی جسے بعد میں ساری متمدن دنیا نے قبول کر لیا۔ سب سے پہلے انگلستان میں ہی پیدا ہوا تھا۔ لیکن مسٹر وولف کے۔ انگلستان کا کوئی مصنف نظر نہیں آتا۔ جو امداد باہمی کو کسانوں کی تنظیم کا ذریعہ سمجھا ہو۔ چونکہ جزائر برطانیہ میں اراضی کے مالکانہ حصوں کا نظام قائم تھا۔ زمین پر بڑے بڑے نیک اور رحم دل زمینداروں کا قبضہ تھا۔ اور زمیندارین سالانہ اجارہ ادا کر کے یہ سمجھ کر پوری محنت سے کام کرتے تھے۔ کہ لگان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اس لئے وہاں امداد باہمی کی چپندہاں ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ مالکان اراضی زمین کی اصلاح و ترقی اور عمارت کی تعمیر کے لئے ضروری

سرمایہ مہیا کرتے تھے۔ اور مزارعین کے پاس جو تھوڑی بہت پونجی جمع ہوتی تھی۔ اس سے وہ مولشی اور کھاد وغیرہ خریدتے تھے۔ اس لئے انہیں قرض لینے کی اتنی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ خیتی کسی ایسے ملک میں ہو سکتی ہے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کی کثرت ہو۔ مزید برآں انگلستان کے کھیت... آیا... ۵ یا اس سے زیادہ ایکڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور کسانوں میں اتنی استطاعت ضرور ہوتی ہے۔ کہ بینک میں کچھ نہ کچھ روپیہ ضرور رکھیں۔ پھر بینک بھی پرانے دیہاتی وضع کے جنہیں اس امر کا خاص خیال رہتا تھا۔ کہ ہمارا مفاد کسانوں کی خوشحالی سے وابستہ ہے۔ اور وہ اپنے مستحق موکلوں کی اعانت کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے جہاں کہیں لوگ مقامی بینک سے قرض نہ لے سکتے تھے۔ آلات کشاورزی اور کھاد وغیرہ کے تاجروں سے باسانی قرض لے لیا کرتے تھے۔ لیکن مغربی یورپ میں جہاں کسان ہی مالکان اراضی میں اس سے بالکل مختلف حالت تھی۔ چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کو کسی دولتمند زمیندار کا سہارا نہیں تھا۔ کہ جب کبھی فصل خراب ہو۔ یا غلہ کی قیمت گر جائے۔ تو اس کا دامن پکڑیں۔ چنانچہ جب گذشتہ صدی کے وسط اور نصف ثانی میں یورپ پر زرعی دباؤ کا زمانہ آیا۔ تو یورپ کے پاس اتنے وسیع ذرائع نہیں تھے۔ کہ اس مصیبت سے عہدہ برا ہو سکے۔ لے دے کے اراضی ہی اس کی امیدوں کی آخری جائے پناہ تھی۔ اس لئے افلاس سے بھاگنے کی کوئی راہ دکھائی نہ دی اور کسان ساہوکاروں کے پھندے میں گرفتار ہو گئے۔ اس پر طرفہ یہ کہ امریکہ سے کثیر مقدار میں ازراں گیہوں آگیا۔ جائداد کی قیمت گر گئی۔ کسانوں کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی۔ اور مصیبت و افلاس کے اس المناک عہد کا آغاز ہو گیا جس سے آخر کار امداد باہمی کی ترقی اور لیگ اور اس کے پیروؤں کی کوششوں کی بدولت نجات حاصل ہوئی۔

گذشتہ صدی کے نصف آخر میں طریق زراعت کے اندر ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ اور زرعی اقتصادیات کی ساری بساط الٹ گئی۔ اس عہد میں جو تبدیلیاں

بر روئے کار آئیں۔ ان میں امداد باہمی کے اصولوں کا دواج سب سے زیادہ خیر و برکت کا باعث تھا۔ ۱۸۷۰ء سے صدی کے خاتمہ تک یہ جدید تحریک اکثر پھیل چکی تھی۔ لیکن انگلستان نے اس کی جانب اس وقت توجہ کی۔ جب سر ہورس بلینکٹ نے آئرلینڈ میں اس تحریک کو فروغ دے کر لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ ادھر امریکہ میں پرنیڈنٹ روزولٹ نے دیہاتی زندگی کی تحریک شروع کی۔ انہوں نے اس تحریک کے سلسلہ میں سب سے پہلا یہ کام کیا۔ کہ ایک کمشن کو جو امریکہ کی بڑی بڑی ریاستوں کے نمائندوں اور بعض غیر سرکاری ارکان پر مشتمل تھا۔ یورپ میں بھیجا۔ تاکہ مختلف ملکوں کی لیاقت کر کے امداد باہمی کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کمشن کے ساتھ کناڈا نے بھی اپنے نمائندے بھیجے۔ یورپ میں ریاست ہائے متحدہ کی جس قدر سفارت گاہیں موجود ہیں۔ سب کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی۔ کہ مختلف ملکوں میں تحریک امداد باہمی نے جس قدر ترقی کر لی ہے۔ اس کے متعلق مواد فراہم کر لیں۔ اس طرح جو مواد فراہم ہوا۔ اسے مسٹر ہیرک امریکن سفیر متعینہ فرانس نے ترتیب دیا کمشن نے یورپ میں شہادتیں جمع کیں اور امریکہ کے دیہاتی حالات فراہم کرنے کے لئے ہر ریاست میں ایک چھوٹی سی تحقیقاتی مجلس مقرر کر دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یورپ کی امداد باہمی کی جانچ پڑتال غیر جانبدار امریکن نے کی۔ جن کے ذہن مقامی تعصبات اور جھگڑوں قضیوں سے متاثر نہیں تھے۔ ان میں سے بعض تو سرکاری رپورٹوں میں موجود ہیں۔ لیکن اس تحقیقات کے زیادہ قیمتی نتائج ان کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو اس کمشن کے بعض ممبروں نے لکھی ہیں۔ یورپ کے نظام امداد باہمی کی اس تحقیق زراعت کو بہت فائدہ پہنچا۔ اور یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ چھوٹی چھوٹی اراضی کو کامیاب کرنے اور بڑی بڑی اراضی کو منفعت بخش بنانے کے لئے امداد باہمی کے اصولوں کا دواج نہایت ضروری ہے۔ دیہات کے مالی معاملات میں امداد باہمی کو مناسب درجہ حاصل ہو گیا۔ اور یہ عام اصول تسلیم کر لیا گیا کہ امداد

باہمی کی امداد سے پیداوار کو فروخت کرنا بہترین طریق کار ہے۔

یہ ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے۔ عام حالات میں تو اغلب تھا۔ کہ کئی سلسلوں تک جدوجہد کرنے کے بعد ان نتائج کو صحیح تسلیم کیا جاتا۔ لیکن جنگ کی وجہ سے یہ حقیقت جلد پوری طرح واضح ہو گئی۔ کہ ہر ملک کو خوراک کے لئے اپنے ہی ذرائع پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اس طرح زراعت کو ایک نمایاں جنت حاصل ہو گئی۔ اور یہ مان لیا گیا۔ کہ جنگ کا زمانہ ہو۔ یا امن کا دور۔ زراعت ہر حالت میں ملک کی بہترین صنعت ہے۔ چنانچہ مسٹر لائڈ جارج نے کہا تھا کہ حکومت کا مفاد اولیت کا حق رکھتا ہے۔ اور حکومت کے مفاد کی ترقی کا مدار پیداوار پر ہے۔

اس کے بعد تو ہر ملک میں نہایت سرگرمی سے ایسی تدبیریں اختیار کی جانے لگیں۔ جو ہر قسم کی زرعی مجالس کے قیام میں مدد و معاون ثابت ہو سکیں۔ عہد نامہ صلح کے بعد ان تمام علاقوں میں جو جنگ کے منحوس اثرات سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ زراعت و صنعت اور حرفت کی تجدید کا کام انجمن ہائے امداد باہمی کے سپرد کر دیا گیا۔ بر اعظم یورپ میں پچاس سال کے اندر زراعت پر صنعت و حرفت نے سبقت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے وہاں امداد باہمی کی تحریک کو زراعت کے فروغ کا بہترین ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ امریکن کشن کو جلد معلوم ہو گیا۔ کہ ان کے سامنے جو مسئلہ پیش تھا۔ وہ

۱۔ اسٹر حال اکتوبر ۱۹۱۹ء

۲۔ ۱۹۲۰ء میں سٹراٹیم ایل ڈارلنگ آئی۔ سی۔ ایس۔ اور سٹرسی ایف سٹر کلینڈ آئی سی ایس۔ جو در زلزلہ پنجاب میں ڈیپٹی جسٹس کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔ یورپ کے بعض ملک میں چند بیٹے بسر کر کے دہلی کی تحریک کا مطالعہ کیا۔ اول الذکر اس وقت جسٹس ہیں۔

کسانوں کے لئے باسانی روپیہ حاصل کرنے کے مسئلہ سے زیادہ وسیع اور پیچیدہ واقع ہوا تھا۔

ابتدائے تحقیقات میں ہی انہیں یقین ہو گیا تھا کہ زیر بحث مسئلہ کو دیہاتی زندگی کے اہم اصول کی طرح اساسی خشت حاصل ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا۔ زرعی پیداوار میں امداد باہمی کے اصولوں کے استعمال نے ارضی کو صرف اقتصادی حیثیت سے ہی فائدہ نہیں پہنچایا۔ یا محض زراعت کے ذرائع کو ملحوظ ہی نہیں رکھا۔ بلکہ اس سے افراد کی تعلیم کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ اور دیہات کی سوسائٹی کو زیادہ استحکام اور پائیداری حاصل ہو گئی ہے۔ اس طرح زراعت کو جس کی تعلیم کی جانب لوگوں کو سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہئے دوسری تمام صنعتوں کے بعد ترقی کرنے کا موقع ملا۔

امریکہ والوں کا حسب ذیل بیان اس سے بھی زیادہ پر زور ہے۔  
 ”اب ہم امداد باہمی کے نہایت ابتدائی اصولوں سے واقف ہونے لگے ہیں۔ اور اگر اس سلسلہ میں ناکامیاں ہو رہی ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ابھی تک اس بات کا بھی صحیح علم نہیں ہوا کہ امداد باہمی دراصل کیا شے ہے۔ یہ کوئی ایسا اصول نہیں۔ جو ابھی تک غیر مسلم حیثیت رکھتا ہو ہم ایک پر زور حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ جس میں ذرہ بھر ابہام نہیں عملی حیثیت سے یورپ کے ہر ملک میں یہ حقیقت اس حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کہ اب اس میں نہ کسی دلیل کی گنجائش ہے۔ اور نہ اس سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ امداد باہمی کی وجہ سے اجناس مستی ہو جاتی ہیں۔ اور ان کی فراہمی بھی آسان ہو جاتی ہے۔ منافع میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی فروخت بھی یقینی ہو جاتی ہے۔ انسانی قوت اور قابلیت میں اس قدر مضبوطی آ جاتی ہے کہ اس سے منفعت بخش کام

لیا جاسکتا ہے۔ اس کے بالواسطہ اثرات یہ ہیں کہ عملی علم وسیع ہو جاتا ہے تعلیمی قابلیت نمایاں طور پر بڑھ جاتی ہے۔ خیالات میں تحریک پیدا ہوتی ہے اس کا مقصد کھیتی باڑی کے کام کو منفعت بخش اور زیادہ آسان بنانا اور ایک اعلیٰ دیہاتی تمدن قائم کرنا ہے۔ جس میں خوش حالی فراغت اور قناعت کا دور دورہ ہو۔ اور یہ اس عہد کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ کسانوں کے لئے جو چیزیں مفید ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ حکومت کے لئے بھی مفید ہوں۔

امداد باہمی کی تحریک سے جو بڑے بڑے فائدے ہو سکتے ہیں۔ انہیں سب لوگوں نے جنہوں نے اس موضوع کا مطالعہ کیا ہے۔ تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن ایک مقصد کی اہمیت کو تسلیم کرنا آسان ہے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنا زیادہ دشوار۔ کیونکہ مقصد کے حصول کے لئے ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے۔ جو اس امر سے باخبر ہوں۔ کہ اس راہ میں کیا کرنا چاہئے جو بے نقص بھی ہوں اور ساتھ ہی تعمیری کام کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے۔ اور شاذہی ایسا ہوا۔ کہ اس گروہ سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوا ہو۔ جس نے ذاتی مفاد کو ہی پیش رکھ کر صحیح کوئی نئی تحریک چلائی ہو۔ یہ حقیقت بہت اہمیت رکھتی ہے کہ امداد باہمی کی تحریک کے سلسلہ میں زراعت پیشہ طبقہ سے کوئی کامیاب رہنما پیدا نہیں ہوا۔ دیہا

لے امریکن کمیشن کی بناوٹ پیشینگی ۶۴

۱۷۱ مستند گورڈن کی کتاب ”گروہ اپریشن فار فارمرز“ (کسانوں کے لئے امداد باہمی)

۱۷۲ ہیرک ۱۷۱ ڈنمارک اس سے مشتق ہے۔ ”ڈنمارک میں تحریک امداد باہمی کی تحریک جن لوگوں نے نہیں شروع کی۔ بلکہ اسے شروع کرنے والے مالکان اراضی بھی نہیں تھے۔ یہ تحریک آہستہ آہستہ یہاں تک کہ اندر کسانوں میں پیدا ہوئی۔ اس کی بنیاد استحکام اور تعاون کے جذبات کی بدولت پڑی تھی۔ جو صدیوں سے ڈنمارک کے کسانوں میں چلتے آتے تھے۔ بقایا مدبر صفحہ پر

میں جنہوں نے اس تحریک کو پھیلایا۔ وہ اس طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ دیہات میں جو ذی ہوش نوجوان پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے حالات و اسباب انہیں مجبور کرتے ہیں کہ شہروں میں معاش تلاش کریں۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ شہروں سے ایسے دانشمند رہنما پیدا ہوں جو گاؤں والوں کی ضروریات کو سمجھیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے مجلسیں قائم کریں۔ اس لئے خواہ انجمن ہائے امداد باہمی شہری ہوں یا دیہاتی یہ ضروری ہے۔ کہ تحریک کا آغاز شہروں سے ہو شہر والوں کو یہ تعلیم ضرور دینا چاہئے کہ وہ دیہات کے مسائل میں عملی دلچسپی لیں تحریک امداد باہمی کے سلسلہ میں جن لوگوں کو پہلے پہلے کامیابی ہوئی۔ ان میں کاروباری قابلیت بھی تھی۔ اور ساتھ ہی اس بارے میں ان کا عقیدہ بہت پختہ تھا کہ وہ اس تحریک سے بہت معاشرتی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ مزدور پیشہ تھے۔ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھے۔ لیکن قدرت نے انہیں ذکاوت فہم کی دولت عطا کی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا۔ کہ مزدور پیشہ لوگوں کے ہاتھ جو چیزیں فروخت کیجاتی ہیں۔ وہ نہایت ناقص ہوتی ہیں اگر کوئی رسا طریقہ معلوم ہو جائے جس کی بدولت یہ لوگ سستے داموں میں اچھی خوراک حاصل کر سکیں جو یہ یقیناً معاشرتی فلاح دہنہوگی راہ میں ایک کامیاب قدم ہوگا۔ انہوں نے ایک سیدھی سادی کاروباری تجویز پر ایک بڑا معاشرتی نصب العین قائم کر لیا۔ ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا۔ کہ مقابلہ و سالیقت کی جگہ امداد باہمی

بقایا پھیلاؤ۔ اسلئے دغاکیوں میں امداد باہمی کے قیام کی صحیح تاریخ نہیں بنائی جاسکتی۔ کیونکہ یہ صدیوں میں قائم ہوئی۔ امدادی مزدور امور یا کسی مجلس کی بدولت وجود میں نہیں آئی۔ ملاحظہ ہو۔ غیر کی کتاب (کوآپریشن این ڈینش اگری کلچر) ص ۹۔ ۱۸۶۶ء نے بعض غیر شاخص نے ادشڈیل سنور کی وضع کے امدادی سنور قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں انہیں ناکامی ہوئی۔



کا ہمدردانہ جذبہ پیدا ہو جائے۔ یہاں اس تحریک کی تدریجی ترقی کا تذکرہ موزوں نہیں صرف اتنا کہ دینا کافی ہوگا۔ کہ راشنڈیل ایکوئیل ہاؤسز کے نام سے پہلے پہل جو مجلس ۱۸۴۲ء میں قائم ہوئی۔ اب اس کے ۲۲۵۷۷ ممبر ہیں۔ اور اس کا سرمایہ تین لاکھ پونڈ سے متجاوز ہے برطانیہ میں امداد یا بھی کے تمام ممبروں کی تعداد ۷۷۷۷۷۷ لاکھ سے زیادہ ہے۔ سال بھریں چودہ لاکھ تیس ہزار پونڈ کی اجناس فروخت ہوئی۔ اور گزشتہ ۵۵ سال کے اندر ممبروں کو ۶ کروڑ پونڈ بطور حصہ واپس مل گئے۔ بڑی بڑی انجمنوں نے ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ عمارتوں میں لگایا گیا۔ اور تیس کروڑ پونڈ زمین وغیرہ ہیں۔

اگرچہ امداد باہمی کی تحریک نے باشندگان برطانیہ کی شاندار خدمات کی ہیں۔ اور اب بھی کر رہی ہے۔ لیکن ابھی تک تو یہ حاصل نہیں ہو سکا۔ کہ امداد باہمی کی ایک دولت مشترکہ قائم کی جائے۔ جس میں ہر شخص مفاد عامہ کے لئے خدمت کرے۔ اُسے اپنی محنت کا پورا ثمرہ ملے اور ملک میں یک جہتی اور یکسانیت کا دور دورہ ہو۔ جو لوگ اس میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان میں احساس پیدا ہو گیا ہے۔ کہ بڑے بڑے ذخیرے قائم کرنے اجناس کو نقد قیمت پر فروخت کرنے اور قلیل منافع حاصل کرنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔ آجکل کاروبار میں کامیابی کا مدار اس امر پر ہے۔ کہ داغی اور ذہنی توازن بہت ترقی یافتہ ہوں۔ خیالات اچھوتے ہوں اور اس بات کی سمجھ ہو۔ کہ کس چیز سے نفع ہو سکتا ہے۔ امداد باہمی کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ ہمارا انتظام ایک مجلس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور یہ طریقہ اس بات کے لئے موزوں نہیں۔ کاروبار کے دوران میں یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ ایک فیصلہ کیا جائے۔ تو اس کے مطابق فکارت

فہم اور دانشمندی سے کام لے کر عمل بھی کیا جائے۔ لیکن دوسرے ممبروں کو یہ سمجھانے میں کہ جو چیز پہلی نظر میں بہترین معلوم ہوتی ہے۔ لازماً بہترین نہیں ہوتی۔ بہت سا وقت اور محنت صرف ہوتی ہے۔ ایک ایسا ہی شخص جو دور اندیش بھی ہو۔ اور کیریئر کا بھی مضبوط ہو۔ عام آدمیوں کی ایک مجلس کو اپنا زاویہ نگاہ سمجھانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور شاد و نادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص میں یہ تمام اوصاف ہوں۔ مزید برآں جوں جوں امداد باہمی کی تحریک ترقی کا قدم بڑھاتی جا رہی ہے۔ ان لوگوں کے خیالات و عقاید کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ جن کے قلب میں امداد باہمی کے عقیدہ نے پہلے پہل پرورش پائی تھی۔ امداد باہمی کا کام برابر وسعت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور جن لوگوں کے ہاتھ میں دیر کا انتظام ہے۔ انہیں کاروبار کی زیادہ تربیت نہیں ہوتی۔ اس کے مسائل بھی اپنی عمر کمی حیثیت کے اعتبار سے تقریباً تجارت کے عام مسئلوں کی مانند ہیں۔ اور ذہین لوگ فوراً اُن خصوصیات کو سمجھ لیتے ہیں۔ جن کی بدولت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

پروفیسر مارشل نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ جہانی مشقت کرنیوالے لوگ اور محدود و اشخاص امداد باہمی کے سلسلہ میں صرف اس قدر کر سکتے ہیں۔ کہ عام لوگوں کے انحصار ضروری پیشہ طبقوں کی خوراک کیلئے اشیائے خورد و نوش پیدا کریں۔ یا انہیں فروخت کریں لیکن صنعتوں کو خاص کاروباری اصولوں پر چلانا تو انہیں لوگوں کا کام ہے۔ جن میں کاروبار چلانے کی قابلیت ہو۔ یا جو کاروبار کی تنظیم کے اہل ہوں۔ اکثر چھوٹی چھوٹی صنعتیں جنہیں چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار امداد باہمی کے اصولوں پر چلاتے ہیں۔ اس

اس لئے ناکام رہی ہیں۔ کہ انہیں مدد نہیں ملتی۔ اور ان میں ایسے رہنما ہیں جو کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

جہاں تک تقسیم کا تعلق ہے۔ امداد باہمی کی تحریک کی حدود مقرر ہیں جن سے آگے یہ نہیں بڑھ سکتی۔ یہ تحریک اس لئے محدود ہو گئی ہے۔ کہ آج کل کاروبار میں ہمارے خصوصی ماحصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ایسے قابل رہنما نہیں ملتے۔ جو امداد باہمی کی انجمنوں میں کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے۔ کہ شہروں میں امداد باہمی کی تحریک ناکام ہوئی۔ شہروں میں بھی اس سے وسیع اخلاقی اور اقتصادی نتائج ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ کیونکہ مزدوری پیشہ طبقہ جن حالات میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اُن میں بہت اصلاح ہو گئی ہے۔ ہندوستان میں بے نفی اور سرگرمی سے کام کرنے والوں کے لئے کافی میدان ہے۔ یہ نسل یا آئندہ نسل اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا بھی دیکھ لے گی۔ غالباً امداد باہمی کی تحریک ہی کی بدولت غریب لوگ دلاؤں اور ایجنٹوں سے محفوظ رہے گی۔ اور اس تحریک کے طفیل ہی لوگوں کو اقتصادی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا موقع حاصل ہو جائے گا۔

تقسیم سے قطع نظر کر کے دیکھئے گا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ شہری تحریک امداد باہمی نے اٹالیہ اور اکثر دوسرے مقامات پر اور عوام کے بنکوں کے توسط چھوٹے چھوٹے تاجروں اور کاریگروں کی ساکھ قائم کر دی ہے۔ تجارت کی کامیابی کا اصل الاصول تنظیم ہے۔ جب تک کسان کو صرف اپنی ضروریات پورا کرنے کی فکر رہی۔ اُسے مستعد ہونے کا خیال نہ آیا۔ کہ جب وسائل رسل و رسائل کو ترقی ہوئی۔ اور منڈیوں کے دروازے اُس پر کھل گئے۔ تو کسان پر تاجروں کی توجہ مہذوں ہوئی۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا۔ کہ کسان کو کم از کم روپیہ دیں۔

اور زیادہ سے زیادہ غلہ حاصل کریں۔ جب کہ گودو پیش کے لوگ منظم ہو کر اپنے لئے زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ تو کسان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ کہ یا اپنے اندر بھی تنظیم پیدا کرے یا مٹ جائے۔ یہ اور بات ہے کہ خواہ کوئی دوسرا شخص یعنی گاؤں کا دوکاندار تنظیم کا باعث ہو جائے یا کسان خود خود اپنی تنظیم آپ کریں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے پہل بیرونی اثر نے کسان کو منظم کیا۔ یعنی دوکانداروں کی حرص نے کسان کے لئے بہت محرک ثابت ہوئی۔ اور کسان اپنے ہلاکندہ شیرازہ کو مجتمع کر کے ایک مجلس قائم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چونکہ زراعت سب سے بڑی اور سب سے اہم صنعت ہے۔ اور تجارت کا سارا انحصار انہی پر ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس کی تنظیم کی جائے۔ لیکن زراعت کے حالات کچھ ایسے عجیب و غریب واقع ہوئے ہیں۔ کہ اس کی تنظیم غیر معمولی طور پر مشکل ہو گئی۔ زراعت کی عنان کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کا مجموعی سرمایہ بہت بڑا ہے۔ کسان سرمایہ دار بھی ہوتا ہے۔ مزدوری بھی۔ اور فن زراعت کا ماہر بھی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کوئی شخص ان تینوں چیزوں میں کامل نہیں ہو سکتا وہ فروخت کر نیکیے لئے اجناس پیدا کرتا ہے۔ تو اسے یہ بھی جانا چاہیئے۔ کہ انہیں کیونکر فروخت کیا جائے۔ کہ زیادہ سے زیادہ فائدہ

۱۔ ملاحظہ فرمادہ صفحات ۲۷۱ تا ۲۷۲ بنیاف کی کو آپریشن ان لٹریچر (روس میں امداد باہمی) صفحہ ۳۷۱ پینٹوں کے مٹ جانے کی وجہ سے  
جوانی برب میں بہت سارے نفع ڈال لیتے ہیں۔ جن کے حصول کا ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ صدا بلند ہوئی ہے۔ کہ ایک پینٹوں کو تیار کر دو  
تو بارہ پینٹوں کے لئے اس سے سنبھلتے ہیں۔ لیکن امداد باہمی کی ذاتی تمام مجالس میں پینٹوں سے نجات حاصل کرنیکی خواہش اس تحریک کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے

ماہل ہو۔ ورنہ دوسرے لوگ اُس سے اجناس کی فروخت کے بارہ میں بازی بے ہائیل گئے۔

کسان تنظیم کے ایسے عام طریقے بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ جو کارخانوں کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں۔ اس کی صنعت چھوٹی چھوٹی زمینوں پر مشتمل ہے۔ زمین کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ممکن ہے۔ کہ ساری اراضی ایک جگہ جمع کر دی جائے۔ اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ سرمایہ کا بیشتر حصہ ایک جگہ جمع کر کے زراعت کو ترقی دی جائے۔ البتہ ان لوگوں کی مجلسیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ جن کے ہاتھ میں زراعت کی تمام اہتمام ہے۔ انہیں اس بات کے ماتحت زراعت کی تنظیم تمام صنعتوں کے بعد ہونی چاہئے۔ لیکن اس کے سوا بعض دوسرے قابل ذکر اسباب بھی ہیں۔ صنعت و حرفت بعد تجارت سے جن قدر آسانی کے ساتھ دولت حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ اُس قدر آسانی سے زراعت میں دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور کئی نسلوں سے یہی کیفیت چلی آتی ہے۔

باہمت لوگوں نے ناکامیوں کی پرماہ نہ کی۔ اور زراعت کو نظر انداز کر کے شہروں میں جا کر اس کوشش میں مصروف ہو گئے۔ کہ جس قدر جلد دولت مسمیٰ جاسکے۔ سمیٹ لیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ زراعت کی بدولت لوگوں نے چنداں زیادہ دولت فراہم نہیں کی۔ زراعت ایسا کاروبار نہیں جس سے بہت نفع حاصل ہو سکے۔ زراعت جتنے لوگوں کے لئے اچھی طرح زندگی بسر کرنے کا سامان ہیا کر دیتی ہے۔ کوئی دوسرا پیشہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں بلند حوصلہ اور صاحب ہمت لوگوں کے لئے کوئی وسعت نہیں۔ ہر ملک میں یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جو نوجوان زیادہ سرگرم اور صاحب صلاحیت اور باہمت نہیں ہوتے۔ ان کے حصہ میں کاشتکاری آتی ہے۔ بلکہ کچھ اس قسم کا تنہیل

پیدا ہو گیا ہے۔ کہ ہر احمق شخص کسان بن سکتا ہے۔ اکثر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر انہیں موقع ملے۔ تو وہ زراعت کو بھی منفعت بخش بنا سکتے ہیں۔ لیکن یہ احساس کم لوگوں کو ہے۔ کہ زراعت میں سائنس کے جدید طریقوں سے فائدہ اٹھانے کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور دوسرے تمام پیشوں کی نسبت جو تعلیم یافتہ لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاستنائے محب سائنس کی زیادہ مکمل تعلیم کی ضرورت ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھیے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ سائنس کی جانب لوگوں کی بے التفاتی چنداں حیرت انگیز نہیں۔ لوگ بیچارے کسانوں کو بھول چکے ہیں۔ اور یہ تو کہیں پچھلے دنوں سے حکومت یا عوام نے اس کی جانب تھوڑی بہت توجہ کی ہے +

زراعت ابھی تک غیر منظم صنعت ہے۔ ابھی تک اس کا مقصد کسان کی ضروریات زندگی پورا کرنا سمجھا گیا ہے۔ ان اجناس کی کاشت کی جانب توجہ ہی نہیں۔ جن کی فروخت سے بہترین منافع بھی ہو سکتا ہے۔ اور یا اس منافع سے کسان اپنی ضروریات کی تمام چیزیں بھی خرید سکتے ہیں۔ اگر ہر صنعتی ادارہ ایسی چیزوں کی پیدائش میں دقت ضائع کرے۔ جو باعتبار محبت و کیفیت مزدور کے لئے ضروری ہیں۔ اور فروخت کرنے کے لئے اشیاء پیدا نہ کرے۔ تو اس کی کامیابی میں بہت سخت رکاوٹ واقع ہو جائے گی۔ اور کسانوں میں یہ عام دستور ہے۔ یہ اصول تو اب کہیں جا کر تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اگر کسان اشیاء کو فروخت کر کے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو ان کی فنی قابلیت کو ترقی دینا بے سود ہے۔ ان کے پیشہ کی نوعیت ہی ایسی ہے۔ کہ اشیاء کی پیدائش کے بارہ میں وہ آزاد ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ خرید و فروخت کے بارہ میں بھی وہ آزاد

۱۔ پرنٹرز آف انڈیا کے مسند کا آرڈر مسند سٹیٹ پبلشنگ فارمیری پکچر مسند اور ای کٹر کش ان آرٹ لیٹرس ۲۶

۲۔ مسند گورڈن کو آفٹن فار فارمرز مسند ۳۔ آرون کا پبلش آف اگری کھران انڈسٹری +

اگر وہ خود رائی سے کام لے۔ تو اُسے کامیابی کی کوئی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ اُسے یقیناً وہ مروجہ ذرائع و رسائل استعمال کرنا چاہیے جن کی مدد سے کوئی بڑی صنعت دوسری بڑی صنعتوں کے مقابلہ کا بوجھ برداشت کر سکتی ہے۔ چونکہ وہ اپنے ہمسایوں کے سرمایہ اور اپنے وسائل

۱۰ دھڑ ۲۲ پیرک ۴۵ ساری مٹھان دھنیا میں یہ تحریک ہو رہی ہے کہ زراعت کے لئے اعداد یا بھی مفید سا کھ حاصل کرنا ضروری ہے ۵۲ ریل ویل تھریڈ ویز ۵۵ اکاؤنٹ انورس مٹھان زراعت کا مقصد یہ نہیں کہ زیادہ مفصل حاصل کی جائے بلکہ اس سے زیادہ مال نفع مقصود ہے۔ اب تو اس تعلق کا گہرا اور وسیع علم حاصل کرنا ضروری ہے جو زراعت اور قیمتوں کے مابین موجود ہے۔ انہیں جو زمین کو اس کے بھی خواہوں کی اسیدوں کا مرکز بنی جاتی ہے ۵

کو متحد و مجتمع نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُسے کم از کم تنظیم ہی کرنا چاہیے  
یعنی اگر سرمایہ مجتمع نہیں ہو سکتا۔ تو وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ متحد  
ہو جائے۔ اور زرعی سوالات و امداد باہمی کا نشا یہی ہے۔ اور عدالت  
کی کامیابی کیلئے امداد باہمی ضروری چیز ہے۔ دنیا بھر میں ہر جگہ ارباب فکر  
اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہو۔ اور جن لوگوں کو اس تحریک سے تعلق  
ہے۔ ان پر اس حقیقت کی اہمیت واضح کی جاتی ہے۔ اب کسان  
یہ سوال نہیں کر سکتے۔ کہ آیا ہمیں امداد باہمی پر عمل کرنا چاہیے۔ یا نہیں بلکہ  
وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمیں امداد باہمی پر کب سے عمل شروع کر دینا چاہیے۔  
ہندوستان کیلئے یہ حقیقت بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ سر جان مسٹر جی آج  
سے بہت عرصہ پہلے یعنی ۱۸۵۷ء میں کہ چکے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ اور  
آئندہ خوشحالی اور ہندوستان میں ہماری حکومت کی خوشحالی کا دار و مدار اس ملک کے بیج  
فدائے پر ہے۔ جو عملی حیثیت سے غیر محدود لیکن اکثر و بیشتر محروم انتہات ہیں۔ اگر ہم ان محروم  
دو مسائل سے فائدہ حاصل کرنا چاہیں۔ جو سائنس اور دولت کے طفیل ہمیں میسر ہیں۔ اور جن  
سے ملک کی اصلاح اور ترقی کی جاسکتی ہے۔ اور اگر ہم ان اصولوں کو نظر انداز کر دیں  
جو ہندوستان کے واحد فدیہ دولت یعنی زراعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ تو ہم باہمی  
یہ پیشگوئی کر سکتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے زرعی خوشحالی نہایت سرعت کے ساتھ  
ترقی کرے گی۔

یہ فخرانیسویں صدی کی برطانی حکومت کو حاصل ہے۔ کہ اس نے یہ اصول  
تسلیم کر لیا ہے۔ کہ زراعت کو ترقی دینا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا حکومت  
کے فرائض میں داخل ہے۔ ان سے ساتھ ہی یہ بھی زمین کی اصلاح اور زراعت  
کی ترقی کے لئے زمیندار کے اکثر فرائض اپنے ذمہ لے لئے اور اب اُسے  
قطعی طور پر یہ امر تسلیم کر لیا ہے۔ کہ دیہاتی آبادی کی فلاح و بہبود کے لئے  
امداد باہمی کے جذبہ کو ترقی دینا چاہیے۔ امداد باہمی کے اصولوں کی شرح کرنا چاہیے۔



طلد و عرض میں زراعت کو اقتصادی اصولوں پر چلانا چاہئے۔

اوپر ہم جو چھ بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جائیگا۔ کہ اگر کوئی ملک جسکا انحصار زراعت پر ہو۔ خوشحالی کو زرتی دینا چاہئے۔ تو امداد باہمی کے اصولوں پر اس کی تنظیم ضروری ہے۔ یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جب کبھی کسانوں نے امداد باہمی کے سوا دوسرے اصولوں پر متحد ہونے کی کوشش کی ہے۔ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اگر امداد باہمی کی تحریک کو فروغ ہوا۔ تو اکثر لوگ جو اب ایسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن کا انجام دینا انجمن ہائے امداد باہمی کا دوسرا ہے۔ بیکار ہو جائینگے۔ اس طرح کسانوں کی دولت میں اضافہ تو ضرور ہوگا لیکن ساتھ ہی اکثر اشخاص کے احساس میں بھی اضافہ ہو جائے گا یہ دلیل تھوڑی سی توجہ کی مستحق ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ابتدا میں ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ ہمارا مقصد صوبہ کی خوشحالی کو زرتی دینا اور لوگوں کی اقتصادی سکود و بہبود ہے۔ اور عوام کی ملوی اور معاشرتی اور اخلاقی فلاح کیلئے امداد باہمی کو ضروری تسلیم کیا جا چکا ہے۔ ان بنیادی امور کو یاد رکھنا ضروری ہے، کیونکہ بعض اوقات ہمیں ایسا معلوم ہوگا کہ حقیقت اجناس پیدا کرنے والی جماعت کا دولت مند اقلیت کے پاؤں تلے آکر کچلا جانا مقصود اصلی ہے۔ ملک کی آبادی کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو پیدائش اجناس و اشیاء میں مصروف ہے۔ دوسری وہ جو اجناس پیدا نہیں کرتی۔ آخر انڈیا میں بعض کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتے۔ اس لئے وہ تو خارج از بحث ہیں۔ وہ اگر معدوم ہو جائیں۔ تو اس سے ملک کو اقتصادی فائدہ ضرور پہنچے گا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس سے ملک کے حسن ظاہری ہیں

۱۔ ملاحظہ ہو فرس ص ۱۱۱۔ امداد باہمی پر اس لئے زور نہیں دیا جاتا۔ کہ یہ اقتصادی تنظیم کی ایک خاص صورت ہے۔ جسکا اثر اور فائدہ اس کی مخصوص وضع اور حیثیت کا تابع ہے جو خاص حالات کے لئے مندرجہ واقع ہوئی ہے۔ یہ دیہات کے قلم تائیں کا علاج ہے۔ غنائم کی کس دولت کے اعتبار سے یورپ کے تمام ممالک پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہاں زرعی امداد باہمی کا نظام بہت اچھا ہے۔

اضافہ نہیں ہوگا۔ باقی جو مفید خدمات انجام دیتے ہیں۔ انہیں بھی وجوہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جنہیں اپنی خدمات کا معاوضہ مناسب مل جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ جن کا معاوضہ انکی اقتصادی قدر و قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔

پہلے گروہ کو تو امداد باہمی کی تحریک سے خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ آخر کار گروہ زراعت کیلئے ایک کالوس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور امداد باہمی کی تحریک اس کالوس کو دور کرنا چاہتی ہے۔ یہی لوگ ملک کی پستی کا باعث ہیں۔ اور ملک کا افلاس انہیں لوگوں کی کثرت اور اثرات کا تابع ہے۔ اور تو اور انگلستان میں غلہ کے تاجروں اور دلالوں کی تعداد زریعیہ کے تناسب کے اعتبار سے زیادہ ہے۔ اور ہندوستان کی تو یہ کیفیت یہ ہے۔ کہ اگر ایک مصلح کی زریعی پیداوار سے صرف کس قدر کی ضروریات پوری کرنا مقصود ہو۔ تو اس صورت میں ہی یہ ضروریات پوری ہو سکتی ہیں کہ انکی تعداد اتنی ہی رہے جتنی اب ہے۔ اگر ان کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ تو ضروریات پوری کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ زراعت کی اصلاح کی جائے تاکہ پیداوار میں بھی اضافہ ہو لیکن زراعت پیشہ لوگوں سے ماہوکار بہت سا روپیہ وصول کر لیتے ہیں۔ اس میں سے اکثر روپیہ ایسا ہوتا ہے۔ جو مصارف زراعت پر صرف نہیں کیا جاتا۔ اگر احتیاط سے اندازہ لگایا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اگر کسان حکومت کو ایک روپیہ مالگداری ادا کرتا ہے۔ تو ایک روپیہ مقدمہ بلڈی میں صرف کرتا ہے۔ اور کم از کم دو روپیہ ماہوکار کو سود کے طور پر ادا کرتا ہے۔ مگر کسی شخص کو اسکے اہم اثرات میں شبہ ہو، تو اسے یہ اندازہ لگانا چاہئے۔ کہ اگر یہ سارا روپیہ زمین کی اصلاح و ترقی پر صرف کر دیا جائے۔ تو اس سے کتنے

۱۔ اگر پھر آدمی وار منصفہ مال مسئلہ۔ ۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۱۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۱۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۱۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۱۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۱۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۲۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۲۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۲۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۲۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۲۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۲۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۲۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۲۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۲۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۲۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۳۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۳۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۳۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۳۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۳۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۳۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۴۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۴۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۴۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۴۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۴۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۴۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۵۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۵۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۵۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۵۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۵۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۵۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۶۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۶۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۶۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۶۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۶۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۶۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۷۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۷۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۷۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۷۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۷۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۷۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۸۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۸۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۸۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۸۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۸۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۸۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۹۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۱۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۹۲۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۳۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۹۴۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۵۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۹۶۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۷۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۹۸۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔  
۹۹۔ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔ ۱۰۰۔ مگر زمین کی پورٹ بابت مسئلہ ملاحظہ ہوئے مسئلہ۔

فائدہ ہو سکتا ہے۔ جو شخص اس طرح روپیہ ضائع کرتا ہے۔ وہ یقیناً موجودہ سلسلہ کا باعث بنتا ہے۔  
 چونکہ اس سلسلہ میں قوم کی جو خدمات کی گئی ہیں۔ وہ اہم اور ضروری ہیں۔ اس لئے ہمیشہ ان کی  
 ضرورت رہے گی۔ لیکن خدمت کرنیوالے بہت زیادہ معاوضہ لیتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔  
 کہ ابھی خدمت ایک ایسے نظام کے تابع ہو۔ جس کا مقصد قوم کی اقتصادی سر بلندی اور فلاح و بہبود ہے  
 ہمارے مشاہدہ میں کہ جن لوگوں کی خدمت قوم کے لئے نزدیک قیمت اور بہت رکھتی ہے۔ انہیں علیحدہ  
 کر دیا جائے، بلکہ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ وہ اپنی خدمات کے لئے جو حد سے بڑا ہوا معاوضہ لیتے ہیں  
 اس میں کسی قدر قطع و برید کروئی جائے۔ یہ بچٹ اور دوکاندار رہیں گے تو ضرور۔ لیکن ان میں نقصان  
 پہنچانے کی وہ طاقت نہ رہے گی۔ جو آجکل موجود ہے۔

اس بات میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر زراعت کو ایک ایسا پیشہ بنا مقصود ہے  
 جس میں اہل انش و ہوش اور سرمایہ دار دو تو اپنے لئے کٹش محسوس کریں۔ اگر زراعت کو خوشحالی  
 کے بلند سے بلند مقام پر پہنچانا ہے۔ تو یہ امر ضروری ہے۔ کہ جو لوگ اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو  
 اپنی محنت کا زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل ہو۔ زراعت کے طریقوں کو ترقی دینے، زمین کی  
 اصلاح کرنے اور کسی خاص فصل کی کاشت کو مقبول عام بنانے کے لئے یہ سب ضروری ہے کہ کسان  
 کو زیادہ نفع حاصل ہو۔ جب یہ اعتراض کیا جائے۔ کہ امداد و باہمی کو زیادہ وسعت حاصل ہوئی، تو دوکانداروں  
 اور دلالوں میں بیروزگاری پھیل جائیگی۔ تو اس کا یہ جواب دینا چاہئے کہ اہل بات تو یہ ہے کہ جس  
 شخص کو بیروزگاری کے پھندے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ آیا وہ جماعت کی کوئی ضروری  
 خدمت انجام دے رہا ہے یا نہیں۔ اگر وہ واقعی کوئی خدمت انجام دے رہا ہے۔ تو اسے اپنے سامان

لے دیکھے۔ ان کے لئے انجمنوں اور دوکانداروں کی جماعت جوادی ان نظریں میں مدد معلوم ہوتی ہے۔ کچھ نہ کچھ کام بھی کرتی ہے۔ اگر وہ ہمیں  
 ہر حال میں ملے۔ تو اس کام کرنے کیلئے اتنی ہی تعداد میں دوسرے لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ تو اغلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ دیہات کی  
 چھوٹی چھوٹی شخصیتیں انہیں دوکانداروں کی دست برد کے باعث زیادہ پیر ہیں۔ جہاں اپنی ضروریات کیلئے تو کافی کمالات ہیں۔  
 لیکن ان کی کمائی اتنی نہیں ہوتی۔ کہ دوکانداروں کی ضروریات کیلئے بھی کافی ہو سکے۔ جہاں ہے کی نسبت بیگاری کی زندگی  
 بسر کرتے ہیں۔ اور بہت سی بھی نفع حاصل کر لیتے ہیں۔ اور کپڑے سے بھی۔

میشست کے چمن جانیگا اندیشہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اُسے اتنا نقصان ضرور ہوگا۔ کہ اس کی آمدنی میں کمی واقع ہو جائیگی۔ اور اسے نقد معاوضہ ملے گا۔ جس قدر اس کی اقتصادی خدمات کی حقیقی قیمت ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتا۔ تو وہ حکومت کے منفعیت کا سبب ہے۔ اور اس کے معدوم ہو جانے سے خوشحالی کو ترقی ہوگی۔ اور خوشحالی کی ترقی ہر شخص کی آواز ہے۔

اس امر سے مخالفت ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ مزدوروں کی مانگ کم ہو گئی، تو بیروزگاری کا مسئلہ پیش ہو جائیگا۔ زراعت کی ترقی کی وجہ سے اسکی امداد چھینٹوں کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔ آمدنی میں اضافہ ہو جائیگا۔ تو مصارف بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ معیار زندگی بلند ہو جائیگا۔ یا بہت کفالت شعاری سے کام لیا جائیگا۔ اور مزید مہمات انجام دینے کے لئے سرمایہ فراہم ہو جائیگا۔ ان حالات میں یقیناً تجارت کو ترقی ہوگی۔ اجناس کے درجہ حال اور تقسیم کیلئے زیادہ کارکنوں کی ضرورت پڑیگی۔ معیار زندگی کے بلند ہو جانے کی وجہ سے نئی ضرورتیں پیدا ہوں گی۔ جب روپیہ زیادہ مقدار میں صرف کیا جائے، تو بیروزگاری کا بہت کم امکان ہے۔

جن لوگوں نے اقتصادیات کا مطالعہ کیا ہے۔ انکا عقیدہ ہے۔ کہ اگر کوئی اقتصادی مشکل پیش آئے، تو یقیناً اسکی تہ میں اقتصادی اسباب شمول ہو گئے۔ اور اغلب ہے۔ کہ اس کا اقتصادی طور پر دوا بھی ہو سکے۔ قریب قریب ہندوستان میں عام طور پر موجود حالات کی اہلکاروں سے مایوسی ظاہر کی جاتی ہے۔ مختلف اہل قلم جو خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ انکا مفہوم یا تو یہ ہوتا ہے۔ کہ موجودہ اسسٹم حکومت کی بد عنوانیوں کا شرمندہ احسان ہے۔ یا یہ کہ اس اسسٹم کو کسی طرح دور نہیں کیا جاسکتا۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں جو پنجاب کے حالات پر بڑی محنت سے منطبق نہیں ہو سکتے۔ یورپ کے بعض ممالک کو جو تمدن و تہذیب میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ جانے دیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ یورپ کے اکثر ممالک ایسے ہیں، جنکا مقابلہ اگر پنجاب سے کیا جائے، تو ہمیں مایوسی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ پنجاب کی ترقی اور اصلاح بہت وسیلے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہاں کے حالات محنت کیلئے بہت سازگار واقع ہوئے ہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں کی کامیابی اور ناکامی کے تجربات سے اس ملک کو بہت فائدہ اٹھانا چاہئے، اور اس راہ پر چلنے کے تجربات سے معین کر دی ہے۔ نہایت تیزی سے بڑھتے چلا جانا چاہئے۔ مثلاً یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ جس میں زراعت ترقی کر رہی ہو۔ وہاں حکومت بھی اسے فروغ دینے اور امداد دینے کی بجائے کیلئے روپیہ اور محنت صرف کرے گی۔ لیکن جس ملک میں زراعت رو بہ زوال ہو۔ وہاں حکومت زراعت کی ترقی کی نئی راہ کھانے کا کام

لوگوں پر چھڑا دیتی ہے۔ اور امداد باہمی کے اصولوں پر کسانوں کی تنظیم کے مسئلہ کو نظر انداز کر دیتی ہے مختلف ملکوں کی زرعی حالت کا مطالعہ کئے بغیر اس قسم کا کوئی کلیہ قائم نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر کوئی شخص اس کی محنت پر اعتراض کرے تو اس سے کسی ایسے ملک کا نام پوچھنا چاہئے۔ جہاں اس خیال کی تائید نہیں ہوتی اب تو اس قسم کے شواہد بکثرت دستیاب ہو چکے ہیں۔ کہ زراعت کو ترقی دینے کے لئے بیرونی محرکات کی ضرورت ہے۔ اگر زراعت کو شہر کی صنعتوں کا مقابلہ کرنا ہے تو امداد باہمی کے اصولوں پر اس کی تنظیم کرنا چاہئے۔ ایک زرعی ملک میں امداد باہمی ایک رشتہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں تمام جماعت مل کر رہے ہیں جب اسے پنجاب پر منطبق کیا جائے۔ تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر زمانہ گذشتہ میں اس صوبہ کے اندر ایسے لوگوں کی تعداد کثیر تھی۔ جنہیں آرام و آسائش کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ تو اس کی وجہ بہت حد تک یہ تھی۔ کہ ان کی تنظیم ان اصولوں پر نہیں کی گئی۔ جن سے دولتیں اضافہ ہو سکتی ہیں۔ چند سالوں کے عرصہ میں تقریباً فیصدی کسانوں نے زمینداروں بن کر ان میں ایک کروڑ سے زیادہ روپیہ جمع کر دیا ہے۔ اگر ملک کسان اس امر پر آمادہ ہو جائیں۔ کہ منظم ہو کر کفایت شعاری اختیار کریں۔ اور امداد باہمی سے جو قدر نفع حاصل ہو سکے حاصل کریں تو امید ہے۔ کہ ایک پشت تک کسانوں کے اقتصادی حالات میں انقلاب رونما ہو گا۔ امداد باہمی پنجاب میں وہی مہجرے دکھا سکتی ہے۔ جو اُس نے ڈنمارک میں دکھائے ہیں +



# پندرہواں باب

## پنجاب کی مفلسی کے اقتصادی اسباب

اس ملک میں افلاس کے متعلق جو غلط خیالات اور غلط اندیشے پھیلے ہوئے ہیں۔ ویسے غلط اندیشے کسی دوسرے مسئلہ کے متعلق نہیں ہونگے سمجھیں نہیں آتا۔ کہ یہ امر کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اس ملک کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے اور اس طریقہ کو کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے امر کے متعلق جو عام خیالات رائج ہیں۔ ان کی تردید کا کافی سالہ موجود ہے۔ لیکن اس سے کوئی ایسا شخص ہی کام لے سکتا ہے جو اقتصادیات میں بصیرت رکھتا ہو۔ اور لوگوں کے ذہن کو سیاسی اور مذہبی تعصب سے نجات دینے کا پختہ اقرار کر لے۔ اس سلسلے میں اس قدر غلط خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں کہ غلط فہمی کے سرچشمہ کا پتہ لگانا آسان نہیں بعض خیالات تو صریح طور پر یہودہ ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے۔ جہاں مالگڈلری وصول کی جاتی ہے۔ کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ

لے سلیم دیشویر رائے کی کتاب ری کنسٹرکٹنگ انڈیا اور ہندوستان کی تعمیر جدید ۱۹۳۳ء و ۱۹۳۹ء ہندوستان میں عام طور پر زندگی کے متعلق اس قسم کا بالواسطہ زاویہ نگاہ قائم کر لیا گیا ہے۔ کہ کوئی انفرادی یا اجتماعی ترقی نہیں ہو سکتی یہ عقیدہ عام ہے۔ کہ زندگی تو ایک ارتقائی منزل ہے جس پر روح ایک دنیا سے دوسری دنیا تک جاکے ٹھہر جاتی ہے۔ یہ خیال جوش و سرگرمی کو افسردہ کر دیتا ہے۔ خوشیاں مٹ جاتی ہیں۔ اور تقدیر پرستی کو رواج ہوتا ہے۔ پھر کچھ شکر کہ کلمہ کار رواج باعث مصیبت ہے۔ لوگ اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ہم اتنے مہنگے آدمیوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ ہندوستان ہی تو یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بارگراں ہے۔ اور یورپ کے لوگ امید سے لبریز ہیں۔ اور جدید سرگرمی سے کام لیتے ہیں۔

سٹے پنجاب لیجیسلٹو کونسل کے ایک ممبر کا بیان۔

لیجئے۔ اس خیال کی غلطی کا اندازہ ہو جائیگا۔ اسی طرح یہ خیال ظاہر کرنا کہ درعی پیداوار کی قیمت میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اس سے لگان لینے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ غلط ہے۔ جو لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اس امر کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کہ صوبہ کی نصف زمین ایسے مزاعین کے قبضے میں ہے۔ جو لگان جنس کی صورت میں (بٹائی) ادا کرتے ہیں۔ اس طرح لگان لینے والوں کو اضافہ قیمت پیداوار سے پورا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان منطقی مغالطوں پر غور کیا جائے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ ان میں سے اکثر اس لئے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ لوگ موجودہ صورت حال کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا چاہتے۔ اُنکے نزدیک اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری دوسروں پر عائد ہوتی ہے۔

ان بے بنیاد اندیشوں کا ازالہ کرتے وقت یہ اعتراف کر لینا چاہئے۔ کہ اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں۔ جس میں مختلف ملکوں کے دیہاتی حالات و معلومات کا خلاصہ موجود ہو۔ ایک محب وطن بچائی اگر اپنے اہل وطن کے سامنے دوسرے ملکوں کے حالات پیش کرنا چاہے تو اس سے یہاں کے حالات کا موازنہ کرنے کی خواہش کر لے۔ تو اسے بہت دشواریاں پیش آئیں گی یہاں کتابوں کا انتظام اچھا نہیں۔ اس صوبہ کے متعلق کوئی کتاب موجود نہیں۔ جس میں بعض حقائق جو سرکاری رپورٹوں میں پائے جاتے ہیں۔ جمع کر دیئے گئے ہوں۔ غیر سرکاری اشخاص شاذ ہی سرکاری رپورٹوں کو پڑھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے بعض ایسے عقاید اختیار کر لئے ہیں۔ جن کی تردید آسانی کی جا سکتی ہے۔ چونکہ سرکاری اعداد و شمار مختلف صورتوں میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ صوبہ کی مجموعی مالگنداری معلوم کرنا آسان نہیں۔ اور صحیح صحیح مزوہ رقبہ معلوم کر لینا تو ناممکن ہے۔ فصل کی مجموعی پیداوار کے متعلق بھی کسی کتاب میں اعداد و شمار موجود نہیں۔ سرکاری اعداد و شمار نہایت احتیاط سے جمع کئے جاتے ہیں۔ تاکہ حکومت پر کسی ایسی غلطی کے ارتکاب کا الزام نہ لگایا جائے۔ جس سے مالکان اراضی کے مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ عام طور پر مالگنداری کے متعلق نہایت غلط خیالات رائج ہیں۔ بندوبست کی رپورٹوں میں اس قسم کا کافی مبالغہ موجود ہے۔



جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت نے مالکانِ اراضی سے مزید مطالبات کرنے میں کتنی احتیاط سے کام لیا ہے تاہم اس کے متعلق جو خیالات رائج ہیں وہ بالکل بے ربط اور بے بنیاد ہیں ہم اس کتاب میں ایک مقام ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ حکومت جو مالگذاری یقینی ہے۔ وہ ختم پیداوار کا فیصدی ہے۔ جاپان میں مالگذاری کا تناسب ۷۱ فیصدی ہے۔ ترکی میں پہلے ۱۲ فی صدی ہوا کرتی تھی۔ لیکن جنگ کے دوران میں پہلے ۲۵ پھر ۳۳ اور آخر کار ۵۰ فی صدی تک پہنچ گئی۔ یہ مالگذاری سرکاری عہدیداروں کی سالانہ رپورٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ اور سرکاری عہدیداروں کے لئے بعض خاص اغراض کے ماتحت جبکہ وہ کریاں ضروری نہیں لیا تخمینہ لگانا معمولی بات تھی۔ جن کی بدولت پیداوار میں حکومت کا حصہ نصف بلکہ نصف سے بھی زیادہ ہو۔ انگلستان میں مالگذاری کی سالانہ قیمت پر لیجاتی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی بہت زیادہ ہوتی ہے پھر مالگذاری اس طرح لگائی جاتی ہے۔ کہ پنجاب سے اس کا مقابلہ دشوار ہے۔ بلایت میں یہ طریقہ ہے۔ کہ زمین کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اور جب قدر قیمت مقرر ہو۔ اسے اس المال فرض کہہ کے اس پر ۴ فیصدی آمدنی شمار کی جاتی ہے پھر اس آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ اور اس ٹیکس کو مزارع اور مالکِ اراضی پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہسپانیہ میں بھی زمین پر محصول لگایا جاتا ہے۔ لیکن اس محصول کا طریقہ ایسا ناقص ہے۔ کہ اکثر مالکانِ ارضی کو بیچ سکتے ہیں۔ اور باقیوں کو اپنے متناسب حصہ سے زیادہ مالگذاری ادا کرنا پڑتی ہے۔ صرف ایک صوبہ میں یہ تخمینہ لگایا گیا ہے۔ کہ دس لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین پر محصول نہیں لگایا گیا۔ بلجیم میں جائیداد پر محصول لگایا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی چونگی بھی محصول کی جاتی ہے۔ یونان میں اراضی کی آمدنی پر محصول لگایا جاتا ہے۔ بلغاریہ میں زمین پر محصول لگانے کا رواج ہے۔ اور رومانیہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ فقہ مختصر زمین یا جائیداد کا ٹیکس ہر ملک میں سکھایا مالگذاری کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن ایک ملک کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں پنجاب کی نسبت زیادہ احتیاط سے مالگذاری مقرر کی گئی ہو۔

ایک اور غلط خیال جو افلاس کی بحث کے سلسلے میں عام طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ یورپ متمول ہے اور ہندوستان غریب، صنعتی کمیشن کی رپورٹ کے سلسلے میں ایک نوٹ لکھا گیا تھا۔ جمیں یورپ اور ہندوستان کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔ کہ ہندوستان کے لوگ صنعت و حرفت کے معاملات میں یورپ والوں جیسی قابلیت نہیں رکھتے۔ نوٹ لکھنے والے کے نزدیک یورپ ایک صنعتی سر زمین ہے۔



اور ہندوستان زرعی ملک یہی وجہ ہے۔ کہ یورپ مسمولی ہے۔ اور ہندوستان مغلّس۔ آب و فوار کی بجائے۔  
 تو معلوم ہو گا۔ کہ یورپ میں صنعتی کارخانے بعض خاص علاقوں تک محدود ہیں۔ مطلقاً مخصوص ایسے علاقوں میں  
 کارخانے پائے جاتے ہیں۔ جہاں کسی خاص صنعت کو ترقی دینے میں خاص آسانیاں میسر ہوں۔ شمالی مغربی  
 یورپ کو صنعتی ملک کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انگلستان اور اس سے بھی زیادہ سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے بعض حصے  
 ایسے ہیں۔ جہاں کارخانوں کا وجود نہیں لیکن وہاں کے لوگ خوشحال ہیں۔ اور اگر انہیں نسبت اور در ماندہ  
 کہا جائے۔ تو اس پر اظہارِ ناراضگی کریں گے۔ جنوبی یورپ اور یورپی روس زرعی ممالک ہیں۔ کیونکہ وہاں کوئلہ  
 نہیں پایا جاتا۔ جس سے دفاعی قوت حاصل کی جائے۔ اور صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے۔ کوئی صحیح اور مفید موافقہ  
 نہ کرنا تو دشوار ہے۔ لیکن ہسپانیہ کے متعلق اس بیان کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ زراعت کو قبضہ زمین کے طریقہ  
 سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ چیز عمدہ زراعت کی راہ میں بہت مانع ثابت ہوئی ہے۔ زمین کی کاشت  
 ایسے لوگوں پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جو بہت مغلّس ہیں۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا۔ کہ ساتھ ہی بے حد جاہل بھی  
 ہیں۔ ہسپانیہ کی زراعت بہت بُری حالت میں ہے۔ اور کثرتِ زرعی کے پرانے طریقے ابھی تک رائج  
 ہیں۔ جہاں آلات کثرتِ زرعی اچھے نہ ہوں۔ اور بہت محنت کر کے بہت کم پیداوار حاصل ہو۔ تو بغیر کسی  
 سہ کے کہ افلاس بھی زیادہ ہو۔ مزدور میلے کھیلے مکانوں میں بھر دئے گئے ہیں۔ انہیں بہت تھوڑا معاوضہ دیا  
 جاتا ہے۔ اور نئے درجہ کی روٹی ڈی جاتی ہے۔ جس میں سلاوا در سرکہ کے ساتھ۔ کسی قدر تیل اور بھری ملائی جاتی  
 ہے۔ اب یونان کی کیفیت سنئے۔ اس ملک کے اکثر حصوں میں زراعت کے جو طریقے اور آلات استعمال کئے جاتے  
 ہیں۔ وہ بہت پرانے ہیں۔ زمین میں سائنٹیفک اصولوں پر باری باری سے مختلف اجناس بوسے کا رواج نہیں  
 کھاد سے لوگ نادان ہیں۔ سسلی میں جو بکری کے ہل استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ اُن ہلوں سے چنداں  
 مختلف نہیں جو آج سے دو ہزار سال پیشتر استعمال کئے جاتے تھے۔ سرود میں زراعت کا طریقہ مختلف  
 مقامات میں مختلف ہے جو علاقے نسبتاً کم زرخیز ہیں۔ بہت بھدے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ دتیا  
 نویں جو بیل جو محض زمین کی سطح کو کرید سکتے ہیں۔ عام طور پر زراعت استعمال ہیں بعض دوسرے علاقوں میں حکومت  
 زراعت کی اصلاح و ترقی میں کوشش کر رہی ہے۔ اور یہ کوشش بار آور ہو رہی ہیں۔ لیکن نئے علاقوں  
 میں رشوت خوار عہدہ دار بیچارے کسان کا خون چوس لیتے ہیں۔ یا ہرن لوٹ لیتے ہیں۔ اس لئے کسان  
 کی جان و مال محفوظ نہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے۔ کہ یہاں جو زراعت کے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ پرانے

علاقے سے بھی زیادہ دقیانوسی ہیں۔ آلات کشادری بہت بھستے ہیں۔ کھاؤ شادری نادری استعمال میں لائی جاتی ہے۔ اور مختلف اجناس کو باری باری بونے کے فوائد کا علم لوگوں کو نہیں۔ یورپی ترکی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں عام طور پر زراعت کے طریقے نہایت فرسودہ ہیں۔ جنائی جس ہل سے کی جاتی ہے۔ وہ ایک ہاتھ سے چلایا جاتا ہے۔ اس قسم کا ہل کہیں اس زمانہ میں استعمال ہوتا تھا۔ جس کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔ زمین کی گہری جنائی نہیں ہوتی۔ کھاؤ کا استعمال صرف اتنی دیہات میں ہوتا ہے جہاں یورپ کے دوسرے علاقوں سے لوگ اکڑا دہو گئے ہیں فصل بونے اور کاٹنے کا کام ہاتھ سے کیا جاتا ہے۔ گھاس سے دانہ کھلے مبدل نہیں علیحدہ کیا جاتا ہے دانہ سے کوٹا کر کٹ علیحدہ کرنے کا کام ہوسے کیا جاتا ہے۔ دانہ سے کرکل شادری نادری علیحدہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ جب اسے بویا جاتا ہے۔ اس وقت بھی مین لیا نہیں جاتا۔ فصل پر اس کا نہایت افسوسناک اثر ہوتا ہے بلخاری میں دقیانوسی چوبی ہل ابھی تک استعمال کیا جاتا ہے مختلف اجناس کو باری باری بونے کے متعلق لوگوں کو کچھ علم نہیں۔ مصنوعی کھاؤ شادری استعمال کی جاتی ہیں قصہ مختصر کہ جنوبی یورپ میں بھی پنجاب کی طرح زراعت نے پرانے زمانہ کی نسبت چنداں زیادہ ترقی نہیں کی۔ اگر کہیں کسی قدر اس سلسلہ میں ترقی ہوئی ہے تو اسوجہ سے حکومت نے لوگوں میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ امداد باہمی کی انجمن نہیں قائم کرنے میں انکا حوصلہ بڑھایا۔ ٹالچ قائم کئے۔ ایسے فارم قائم کئے جہاں زرعی طریقوں کا تجربہ ہوتا ہے۔ اسلئے یہ صوبہ یورپ سے پیچھے نہیں۔ بلکہ کم از کم جنوبی یورپ جتنی ترقی ضرور کر رہا ہے۔ اور یورپ کے اکثر بڑے بڑے حصوں سے اس معاملہ میں آگے بڑھا ہوا ہے۔ جو لوگ اس ملک کے سیاسی حالات کو افلاس کی علت قرار دینا چاہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ وہی ملک افلاس زدہ ہیں۔ جن کی حکومت وہیں کے باشندوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم نے جن ملکوں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ انہیں آبادی کی اکثریت زراعت کی دست نگر ہے۔ اور دولت کا عام معیار بہت پست ہے۔ اب شمال مغربی یورپ کو نیچے۔ ہاں اگرچہ صنعت و حرفت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ تاہم وہاں بھی شدید افلاس موجود ہے۔ عام طور پر صنعتی ممالک کی نسبت زرعی ممالک میں دولت کی تقسیم زیادہ مساویانہ ہوتی ہے۔ زراعت میں نوچند سالوں کے بعد نفع کا حصول صنعت و حرفت کی نسبت زیادہ یقینی ہے صنعتی ملکوں میں باکامی کے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس دور میں جو لوگ ناکام ہو جاتے ہیں۔ یا تو وہ افلاس و دولت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور یا ان کی بدولت بے روزگاروں یا ناقابل حصول سحاش لوگوں کا وہ کردہ عالم وجود میں آ جاتا ہے۔ جنکی بدولت دنیا کے مدبرین کے سامنے ایک نہایت دشوار مسئلہ پیش ہے۔

یہ تو شاید صحیح ہو کہ ایک صنعتی ملک میں ایک زرعی ملک کی نسبت آمدنی کا اوسط زیادہ ہوتا ہے۔ یا ایک کباہ خانے مزدوروں کھیتوں میں کام کرنے والوں کی نسبت زیادہ روپیہ کاتے ہیں۔ لیکن یہ چیز بذات خود چند اہمیت نہیں رکھتی۔ ہمارے طور پر صنعتوں کی تنظیم زیادہ اچھے طریقہ پر کی جاتی ہے۔ فی کارکن کے حساب زیادہ سرمایہ لگایا جاتا ہے صنعت و حرفت کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے زیادہ قابل اور عقلمند لوگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور اس میں مالی اعتبار سے زیادہ سہولتیں میسر ہیں۔ صرف ڈھارک سے اس امر کی مثال فراہم ہوتی ہے کہ زراعت کس حد تک یہ چیزیں حاصل کر سکتی ہے۔ اور اگر اس ملک کو آرام و سکون کا وہ معیار حاصل ہو جائے۔ جو ڈھارک کو حاصل ہے تو پڑے سے بڑا محب وطن بھی اس سے مطمئن ہو جائیگا۔ انگلستان یا ریاستہائے متحدہ امریکہ جیسے ملکوں میں دولت کا اکثر حصہ چالیس پچاس ہزار اشخاص یا چند مجاہدوں کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ زراعت اس قدر کثیر دولت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسے ممالک میں جہاں زراعت کو غلبہ حاصل ہے۔ بہت زیادہ متمول لوگ زیادہ تعداد میں نہیں ہوتے۔ امور متذکرہ بالا سے شاید یہ خیال کیا جائے کہ آجکل صنعت و حرفت کو فروغ دینے کا جو عام مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہ قابل افسوس ہے لیکن یہ امر حقیقت سے بہت دور ہے۔ صنعت و حرفت کی بدولت مقامی زرعی پیداوار کی فروخت یقینی ہو جاتی ہے۔ اور ابھر ایسی اجناس بھی کاشت کی جاسکتی ہیں جو موجودہ زرعی پیداوار کی نسبت زیادہ منفعت بخش ہیں۔ یا کسان کو موجودہ زرعی پیداوار کی زیادہ قیمت مل سکتی ہے۔ اگر پنجاب کے کسان گہوں کی وہ قیمت حاصل کر سکیں جو انگلستان کے کارخانہ میں کام کرنے والے ادا کرتے ہیں۔ تو وہ زیادہ خوشحال ہو جائیں گے۔ اور پھر نہیں یہ بھی امید بندھ جائیگی کہ اگر اس ملک میں صنعت و حرفت کو فروغ دیا گیا۔ تو وہ اس نوع کے بعض فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

صنعت و حرفت کی کامیابی کی وجہ سے زندگی کا معیار بلند ہو جائیگا۔ ایسی اشیاء خوردنی استعمال میں لائی جائیں گی جن کا استعمال آجکل محض عیش خیال کیا جاتا ہے۔ کسان آجکل گہوں کی پیداوار میں جس قدر سرمایہ اور دانشمندی صرف کرتا ہے۔ اُسے اس سے زیادہ دانش اور سرمایہ صرف کرنا پڑیگا۔ اور اس طرح

سے بہتر اور حقائق مختلف پینڈکون سے آؤد ہیں۔ ۱۰ دیکھئے اردن کتاب آری کو ان آسٹریڈ ۱۱ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ زراعت کا مقابلہ درجہ فزوں سے کیا جائے۔ تو ہمیں روپیہ لگائے گا چنداں قابل المینان سامان نظر نہیں آتا۔ لیکن ایسی زمینوں اور غاروں کی تعداد موجود ہے جس کے انتظام و نظام کے نتائج مقابلہ شاندار ہیں اس امر کا مقابلہ تو اکثر کیا جاتا ہے کہ کسی ملک میں زراعت اور دوسری صنعتوں کے اندر کتنا شغلا ہے لیکن اس امر پر غور و خوض نہیں کیا گیا کہ جن امدادوں پر زراعت اور صنعت و حرفت کی تنظیم کی گئی ہے وہ کس قدر مختلف نتائج دیتی ہیں۔ ۱۲ انگلستان میں صرف ۱۰ ہزار اشخاص کی آمدنی ڈھائی ہزار پونڈ سالانہ سے زیادہ ہے۔ راسٹائے متحدہ امریکہ میں قبضہ دار اشخاص کے قبضہ میں صرف ۱۰ فیصدی دولت ہے۔ اور ۱۰ فیصدی باشندے اسے اپنے ہاتھ قبضہ میں دولت ۱۰ فیصدی ۱۰ فیصدی انی دولت

وہ زیادہ فسخ حاصل کر لیا۔ مثلاً دودھ جیسی اشیاء کی فراہمی تمام تر اس کے قبضہ میں ہوگی۔ اور وہ کسی چیز کی فراہمی انعام پر قبضہ رکھنے والوں کو جس قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان سے وہ بھی پوری طرح بہرہ یاب ہوگا۔ دوسری اشیاء پر جنہیں دور دراز مقامات تک بھیجنا دشوار ہے۔ ان سے فردری طود پر قبضہ حاصل ہوگا۔ یا کم از کم اسے یہ خطرہ نہیں رہے گا۔ کہ کوئی دوسرا بھی اس میدان میں اسکا حریف ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح وہ زیادہ قیمت حاصل کر سکیگا۔

اس سلسلہ میں ایک عام غلط اندیشہ جس پر بحث کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ صنعت و حرفت قحط کو روک دیگی۔ اور قحط صنعت و حرفت کی عدم موجودگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب کسی قدرتی واقعہ مثلاً بارش کے نہ ہونے کے باعث اشیائے خوردنی ناپید ہوتی ہے۔ تو اسے قحط کہتے تھے۔ آج کل جب عوام یا عوام کا ایک گروہ اشیائے خوردنی جو بازار میں فروخت ہوتی ہیں۔ خرید نہیں سکتا۔ تو اسے قحط کہتے ہیں۔ جن دنوں وسائل حمل و نقل ناقص اور رسل و رسائل کے ذرائع نہایت ابتدائی حالت میں تھے۔ یہ ممکن تھا۔ کہ ایک علاقہ میں غلہ کی قلت رُخا ہو جائے۔ اور دوسرے علاقہ کے پاس اپنی فردریات سے زیادہ غلہ موجود ہو۔ جن مقامات میں اشیائے خوردنی کی آبادی تجارت نہیں ہوتی تھی۔ وہاں شاید ذرا دیر ہی یہ کوشش کی جاتی تھی۔ کہ مقامی صرف سے زیادہ اجناس پیدا کی جائیں۔ تھوڑا سا زائد از ضرورت غلہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ تو غلہ کی فروخت بالکل رک جاتی تھی۔ ان حالات میں اگر ایسے لوگوں کی کثرت ہو جاتی۔ جن کا شغل محض صنعت و حرفت ہوتا۔ تو حالات زیادہ تشویشناک ہو جاتے۔ اس حقیقت کی بنا پر باسانی یہ فرض کیا جاسکتا ہے۔ کہ رسائل حمل و نقل اور ذرائع رسل و رسائل کی اصلاح و ترقی سے پیشتر زیادہ صنعتیں عالم وجود میں نہیں آسکتی تھیں اور رسائل بحرا و قابل جہاز رانی و دریاؤں کے قرب و جوار کے سوا کسی دوسری جگہ بڑی بڑی صنعتوں کا قیام ناممکن ہے۔

۱۔ کیشن کے جن ممبر نے اختتامی نوٹ لکھا تھا۔ اسے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اگر رُخوں نے ہندوستانی غنوں کو تباہ کیا۔ اس نے قحط کے بار بار رونہ ہونے کے حقیقی باعث انگریز ہیں۔ اس کی دی مثال ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص سی مرتبہ ایک علاقہ میں گیا۔ جہاں کوئی ٹانگا خاص کسی نہیں گیا تھا۔ اس علاقہ میں سانپ تھے۔ لیکن اس کے سنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ کہ وہاں سانپ موجود تھے۔ اس نے قحط اس علاقہ میں دی تعلیم یافتہ شخص سانپ لایا۔ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں شدید قحط کے واقعات کا ذکر ہے۔ جسے معلوم ہوا ہے۔ کہ دیا بھارٹ کے شاہی پرہ میں ایک ایسے قحط کا ذکر ہے۔ جو بارہ سال تک رہا تھا۔ اور مشہور رشی و شرجی کی مادہ ردگی کی طاقت سے جو کہ کے تڑکتے کا گوشت کھا پڑا تھا۔

انگلستان جیسے ملک میں جس کا ہر حصہ ہمنمہ کے قرب میں واقع ہوا ہے۔ اور اس لئے وہاں باہر کی آئی ہوئی اشیاء خوردنی بھی باسانی پہنچ سکتی ہیں، صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے لوگ اتنا کافی روپیہ کما لیتے ہیں۔ کہ درآمد شدہ اجناس خرید سکیں۔ اور جب تک اشیائے خورد و نوش اس طرح باہر سے لائی جاسکتی ہیں صنعت و حرفت کا وجود قحط کے لئے مانع ہے۔ لیکن جب کبھی اشیائے خورد و نوش کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے جیسا کہ جنگ عظیم کے زمانہ ہوا تھا تو صنعتی آبادی حالات کو زیادہ تنویر لشناک بنا دیتی ہے۔ یورپ کے اندر ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۸ء میں جھوٹے چھوٹے قطعات زمین کی کاشت کی ایک تحریک پھیل گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اشیاء خورد و نوش کی مقدار میں اضافہ کیا جائے۔ اس تحریک سے اس دلیل کی منطقی غلطی واضح ہوتی ہے کہ صنعتیں قحط کو روک دیتی ہیں۔ جب خوراک کی قلت ہو گئی۔ اور باہر سے اس کا انا مالکین ہو گیا۔ تو غلہ پیدا کرنے والوں کی تعداد کا بڑھنا ضروری تھا۔ جو مٹی نے یہ حکمت عملی جان بوجھ کر اختیار کی تھی۔ کہ انگریز فائے کریں۔ اور اگرچہ انگلستان میں بڑی بڑی صنعتیں موجود تھیں۔ تاہم جو مٹی کو اس حکمت عملی میں کامیابی ہوئی۔

اب ہم پھر پنجاب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے صنعتی مرکز قائم کرنے کیلئے صوبہ کے اندر زائد از ضرورت غلہ کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ جس سے کارخانہ کے مزدوروں کا پیٹ پالا جائے۔ جو لوگ اجناس خوردنی کی درآمد پر اس بنا پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس ملک کے اکثر باشندوں کو خوراک نہیں ملتی۔ وہ اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ سال بھر میں تجارت برآمد کی غرض سے جو زائد از ضرورت غلہ پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ محفوظ جس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے قلت اجناس کے زمانہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ عام طور پر ہر سال پنجاب سے چھ لاکھ ٹن گہوں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اسلئے صوبہ کو قلت غلہ کا حقیقی خطرہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ صوبہ کی مجموعی زرعی پیداوار میں اس قدر غلہ یعنی چھ لاکھ ٹن کی کمی واقع ہو جائے۔ قلت کا اثر سب سے پہلے تجارت برآمد پر پڑے گا۔ اسلئے وسیع تجارت برآمد جو درحقیقت نام ہے صوبہ کی زائد از ضرورت پیداوار کا قحط کو روکنے کا بے خطا نسخہ ہے لیکن موہی اثرات کے باعث لوگوں کی آمدنی یکبارگی کم ہو جائے۔ تو صنعت و حرفت کی بدولت انہیں اسی قدر روپیہ مل جائیگا۔ جس سے وہ غلہ خرید سکیں۔ اس صوبہ میں جب کبھی بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار میں نمایاں کمی واقع ہو گئی۔ تو کثیر التعداد صنعتی آبادی وبال جان ثابت ہو گی۔ اس لئے زائد از ضرورت

پیداوار کو جسے باہر بھیجا جا سکے صنعت و حرفت کی ترقی کیلئے ضروری سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ صوبہ کا جغرافیائی محل وقوع ایسا ہے۔ کہ باہر کے ملکوں سے وسیع پیمانہ پر اجناس منگوانا دشوار ہے۔ یہ تو تصویر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کہ اسی صوبہ کے باشندے باہر کے آئے ہوئے غلہ پر بسر اوقات کر سکیں۔ اور اگر کبھی کسی ضرورت کے باعث پنجاب کے لوگ کسی دور و دراز مقام سے آئی ہوئی اجناس کے محتاج ہو جائیں۔ تو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ بیشتر لوگ ان اشیاء کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے ثابت ہوا۔ کہ صنعت کی ترقی سے پہلے زراعت کی ترقی ضروری ہے +

اگر متذکرہ بالا دلیل معلوم ہو۔ تو یہ اس واقعہ پر غور کرنا چاہئے۔ کہ جب تک امریکہ کے وسیع میدان جن میں گہیوں کی کاشت کے ذرائع دریافت نہیں ہوئے تھے۔ اور جب تک دھانی جہاز اور ریل گاڑیاں تیار نہیں ہوئی تھیں۔ یورپ نے بھی صنعت و حرفت میں تیزی سے ترقی نہیں کی تھی۔ جب تک مختلف ممالک کا انحصار اپنے ہاں کی پیداوار سے خوراک حاصل کرنے پر تھا۔ اور باہر سے غلہ لانے میں دشواریاں تھیں۔ آبادی میں اس سرعت سے ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔ جو صنعتی انقلاب کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ ایک خاص رقبہ سے جس قدر انسان خوراک حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کی تعداد کی ایک حد بھی ہوتی ہے۔ یہ بحث بے سود ہے۔ کہ وہ حد کیا ہے؟ اور کیا اس حد تک آبادی پہنچ چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر کسی ملک میں باہر سے اجناس خوردنی لائی جاسکیں۔ تو صنعت و حرفت کی ترقی کیوجہ سے یہ ممکن ہے۔ کہ اس ملک کی زندگی پیداوار پر جتنی آبادی زندگی بسر کر سکتی ہے۔ ان سے بہت زیادہ آبادی کیلئے خوراک فراہم ہو سکے۔ لیکن جب کوئی ملک فراہم شدہ خوراک کا محتاج ہو جاتا ہے۔ تو وہ محتاس ملک کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جہاں سے خوراک درآمد کی جاتی ہے۔ بلکہ وہ ان تمام ملکوں کا دست نگر ہوتا ہے۔ جو اس درآمد کو روکنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر پنجاب ایشیائی خوردنی کیلئے بیرونی ممالک کا دست نگر ہو گیا۔ تو اس کی حالت نازک ہو جائیگی +

۱۔ فرض کیجئے۔ کہ آبادی میں اضافہ ہو گیا۔ تو صنعت و حرفت لوگوں کے لئے ایک نیا سامان معیشت فراہم کر دے گی۔ لوگ اتنا کام نہیں کئے۔ کہ خوراک خرید سکیں۔ اگر دہلی غلہ میں قلت ہو جائے۔ تو اس کی وجہ سے لوگ خاتے میں گریں گے۔ لیکن یہ کہنا غلط ہے۔ کہ جب خوراک وصول نہ ہو سکے۔ جب بھی صنعت و حرفت کی وجہ سے خوراک وصول ہو جاتی اور کم دیاؤ پڑتا ہے۔ اگر کسی ملک کا دار و مدار ایسی اجناس پر ہے۔ تو صنعت و حرفت کی وجہ سے یہ دباؤ کم نہیں لے گا۔ بلکہ بڑھ جائے گا اس طرح فصل کے نہ ہونے کی وجہ سے زرد پڑتی۔ اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ جب تک تجارت برآمد کا دعوہ نہ ہوگا۔ درآمد بھی زائد نہیں ہوگا۔ اس سیدھی سادی حقیقت کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے +

اسوقت ہماری بحث کا دائرہ صرف اُن تمام منطقی مغالطوں تک محدود رہا ہے۔ جو پنجاب کے افلاس کے مسائل کو پوری طرح سمجھنے میں مانع ہو رہے ہیں۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ صوبہ یورپ کے اکثر ممالک سے زیادہ مفلس نہیں۔ اگر اسکی زراعت شمال مغربی یورپ کی زراعت سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں۔ تو جنوبی یورپ کی زراعت سے زیادہ پیچھے بھی نہیں۔ مزید برآں اسے داخلی اور خارجی امن کی برکت سے بہرہ یاب ہونیکا موقع حاصل ہے۔ یہاں اتنے زیادہ محصول بھی نہیں۔ جو بحیرہ روم کے ساحلی ممالک کے باشندوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اور اُن ممالک کی نسبت یہاں ریلوے کا انتظام بہتر ہے۔ اگر اسکی ٹرکس اسکی ضروریات کیلئے ناکافی ہیں۔ تو جن ملکوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اُن کے اکثر علاقوں میں ٹرکوں کی حالت اس سے بھی خراب ہے۔ پنجاب سے ان ممالک کا مقابلہ صحیح طور پر کرنا تو مشکل ہے۔ لیکن یہ بار کرنے کے وجود موجود ہیں۔ کہ اس صوبہ کے کسان ان ملکوں کے کسانوں سے اچھا لباس پہنتے ہیں۔ اچھا کھانا کھاتے ہیں +

افلاس ایک اضافی امر ہے۔ عام طور پر ضروریات زندگی سے زیادہ کمانے کی ناقابلیت کو افلاس کہتے ہیں۔ یہ تو منفی پہلو ہوا۔ اسکا مثبت پہلو دولت ہے۔ دولت نتیجہ ہے۔ دانشمندانہ رہنمائی سرمایہ اور محنت یا قوت کے امتزاج و ربط کا۔ اور افلاس ان اسباب و وسائل میں سے ایک یا ایک سے زیادہ نہ ہونے یا انکے غیر موزوں امتزاج و اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے یہ عام حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عام انسان ان عوامل کی (وسائل) امداد کے بغیر صرف زندگی کی ضروریات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ ٹیکسٹ (امور) ہر ملک اور ہر نسل پر منطبق ہوتا ہے۔ ہندوستان کے افلاس کا اساسی و بنیادی سبب بھی یہی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان کی آمدنی کا اوسط کم ہے۔ بیکراہ کن ہے۔ ہاں کمائی کا اوسط کم ہے۔ اور یہ اسلئے کم ہے۔ کہ پیداوار کا اوسط کم ہے۔ سب انسان عقل و دانش کی پہنائی اور طریقہ اور قوت کے بغیر زمین کی دھڑ دھڑش کی اشیاء سے دولت فراہم کر سکتا ہے۔ جدوجہد کرتا ہے۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ پیداوار کا اوسط کم ہو جاتا ہے۔ ہمیں کوئی شک نہیں۔ کہ افلاس کے دوسرے اسباب یہی ہیں لیکن وہ خواہ کسی صورت میں ہوں۔ بہر حال وہ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اسباب کیوں موجود ہیں؟ اس سوال کا جواب اس صوبہ کی تاریخ میں مل سکتا ہے۔ اس صوبہ میں صدیوں سے بے امنی اور بے چینی برہا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اُن کو ترقی حاصل نہیں ہو سکی۔ جن کے باعث دوسرے

۱۔ انقلاب سے پہلے زراعت کو ترقی ہوئی۔ مقررہ دہ راجس نے کھانا سترھویں صدی میں انگریزوں کی زمین کی کاشت اور صنعت و حرفت جو ترقی کی ہے۔ اس کی وجہ سے آبادی دہائی سے بھی زیادہ ہو گئی ہے (جلد ہمام مکت)۔ انیسویں صدی میں ارزاں سامان معیشت کے باعث آبادی میں بیکراہت ہو گئی۔ اگر غلہ کی فراہمی نہ ہوئی تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔









آمادہ کر سکے جس شخص کے پاس چار ایکڑ زمین ہے۔ وہ اس طرح گہوں کی کاشت کرتا ہے۔ گویا ان کی زمین چالیس ایکڑوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ اس بات میں اپنی کسرشان سمجھتے ہیں۔ کہ مزید محنت صرف کر کے سبزی یا چھوٹے چھوٹے پھل پیدا کریں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جب زمین پر اتنی محنت اور طاقت صرف نہ کی جائے۔ جس کے صرف کرنے سے منفعت حاصل ہو سکے۔ تو پائیان کا راسخا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ اضافہ دولت میں رکاوٹ واقع ہو جائے گی +

لیکن سب سے زیادہ اس ملک کے افلاس کا باعث یہ ہے۔ کہ قابل اور تربیت یافتہ رہنما موجود نہیں جن ہدایت سے لوگ زراعت فائدہ اٹھا سکیں۔ لوگوں کو یہ معلوم نہیں۔ کہ پیداوار میں کیونکر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ انگلستان کی زراعت میں صدیوں تک زوال پذیر رہی لیکن جنوبی یورپ کی زراعت کارآمد و پھل انگشتاں کی بھی زیادہ ہے۔ پنجاب میں کوئی چیز ایجادات کی محرک نہیں ہوئی۔ جن کے باعث شمالی یورپ کے اس قدر ترقی کی ہے۔ پنجاب کی کیفیت بحیرہ روم کے ممالک یعنی ہسپانیہ اطالیہ یونان وغیرہ کی سی ہے۔ جہاں ان اکتشافات سے ابھی تک کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا +

ہم پنجاب کے متعلق ایک کلیہ پیش کرتے ہیں۔ جو تعمیری پروگرام کی بحث میں بہت مفید ثابت ہو گا۔ اور وہ کلیہ یہ ہے۔ کہ پنجاب محض اسلئے مغل ہے کہ اس کی تنظیم ان اصولوں پر نہیں کی گئی۔ جن سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ پنجاب میں جو ادارے یا مجالس قائم ہوتی رہی ہیں۔ وہ یا تو فوجی تھیں۔ جنکے قیام سے کسی حکمران خاندان کے اقتدار کی حفاظت مقصود تھی۔ اور یا مذہبی۔ یہاں معاشرتی مجالس کی تنظیم بھی مذہبی اصولوں پر کی گئی۔ اور بد قسمتی سے مذہبی پیشواؤں نے کبھی اقتصادیات کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی بلجیم اور اطالیہ وغیرہ ممالک میں لوگوں کی خوشحالی کو ترقی دینے کیلئے جو مجلس قائم کی گئی ہے۔ وہ کچھ تک کلیسا ہے۔ وہاں پادری اپنے پیروؤں کے مادی سود و بہبودی میں علیٰ لمسی لیتے رہے ہیں۔ اور انجمن ہائے امداد باہمی کے قیام کی تحریک شروع کی گئی۔ تو وہ اس کے راہ فاتھے۔ پنجاب میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہاں مذہبی اثرات نے صرف روحانی اصلاح کی کوشش کی اور مادی اصلاح کو نظر انداز کر دیا۔ جب دنیا کے تعلقات سے بے پروائی مادی فوائد و منافع کے حصول کی جستجو سے علیحدگی۔ اور دولت سے دستکش ہو کر غاسن میں مبتلا کیا جائے

لفظ امراد کہنے کے قابل ہے کہ مذہب کے اکثر حصوں میں زراعت کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ اس میں کسی دوسرے فائدہ سے کوئی مدد دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ پیراں تہذیبوں میں واقع ہے۔ جن کی بدولت زیادہ نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ برتاؤ کے سامنے زمین کی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ زیادہ ترقی نہیں کر سکتا + اسے تصور دولت راہرس جلدیجھ مٹا

تو یہ ضروری ہے۔ کہ دینی مال و اسباب جمع کر کے کیٹھان کے لئے ایک تحریک جاری رہے۔ اور آج ہم جن باتوں پر غور کر رہے ہیں ان کی ذمہ داری اس تحریک پر عائد ہوتی ہے۔ جس طرح یورپ میں مذہبی عقائد کے اقتصادی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ان سے قطع نظر ممکن نہیں۔ براعظم یورپ میں مذہبی فرقہ واریت اور دولت کی جو تقسیم نظر آتی ہے۔ وہ کسی اتفاقی واقعہ کا نتیجہ نہیں۔ اور نہ انہیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور بے تعلق قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہم اگرچہ دلائل بیان کر چکے ہیں۔ اگر انہیں تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ معلوم کرنا مشکل نہیں۔ کہ کون طرہوں سے دولت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ صوبہ اس وقت تک خوشحالی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اقتصادی اصولوں پر اسکی تنظیم نہ کی جائے۔ بعض معاملات میں تو اس صوبہ کے ذرائع دولت سے پوری پوری طرح فائدہ اٹھانا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ سود کے متعلق مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے۔ وہ کفایت شغاری کا محرک ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ مسلمان سود لینے سے تو انکار کرتے ہیں لیکن سود دینے میں انہیں کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن اگر اس صوبہ کے مسلمانوں کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی۔ یعنی انہیں سود دینے میں ویسا ہی انکار ہوتا جیسا سود لینے سے ہے۔ تو وہ کفایت شغاری پر جو خراب موسم کے اثرات سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ مجبور ہو جاتے۔ دوسری جانب ہندوؤں کے نزدیک گائے کو تقدس و احترام حاصل ہے۔ اسلئے گائے سے جو انسان کیلئے مفید ترین جانور ہے۔ پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اور اس جانور کی منفعت بخش پرورش کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح صوبہ کو بے حد نقصان پہنچ رہا ہے۔ جو پہنچتا رہے گا۔ بے ریب یہ ایک بہت بڑا سبب ہے۔ جسکی وجہ سے صوبہ کی خوشحالی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ دوسرے معاملات میں بھی یہی کیفیت ہے۔ یعنی عوام کے مذہبی جذبات صوبہ کی قدرتی دولت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اور اس سے اقتصادی فائدہ حاصل کرنے میں مانع ہو رہے ہیں۔ سور۔ بڑیاں۔ کھالیں اور انڈے سفلیں ملکوں میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس ملک میں ان سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

ادھر کی بحث میں ہم نے صرف ان منفی اسباب پر بحث کی ہے۔ جو افلاس کا باعث ہیں۔ اب

بعض مثالیں دیں کہ جو بد زراعت کی تمام تر بھاری روٹیں کی غور و پخت پر ہے لیکن ہاں جو چیزیں پکھنے کے قابل سمجھی جاتی ہیں۔ یہاں قابل ہی نہیں۔ اور اس صوبہ کے باشندوں کی ذات نے آج کا کرنی سہل بھی ہم نہیں پہنچایا ہے۔ کئی بار یہ کہہ چکے ہیں۔ لیکن اس ملک میں ان سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اور ان کے طریق زراعت کو اگر دیکھیں تو ان کے

مثبت اسباب کو لیجئے۔ ان میں سب سے بڑا سبب نقصان اور اتلاف ہے۔ مشرق نے ابھی تک یہ سبق نہیں پڑھا کہ جو چیزیں ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ان سے دولت بھی حاصل کیا جاسکتی ہے۔ کسی ملک کی دولت میں کمی یا بیشی کا انحصار آبادی کے اس حصہ کی کمی یا بیشی پر ہے۔ جو منفعت بخش کاموں میں مصروف ہے۔ کیونکہ جو لوگ ایسے پیشوں سے اسباب معیشت فراہم کرتے ہیں۔ جنکی بدولت عام پیداوار و منفعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ قوم کیلئے نقصان کمزوری کا باعث ہیں۔ اس صوبہ میں بہت انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ شرح اموات اس قدر زیادہ ہے۔ کہ بہت سے اشخاص کو جو باعتبار عمر قوی خدمت کر چکے قابل ہوتے ہیں۔ یا جنہیں قابلیت اور قوت حاصل ہو چکی ہے۔ موت کسی منفعت بخش کام میں مقہ نہیں لینے دیتی۔ ایسی بیماریوں کے باعث سے بہت سائنقان ہوتا ہے۔ جنہیں روکا جاسکتا ہے۔ لیکن طبی قابلیت کے فقدان کے باعث لوگ ان میں گرفتار رہتے ہیں۔ صرف بلیریا بخار کی وجہ سے اس قدر لوگ دن بھر محنت کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں کہ یہی چیز اخلاص کے قیام و تباہ کا بہت بڑا سبب ہے۔ طریق زراعت کے ناقص ہونے کی وجہ سے بھی بہت سائنقان ہوتا ہے۔ یعنی لوگ سال کے ایک بہت بڑے حصے میں یا تو کام ہی نہیں کر سکتے۔ اور اگر کام کرتے بھی ہیں۔ تو بہت تھوڑا سا۔ یعنی اوسط درجہ کا کسان بارہ مہینوں میں ۱۵۰ دن سے زیادہ کام نہیں کرتا۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ وہ جسے پورے دن کی محنت کہتا ہے۔ وہ شمالی یورپ کے کسانوں کے پورے دن کے کام کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے۔ اگر اس صوبہ کو ترقی کرنا ہے تو یہ ضروری ہے۔ کہ اس معاملہ میں کسانوں کے جو خیالات ہیں۔ ان میں سرسبز تبدیلی واقع ہو جائے۔ پھر جتناس کی تقسیم کا کام دوکاندار کرتے ہیں۔ جن کا وجود غیر ضروری ہے۔ ان کا وجہ سے بھی صوبہ کا نقصان ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر بازار میں ۱۰ فیصدی دوکاندار ہے ضرور کل آئیں گے جو اس سے زیادہ مفید کام کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس امر کی کہ چھوٹی چھوٹی دوکانوں کے بجائے بڑے بڑے سٹور قائم کئے جائیں۔ کچھ نقصان

شمال مغربی یورپ کی جدید زراعت کی تمام تر انحصار اشیاء کی فوری دراخت یہ ہے۔ لیکن وہاں جو چیزیں سیکھنے کے قابل

سمجھی جاتی ہیں۔ یہاں قابل قول ہی نہیں۔ اور اس صوبہ کے باشندوں کی ذہانت نے اس کا کوئی بدل بھی ہم نہیں پہنچایا۔

اس طرح بھی ہوتا ہے۔ کہ صوبہ کے بہترین تعلیمیافتہ دماغ نہ منفعیت بخش اور پیداوار کاموں کے بجائے غیر منفعیت بخش کاموں مثلاً وکالت۔ بیرسٹری وغیرہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اندازہ لگایا ہے۔ کہ صوبہ کا تین چار کروڑ روپیہ مقدمہ بازی میں صرف ہو جاتا ہے ۔

اس مقدمہ بازی کی کثرت بھی بہت حد تک خوشحالی کی مرہون بنت ہے۔ ملاحظہ ہو مندرجہ بالا جس جلد چہارم ہندوؤں صدی میں مقدمہ بازی کو بہت فروغ ہوا مقدمہ بازی کے جذبہ کی نشوونما پر دھمیں قانون اور تعلیمات اخلاق نے بہت تشویش ظاہر کی۔ شاہ ہری چہارم کی سلطنت کے ابتدائیں ہی پارلیمنٹ کے اندر شکایت کی گئی تھی۔ کہ دلا کی تعدد بہت بڑھ گئی ہے۔ پندرہویں کے ابتدائیں پارلیمنٹ کو قانون دہلی کی تعداد میں اضافہ کے باعث اس قدر تشویش ہوئی کہ حکم دید گیا۔ کہ دلا کو اضلاع کی جانب سے نامزدہ مقرر نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان کے اضلاع کا فائدہ منتخب ہونے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

پنجاب میں اوسطاً سال بھر کے اندر پانچ لاکھ ۸۰ ہزار دیوانی۔ ذہلی اور مالی حلقہ جگہ اثر ہوتے ہیں۔ دیوانی احکام اور تفریق درخواستوں کی تعدد دہلی ۱۰ لاکھ ہے۔ جو لوگ متداریات کے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تعدد تقریباً ۱۰ لاکھ ہوتی۔ اور دیوانی باقی ائمہ کے سلسلہ میں عدالتوں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی ۱۰ لاکھ سے کم نہیں ہوں گے۔ گواہوں کی تعدد ۱۰ لاکھ سے کم ہیں۔ گو پار سال عدالتوں میں ۲۵ لاکھ استعناص فریق مقدمہ یا گواہ کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔ اگر ہر شخص اوسطاً دو مرتبہ حاضر ہوتا ہے۔ ہر مرتبہ حاضر ہوتے ہیں۔ دو دن مناج ہو جاتے ہیں۔ تو سال بھر میں ایک کروڑوں کا نقصان ہوتا۔ یہ لوگ خیال کیجئے نہ تو بچے ہوتے ہیں۔ نہ عورتوں پر مشتمل۔ بلکہ مرد ہوتے ہیں اور کام کرنے کی عمر کے قابل۔ اور ایسے لوگوں کی تعدد صوبہ میں ساٹھ لاکھ ہے۔ اگر فرض کریا جائے کہ اس طرح مردانہ ایک روپیہ کا نقصان ہوتا ہے۔ تو مجموعی نقصان ایک کروڑ روپیہ صرف ہوتا۔ لیکن مقدمہ میں جو شاہد ہوتے ہیں۔ ان پر چار سو لاکھ روپیہ سالانہ خرچ آتا ہے۔ وہ تقریباً پانچ لاکھ روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دلا وغیرہ پر بھی کچھ روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس طرح گویا مقدمہ بازی پر جس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے اس سے صوبہ کے رہن کا قرض اٹالا جاتا ہے۔ اگر اس رقم کو دیہات کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔ تو انقلاب ہو گا۔ اگر ٹاکٹر فریم کر کے پر لگا دیا جائے۔ تو ہر گاؤں میں تربیت یافتہ ڈاکٹر مل سکے۔ یقیناً جو وقت قوت عمل اور تابیت مقدمہ بازی پر خرچ ہوتی ہے۔ اگر وہ جی ایس ایس پر لگا دی جائے۔ تو صوبہ کا ایک اہم ترین مسئلہ حل ہو جائیگا۔ اور غیر محدود فائدہ حاصل ہو گا۔

ادھر صوبہ میں ایسے لوگوں کا قحط ہے۔ جو بینکنگ صنعت و حرفت اور تجارت کا اعلیٰ علم رکھتے ہوں۔ زراعت جو صوبہ کی تعلیم تمام جدید دولت کا ذریعہ ہے۔ جاہل لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو اپنے تعلیم یافتہ لڑکوں کو شہروں میں بھیج دیتے ہیں۔ مزارع اور زمیندار کے مابین جو تعلقات ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔ یعنی زمیندار مزارع کی رہنمائی نہیں کرتا نئی ہمت میں صرف کرنے کے لئے سرمایہ ہم نہیں پہنچاتا۔ اور خود یہ نہیں جانتا۔ کہ جو زمین اس اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے کیا طریقہ بہتر ہے۔ قرض اور لین دین کے منجوس طریقہ کی وجہ سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ سود خواروں کی ایک بڑی جماعت نے غافل کسانوں کو اپنے جال میں اس طرح پھنسا رکھا ہے۔ کہ وہ اس سے کسی طرح بھل نہیں سکتے ہر سال وہ جب قدر سود وصول کرتے ہیں۔ اس کی تعداد کم از کم آٹھ کروڑ سے بارہ کروڑ تک ہے۔ حالانکہ اتنی بڑی رقم کو زمین کی اصلاح پر صرف کیا جائے۔ تو اس سے بحد مفید نتائج ہو سکتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ اب بھی بعض ایسے لوگ ہیں جنہیں تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور جن کے سامنے اس طریقہ کے مہلک نتائج موجود ہیں۔ لیکن وہ لین دین کے اس طریقہ اور انجمن ہائے امداد باہمی کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اول الذکر کی بددلت مالکان اراضی کی اکثریت پچاس ساٹھ کروڑ روپیہ کی مقروض ہو گئی ہے۔ جس سے انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا اور آخر الذکر طریقہ کو جہاں استعمال کیا گیا ہے۔ لوگوں نے قرض سے نجات پا کے آسودگی حاصل کر لی ہے۔ پہلے وہ روپیہ قرض لیتے تھے۔ اب روپیہ جمع کرتے ہیں۔ پہلے وہ سود کی معیبت میں گرفتار دل شکستہ خاندانوں پر مشتمل تھے۔ اور اب خوشحال ہیں۔ سود خوار کی لعنت ہندوستان یا پنجاب تک ہی محدود نہیں۔ یہ ضرورت ہے۔ کہ یہ صوبہ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی نسبت سود خوار کی ترقی کے لئے زیادہ موزوں واقع ہوا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ امداد باہمی کی تحریک سے پہلے یورپ کے بعض ممالک جیسے قسطنطنیہ مقروض تھے پنجاب اس سے زیادہ مقروض ہے۔ جہاں جہاں امداد باہمی کے طریقہ سے زراعت میں مدد لی گئی ہے۔ قرض کم ہوتا جاتا ہے۔ اور لوگ بینک میں روپیہ محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ چند سالوں میں نقصان کا یہ بہت بڑا ذریعہ اس قدر کم ہو جائیگا۔ کہ پھر اسے کوئی

## اہمیت نہیں رہیگی \*

عورتوں سے کوئی خدمت نہیں لی جاتی۔ ادران کی محنت اور طاقت بیکار جاتی ہے۔ اس کی وجہ کچھ تو اس ملک کے دستور ہیں۔ اور کچھ تعصبات۔ اکثر دوسرے ملکوں کے مزدوروں میں عورتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ اور پھر ان میں اتنی استعداد بھی ہے۔ کہ جو کام دیا جائے کر سکتی ہیں۔ اس طرح قوم کو عورتوں کی وجہ سے جو نفع ہوتا ہے۔ وہ قوم کی مجموعی آمدنی کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اگر مغربی ممالک میں یہ تحریک پھیل جائے۔ کہ عورتیں امور خانہ داری انجام دینے کے سوائے اور کسی قسم کی محنت نہ کریں۔ تو اس تحریک کی بدولت اقتصادیات کے سارے تار و پود کے بکھرنے کا خطرہ ہو جائے۔ اور اگر کہیں یہ تحریک کامیاب ہو جائے۔ تو یہ ممالک بالکل تباہ ہو جائیں۔ پنجاب نے ایک ایسی چیز سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے۔ جسے انگلستان اور دوسرے ممالک میں قیام تمدن کے لئے ایک ضروری عنصر سمجھا جاتا ہے۔ کئی ذاتیں مثلاً برہمن اور راجپوت وغیرہ تو ایسی ہیں۔ جو اپنے ہاں کی عورتوں کو کھیتوں میں کام کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتیں۔ بس اسی ایک واقعہ سے ان کے افلاس کے اسباب معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان ملکوں میں عورتیں کلرک بھی ہیں۔ دوکاندار بھی۔ ڈاکخانہ اور تار گھر میں اوپر پٹر کی خدمت بھی انجام دیتی ہیں۔ کارخانوں میں مزدوری بھی کرتی ہیں۔ ماہی گیری کا کام بھی کرتی ہیں۔ لیکن یہاں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ کئی پشتوں میں اس سے جس قدر نقصان ہوتا ہے۔ اتنا اس کی بدولت مادی ترقی ناممکن ہے۔ اگر عورتیں محنت مشقت میں مردوں کا ساتھ نہ دیتیں۔ تو کوئی مغربی ملک موجودہ معیار زندگی قائم نہ رکھ سکتا۔

کیرٹے کوڑوں اور دوسرے جانوروں کی فارتگری کی وجہ سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ اور جب مذہبی جذبات کی بناء پر انہیں خوراک کے لئے ہلاک کرنا بھی ناجائز سمجھا جاتا ہو۔ تو یہ نقصان بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ریلوے اسٹیشن پر جہاں فلو کی آمد و رفت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ کبوتر بہت نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن کبوتروں کو کھانا ممنوع سمجھنا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا مقابلہ اس نقصان سے کیجئے۔ جو کیرٹے کوڑوں کی وجہ سے فصل کو پہنچتا ہے۔ تو یہ بہت معمولی نقصان معلوم ہوتا ہے۔ یا چوہوں سے ان کا موازنہ



یکجے۔ جو سال بھر میں اچھی خاصی مقدار میں گیہوں ضائع کر دیتے ہیں۔ جانوروں کی تباہی کو مذہب کی رو سے گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی افلاس کا ایک بڑا سبب ہے۔ اور جب تک خیالات میں تبدیلی نہ ہو۔ افلاس کا باعث بنا رہے گا +

بہت سانا بچ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ بہت سا غیر زرخیز بیج جو کھانے کے کام آسکتا ہے۔ زمین میں محض یہ سمجھ کر بھینک دیا جاتا ہے۔ کہ شاید اس سے شگوفہ پھوٹ نکلے۔ اور وہ پڑا پڑا سڑتا پھلے۔ اور اگرچہ اکثر عقلمند لوگ اس حقیقت سے باخبر ہیں۔ لیکن دوکانداروں وغیرہ کو اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ کہ وہ صرف خالص بیج فروخت کیا کریں +

بہت سی کھا د بھی ضائع ہوتی ہے۔ انگلستان صدیوں تک یہ دستور رہا۔ کہ کسان اجادہ کی شرائط کے مطابق اس امر پر مجبور ہوتے تھے۔ کہ گھاس اور پانی وغیرہ کو زمین میں رہنے دیں۔ انہیں اس امر کی اجازت نہ تھی۔ کہ ان چیزوں کو کھیت سے لے جا کر کسی جگہ فروخت کر دیں +

کچھ نقصان اس وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ کہ ضبط و نظم کا احساس ابھی کمزور ہے۔ اور اس کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ انگلستان میں صدیوں تک مشفقین اٹھانے اور دشواریاں

سہ سرایم دیٹو کی کتاب ڈی کنٹرولنگ انڈیا کا یہ نکتہ فہمیت سے قابل ذکر

ہے۔ ۱۷۷۷ء اگر بچے کی شادیوں کا انداز ہو جائے۔ تو اس ملک میں کم عورتیں بیوہ ہوں گی۔

اور آج بیوہ کے عقد ثانی کو دھرم نے روک رکھا ہے۔ ان کے اثرات اس قدر نقصان ہوں گے۔

انسان اور دوراندیشی دونوں کا تقاضا یہ ہے۔ کہ عورتوں کو جبراً بیوہ رکھنے کے نقص اور اس کے ساتھ

دوستانہ اور اخلاقی انسانیت کے رُسم رد رکھی جاتی ہے۔ اُن کی بھگتی کر دی جائے۔ آگے چل کر انہوں نے اس

امر پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ کہ ملک کی نعمت آبادی جس قدر کام اور دلنشندانہ سی کر سکتی تھی۔ اس سے

بے محروم رہنا ہے۔ نقصان رساں ثابت ہوا ہے۔ یہ سب جاپان کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہاں حفظان

صحت کے احتیاطات کی ہی غرض ہے۔ کیونکہ یہ ایک دن قرب و دور کے امان کو بڑا کرکٹ جتنے کے فضلہ وغیرہ بھی بیکار کھیتیں پھینکتے ہیں +



جھیننے کے بعد تمام طبقوں کے لوگوں پر حقیقت واضح ہو گئی۔ جاپان میں حکومت کو اس کی قدر و قیمت کا احساس ہوا چنانچہ اب حکومت جو بات مناسب سمجھتی ہے کسانوں اور صنعتوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیتی ہے۔ وہاں کے مدبرین نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ٹمک کا افلاس اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ ہر شخص جو کچھ چاہے کرے۔ اس لئے افلاس کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ حکومت کے احکام و ہدایات کی تعمیل کی جائے جرمی میں اس امر پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے۔ کہ سرکاری احکام کی کیا حدود مقرر کی جائیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی جاننا پڑے گا۔ کہ حکومت اپنی رعایا سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور جانتی ہے۔ کہ لوگوں کو اس راہ پر چلانا ضروری ہے جس پر ان کا چلنا خود ان کے لئے مفید ہوگا۔ انگلستان میں افراد پر جو قانونی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ ان کی تعمیل اس سرعت سے کی جاتی ہے۔ کہ اب یہ چیز عوام کی سیرت کا جزو اور عادت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگسہاں افراد پر ان کی نسبت بہت کم پابندیاں عائد کی جائیں۔ تو انہیں آزادی میں مداخلت تصور کیا جائے گا۔ اگر اس صوبہ میں کبھی مختلف صنعتیں قائم ہوئیں۔ تو ان سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص کے لئے ضبط کی شدید پابندی ضروری سمجھی جائے گی۔ لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آیا لوگ یہ سبق آسانی سے لیں گے یا نہیں ؟

اراضی کے چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم ہونے کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کا احساس بھی نہیں۔ جن مقامات پر کھیت سائے گاؤں میں کھلے اور منتشر ہوں۔ تو عام دستور یہ ہے۔ کہ جو ہنی فصل کٹی ہے مولشی کو کھیتوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ کھیتوں میں اجناس کی جڑوں سے بیٹ بھریں۔ چونکہ کھیتوں کے ارد گرد جنگل تو ہوتے نہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اپنے مالک کے کھیت میں ہی رہیں۔ اس لئے وہ تمام کھیتوں میں اس طرح پھرتے ہیں۔ گویا سارے کھیت مشترک ہیں۔ اسی صورت میں جب کہ گاؤں کے تمام لوگ ایک ہی جنس کی کاشت کرتے ہوں۔ چنداں نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن جب اجناس کی کاشت میں کوئی تنوع پیدا کرنے کی کوشش کی جائے

تو یہ دستور نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی کسان اپنے ساتھیوں سے زیادہ عقلمند ہو اس خیال سے کہ اراضی بھرنہ رہے۔ اپنی زمین میں کسی دوسری جنس کی کاشت کرے۔ تو اسے یہ دشواری پیش آئے گی۔ کہ اس کے ہمسایوں مولشی اس کے کھیت میں آکر چریں گے۔ اور اس کے ہمسائے یہ اعتراض کریں گے کہ جب وہ ان کے مولشی کو اپنے کھیت میں چرنے نہ دے۔ وہ بھی اس کے مولشی کو اپنے کھیتوں میں چرنے اور کٹی ہوئی فصل کی باقی ماندہ جڑوں سے پیٹ بھرنے نہ دیں گے۔ اس کی ایک سیدھی سادھی مثال یہ ہے کہ ایک کسان اپنے کھیت میں چارہ کی کاشت کرتا ہے مابھی تک فصل کاٹی نہیں گئی۔ کہ اس کے ہمسائے مولشی کو چرنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح گویا کھیتوں کا بغیر کسی جنگل کے ہونا زراعت کے نئے طریقے اختیار کرنے بلکہ کسی نئی جنس کی کاشت کرنے میں بھی فراہم ہو گا۔ اور اسی جنس کی کاشت کی جائیگی جس سے وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ کاٹ سکے موجودہ حالات میں گاؤں کے کسین وغیرہ کو اندرون دستور یہ حق حاصل ہے۔ کہ فصل کاٹ چکنے کے بعد اپنے مولشی کو کھیتوں میں بھیج دیں۔ لیکن اگر بجز زمینوں کو زرخیز بنانے کی کوشش کی گئی۔ تو اس طبقہ کے لوگ مقروض ہو گئے حقیقت یہ ہے کہ جوز زمینیں جنگل یا باڑے بغیر بکھری پڑی ہیں۔ ان کی فصل کے بارہ میں کسان آزاد سمجھے۔ وہ اپنی زمین میں کسی ایسی جنس کی کاشت نہیں کر سکتا جسے وہ سب کا اچھی اور سب زیادہ منفعت بخش سمجھتا ہے۔ بہت سی اراضی میں ایسی جنسوں کی کاشت ہوتی ہے۔ جو زیادہ منفعت بخش تو نہیں۔ لیکن جس زمانہ میں وراثت رسل و مسائل اچھے نہیں تھے۔ اور وسائل حمل و نقل ناقص تھے۔ بی ضروری تھا۔ کہ ایسی فصل کی کاشت کی جائے۔ جو یہیں کی ضروریات کے مطابق ہو۔ اور مقامی منڈیوں میں فروخت ہو سکے۔ اور اب تک انہی فصلوں کی کاشت ہو رہی ہے۔ چونکہ کسان اپنی ساری توجہ ایسی اجناس کے پیدا کرنے پر مرکوز کر رہے ہیں۔ جو صرف اس کے اپنے گھنہ کی ضروریات پوری کر سکتی ہیں۔ اور اس بارہ میں منڈی کا خیال نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ زیادہ منفعت بخش اجناس کی کاشت کی جانب متوجہ نہیں ہو سکتا۔ گویا زمین کو زمین کو ایسے طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا کہ اس کی بدولت زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔

پہاڑی علاقہ میں اچھے پھل پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہاں اپنے ادراج کا باجرہ وغیرہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ جس زمانہ میں بڑے بڑے نہری علاقے لبائے نہیں گئے تھے اور ان میں گہیوں کی کاشت شروع نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ انہیں تقسیم کرنے کے لئے ریلوں کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں ہاجرے کی کاشت کا دستور تھا۔ ہمارا موجودہ علم یہ کہتا ہے۔ کہ زمین کو ایسی اجناس کی بجائے چند یا دو منفعت بخش ثابت ہو سکیں۔ دوسری اجناس کی کاشت میں استعمال کرنا صوبہ کے لئے اس قدر کثیر سالانہ نقصان کا باعث ہو رہا ہے۔ کہ دوسری وجہ سے اتنا نقصان نہیں ہوتا۔

پھر مختلف اجناس سے جو کام لیا جاتا ہے۔ اس میں بہت نقصان ہوتا ہے عویش کو جو بے نتیجہ اصلی حالت میں کھاد دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جانور اس صورت میں انہیں مفہم نہیں کر سکتے بونے سے چھوٹے چھوٹے ریشے نکالنا چاہئے جن سے ٹوپوں کے لئے غدہ تیار ہو سکتا ہے چھیلکے کو الگ کر لینا چاہئے۔ تاکہ آگ جلانے کے کام آسکے۔ اور اس کے گوشت کو کچل کر تیل نکالنا چاہئے۔ جو کھانا پکانے کے کام بھی آسکتا ہے۔ اور صابون وغیرہ بنانے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تیل نکالنے کے بعد جو فضلہ رہ جائے گا۔ وہ اچھی خوراک ہے جسکو مویشی ختم کر سکتے ہیں۔ اور جو عمدہ کھاد کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ صوبہ کی پیداوار کا جو کثیر نقصان ہوتا ہے۔ اس کی یہ ایک مثال ہے اس قسم کی اکثر اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ بناتی اجزاء جن طاقت ہو سکتی ہے۔ ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس امر کی جانب ابھی پچھلے دنوں سے لوگوں کی توجہ ہوئی ہے۔ کہ ہر کام میں کسی قدر چیز فضول ضائع کی جاتی ہے ہوتا ہے۔ ضائع ہونے کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔ اویہ افلاس کا ایک سبب ہے۔

بڑے وسیع رقبوں کو ہر وقت بدلنے والی قدرتِ مہجری کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے اس سے بھی نقصان ہوتا ہے۔ ہم نے نقصانات کی جو فہرست پیش کی ہے۔ غالباً اس کی کسی شق سے وہ فرق اس قدر واضح نہیں ہوتا جو ہندوستان اور شمالی یورپ کے مابین موجود ہے۔ شمالی مغربی یورپ کے لوگوں نے اس مقولہ کو اپنا اقتصادی اصول قرار دے رکھا ہے۔ کہ خدا اُن کی مدد کرتا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اور وہ ترقی کا اندازہ اس طرح کرتے ہیں۔

کہ فطرت کی قوتوں کے متعلق انسان کے علم میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ اور اُس میں اُن قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت کس حد تک بڑھ گئی ہے۔ جنوبی یورپ اور اس بر اعظم میں اس امر کے متعلق کہ انسان کس حد تک قسمت پر اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔ . . . . لوگ یقین نہیں رکھتے اور اس بارہ میں اُن کے عقائد تغیر پذیر لوگوں جیسے ہیں۔ اور فطرت بھی انہیں کسی کوشش اور محنت کے بغیر کچھ عطا کرتی ہے اسے اراضی برضا ہو کر قبول کر لیتے ہیں جب کبھی گھمی اور دو دو کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ تو لوگ اس خیال کا سہارا لیتے ہیں۔ کہ ایک ایک غیر موزوں رقبہ میں جتنے درجہ پید ہو سکتا ہے اس قدر چار ایک ایک موزوں زمین میں بھی نہیں ہو سکتا جسکی آبپاشی نہروں سے ہوئی ہو۔ کونسل اور اسمبلی سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس دلیل کی تصدیق کریں۔ اور حکومت سے بھی یہ التجا کی جاتی ہے کہ جھوٹے وعدوں پر اپنی حکمت عملی کی بنیاد رکھے۔ لیکن اگر صاف صاف اور سیدھی سادہی بات پوچھئے۔ تو یہ دلیل بالکل سچے رابطہ ہے۔ اور دراصل محض مذہبی تحقیقات کے لئے سُستی رکھتی ہے۔ اور اس کی پشت پر صرف انہیں لوگوں کے رائے ہے جنہیں دیہاتی اقتصادیات کے متعلق ابھی محض ابتدائی علم حاصل ہے۔

میں صوبہ میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسکی بنا پر یہ کہا جائے۔ کہ اس کی قسمت میں ہمیشہ مفلس رہنا لکھا ہے بعض ایسے اسباب افلاس جنکے وضعیہ کی مناسب تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ یہ تدابیر کیا ہیں۔ تو اس کا فیصلہ محض تحقیق سے کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ ادنیٰ معیار زندگی کا سب سے بڑا سبب گزشتہ پانچ سو سال کی تاریخ میں جلی حروف سے قوم ہے۔ اس زمانہ کے حالات کے مطالعہ جو کچھ معلوم ہوگا اس سے قطع نظر کریں کہ اگر دوسرے اسباب کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ تو اُس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اگر زمانہ حال کے اگر مزید عیش و عشرت سے بہرہ یاب ہیں انہیں ہر قسم کی راحتیں اور زندگی کے وہ تمام لطیف میسر ہیں جنہیں دولت میا کر سکتی ہے۔ تو اُسکی وہ یہ ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد صدیوں کا غایت شعاری کے رویہ پس انداز کرتے ہیں۔ انہوں نے ناسازگار قدرتی اسباب و حالات کا مقابلہ کیا۔ اور جو چیز انہیں قابل قدر اور بیش بہا نظر آئی۔ کے حاصل کرنے اور اپنے قبضہ میں لانے کیلئے انہوں نے قربانی سے دریغ نہیں کیا موجودہ نسل کو بہت کچھ ورثہ میں ملے۔ بندر گاہیں نہیں۔ سڑکیں ہیں۔ طرح طرح کی عمارتیں غیر مالک کی تجارت

میں بہت سارے پیر بھی لگا ہوا ہے۔ غرض کہ انہیں مختلف صورتوں میں دومی دولت حاصل ہو چکی ہے۔ لیکن غالباً سب زیادہ قابل قدر چیز یہ ہے کہ اُسے وسیع علم اور تجربہ ورثہ میں ملے ہے جسے اس کے آباؤ اجداد نے بہت محنت اور تکلیف سے فراہم کیا تھا۔ انگلستان کی تاریخ کے متعلق خاص طور پر اصلی دستاویزات موجود ہیں جنکی مدد سے ہر تحریک کی تفصیل اس حد تک معلوم کی جاسکتی ہیں کہ اگر تمام ممالک میں نہیں تو اکثر ممالک میں استفادہ تفصیلاً فراہم نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں بعض ایسے سبق پنہاں ہیں جن پر اگر بزرگ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگرچہ وہ ایسے حقائق پر مبنی ہیں جنہیں سمجھ لینا دشوار نہیں تاہم دوسروں کو وہ محض ایسے عقائد نظر آتے ہیں جنکی بنیاد کو رائے تعلیم ہے۔ لیکن عزت و نصیحت کے یہ درس کم و بیش ہر شخص کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے اہم معاملہ میں لوگ اعلیٰ درجہ کی عقل و تیز سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان میں کسی زمانہ کے متعلق ایسی قابل اعتماد پیش بہادست ویزات کا موجود ہی رہا یا تاریخ کیلئے بھی کافی سالہ فراہم نہیں اس لحاظ سے کہ ایک غلط دلیل پیش کی جاتی ہے جس کی تردید یقینی طور پر اور فوراً ہو سکتی ہے تو توازن قائم نہیں رہتا۔ عام طور پر جو غلط اندیشے پائے جاتے ہیں۔ ان کی تہ میں بھی اسی قسم کی کوئی وجہ کار فرما نظر آتی ہے۔ افلاس کی اصل وجہ جہالت ہے۔ علم انسان میں تسلی کی اس تعداد طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ مسئلہ میں سکھوں کی حکومت کا دور دورہ تھا۔ اس وقت نہ تو پکی سڑکیں تھیں۔ نہ بڑے بڑے پل اور ایسی رہا عام کی چیزیں جن کا بل قدر کمزور کیا جائے ایسی نہیں البتہ موجود تھیں جو طغیان کی سہولت بنت تھیں یہ بھی یہ بھی ایک اچھی قسم کی قدیم ہنروں کی باقیات ہیں۔ لیکن عام طور پر دریاؤں کی ساری قوت و طاقت خاک میں بجاتی تھی۔ پنجابیوں کی موجودہ نسل کو کنڈوں کے سوا اپنے پیشروں سے کوئی چیز ورثہ میں نہیں ملی پیدا وادی کی بڑی بڑی چیزیں لوگ آٹا تھے۔ پیہ جمع نہیں ہوتا تھا۔ جس مالکوں کو سالانہ نصیب حاصل ہو سکے۔ جو مہاتیں موجود تھیں وہ بھی صرف فوجی یا مذہبی مقاصد کے کام آتی تھیں مسئلہ میں پنجاب و پاکستان کے موثر نظام کے سوا کسی دوسرے فقرہ مادی نظام سے نا آشنا تھا۔ زراعت یا دوسری صنعتوں کے متعلق کوئی اچھی کتاب موجود نہیں تھی لوگوں کی رہنمائی کیلئے دانشمندانہ اشعار و اقوال کے سوا جو ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتے چلے جاتے تھے کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو عوام کی رہنمائی کر سکے جو رہنما موجود بھی تھے۔ وہ یا تو مذہبی مشائخ یا مشائخ صوفیہ تھے۔

لے شرح صوفیہ مقدمہ یاد ہے کہ روپیہ قرض لیکر کسی صنعت بخش کام میں نہ لگتا۔ لوگ پوری طرح اہل لہر کو نہیں سمجھ سکتے کہ شرح صوفیہ کی گرائی کس حد تک ترقی کیلئے سدا رہے۔ بہت ہی ایک ایسی ہیں۔ جن پر یہ فیصدی شرح سود پر دو پیر لیکر کامیابی ہو سکتی ہے۔ لیکن ۱۲ فیصدی شرح سود سے کامیابی ممکن نہیں۔

تھے یا فوجی نہ تھا۔ تقریباً سب کے سب فوجی سردار تو سکھوں کی حکومت کے عہدہ دار ہوا کرتے تھے اور انہیں ہرگز اس قسم کی قابلیت موجود نہیں تھی کہ اقتصاداتی قی کا کوئی مرتبہ کر سکیں باقی ہے مذہبی پیشوا تو انہوں نے کبھی اپنے شروع شروع میں یہ کام نہیں لیا کہ اپنے کہ پیر پوروں کو اپنی دسی فلاح و بہبود کیلئے مناسب طریقہ اختیار کیا کہ پیرا ملو کہیں صحیح طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ مختلف پیشوں کو مختلف ذاتوں قبیلوں کو مخصوص کرنے کے عجیب و غریب طریقہ نتیجہ کیا ہوا لیکن یہ اندازہ لگا یا جاسکتا ہے کہ جب ایک شخص میں کسی خاص پیشہ کی خطری صلاحیت اور استعداد موجود ہو اور اسے محض اس لئے دبا دیا جائے کہ وہ پیشہ کسی دوسری ذات کیلئے مخصوص ہے۔ تو یقیناً ترقی کی راہ میں ایک بڑی کاٹ حاصل ہوگی یا کہ حیثیت سے تو یہ نظام زراعت کی ترقی اور اوبال کا بھی باعث ہوگا۔ عام طور زراعت پیشہ قبائل زمین کی وسیع کاشت کرتے ہیں اور اس طرح انہیں جیتا جاتی کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملتا لیکن جب سبز یوں اور دوسری اجناس کو بولنے میں عمیق کاشت کا خیال رکھا جاتا ہے تو کاشت کر نیوالے کو پودوں کی ان تمام مختلف قسم کی زندگی کا علم حاصل ہوتا ہے اور ہر پودے کی ضروریات سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ جو لوگ اچھی اجناس یعنی سبزی ترکاری اور مختلف جرموں کی کاشت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت جو نہری زمینوں میں گہوؤں کی کاشت کرتے ہیں۔ پودوں کی زندگی کے تفصیلی حالات کے متعلق زیادہ علم حاصل کھیتے ہیں۔ بد قسمتی سے اس قسم کی سبزی اور خاص اجناس کی کاشتیں ایسی جماعت سے مخصوص کر دی گئیں جو جس بڑی فو توں کے لوگ نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ کسانوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو ایسی چیزوں کے بغیر نہ جاسی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس طرح وہ پیش بہا علم اور تجربے محروم ہو جاتے ہیں۔ غالباً ان کے اپنے پنہ کی ترقی کے بارے میں قاطع ثابث ثابت انگلستان میں پہلے پہل ان لوگوں کو اس کا علم ہوا کہ کھیتو میں کس قدر اصلاح و ترقی کی جا سکتی ہے اور پنجاب کی یہ کیفیت کہ کالج جو کچھ تعلیم دے سکتے ہیں اسے کھیت نفرت و حقارت سے مسترد کر دیتے ہیں۔ ایک اور معاملہ جو پیشوں کو ذاتوں مخصوص کرنے کے طریقہ کا نتیجہ ہے اس قابل ہے کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاوے کہ یہاں خیالات سے اختلاف کیا جاوے گا جو فو توں کے لوگ کر گئے ہیں جو پچھلے دنوں کے وہ طعنا زنی اور صنعت و حرفت میں حصہ نہیں لیتے تھے اور اب بھی ان میں ان پیشوں کی نفرت کرتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرتے ہیں۔ انکی صحیح حیثیت یا یوں کہتے کہ مغربی اہل فکر کے نزدیک ان کی حیثیت ہے ایسی نہ سمجھیں مثلاً بروکیل نہ اس کو ایک شریفانہ صنعت قرار دیتے ہو گئے ہیں۔ اگر ہندوؤں کو صرف



ایک صنعت پیشہ قوم بنایا جائے تو اس کی وجہ سے زندگی کی تمام شعبوں میں اس کی ترقی رکتا کی بجائے صنعتوں  
 علی الخصوص ایسی صنعتوں کا قیام ضروری ہے جن کی قیام سے ملنے والی دولت اور اخلاقی اور فنی کی نشوونما ہوتی ہے۔ ان الفاظ سے  
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صنعتوں میں بعض ایسی خصوصیات موجود ہیں جن سے زراعت کا من گال ہو۔ اور جن کیلئے زیادہ فنی  
 اور اخلاقی اور فنی کی ضرورت ہے مزید برآں قوم کی ترقی اور صحیح نشوونما کے لئے زراعت کے علاوہ کسی دوسری چیز  
 کی بھی ضرورت ہے اس بیان میں بہت کچھ ہے لیکن اس بیان میں صنعت کی مخالفت پہلو پایا جاتا ہے۔ اور یہ ضرور  
 ہے کہ اس پر توجہ کیا جائے ایک کتاب میں ہندوستانی اقتصادیات کے ایک پروفیسر لکھا ہے: "تاریخ ہمیں یہ بتا سکتا  
 ہے کہ جب تک کسی ملک میں صنعت کو غلبہ حاصل ہو وہ فلاس میں مبتدار ہوا اور باعتبار تمدن بھی صنعتی ملکوں کو ترقی  
 انگلستان کی خوشحالی اس امر کی نہیں منت ہے۔ کیا اگر ریاستہائے متحدہ امریکہ نے صنعت و حرفت کی تعلیم حاصل کی  
 ہوتی تو وہ متمدن ترین ملکوں میں سے ایک نہ بن سکتا۔ اور جو ترقی اور خوشحالی حاصل کر لی ہے اس کا کیا سبب  
 ہندوستان کی تجارتی صنعت و حرفت پر موقوف ہے یہاں پھوسداعت کی مخالفت کا پہلو موجود ہے۔ انگلستان نے  
 زرعی انقلاب پہلے شہنشاہی مملکت حاصل کی تھی اور پھر صنعتی انقلاب کی بنیاد پڑا۔ صنعتی انقلاب کی کثرت  
 شعاری اشیاء اور فطرت کی قوتوں کے مسلسل پیچیدہ جدوجہد کے بدولت کھلی تھی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے  
 وسیع قدرتی ذرائع سے فائدہ اٹھا کر دولت حاصل کر لی۔ اب تک امریکہ کی بعض ریاستوں میں صنعت کو غلبہ حاصل ہے  
 وہاں صنعت و حرفت ایک چھوٹے مخصوص قہر نامہ محدود ہے۔ جاپان میں بھی صنعت کو غلبہ ہے اس کی صنعتیں اس کی  
 ابتدائی حالت میں ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں صنعتیں متقل حذیت سے قائم ہوئی ہیں جاپانیوں کی حیرت  
 ترقی کا باعث ہے کہ انہوں نے ذات پات کے اختلاف اور تعصبات کے تمام قصیوں کو جو ملکی ترقی میں مانع ہوتے  
 پس پشت ڈال دیا ہے تمام جاپانی برعناور غربت اشیاء و قربانی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے ایک قوم کی  
 حکومت کے نظم و نسق کے سامنے تسلیم خم کر دیا ہے۔ جاپان میں فلاس کے خلاف جو اسے پالی کر رہا تھا وہ عمل

سے انڈین انٹاکس تیسرا ایڈیشن ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء کے درمیانی عہد کے دور میں لکھا گیا ہے۔ دنیا میں بڑے  
 بڑے مذہبی اور اخلاقی رہنما اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب کہ کارناموں کا دور نہیں تھا۔ کوئی مذہب کسی مادہ فضا  
 میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ازجہ کہ عہد میں جو صاحب استعداد لوگ پیدا ہوئے انہیں سنتوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جن  
 معنوں میں آج کل لفظ سنت استعمال کیا جاتا ہے شاعری اور صنعت۔ فلسفہ اور صنعت کو ایک دوسرے  
 کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۱۵ء ہندوستان کے اقتصادی مسائل پر رضا بین ۱۹۱۵ء مصنفہ پروفیسر راجن  
 ایک دانشمند کتاب ہے جس میں بعض دلچسپ خیالات بھی ظاہر کئے گئے ہیں ۹

شروع ہو گیا ہے۔ افلاس و حقیقت نتیجہ تھا۔ اس امر کا جا پانیوں نے پہلے مغرب سے ملو کی اور قدرت کی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی۔ ایں ہمہ جا پان نے ابھی تک اپنے تمام مسائل کا حل تلاش نہیں کیا۔

زراعت کو ترقی کا مخالف سمجھنا گو یا ملک کو حصول دولت کے ایک بہت بڑے فائدے سے محروم کر دیتا ہے۔ زراعت کی تعریف و توصیف کرو۔ اور اس امر کو پوری طرح محسوس کرو کہ اگر اس کی باگ ڈور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ہاتھ میں جن کے پاس زراعت سے نفع حاصل کرنے کے لئے سرمایہ بھی موجود ہو اور بہت بھی تو زراعت کیا بن سکتی ہے۔ اس طرح عامہ کابینج بویا جائے گا۔ اور شاید اس کی وجہ سے یہ خواب پورا ہو جائے۔ اس کی مذمت کرو۔ اور افلاس اور بستی کی جانب سے جانے والی ایک اور قوت پیدا ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ زراعت کے متعلق جو طریق عمل اختیار کر رکھا تھا۔ وہ موجودہ افلاس کا ایک حد تک ذمہ دار ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ انگلستان کے اسلاف نے مندوستانوں کے اسلاف سے بالکل مختلف طریق کار اختیار کیا تھا۔ اور یہ اسی کی بابت ہے۔ کہ ملک نے آج خوشحالی اور برتری حاصل کر لی ہے۔ مندرکہ بالا بحث میں سلسلہ سخن کہیں کہیں جا پہنچا۔ ہم قیاسات کے گورکھ دھندے میں جا اُٹھے۔ حالانکہ اس مسئلہ کو یاد دہشوس طریقہ پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ لوگوں نے غذا اختیار کرنے میں اقتصادی امور کا لحاظ نہیں رکھا۔ بلکہ غذا و اصل سم و رواج مذہب یا تحقیقات کا نتیجہ ہے اور اسکی وجہ بہت سا نقصان ہوتا مغربی ملک میں افلاس غذا کی تعین کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس صوبہ کے باشندوں کو کے انداز بہت انکی غذا کا عام معیار بہت پست واقع ہوا ہے۔ پشہا پاشت تک سٹور کا گوشت اگر بیزدوروں کی عام خوراک بنا کر اسکی وجہ نہیں اگر بیزدوروں کے انداز بہت تاج کی جڑ ہے کہ سٹور کا گوشت انراں اسسہل المحموجہ جو خوراک گشت کی تو نہیں سٹور کا گوشت رے ملہ ہم زراعت کی ترقی کے بارہ میں رہنمائی کی اہمیت پر ضرور دے چکے ہیں جب کوئی اور جوہر غذا اور کھنے والے شخص رہنما توکانوں میں اس جذبہ فروغ دیا جاتے۔ کہ وہ مجالس قائم کریں۔ ان مجالس کا حجتہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ زراعت کے ترقی یافتہ طریقے اختیار کریں۔ ان مجالس نے جن کے مختلف نام ہیں۔ بہت فائدہ پہنچا یا ہے جس ملک میں ان کا وجود نہیں وہ ان فوائد سے محروم رہے گا۔ (بقیہ صفحہ آئندہ چمہ دیکھو)



نیا وہ فائدہ مند ہے۔ اسلئے اقتصادی حیثیت سے بھی بہتر ہے۔ یہ جانور دراصل مکھن اور دودھ کی صنعت کے ساتھ ایک ثانوی پیداوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ سور کی خوراک وہ دودھ ہے جس سے مکھن نکالی لیا گیا ہو یا گیہوں کا بھوسہ اور یہ چیریں اس کام نہ آئیں۔ تو بالکل بیکار ہیں۔ اسی طرح آلو بھی ایک خوراک ہے۔ جو بہت فائدہ مند ہے۔ اور اس اعتبار سے اقتصادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جب ایک چھوٹے سے رقبہ میں کوئی محسوس دوسری اجناس سے زیادہ مقدار میں پیدا ہوتی ہو۔ تو بہت سارے رقبہ دوسری اجناس کی کاشت سے آزاد ہو جائیگا۔ اور اس میں ایسی اجناس کی کاشت کی جائیگی جن کا تبادلہ دوسری اشیاء کے کیا جاسکے۔ گیہوں جس رقبہ میں دس بارہ من پیدا ہوتا ہے۔ اسی رقبہ میں ایک سو من آلو پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اگر گیہوں کی بجائے آلو کی کاشت کی جائے۔ تو بہت سی زمین گیہوں کی کاشت سے آزاد ہو جائیگی۔ اور اس میں ایسی اجناس کی ہی کاشت ہو سکیگی جن سے زیادہ روپیہ حاصل ہو سکے۔ مثلاً ۱۹۱۷ء تک جرمنی نے تمام ملک میں گیہوں کی بجائے آلو کی کاشت جاری رکھی۔ چنانچہ زمانہ جنگ میں وہ آبادی کے لئے خوراک مہیا کرنے کے قابل ہو گیا۔ جنوبی یورپ کے باشندوں کی خوراک دیکھ کر وہ لوگ پنجابی کسانوں کی خوراک کو ادا نہ سمجھتے ہیں۔ حیران ہو جائیں گے۔ انگلستان میں آبادی کا اکثر حصہ مکھن کھانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسلئے وہ مار جیرین استعمال کرتے ہیں۔ جو ناریل کے تیل سے تیار ہوتا ہے۔ اور جنوبی ہند سے بھیجا جاتا ہے۔ وہ بہت تھوڑا سا گوشت کھاتے ہیں۔ اور خالص گیہوں کا آٹا تو تھوڑے عرصے سے ہی عام طور پر استعمال میں آنے لگا ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں بھیڑ کا گوشت بکرت کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ بھیڑیں پالنا اس وقت تک کوئی سودمند پیشہ نہیں۔ جب تک زیادہ عمر کی بھیڑوں کے گوشت کا کوئی معروف نہ تلاش کیا جائے۔ اٹالیا کے کسان اعلیٰ درجہ کا گیہوں فروخت

بقیہ صفحہ پھلایا۔ یہاں ہر ملک کی گذشتہ تاریخ سے انکس کا ایک منفی سبب بتاتا ہے یعنی فضا میں دلنا نہ مقابلہ کے باعث ایسی محاسن غیر ضروری ہیں۔ ایک فاتح ایک نئے خیال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک کسان کو کوئی نیا خیال سوجھے گا۔ کہ وہ اپنے ہمسایہ کو اسے اختیار کرنے پر آمادہ کرے گا۔ تاکہ وہ عہد مندی فراہم کر سکے۔ ایک کھیت کی کسی خاص پیدوار سے مندی فراہم نہیں ہو سکتی اور کسان متناہت سی محسوس پیدا نہیں کر سکتا۔

کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس بیچارے میں اتنی استطاعت نہیں کہ خود اسے استعمال کر سکے، وہ خود اپنے  
 درجہ کے گیہوں کی استعمال کرتا ہے۔ جرمنی کا باشندہ گوبھی کھاتا ہے۔ اور امریکن باجرے سے  
 پیٹ پالتا ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان لوگوں کو ان اشیاء کا فطری ذوق ہے، بلکہ وہ اقتصادی  
 حالت کی وجہ سے ان چیزوں کو کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی جودت طبع کی بدولت  
 وہ ان چیزوں کو خوش ذائقہ بنا کر کھاتے ہیں۔

اس طرح اگر بے چارے آئرلینڈ والے آلو کھانے پر مجبور ہو گئے، تو وہ بھی اپنی پسند سے نہیں  
 بلکہ افلاس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ جنوبی یورپ میں زیتون کے تیل کو کھانا پکانے کے لئے  
 اسی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح پنجاب میں گھی کو۔ لوگ گھی کو ہی ترجیح دیتے ہیں کیا  
 کریں۔ اتنی استطاعت نہیں کسی ملک کے لوگوں کی خوراک پر ذرا وسیع نظر ڈالئے۔ آپ کو معلوم  
 ہو گا۔ کہ خوراک حاصل کرنے کے لئے فی کس رقبہ کا اوسط اس صوبہ کی نسبت بہت کم ہے۔ وہاں تو  
 خوراک اس ملک کی نسبت بد بھاری زیادہ افلاس کی رمون منت ہے۔ کیونکہ یہاں جب کبھی افلاس  
 مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے۔ تو لوگ اشیائے خور و نوش میں تبدیلی کرنے کی بجائے مقدار خوراک  
 میں کمی کر دیتے ہیں۔ گذشتہ بیس سال کے اند گھیوں کا صرف بہت بڑھ گیا ہے۔ اور سستی اجناس  
 مثلاً جَو۔ باجرا وغیرہ کے صرف میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ گھی کی قلت کے بڑے اسباب میں ایک یہ  
 بھی ہے۔ کہ اب ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گھی کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اس کی کمی  
 بڑھ گئی ہے۔ مٹامیرس کی رائے ہے کہ کسان پہلے جو گھی فروخت کر دیا کرتے تھے اب اسے خود استعمال کرتے ہیں  
 اور یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے بیرونی مالک میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لوگ گھی خوراک میں ترقی لیا لسی خوبی ہے  
 جس کے حصول کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن اقتصادی زاویہ نگاہ سے یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ زیادہ بیش قیمت

سے جئی۔ جوار اور باجرا بھی کھایا جاتا ہے۔ اطالوی کسان جب قدر گھیوں کا آٹا صرف کرتا ہے اسکا اندازہ  
 پیر ہے۔ وہ جب قدر انداز کھاتا ہے اس کا تناسب پنجاب کے کسی حیل کے قیدی کی خوراک سے بھی  
 کم ہے۔ وہ چھ سیر سالانہ روغن زیتون استعمال کرتا ہے۔ یہاں کے جیلوں میں قیدی اس قدر  
 تیل کھاتے ہیں۔

خوراک اسوقت تک ایک اقتصادی نقصان کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک اس کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ مزید صرف استعمال خوراک کی وجہ سے حقیقتاً روپیہ کا نقصان ہوتا ہے اس سے زیادہ روپیہ حاصل کیا جائے۔ ٹنڈارک اور لینڈ کے کسان اعلیٰ درجہ کا کھن اور انڈے تو انگلستان اور جرمنی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور سائیریا سے آیا ہوا کھن اور انڈے جو ادے کے ہوتے ہیں اس طرح وہ کوئی نمایاں نقصان کئے بغیر اچھی خاصی رقم کما لیتے ہیں۔ اگر پنجاب دیہات اور شہروں کے باشندوں کی خوراک زیادہ اچھی اور قیمتی ہو جائے اور اس سے اتنی بڑی قوت حاصل نہ ہو جس کی بل ہونے پر مزید کام یا بہتر طریق پر محنت کیجا سکے۔ تو بہت نقصان ہوگا۔ یہ در بات۔ کہ کچھ حصہ کے لئے لوگ لطف اٹھا لینگے۔ یہ گمان غالباً ہے کہ اگر اقتصادی ترقی کیلئے زیادہ محنت کی جائے تو اس کے لئے بہتر خوراک بھی ضروری ہوگی۔ لیکن یہ بھی غلط ہے۔ کہ محض گھی اور دودھ استعمال نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ گوشت بھری اور آلوؤں کو استعمال کیا جائیگا گھی اور دودھ واقعی بہت قابل قدر اشیاء ہیں۔ مگر جاپان کی مثال نے اس امر کی تردید کر دی ہے۔ کہ یہ چیزیں ضروری ہیں۔ کیونکہ وہاں یہ چیزیں عام لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہستیاں کے حالات ایسے واقع ہوئے ہیں کہ یہاں ان اشیاء کا استعمال ضروری ہے۔ ان کا بیان دھرم لادب پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک مذہبی عقیدہ بیان کر دیتے ہیں۔ اکثر ہندوئی اس خیال کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ کہ آلو لوگوں کی عام خوراک کی حیثیت حاصل کر لینگے۔ یہ لوگ مانہ سے ڈیڑھ سو سال پیچھے ہیں۔ یورپ میں بھی آلوؤں کے متعلق اسی قسم کا خیال رائج تھا۔ اور انہیں محض منسل لوگوں کے لئے ہی مناسب خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن کسانوں کو آلوؤں کی کاشت ناگوار تھی۔ غربائے خوراک بنانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر تحقیق کا بیان کہ فرانس میں لوگ آلوؤں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ لیکن اب تو اس امر کا احساس بھی دشوار ہے۔ کہ تقریباً اٹھارہویں صدی کے خاتمہ تک اس بیش بہا جڑ کے بغیر لوگوں کو خوراک کے مسئلہ کا حل کرنا پڑا ہوگا۔ تو کیا کیا دشواریاں پیش آئی ہونگی؟

جرمنی میں آلوؤں میں نشہ سے بہت عرصہ پہلے رواج حاصل کر لیا تھا۔ نشہ سے پہلے ہی جرمنی میں فرانس کی نسبت آلوؤں نے زیادہ ترقی حاصل کر لی تھی۔ خشکالی اور غلہ کی گرانہ کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ نشہ سے پہلے ہی آلوؤں کے خلاف تعصب کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۔ ایک دیوٹ منٹ آف فرانس اینڈ جرمنی و فرانس اور جرمنی کی اقتصادی ترقی (۱۸۷۰ تا ۱۸۹۰ء)  
مصنف جے۔ ایچ۔ کلیم۔ ص ۲۲۔ ۲۳ ایضاً ص ۲۴

یہ ظاہر ہے کہ یورپ میں اس سبب سے کہیں زیادہ خوراک دار و مدار افلاس پر رہا ہے۔ ایلورپ کوئی ملک اس پیمانہ پر زندگی بسر کر رہی اسطاعت نہیں رکھتا۔ جسے یہاں فروری ظاہر کیا جاتا ہے۔ مغربی ممالک کو آلوؤں سے محروم کر دیجئے۔ اور آپ دیکھ لیجئے گا۔ قحط اسی طرح رونما ہو جائیگا جس طرح روز روشن کے بعد رات کی تاریکی محیط ہو جاتی ہے۔ پنجاب میں آلوؤں کو اس قدر عام کر دیجئے۔ کہ یہ روزمرہ کی خوراک میں شامل ہو جائے۔ تو آپ دیکھ لیجئے۔ کہ سب کے لئے خوراک بھی فراہم ہو جائیگی۔ اور بہت سی زمین بھی بچ جائیگی جس سے اور کام لئے جاسکتے ہیں۔ یورپ کے لوگ آلوؤں کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں۔ کہ ان سے محروم ہو جانا ان کیلئے معصیت ہے! کھل آلوؤں کے متعلق ابنِ قتیبہ کا یہاں پایا جاتا ہے۔ وہ ان سے مانوس ہونے کے بعد اسی طرح دور ہو جائیگا۔ جس طرح انگلستان اور فرانس اور جرمنی میں افلاس کی بدولت دور ہو گیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں دنیا کا نظام ہی ایسا ہے۔ کہ اس اہم ترین نباتی خوراک کے استعمال کے خلاف جدوجہد بے سود ہے۔

روٹی کی ہلاکت کے باعث بھی بہت سا نقصان ہوتا ہے اس نقصان کو بہت حد تک بھگایا جاسکتا ہے لیکن پھر وہی مذہبی جذبات کا قنیہہ حائل ہو جاتا ہے۔ اور طبعیات کے متعلق انسان نے جس قدر معلوم حاصل کر لی ہیں۔ اُن سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتا۔ لوگ ذکرِ افکار کرتے رہتے ہیں۔ کہ تجارت برآمد اور گامکشی کے باعث بہت نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ پر اُنکی زبان گنگ ہے۔ کہ انکی اپنی جہالت اور مذہبی جذبات کی بدولت کس قدر زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار سے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ گائیوں اور بیلوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے یعنی ۱۸۷۵ء و ۱۹۰۵ء میں انکی تعداد ستر لاکھ تھی اور اب ایک کروڑ میں لاکھ ہے لیکن اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ کہ تجارت برآمد اور گامکشی کی وجہ سے جو حقیقت ناقابلِ التفات چیزیں ہیں۔ گالیوں کی تعداد کم ہو رہی ہے اقتصاد ترقی تو جیسی ممکن ہے۔ کہ حقائق کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس قسم کی غلط بیانیوں سے تباہی کے سوا اور کوئی نتیجہ نکھنا ممکن نہیں۔

ارضی کو چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم کرنے کی وجہ سے بھی بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اراضی کی تقسیم کا جو طریقہ رائج ہے۔ اسکے رو سے جب ارض میں انہی تقسیم کی جاتی ہے۔ تو سب کے ہر کھیت کا ایک قطعہ دیا جاتا ہے یا کم از کم اُن کھیتوں کے متعلق جو گاؤں کے مختلف حصوں میں ہوتے ہیں یہی طریقہ رواج رکھا جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالک ارضی کی ملک کو زمین دس یا بارہ مقامات میں منتر ہوتی ہے۔ اسے ان منتر تقعات ارضی کی زراعت میں بہت سادقت، محنت اور طاقت ضائع کرنی پڑتی ہے۔ جاپان اور یورپ کے اکثر ملک مثلاً فرانس، سوئیٹزرلینڈ اور بلجیم وغیرہ میں بھی یہی نقص موجود ہے۔ اور یہ صوبہ دوسرے ملکوں سے جنہوں نے اس نقص کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

غرض ہماری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ پنجاب کے افلاس کے بڑے بڑے اسباب صوبہ کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں یہ تو اظہار ہو گیا ہو گا کہ اگر کسی ملک کے لوگ مفلس ہیں تو ان کے افلاس کا باعث یہ ہے کہ وہ ایسی یا تو ایسی طرف توجہ نہیں کرتے جو حصہ ان دولت کیلئے ضروری ہیں۔ عوامل اسباب لت کا کافی قاعدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ گویا وہ جو کچھ کرنے میں انہیں اقتصادی حیثیت کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص دیانتداری سے تحقیقات کرنا چاہتے تو اسے چاہیے کہ وہ اس وقت اور غلطیوں اور نقص کی ایک فہرست مرتب کرے۔

اس صوبہ میں کبھی باقاعدہ اور منظم طریقہ پر کفایت شعاری اختیار نہ کی گئی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر ایسا کیا جاتا — تو یہاں بھی شمال مغربی یورپ کی طرح دولت جمع ہو جاتی یہاں تو اتنا وقت صرف ہوتا ہے جتنا ہے جس میں ان کا تعلق محض شاہی خاندان کے استحکام یا مذہبی معاملوں کا ہے۔ انہوں نے پیداوار بڑانے کے مسائل کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ لوگوں کے عام حیات بھی دولت کے جمع کرانے میں نہیں انہیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ مادی سود و بہو کی خدمت کرو اور روحانی ترقی کی تعریف میں ترزاں ہو آج بھی یہ کیفیت ہے کہ ایک یا استعداد کا اگر کی نسبت ایک گداگر زیادہ عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں اگر یہ کہا جائے کہ عام مصائب کا صحیح علاج یہ ہے کہ زیادہ جانفشانی سے کام کیا جائے۔ قابلیت استعداد حاصل کی جائے اور محنت و مشقت میں زیادہ استعداد دکھائی جائے اور اپنے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان کے سامنے کوئی تجربی حکمت عملی پیش کی جائے تو وہ اسے غور سے سنیں گے۔ ابھی تک مادی چیزوں کی کیماں بے گنگامی میں ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مشکل یہ ہے کہ لوگ ایک اعلیٰ اور بلند و برتر طاقت پر بہت اعتماد کرتے ہیں اور انہیں اس بات پر اعتماد نہیں کہ اس اعلیٰ قوت نے ان کیلئے جو راہ معین کر دی ہے۔ اس پر وہ انفرادی جدوجہد کی بدولت بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں حکومت یا خدا سے لوگوں کو نقص دور کرنے کی توقع کی جاتی ہے جب تک ہر شخص کے ذہن میں یہ بات چل رہی ہے کہ اس کی اقتصادی حالت اس کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہے۔ کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی اس میں کوئی

یہ ضروری ہے۔ کہ اپنی مدد آپ کر لیتے جذبہ کو اس قدر ترقی دیکھائے۔ کہ وہ دوسرے تمام جذبات پر چھپا جائے۔ چونکہ بزرگوں نے روپیہ جمع نہیں کیا۔ جو موجودہ نسل کو ورثہ نہ ملتا۔ اسلئے سرمایہ بھی موجود نہیں جس سے آمدنی حاصل کی جاسکتی۔ سرمایہ موجود نہ ہو۔ تو اس کے بہترین استعمال کی سمجھ بھی مفقود ہوگی۔ اور بڑی بڑی قوموں کو مناسب طریقہ پر خرچ کرنے کا دھنگ نہیں آئیگا۔ جب تک انگلستان کے بڑے بڑے زمینداروں نے زراعت کی اصلاح و ترقی کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔ دنیا بھر کی زراعت جمود کی حالت میں تھی بعض طریقوں میں ہالینڈ کے کسانوں نے لوگوں کی رہنمائی کی لیکن اکثر نئے خیالات انگریزوں کی قوت بجاوہ کے نتائج تھے۔ یہ اور بات ہے۔ لوگوں کو مجباً معلوم ہوا۔ کہ سمندر پار کے ملکوں میں زراعت میں ترقی دیکھا رہی ہے۔ تو انہیں بھی ترقی کی تحریک ہوئی۔ اور انکی سوئی ہوئی ہمت بیدار ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ علم کیمیا اور فن زراعت میں گہرا تعلق ہے۔ تو کھادوں میں انقلاب ہو گیا۔ اور بڑی بڑی اہم تبدیلیاں ہونے لگیں۔ مویشی کی غور و پرداخت کے فن کا مطالبہ صدیوں سے کیا جا رہا ہے۔ اور جوں جوں اس فن کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جزائر برطانیہ اصل جانوروں کا بہت بڑا مرکز بن رہے ہیں۔ بس فن میں بعض ممالک مثلاً ڈنمارک اور ہالینڈ نے کچھ دنوں بہت تیزی سے ترقی کی ہے لیکن جنوبی یورپ کے ملک یٹلی کی پرورش کے بارہ میں موزوں ثابت نہیں ہوئے۔ بحیرہ روم کے ساحلی ممالک اور تمام ایشیا اور افریقہ پر اس فن کی ترقی کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ پنجاب کے لوگ بھی مویشی کے پرورش کے اصولوں سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس بارہ میں لوگوں کے جذبات انکے عمل سے بالکل مخالفت و تضاد واقع ہوئے ہیں۔

بعض سیاسی اسباب و وجوہ کی بنا پر اس صوبہ میں سرمایہ عقل و دانش اور ہنرمندی نہایت

۱۷ سترہویں صدی میں فلنگ اور ہالینڈ کے باشندے جدید زراعت کے معلمین کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے مصنوعی گھاس کو استعمال کیا۔ ایسی جڑوں کی کاشت کی۔ جو جڑے میں کام آسکتی ہیں۔ اور اس زمانہ میں ہر ایک کہ ان کے ہمایئے ان علم اکتافات سے بے خبر تھے۔ وہ زرعی ترقی میں سب سے پیش پیش نہیں تھے۔ بلکہ ملی اور تجارتی ترقی اور بینک کے طریقوں میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

مختصرہ طور پر جس جلد پنجم ص ۶۷ و ص ۶۸

افریہ ان تمام اسبابِ عوایل سے عاری ہے۔ جن کا وجود اضافہ دولت کے لئے لازمی ہے۔  
 چھوٹی چھوٹی اراضی بذاتِ خود افلاس کا باعث نہیں بمعیتِ تو یہ ہے کہ اراضی سے ایسا کام  
 نہیں لیا جاتا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے اور کوئی ایسا عنصر بھی موجود نہیں جو  
 اس بات کا محرک ہو سکے۔ کسان اسقدر حسنی کی کاشت کرتا ہے جس قدر وہ فروخت کر سکے یا اپنی  
 ذاتی ضروریات پوری کرے وہ اتنی جنس ہی بوتا ہے جس قدر وہ کاٹ سکے لیکن اگر وہ جنس کاٹے۔  
 تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی محل استعمال بھی تلاش کرے گا۔ پنجاب کے حالات ہی ایسے ہیں کہ یہاں  
 زائد از ضرورت غلہ پیدا کیا جائے۔ تو اس کی فروخت کے لئے منڈی نہیں مل سکتی۔ ہاں اگر کبھی  
 اس پاس کے علاقوں میں غلہ کی غیر معمولی قلت ہو جائے۔ تو پنجاب کا غلہ فروخت ہو سکتا ہے۔ جب تک غلہ  
 کی فروخت کے لئے منڈی موجود نہ ہو۔ زراعت کو کیونکر وسعت دی جاسکتی ہے چونکہ صدیوں سے  
 یہی ہوتا چلا آیا ہے اس لئے لوگوں کو بعض ایسی عاداتیں پڑ گئی ہیں جن میں گزشتہ نصف صدی بھی  
 تغیر پیدا نہیں کر سکی۔

کس ملک میں انسان سرمایہ۔ قوت یا خاص مہارت کے بغیر زائد از صرف غلہ نہیں پیدا کر سکتا۔  
 جب تک پیداوار صرف سے زیادہ نہ ہو۔ دولت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک دولت  
 کے حصول سے یہ مقصد نہ ہو کہ اسے خرچ کر کے زندگی کا لطف اٹھایا۔ اس وقت تک دولت حاصل  
 کرنے کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوگی۔ جب تک صوبہ میں ریلوے اور سڑکیں موجود نہیں تھیں۔  
 اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت سامان نہیں ہوا تھا۔ کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس پر پیہ صرف  
 کیا جاتا۔ تمام لوگوں نے دولت کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں جان رکھا۔ اس صوبہ میں جو مذہبی  
 عقاید مروج ہیں۔ ان کی وجہ سے ایسی فضا مہیا نہیں ہو سکتی جس میں اقتصادیات کا اعلا شخ و بنا  
 پاسکے کسی حد تک یہی مذہبی عقائد لوگوں کے افلاس کا باعث ہیں اور بہت حد تک خطر ہے کہ  
 جدید سائنسی تفکّر علم سے بعض امور مثلاً مولشی کی اصلاح و ترقی کے متعلق جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔  
 ان کے حصول میں یہی عقاید مانع رہیں گے یہاں تمام پیشے خاص ذاتوں سے مخصوص کر دیے گئے ہیں  
 اور اس طریقہ کی بدولت ان گھریلو صنعتوں کو ترقی نہیں ہوئی جو دنیا کے ہر ملک میں زراعت کی معاون  
 سمجھی جاتی ہیں۔ روس اور جرمنی کے وہقان فرصت کے اوقات میں کھلونے اور لکڑی کی دوسری چیزیں



بنائے ہیں انھیں کسان شہید مرعیاں پھل وغیرہ پیدا کرتے ہیں یا لو کرے بنتے ہیں اور دنیا کے تمام ملکوں کے کسان ایسی تم کھیتوں میں مصروف ہیں صرف ہندوستان میں مثال ملتی ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک ارضی صرف اپنی اراضی کی پیداوار سے اسباب مصیبت فراہم کر نیکی کو کشش کرتا ہے۔ ہندوستانی کسان میں دنیا کے دوسرے ملکوں کے کسانوں کی تقلید کا جذبہ پیدا کرنے میں بھی ابھی تک میا بی نہیں ہوئی یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے دہم شاستر کی رو سے کسان کو جو رتبہ حاصل ہے وہ زراعت کی ترقی میں بہت نفع پہلے لیکن پنجاب کے دیہات کی حالت پر ایک نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو مسائل یہاں حل طلب ہیں وہ دوسرے ملک میں بھی پائے جاتے ہیں اور پنجاب کے دیہات میں جو نقص پائے جاتے ہیں انکے اسباب بنائے گئے جائیں تو بڑی آسانی سے یہ کھل کر ترویج کی جا سکتی ہے کہ دوسرے ملکوں میں جہاں اسباب موجود نہیں یہی نقص کیوں نظر آتے ہیں ؟

ان تمام مصیبتوں کا علاج صرف یہ ہے کہ دیہاتی اقتصادیات کا مطالعہ وقت نظر سے کیا جاوے اور حکومت اس صوبہ کے مسائل دولت کو سرعت تمام ترقی دینا چاہے۔ تو دوسرے ملکوں کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھائے۔ رائے عالمی رہنمائی کی جائے اور لوگوں پر واضح کر دیا جائے کہ زمانہ جدید کی زراعت کیا کیا کر سکتی ہے بداعت کی حدیث کے متعلق ملنے کے خیالات کی اصلاح کی جائے اور ان پر یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ صنعت و حرفت قیام سے زراعت کیونکر اثر پذیر ہو سکتی ہے صفحہ گزشتہ میں ہم نے اس بات پر نو دیا ہے کہ افلاس کا اصل سبب چیزوں کا فساد کرنا ہے اب بیان کرنا ضروری نہیں کہ مختلف حکمران خاندانوں کی باہمی زور آزمائی اور کشاکش سے ملک کو برہمی اور غروریت (انارکی) سے جو صوبہ میں متاثر ہوتا رہتا ہوئی رہی ہے کہ قدر سلفقتا اٹھانا پڑا پنجاب کی جزائی حدیث اس قسم کی ہے کہ خاص طور پر برہمنی حملہ آوروں کی سپاہیوں کی فوجیں غارتگری کا مرکز بن گیا ہے۔ یہ مسائل تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن انہیں زمانہ حال کے حالات کی شرح بھی نظر آتی ہے۔ اسلئے اسباب افلاس کی تحقیقات کرتے وقت انہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور زمانہ مستقبل کی توقعات پر بحث کی جائے۔ تو ان پر فردت زیادہ زور بھی نہیں دینا چاہئے۔ ذات پات کے اثرات صنعتی ترقی میں بہت ہاراج ہو چکے ہیں لیکن مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ اس کتاب نے اس پر کوئی تفصیلی بحث نہیں کی جا سکتی۔ مگر آئندہ ہندوؤں نے اس سلسلہ میں ان تمام امور کا ذکر وضاحت سے کر دیا ہے جنہیں فہم میں ٹھونڈا کرنا ضروری ہے۔ موجودہ تاریخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صنعتی ترقی اس صورت میں ممکن ہے۔

کہ ان تمام زنجیروں کی گرفت ڈھیلی کر دی جائے۔ جنہوں نے لوگوں کو آبائی ہمیشہ یا پیشوں کو اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اگر اس صوبہ کی خواہش ہے کہ بڑی بڑی صنعتوں کو فروغ حاصل ہو۔ تو اس کے باشندوں کو یہ اصول تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ انسان کی فطری صلاحیت کو موع دیا جائے کہ رسم و رواج کی قیود سے بے نیاز ہو کر اپنے لئے مشاغل تلاش کرے ۛ

اوسطاً سالانہ زرعی پیداوار کا اندازہ ۸۰ کروڑ کیا گیا ہے۔ لیکن بحالت موجودہ ایک ارب روپیہ کا اندازہ صحت سے زیادہ قریب ہو گا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس قسم میں سے ۸ کروڑ روپیہ سے بارہ کروڑ روپیہ تک تو سا ہو کاری اور سود کاروں کی جیب میں چسلا جاتا ہے۔ اس کا ایک حصہ منافع نہیں ہوتا۔ بلکہ قرض دینے کا معاوضہ ہوتا ہے۔ جو دراصل نتیجہ ہے۔ قرض کے ایک ناقص طریقہ کا جو اس صوبہ میں رائج ہے۔ صوبہ کا اس قدر روپیہ تو بالکل ضائع ہوتا ہے۔ مقدمہ بازی میں جو اقتصادی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ بھی تقریباً چار کروڑ کر بیچتے۔ مویشی کی ہلاکت سے جس کا روکنا ممکن ہے تین اور چار کروڑ کے درمیان نقصان ہوتا ہے۔ اگر لوگوں میں سائنٹفک طریقوں سے مویشی کا علاج کرنے اور ان کی ہلاکت روکنے کی زیادہ خواہش پیدا ہو جائے تو یہ روپیہ بھی بچایا جاسکتا ہے۔ چالیس ہزار سا ہو کاروں کے علاوہ جن کا بوجھ صوبہ پر پڑا ہوا ہے تقریباً دس لاکھ چھوٹے چھوٹے تاجر ہیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں کی نوادہست زیادہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کاروبار میں حصہ لینے والے سب لوگ عمدہ زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ دیہات میں لون تیل کی جو چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں ان میں تقریباً دو لاکھ اشخاص کام کرتے ہیں۔ ان کی محنت و مشقت اس طرح بہت ضائع ہوتی ہے۔ لوگوں میں بڑے بڑے سٹور قائم کرنے کا رجحان نہیں پایا جاتا۔ ان اعداد سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر عقل و دانش جس سے صنعتی کاموں میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ضائع ہو جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ۵۸۰۰۰ سے زیادہ اشخاص ایسے ہیں جو سنار کا کام کرتے ہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان میں باغ مردوں کی تعداد ۳۲۰۰۰ ہے جن کی روزانہ آمدنی تقریباً ایک روپیہ ہے۔ تو صوبہ کو سالانہ ایک کروڑ روپیہ کا زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ اس میں لوگوں کی وجہ سے صوبہ میں بیش قیمت دھاتوں کو جمع کیا جا رہا ہے

اودان کی سرگرمیوں سے جس قدر نقصان ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ سنا بہت چا بکدست  
صناع ہوتے ہیں۔ وہ اپنی محنت اور قابلیت کو اگر زیادہ قابل قدر صنعتوں میں صرف کریں۔ تو  
زیادہ نفع ہو سکتا ہے لیکن بحالت موجودہ ان کی وجہ سے محض نقصان ہو رہا ہے۔ اب اس  
سلسلہ میں اور باتیں گنونا غیر ضروری ہیں۔ آپ کو ہر جگہ نقصان اور ضیاع ہی نظر آئیگا۔ عقل و  
دانش کا نقصان۔ قابلیت اور ہنرمندی کا نقصان۔ محنت و مشقت کا نقصان۔ سرمایہ اور قوت  
کا نقصان۔ اگر صوبہ کی تعلیم۔ دانش و عقل۔ ہنرمندی۔ محنت سرمایہ اور صوبہ کے بڑے بڑے  
وسائل سے دولت پیدا کرنے کا کام پوری طرح لیا جائے۔ تو پنجاب کے افلاس پر آنسو بہانے  
کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔



# سوال باب

## تجارت کا تحفظ یا آزادانہ تجارت

ہم ایک گذشتہ باب میں کسچکے ہیں کہ آج صنعتوں کو ترقی دینے کا مطالبہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ اس صوبہ میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جن کے پاس سرمایہ ہے اور اُسے صنعت بخش طریق پر لگانا چاہتے ہیں۔ اور ایسے تعلیمیافتہ نوجوان ہیں۔ جو صنعت بخش وسیلہ معاش کی تلاش میں ہیں۔ یہ دونوں خیمہ فطری اور قابل تعریف ہیں۔ اور صنعتوں کو ترقی دینے کے حق میں ایک بہت بڑی دلیل کا حکم رکھتی ہیں۔ فنی تعلیم۔ علمی ایجادات کی تعلیم اور ضروری معلومات اور اطلاعات کی بہرسانی حکومت اپنی پالیسی حکمت علمی اقرار دے چکی ہے۔ لیکن اب بھی اکثر اشخاص ایسے موجود ہیں۔ جو ہندوستانی تجارت کے تحفظ کے لئے محصول لگانا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ہندوستان کی منڈی میں ہندوستانی مصنوعات ہی فروخت ہو سکیں۔ ایسے اس تجویز پر پنجاب کے مخصوص حالات و اسباب کی روشنی میں غور کریں۔

ہم اس صوبہ کے مخصوص جغرافیائی محل وقوع کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ صوبہ کے اقتصادی وسائل پر محل وقوع کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ لوگوں کی مادی فلاح بہبود کی تمام مساعی جغرافیائی محل وقوع کی تابع ہیں۔ اور ہمیشہ تابع رہیں گی۔ یورپ اور امریکہ کی صنعتوں میں بحری ساحل اور جہاز رانی کے قابل دریا بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں جہاں مقابلہ و مسابقت کا بازار گرم ہے۔ خواہ مقابلہ وسیع ہے یا محدود انہیں کارخانوں کا قیام و بقا ممکن ہے جنہیں اپنے حریف کارخانوں پر کوئی نمایاں فوقیت حاصل ہو۔ باقی رہا یہ امر کہ یہ فوقیت کس قسم کی ہے تو یہ ممکن ہے کہ کسی کارخانہ کو کوئلہ یا طاقت حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع و وسائل سے قریب ہونے کے باعث یہ فوقیت حاصل ہو جائے۔ لیکن جب کسی کارخانہ کی تجارت کا دائرہ تمام ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ چیز زیادہ مفید ہوگی۔ کہ کارخانہ سمندر کے قریب ہو۔ اور وسائل

عمل نقل پر کم روپیہ صرف ہو سہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ انگلستان کا کوئی حصہ سمندر سے چالیس سے زیادہ دور نہیں۔ جاپان میں بھی بڑی بڑی صنعتیں ساحلی علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ جرمنی اور فرانس کے صنعتی کارخانے کوئلے کے میدانوں کے قریب واقع ہوتے ہیں۔ یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اگر پنجاب میں کوئی کارخانہ ایسا قائم کیا جائے جس میں محض دوسرے ملکوں کی مصنوعات کی نقل کی جاتی ہو۔ تو وہ بین الاقوامی تجارت میں غیر ملکی کارخانوں کا مقابلہ نہیں کر سکیگا۔ کیونکہ وہاں کے کارخانوں کا حول بہتر واقع ہوا ہے۔

لیکن یہ دلیل ان مصنوعات پر چسپاں نہیں ہو سکتی جن کے لئے خام اجناس بہت حد تک اسی صوبہ سے مہیا ہو سکتی ہیں۔ یہ جو ایسے خام اجناس سے تیار ہوتی ہیں جو عام طور پر باہر بھیجی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا وزن اور حجم زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان سے جو شایا تیار ہوتی ہیں ان کا حجم قیمت کے اعتبار سے کم ہوتا ہے۔ مثلاً آجکل بہت سے زینج جن سے تیل نکلتا ہے۔ باہر بھیجے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان سے یہاں تیل نکال کر باہر بھیجا جاسکتا ہے تیل نکلنے کے بعد جو نقد بچ جائیگا۔ وہ مویشی کی خوراک اور کھاد کے کام آئیگا۔ اسی طرح ہڈی چمڑا وغیرہ اشیاء دوسرے ملکوں میں کٹی مرھلوں سے گزرنے کے بعد استعمال کے قابل ہوتی ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ پنجاب میں ہی ایک و مرھلوں سے گزریں۔ تاکہ دوسرے ملکوں میں تھوڑی سی محنت کے بعد قابل استعمال بنایا جاسکے لیکن اگر پنجاب میں یہ کوشش کی جائے کہ میٹھی کی طرح یہاں بھی پارہ بانی۔ کے کارخانے قائم ہو جائیں۔ تو ان کارخانوں کو دہسوتیں حاصل نہیں ہوں گی۔ جو میٹھی کو ایک بہت بڑی بندرگاہ کے قریب ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں۔

## تحفظ کے خیال کا سبب

تجارت کے تحفظ کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ مقامی مصنوعات مقامی مانگ میں باہر کی آئی ہوئی اشیاء کا مقابلہ کر سکیں۔ دراصل اس تحفظ کے معنی یہ ہیں۔ کہ بدیشی مصنوعات سے سودیشی مصنوعات کو برتر رکھا جائے۔ تجارت برآمد پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لئے متذکرہ بالا صنعتیں جو اس مقصد کے لئے قائم کی گئی ہیں۔ یا قائم کی جائیں گی۔ کہ خام اجناس باہر بھیجنے سے

سے پہلے چند مرحلے طے کر کے صرف استعمال کی منزل کے قریب ہو جائیں۔ اس تحفظ سے بلا واسطہ اثر پذیر نہیں ہوئی۔ زرعی ممالک میں اس قسم کی صنعتیں زیادہ ترقی کر سکتی ہیں۔ اور تحفظ سے ان کی ترقی کو چنداں فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس سلسلہ میں ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ آجکل حریفانہ مقابلہ کا بازار گرم ہے جس جگہ دوسری صنعتوں نے کوئی ترقی نہ کی ہو وہاں کسی ایک صنعت کے زندہ رہنے کی امید نہیں ہو سکتی۔ آجکل کارخانوں کو کئی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کارخانے قائم کرنے والوں کو تجربہ نے بتا دیا ہے کہ کارخانوں کی پیہم ضروریات کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے لئے ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں تمام ضروری اشیاء فراہم ہو سکیں اگر پارچہ بانی کا کوئی نیا کارخانہ قائم کیا جائے تو اس کے قیام کے لئے بمبئی کو رہتک یا لائل پور پر ترجیح دی جائیگی۔ کیونکہ وہاں خام اجناس کے سوا تمام ضروریات فراہم ہو سکتی ہیں۔ چونکہ دوسرے شہروں میں پارچہ بانی کے کارخانے قائم نہیں ہوئے۔ اس لئے وہاں کئی متعلقہ صنعتوں نے نشوونما نہیں پائی جن کا وجود پارچہ بانی کی ضروریات پورا کرنے کے لئے لازمی ہے۔ یہ سمجھئے کہ جن علاقوں میں اعلیٰ درجہ کی خاص مصنوعات تیار کی جا رہی ہیں۔ انہیں محض اتفاقیہ شرف حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ جن علاقوں میں کسی صنعت کے بہت سے کارخانے موجود ہیں۔ مہینوں کی مرمت ہو سکتی ہو۔ قابل لوگوں کے مشورہ اور رہنمائی سے استفادہ کرنے کا موقع مل سکتا ہو چھرکار منتظم فراہم ہو سکتے ہوں۔ صنعت کا فنی اور اصطلاحی علم رکھنے والے موجود ہوں۔ غرض کہ ایک صنعت کی تمام متعلقہ ضروریات جمع ہوں۔ وہیں کارخانوں کی تعداد بڑھ سکی۔ لیکن اگر کہیں صرف ایک کارخانہ قائم ہو تو اسے یہ آسانیاں پیش نہیں ہو سکتیں۔ اور اگر اس صوبہ میں دوسرے صوبوں کے صنعتی مرکزوں کا مقابلہ کرنے کے خیال سے ان کی نقالی میں کوئی صنعت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو یقیناً یہ کوشش ناکام ہوگی۔ اس لئے ہم نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ پنجاب میں اگر چنے کارخانے کھولے گئے تو جہاں انہیں ممالک خارجہ کی مصنوعات سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ وہاں دوسرے صوبوں کے کارخانوں سے بھی اس کا تحفظ ضروری ہوگا۔ جو عرصہ دراز سے قائم ہیں۔ چونکہ یہ عملی طور پر ناممکن ہے کہ ایک صوبہ کی مصنوعات دوسرے صوبوں میں بھیجی جائیں۔ تو ان پر محصول لگایا جائے۔ اس لئے محب وطن پنجابیوں کا فرض ہے کہ وہ تحفظ

کے مسئلہ پر رائے دیتے وقت احتیاط سے کام لیں ۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ صوبہ میں سرمایہ بھی ہے عقل و دانش کی بھی کمی نہیں لیکن ان سے ابھی تک پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ صنعت حاصل ہو سکے۔ ان دونوں چیزوں کو کسی صنعت پر لگانے کا فیصلہ کرنے سے پیشتر یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ آیا دوسری صنعتوں پر انہیں فوقیت حاصل ہے مثلاً جدید نہروں کی تعمیر اس قسم کی ایک صفت ہے۔ صنعتوں کے قائم کرنے کا مطالبہ تو عام طور پر کیا جاتا ہے لیکن اس مطالبہ کی وجہ یہ نہیں کہ ان لوگوں کو صوبہ کی اہلیت و صلاحیت کا پورا پورا علم ہے۔ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ پنجاب کی فضا صنعت و حرفت کی نشوونما کے لئے موزوں واقع ہوئی ہے۔ یہ مطالبہ بہت حد تک جذبات پر مبنی ہے۔ اور لوگ محسوس کرتے ہیں کہ جب تک اس صوبہ میں صنعت و حرفت کو وسیع پیمانہ پر ترقی نہ دی جائے پستی سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہ جذبہ بہت قابل تعریف ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ دوسرے صوبوں میں پنجاب سے زیادہ کامیابی کے لوازم اور وسائل موجود ہیں۔ پورے یقین سے یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ پنجاب میں صنعتوں کا قیام صنعت بخش ہوگا۔ ہندوستان پر تحفظ کے عام اثرات و نتائج کیا ہونگے۔ اس کے متعلق کوئی تطبیقی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی۔ اس مسئلہ میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں جن ممالک نے تجارت کے تحفظ کیلئے درآمد اور برآمد پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ ان میں بھی اس امر کے متعلق اختلاف رائے موجود ہے کہ اس حکمت عملی نے کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ اور جن ملکوں میں تجارت کے بارہ آزادی رکھی ہے ان میں بھی بعض زبردست پارٹیاں ایسی موجود ہیں جو اس حکمت عملی کی مخالفت کرتی ہیں۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں کس قدر پیچیدگیاں ہیں۔ ان حالات میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایسی مبہم اور غیر یقینی حکمت عملی کو اختیار کرنے سے پیشتر اس امر کی تحقیقات نہایت یقینی طور پر کر لینی چاہئے کہ کن صنعتوں کا تحفظ مقصود ہے۔ اور تحفظ سے کن نتائج کی توقع کی جاتی ہیں۔ عام طور پر غلطی سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ بس ادھر تجارت برآمد پر پابندیاں عائد ہوئیں۔ اور ادھر صنعتیں روئیدگی طرح پیدا ہونے لگیں۔ ہندوستان میں بہتری صنعتیں ایسی ہیں جو تحفظ کے بغیر ہی صنعت بخش ثابت ہوئی ہیں۔ ایسی صنعتیں موجود ہیں جنہیں جغرافیائی



عمل وقوع اور بعض دوسری خصوصیات نے غیر ملکی مصنوعات کی دراز دہی سے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس ملک میں ہل کا استعمال عرصہ دراز سے ہو رہا ہے سمندر پار کے ملکوں سے ہل بیاں لائے نہیں گئے۔ ان کی فراہمی مقامی صنعتوں پر موقوف ہے، پھر بھی کوئی ایسا کارخانہ موجود نہیں جن میں ہل تیار ہوتے ہیں۔ تحفظ دوسرے لوازم صنعت کے بغیر مفید نہیں۔ جب تک یہ لوازم صنعت موجود ہوں کارخانے قائم نہیں ہو سکتے۔ ایک زرعی ملک میں عام طور پر یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہی گیہوں کے مقابلہ میں غیر ملکی گیہوں پر پابندیاں عائد کی جائیں تاکہ کسانوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ انہیں گیہوں کی قیمت زیادہ ملے گی۔ ان کی ہمت بڑھے۔ اور وہ شہر والوں کی ضروریات کے لئے زیادہ گیہوں پیدا کر سکیں لیکن پنجاب کے شہروں کے باشندے اس قسم کی کوئی پابندی پسند نہیں کریں گے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ دو باتوں سے ایک پسند کریں یعنی یا نو تجارت میں آزادی دیدی جائے۔ یا اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ ہر چیز حتیٰ کہ اشیائے خورد و نوش پر بھی پابندیاں عائد کر دی جائیں۔ تو قرین قیاس یہی ہے کہ عوام اشیائے خورد و بی کی گرانی کو کارخانوں کی ترقی کی خاطر گوارا نہیں کریں گے۔

## قابل غور نکتہ

ایک اور بات جسے عام طور پر پوری طرح محسوس نہیں کیا جاتا یہ ہے کہ اگر کارخانوں کی ترقی کیلئے اس قسم کے مصنوعی ذرائع سے کام لیا گیا تو اس سے ملکی دستکاری کی تباہی کا اندیشہ ہے۔ جب موہ میں کارخانے قائم ہو جائیں گے تو دستکاری کا زندہ رہنا دشوار ہے۔ یہ اور بات ہے جب جدید قسم کے کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ تو ان چھوٹی موٹی پرانی صنعتوں کی تباہی پر چنداں تشویش نہیں چاہئے۔ خالص اقتصادی زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو مقصود اصلی محض اس قدر ہے کہ ہر کارکن کو اس بات کا موقع دیا جائے کہ وہ کسی ایسے کام پر محنت صرف کرے جس کی بدولت اسے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل ہو سکے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص جس قدر زیادہ سرمایہ لگا کر اُسے اُسی قدر زیادہ دولت کے حصول کی توقع ہوگی۔ مثلاً عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ایک جلاہا پرانی وضع کے اچھ سے جس کی قیمت محض چند روپے ہوتی ہے۔ کام کر کے جتنا روپیہ کماتا ہے۔ ہزار ہا روپیہ کی مشینوں سے کام کر کے اس سے بدرجہا زیادہ روپیہ پیدا کر سکتا ہے۔ موجودہ دستی راچھ کے بجائے اگر مشینوں سے

کام لیا جائے تو ماہرین اقتصادیات کو اس پر افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے۔ کہ اگر مشینوں کے مالک غیر ہندوستانی ہوئے تو قومی جذبات کو ٹھیس لگے گی۔ یہ امر زور دینے کے قابل تو نہیں البتہ قابل ذکر ضرور ہے۔

تجارت اور صنعت و حرفت کی حکمت عملی اختیار کرنے کے خلاف ایک اور دلیل یہ ہے۔ کہ اس صوبہ کے لوگ بہت مفلس ہیں۔ اگر اس حکمت عملی کو اختیار کر لیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مصارف زندگی میں اضافہ ہو جائیگا۔ اور اہل پنجاب میں اتنی استطاعت نہیں۔ دوسرے ملکوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حفاظت کی حکمت عملی وہاں صنعتوں کی ترقی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہاں اس حکمت عملی کے اختیار کرنے پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے اس بارہ میں لوگوں کا عقیدہ یہ معلوم ہوتا ہے حفاظت کی حکمت عملی اختیار کی گئی تو اس سے نقصان کی نسبت فائدہ زیادہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس حکمت عملی سے ہندوستان میں بھی صنعت و حرفت کو ترقی ہوگی۔ جب بھی یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس سے اس قدر فائدہ ہوگا۔ پنجاب سمیت تمام صوبوں کو اپنے نقصانات کا کافی معاوضہ مل جائیگا۔ اس سے زیادہ تر فائدہ انہیں صوبوں کو ہوگا جو سمندر کے قریب واقع ہیں۔ جنہیں صنعت و حرفت کا تجربہ بھی ہے۔ اور تنظیم سے بھی بہرہ یاب ہیں۔ اور پھر وہ اپنے صوبوں سے بیشتر فائدہ حاصل کریں گے۔ جو صنعت و حرفت کے میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور محصول کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بمبئی۔ کلکتہ اور مدراس کے کارخانوں کی مصنوعات استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ بچارے پنجابیوں کو جن کے مصارف زندگی بڑھ جائیں گے۔ بھلا یہ جان کر کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ کہ کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس میں ملکی صنعتیں قائم ہو گئی ہیں۔ اکثر غیر مالک میں زرعی پیداوار کی درآمد پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ تاکہ بچارے کسان کو گراں قیمت پر ضروری اشیاء خریدنے سے جو خسارہ ہوتا ہے اس کی تلافی ہو جائے لیکن یہاں کسانوں کو اس وقت کا انتظار کرنا پڑیگا۔ کہ شہروں اور قصبوں کو ترقی ہو۔ اور اسے اپنے دوسرے ملکوں سے زرعی پیداوار کی جس قدر قیمت ملتی ہے۔ اس سے زیادہ قیمت حاصل ہو سکے۔ یہ بات واضح نہیں ہوئی۔ کہ اگر بمبئی کے کارخانوں کو ترقی دی گئی تو اس سے پنجاب کے باشندوں کو کیا فائدہ ہوگا۔

## چوکی کا مسئلہ

چوکی کے مسئلہ میں اس قدر غلط بحث ہو گیا ہے کہ کبھی اس پر ٹنڈے دل سے بحث نہیں کی جاتی کا رخانے والے تو قدرتا صنعت و حرفت کے حفاظت کے خواہشمند ہونگے کیونکہ اس طرح انہیں اپنی مصنوعات کو زیادہ قیمت پر بیچنے اور زیادہ منافع حاصل کرنا ممکن ہو جائیگا۔ انہیں یہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی ہے کہ مصنوعات کے باہمی مقابلہ و مسابقت کو سرکاری حکم سے روک دیا جائے۔ اور اس بات کی نوبت ہی نہ آئے کہ ان کا مال اپنی خوبی کی وجہ سے غیر ملکی مصنوعات پر مسابقت حاصل کرے۔ ان کی یہ خواہش اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جو سیاسی پارٹی ان سے صنعت و حرفت کی حفاظت کا وعدہ کرے۔ وہ اس کے ٹنڈے چمکھ دینے پر آمادہ ہو جائینگے۔ ان سیاسی پارٹیوں کے فیصلے میں اخبارات بعد دوسرے ترجیح میں ہیں۔ جو ہمیشہ اس حکمت عملی کی خوبیاں بیان کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ حال ہو تو عالم آدمیوں کو کہہ کر یقین نہ آئے کہ تحفظ کی حکمت عملی جس کی حمایت میں اخبارات اور سیاسی لیڈر دونوں ہنر زبان میں ضرور بھی چیز ہوگی لیکن ایک کا رخانے والا جس چیز کی زیادہ قیمت لینا چاہتا ہے دوسرا اسے سستا خریدنے کا خواہشمند ہے مثلاً سوٹ کا رخانے والا سوٹ کو گراں قیمت پر بیچنا چاہتا ہے اور پارچہ بانی کے کا رخانے کا مالک سوٹ کو ارزان قیمت پر خریدنا چاہتا ہے۔ اگر غیر ملکی سوٹ پر پابندیاں عائد کر دی جائیں۔ تو اس سے ان دونوں پر مختلف اثر ہوگا۔ اس لئے جب تک کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ اس بحث میں دونوں کا طریق عمل جداگانہ ہوگا۔ یعنی ایک نو سوٹ پر قیود عائد کرنے کی حمایت کریگا اور دوسرا مخالفت۔ چونکہ کسی ایسے طریقہ کی تلاش ضروری ہے۔ جسے دونوں قبول کر سکیں۔ اس لئے صنعت و حرفت کی حفاظت کے ساتھ ایک اور خرابی کا ظہور بھی ہوگا۔ یعنی ملکی سیاست پر رشوت ستانی کا اثر پڑیگا۔

## انگلستان کی مثال

انگلستان میں غلہ کے قوانین کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس کا صرف یہی سبب نہیں تھا کہ لوگ آزادانہ تجارت کے فوائد محسوس کر چکے تھے۔ ایک باعث یہ بھی تھا کہ نظم و نسق میں خود غرضی اور

بددیانتی ملاحظہ کی جاتی تھی۔ اور تجارت میں بیجا مداخلت کی جاتی تھی۔ اور ان امور نے لوگوں میں غیظ و غضب کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ جب صنعت و حرفت ابتدائی مرحلے طے کر کے متعلقہ شہادت حاصل کر لے۔ تو رشوت ستانی اور بددیانتی کے اندیشہ سے حفاظت کی حکمت عملی کو ترک کرنا پڑیگا۔ اس چیز کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ جن ملکوں میں اس حکمت عملی کا تجربہ کیا گیا ہے وہاں اس سے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اکثر ممالک نے صنعت و حرفت کے تحفظ کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے لیکن جو ملک تمدن اور تہذیب میں بڑے ہوئے ہیں۔ وہاں تجارت پر پابندیاں نہیں۔

انگلستان۔ ہالینڈ۔ بلجیم اور بہت حد تک ڈنمارک نے عدم مداخلت کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔ جرمنی تحفظ کی پالیسی پر عامل ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ مرکزی حکومت کو روپیہ کی ضرورت تھی۔ اور ماتحت ریاستوں کو روپیہ دینے سے انکار تھا۔ چونکہ مرکزی حکومت کو یہ اختیار نہیں تھا۔ کہ ریاستوں کی مرضی کے بغیر براہ راست محصول لگا سکے۔ اس لئے بسمارک اس بات پر مجبور ہو گیا۔ کہ چونگی کے نرخ زیادہ کر دئے جائیں۔ اس لئے عوام میں اس طریق عمل کو مقبول بنانے کے لئے اسے رنگ دیدیا گیا کہ یہ طریقہ صنعت و حرفت کی حفاظت کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی حالت عجب واضح ہوئی ہے۔ امریکہ نے تمام یورپ علی الخصوص سلطنت متحدہ (جزائر برطانیہ) کے صنعتاء اور ہنرمند کاریگروں کی توجہ منعطف کر لی تھی۔ اور یہ لوگ چاہتے تھے۔ کہ امریکہ کی منڈی پر پورا پورا قبضہ کر لیں۔ اور انگلستان کی مصنوعات سے مقابلہ کر سکیں نہ رہے۔ امریکہ کی مصنوعات بہت حد تک انگریزوں یا یوں کہ ایسے لوگوں کی ہمت کا نتیجہ تھیں۔ جو انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ایک زمانہ میں انگلستان کے بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کے بڑے بڑے صنایع کام لیکر امریکہ چلے گئے تھے۔ بلکہ جنگ عظیم کے زمانہ میں امریکہ کی صنعتوں پر جس قدر روپیہ صرف ہوا۔ وہ انگلستان سے آیا تھا۔ اس طرح ریاستہائے متحدہ امریکہ نے سرمایہ۔ قابلیت۔ اور ہمت سب کچھ یورپ سے مستعار لیا۔ اور ان چیزوں کی مدد سے بڑے بڑے کارخانے قائم کر لئے۔ جاپان نے بھی امریکہ سے

ہستی لیا۔ یعنی یورپ سے مشینیں لیں۔ اُسی سے نظم و نسق کا ڈھنگ اور  
کارخانہ چلانے کا طریقہ سیکھا۔ اور اسی سے سرمایہ لیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پنجاب  
کس حد تک ان مالک کے نقش قدم پر چل سکتا ہے۔ گرمیوں کے دنوں میں  
حراست اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ کارخانوں کی چار دیواری کے اندر رہ کر زیادہ  
دیر تک کام نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر متذکرہ بالا حکمت عملی کے اختیار کرنے میں بہت  
سے دوسرے امور بھی مانع ہیں جن کی بنیاد صرف جذبات پر ہے ❖

اگر یہ بات اطمینان بخش طریقہ پر ثابت ہو جائے۔ کہ اس صوبہ کے اندر بعض  
صنعتیں ایسی ہیں۔ جنہیں محض اس لئے قائم کرنا یا ترقی دینا ممکن نہیں۔ کہ غیر ملکی  
مصنوعات سے انہیں مقابلہ کرنے پڑے گا۔ اور اگر ان کی حفاظت کی تدابیر اختیار  
کی جائیں۔ تو انہیں اس خطرہ سے نجات ہو جائے گی۔ ساتھ ہی اس بات کا ثبوت  
فراہم ہو جائے۔ کہ ان صنعتوں کی وجہ سے صوبہ کو فائدہ بھی ہو گا۔ تو یہ واقعی حفاظت  
کی تدابیر اختیار کرنے کے حق میں ایک زبردست دلیل ہے۔ لیکن ابھی تک اس بات  
کا ثبوت فراہم نہیں ہو سکا۔ جو لوگ صنعت و حرفت میں ناکام ہوتے ہیں وہ غیر ملکی  
مصنوعات سے مقابلہ کو اپنی ناکامی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ چونکہ ناکامی کی  
وجہ ان کی اپنی ناقابلیت۔ ناجحہ کاری۔ کوتاہ اندیشی اور بے ہنری ہوتی ہے۔  
اس لئے ان کا بیان سننے میں احتیاط برتنا لازم ہے۔ بحالت موجودہ کوئی ایسی  
صنعت نہیں۔ جو کسی حیثیت سے بھی بحث اور غور کا مرکز بنی ہوئی ہو۔ درحقیقت  
ابھی تک اس امر پر بھی اتفاق رائے نہیں ہوا کہ حفاظت کی حکمت عملی کی مدد سے  
کن صنعتوں کو محفوظ رکھنا مقصود ہے۔ ایک ہندوستانی ماہر اقتصادیات اس سلسلہ  
میں کہتا ہے۔ کہ یوں تو ہر اخبار نویس اور لیڈر یہی کہتا ہے۔ کہ اس ملک کی  
صنعتیں ابھی ابتدائی حالت میں ہیں۔ اور جو لوگ ان کے منتظم ہیں۔ وہ بھی کاروباری  
تجربہ اور قابلیت کے اعتبار سے یورپ والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ❖

اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ حکومت تجارت برآمد پر محصول لگا کر اور علیٰ

بخش کر دینی گرانٹ دے کر اس کی سرپرستی کرے۔ لیکن ہندوستان میں صنعت و صنعت کی ترقی کا جو نیا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس قدر محدود ہے کہ ابھی تک اس امر کے متعلق عوام نے واضح طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی۔ کہ اس ملک میں کونسی صنعتیں قائم کی جائیں جن کی حفاظت حکومت کرے۔ سرگرمی اٹھائی بھی تذبذب میں مبتلا رہے۔ کرنی الحال کن صنعتوں کی حفاظت کی جائے۔ انہیں ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی تھا کہ حفاظت کی حکمت عملی کو ایسے امور کی ترقی میں صرف کیا جائے گا جنہیں اکثر ہندوستانی پسند نہیں کریں گے چنانچہ انہیں باتوں سے مجبور ہو کر انہوں نے کہا تھا "میرا عقیدہ ہے کہ بحالت موجودہ آزادانہ تجارت کی حکمت عملی جس سے موزوں طریقہ پر کام لیا جائے ہمارے لئے محفوظ ترین حکمت عملی ہے۔"

آج کل پنجاب میں باہر سے مصنوعات آتی ہیں۔ اور یہاں سے اشیائے خوردنی اور خام اجناس دوسرے ملکوں کو جاتی ہیں۔ نئی صنعتیں کہیں بہت عرصہ میں اس قدر ترقی کریں گی۔ کہ آج کل باہر سے جو چیزیں آتی ہیں ان کے بجائے مانگ پوری کر سکیں۔ جب تک مقامی صنایع یہ چیزیں فراہم نہیں کر سکتے۔ انہیں بیرونی ممالک سے منگوا یا جائے گا۔ اس عرصہ میں پنجاب کے لوگ درآمد شدہ اشیاء کی زیادہ قیمت ادا کرتے رہیں گے۔ اور یہ روپیہ شاہی خزانہ میں داخل ہوتا رہے گا۔ ابھی تک یہ بھی یقینی نہیں۔ کہ جو چیزیں باہر سے منگوائی جاتی ہیں۔ وہ اسی صوبہ کے اندر تیار کی جاسکتی ہیں۔ تجربہ اس خیال کی تائید نہیں کرتا۔ کہ حفاظت کی حکمت عملی سے صنعتوں کو ترقی ہوگی۔ دودھ اور گھی کو درآمد شدہ اشیاء سے مقابلہ کا خطرہ تو نہیں۔ پھر بھی ان دونوں چیزوں کی طلب ان کی رسد سے زیادہ ہے۔ اور اس امر کی جانب کسی کی توجہ نہیں کہ ان اشیاء کی پیداوار میں سرمایہ صرف کرنا چاہئے۔ دوسرے ممالک میں دودھ اور گھی کی پیداوار نے ایک بڑی صنعت کی حیثیت اختیار کر لی ہے جس پر سرمایہ عقل و دانش اور ہمت صرف کی جاتی ہے لیکن یہاں حصول دولت کے اس اہم ذریعہ پر یہ چیزیں صرف نہیں کی جاتیں۔ پیشہ کی صنعت بھی محفوظ ہے۔ کیونکہ آسٹریلیا اور

ہیچیم سے جو شیشہ منگوا یا جاتا ہے اس کے وسائل حمل و نقل پر بہت لاگت صرف  
 آتی ہے۔ اور جنگ کے زمانہ میں تو ان ملکوں سے بھی شیشہ منگوا یا نہیں جاسکتا تھا۔  
 بایں ہمہ شیشہ کی صنعت کو بھی چنداں فروغ حاصل نہیں ہوا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے  
 ہیں کہ کثیر التعداد لوگ کپڑے۔ چمڑے۔ جواہرات وغیرہ کی صنعتوں پر لگے ہوئے ہیں  
 جو آزادانہ تجارت کے موجودہ طریقہ کے باوجود زندہ ہیں۔ جب یہ لوگ گزشتہ زمانہ  
 میں معاش حاصل کرتے رہے۔ تو اب وہ بجائے اس کے کہ نئی صنعتوں کو صوبہ سے  
 روشناس کرائیں۔ سائمنٹک تعلیم۔ فنی واقفیت رکھنے والے لوگوں کی اعانت اور  
 جدید مشینوں کے توسط سے اپنے پیشوں کو فروغ دے سکتے ہیں۔

متذکرہ بالا امور سے یہ واضح ہو گیا۔ کہ اگر آزادانہ تجارت یا حفاظت کے مسئلہ کی  
 عام حیثیت سے قطع نظر بھی کر لیا جاوے۔ جب بھی اہل پنجاب کے لئے ضروری ہے کہ  
 وہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے بعض خاص امور کے متعلق اطلاع  
 حاصل کریں۔ اس مسئلہ کی حیثیت عمومی میں بعض خود غرضانہ مقاصد کی وجہ سے اس قدر  
 غلط بحث ہو گیا ہے۔ کہ اب اس مسئلہ کے متعلق کوئی منطقی فیصلہ کرنا دشوار ہے۔  
 کہ آزادانہ تجارت مفید ثابت ہوگی۔ یا حفاظت کی حکمت عملی سے زیادہ فائدے  
 حاصل ہونگے۔ اس ملک میں جذبات پرستی کا عنصر اس قدر زیادہ ہے۔ کہ مسئلہ  
 زیر بحث میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی ملک میں  
 صنعتوں کا قیام چاہتے ہیں۔ لیکن ابھی تک انہوں نے یہ بھی فیصلہ نہیں کیا۔  
 کہ انہیں کونسی صنعتیں مطلوب ہیں۔ یا وہ صنعتیں کہاں کہاں قائم کی جائیں گی۔ اور آیا  
 لوگ صنعتوں کے قیام کی خاطر کوئی قربانی یا ایثار بھی کر سکتے ہیں۔ کیا پنجاب کے  
 لوگ اس امر پر تیار ہیں کہ جن مصنوعات کو وہ استعمال کرتے ہیں۔ انہیں محض اس لئے  
 گراں خریدیں۔ کہ ہندوستانی صنعتوں کو ساحلی صوبوں میں فروغ حاصل ہو۔ اگر وہ  
 ویسی مصنوعات کو زیادہ قیمت دے کر خریدنے پر آمادہ ہیں۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا  
 ہے۔ کہ وہ کس حد تک زیادہ قیمت دے سکتے ہیں۔ بیس فیصدی۔ پچاس فیصدی



یا سو فیصدی! اگر کارخانے کے مالک یہ کہہ دیں کہ وہ اپنے کاروبار کے قیام و بقا کے لئے اس حد تک قیمتیں زیادہ لیں گے تو کیا پنجاب کے باشندے اتنی قربانی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ کیا وہ تمام اشیاء کے مزید مصارف کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ یا صرف بعض اشیاء کو زیادہ قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ چیزیں کون کون سی ہیں ؟

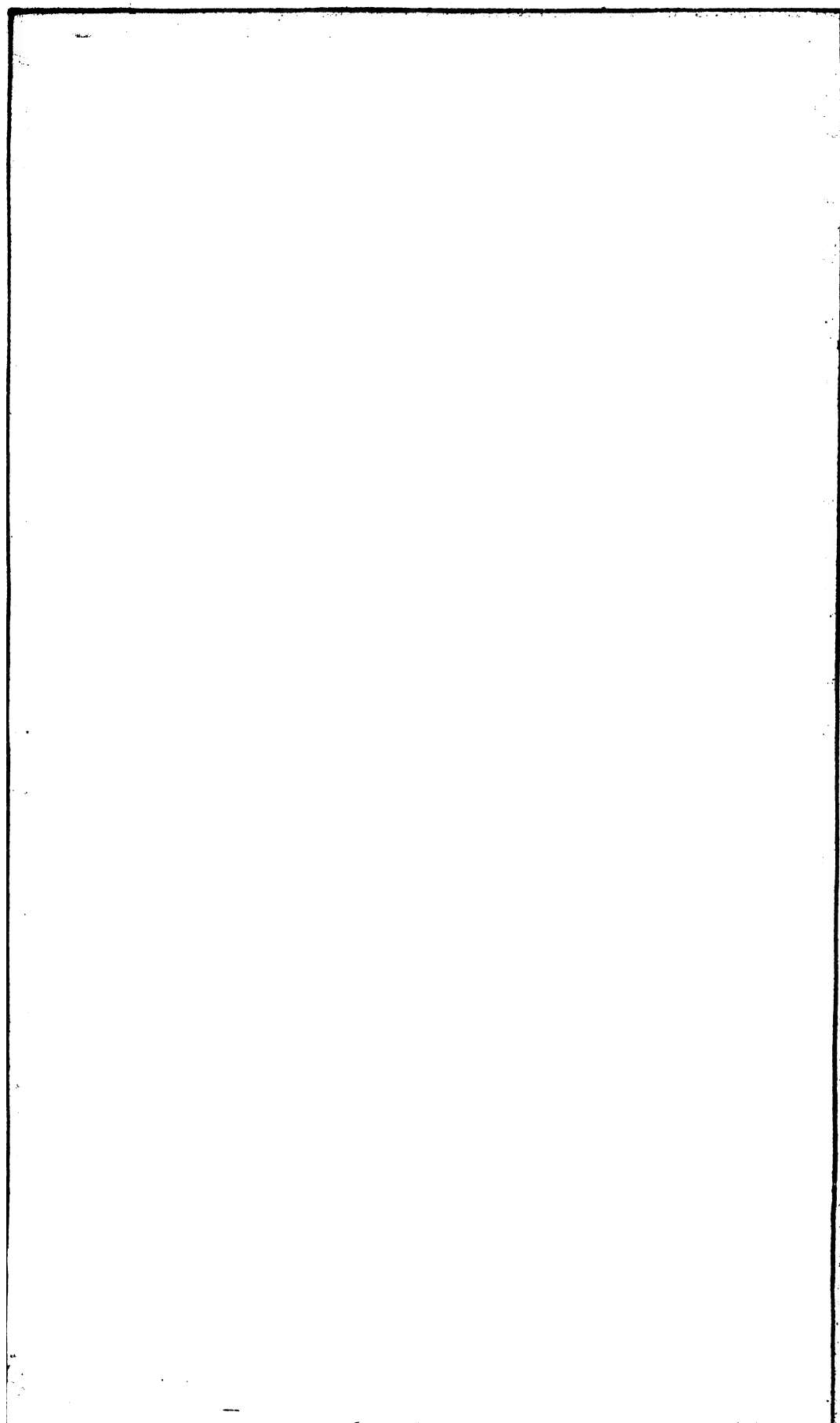
اگر صنعتوں کے مکمل تحفظ کا انتظام کر دیا جائے تو ہر قسم کی غیر مفید صنعتیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ انہیں چلا یا بھی جاسکتا ہے۔ اور ان سے کوئی نہ کوئی شخص فائدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ جب تک پنجاب ہندوستان کی صنعتی ترقی میں خود حصہ نہ لے۔ اس وقت تک یہی کیفیت رہے گی۔ کہ دیسی مصنوعات کی قیمتیں گراں ہوتی چلی جائیں گی۔ اور پنجاب کا معیار زندگی برابر پست ہوتا جائے گا۔ پنجاب اس وقت تک صنعتی ترقی کی عام تحریک میں حصہ نہیں لے سکتا۔ جب تک بعض اشیاء کی ساخت میں اُسے دوسرے صوبوں پر فوقیت حاصل نہ ہو۔ اور ساحلی بھر سے دُوری اور کوئلہ وغیرہ جیسے لوازم کامیابی سے محرومی کے باعث اُسے جو خسارہ ہوگا۔ اُس کی پوری پوری تلافی نہ ہو جائے۔ یہ نہیں کہا سکتا کہ پنجاب میں یقیناً صنعتی کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ کیونکہ ابھی تک یہ بات بھی صاف صاف معلوم نہیں ہوئی۔ کہ یہاں کوئی صنعتیں قائم ہوں گی۔ یہ صحیح ہے کہ پنجاب کے لوگ اپنے صوبہ میں مفید صنعتوں کا قیام چاہتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ زراعت کی ترقی کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں کارخانے قائم کئے جائیں۔ اور یہ بھی مانا کہ جب تک یہاں صنعتیں قائم نہ ہوں متعصب طبقہ کے لوگوں کا مستقبل چنداں روشن نظر نہیں آتا۔ لیکن اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حفاظت کی حکمت عملی سے یہ مقصد حاصل ہو جائیگا ؟

اگر موجودہ حکمت عملی میں کوئی تبدیلی کی گئی تو جو اس سے فوری اثرات رونما ہوں گے وہ ظاہر ہیں حفاظت کی حکمت عملی کا مقصد تو یہ ہے۔ کہ بدیشی مصنوعات جنہیں اس ملک میں سودیشی مصنوعات کی نسبت زیادہ ارزاں قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ نجات

موصول کر لی جائے۔ اس حکمت عملی کا منشا صرف اسی قدر ہے۔ کہ درآمد شدہ اشیاء کی قیمت زیادہ ہو جائے۔ اگر یہ منشا پورا نہ ہوا۔ تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ حفاظت کی حکمت عملی کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی ہے یہ حکمت عملی منڈی کو محض سودیشی مصنوعات کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ اور یہ مصنوعات بدیشی کی نسبت زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جب ملکی صنعتوں کے تحفظ کے لئے بدیشی مال پر محصول لگا دیا جائیگا تو مصنوعات کی قیمتیں بہت بڑھ جائیں گی۔ خواہ اس طرح ملکی صنعتوں کو ترقی ہو یا تنزل بہر حال یہ تو یقینی ہے کہ مصارف زندگی بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ اور یہ امر چند اں یقینی نہیں کہ لوگوں کی آمدنی میں بھی اس قدر اضافہ ہو جائیگا۔ کہ مصارف زندگی کی تلافی ہو جائے۔ جس دن چونگی محصولوں میں اضافہ کیا گیا۔ ملک کو اسی دن سے یقیناً نقصان ہوگا۔ اور اس سے فوائد حاصل کرنے کے لئے عرصہ دراز درکار ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پنجاب کو اس سے مطلقاً کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مقصد سائنٹیفک طریقوں سے جو اضافہ محصول کی طرح بھڑے اور ناقص نہ ہوں حاصل کیا جاسکے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا اس صوبہ کے باشندوں کو آج ہی اس مقصد کے لئے قربانی کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اور صرف یہ امید دلا کر خوش کر دیا جائے۔ کہ انہیں اس قربانی کا معاوضہ زمانہ مستقبل میں ملے گا۔

ختم شد







مطبوعہ کو اپر نیو سٹیم پرنٹنگ پریس و طن بلڈنگس لاہور میں باہتمام  
ملک فیروز الدین صاحب مینجرجھپیا \*







